www.KitaboSunnat.com

طالب الہاشمی

البدر پبلی کیشنز
۲۳ راحت مارکیٹ اردو بازار لاہور۔ فون: 225030

آسمانِ ہدایت کے ستّر ستارے

ستّر صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے ایمان افروز تذکرے

طالب الہاشمی

البدر پبلی کیشنز
اردو بازار ○ لاہور

آسمانِ ہدایت کے ستّر ستارے

مؤلف ــــــ طالب ہاشمی

طبع اوّل: دسمبر ۱۹۸۶ء۔ طبع دوم جولائی ۱۹۹۰ء۔ طبع سوم اپریل ۱۹۹۳ء

تعداد :ــــ گیارہ صد ۱۱۰۰

ناشر:ــ عبدالحفیظ احمد۔ البدر پبلی کیشنز ۲۳۔ راحت مارکیٹ اردو بازار۔ لاہور

کتابت:ــ محمد حفیظ قریشی۔ دھیدو والی (ڈسکہ) ضلع سیالکوٹ

مطبع :ــــ

قیمت: -/۹۵ روپے

فہرستِ مضامین

فہرست اسمائے صحابہ کرامؓ
بلحاظ حروفِ تہجّی

اہم حواشی

۲۹ شعبان المعظم ۱۴۰۸ھ ہجری مطابق ۱۷ اپریل ۱۹۸۸ء کو چار کمسن بچے چھوڑ کر اس دار فانی سے دار بقا کو سدھار گئی —— اور بوڑھے والدین کی کمر توڑ گئی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن —— میری یہ بچی نہایت دیندار، لائق اور فرشتہ خصلت خاتون تھی۔ سرور عالم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم اور آپؐ کے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے اس کو بہت محبت تھی۔ اگر وہ اس وقت زندہ ہوتی تو اس کتاب کو دیکھ کر بہت خوش ہوتی لیکن ہوتا وہی ہے جو اللہ کو منظور ہوتا ہے۔ اس کی مشیت کے سامنے ہمارا سر خم ہے۔ تقدیر کا نوشتہ اور قضا کا حکم ناقابل تفسیر ہے۔

اِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ۔

قارئین کرام سے مؤدبانہ التماس ہے کہ وہ اس کتاب کو پڑھ کر میری مرحومہ بچی کے لیے دعائے مغفرت اور اس کے بچوں کے لیے دعائے سکینت و حفظ و امن کریں۔ اللہ تعالیٰ اُن کو جزائے خیر دے گا۔

اے خالق ارض و سما! اے اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْن! اے غفور و رحیم میری مرحومہ لخت جگر راشدہ ناہید کی لغزشوں سے درگزر فرما، اس کی طویل علالت کو اس کے گناہوں کا کفارہ بنا دے، اس کی حسنات کو قبول فرما، اس کی قبر کو نور سے بھر دے اور اس قبر کو جنت کے باغوں میں سے ایک باغ بنا دے اس کا حشر مومنات اور صالحات کے ساتھ کر اور اس کو اعلیٰ علیین میں جگہ عطا فرما۔ آمین ثم آمین۔ كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ۔

دلفگار باپ: طالب الہاشمی

(یکم مئی ۱۹۸۸ء)

میرے صحابہؓ ستاروں کی مانند ہیں (ارشادِ نبویؐ)

نبیؐ ہیں ماہ، انجم ہیں صحابہؓ
ہے روشن جن کے پرتو سے زمانہ
ہر اک ان میں شرافت کا نمونہ!
فضائل ان کے بے حد کرانہ!
فداکاری میں اک سے ایک بڑھ کر
نبیؐ سے عشق سب کا والہانہ
حدیث شوق میں اک سحر کاری
بیاں میں ایک حسن دلبرانہ
خطابت ان کی دریائے معانی
فصاحت میں بلاغت میں یگانہ

یزدانی جالندھری

پیش لفظ

(پروفیسر ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی صاحب ایم۔اے پی ایچ ڈی)

محترم و مکرم مولانا طالب ہاشمی کی زیرِ نظر کتاب کے نام "آسمانِ ہدایت کے ستّر ستارے" سے میرا ذہن ستارے کے علامتی اور استعاراتی پہلو کی طرف منتقل ہو گیا۔ "ستارہ" روشنی، نور اور چمک دمک کا استعارہ ہونے کے ناتے سے اُمید اور راہنمائی کی علامت ہے۔ علامہ اقبالؒ نے "بانگِ درا" کی نظم "بزمِ انجم" میں ستاروں کو "عروسِ شب کے پیارے پیارے موتی" قرار دیا ہے۔ غالباً اس لیے کہ رات کی تاریکی میں ستارے اپنی پُراسرار ٹمٹماہٹ کے سبب ہمیشہ اُمید اور روشنی کا استعارہ بنتے ہیں۔

شاعرِ مشرق کے ہاں ستارے کہیں تو تحرّک کی علامت ہیں ؎

کام اپنا ہے صبح و شام چلنا چلنا چلنا، مدام چلنا!!

اور کہیں وہ رہبری کا فرض انجام دیتے ہیں ع

رہبر ہے قافلوں کی تابِ جبیں تمہاری

اس کے ساتھ ساتھ وہ بنی نوعِ انسان کو باہمی محبت، اخوت، رواداری اور اتحاد کا درس بھی دیتے ہیں: ؎

ہیں جذب باہمی سے قائم نظام سارے
پوشیدہ ہے یہ نکتہ تاروں کی زندگی میں

اس تناظر میں جب رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان (میرے صحابی ستاروں کی مانند ہیں، تم ان میں سے جس کی بھی پیروی کرو گے، ہدایت پاؤ گے) ہمارے سامنے آتا ہے، تو "آسمانِ ہدایت کے ستر ستارے" کی معنویت سمجھ میں آتی ہے۔ کیسا پُر مغز و معنی خیز نام ہے۔

مولانا طالب ہاشمی نے صحابۂ کرامؓ کے احوال پر اس سے پہلے بھی نو دس کتابیں تصنیف فرمائی ہیں۔ "شمعِ رسالتؐ کے تیس پروانے" ہوں، یا "خیر البشرؐ کے چالیس جاں نثارؓ"، "سرورِ کائناتؐ کے پچاس صحابہؓ" ہوں یا "رحمتِ دارینؐ کے سو شیدائی" ——— فی الحقیقت یہ سب آسمانِ رشد و ہدایت کے درخشندہ ستارے ہی ہیں ——— اور یہ کتاب بھی اُسی سلسلۃ الذہب کی تازہ ترین کڑی ہے۔

یوں ہاشمی صاحب قبلہ نے صفحۂ قرطاس پر، اپنے قلم کے ذریعے ایسی کہکشاں سجائی ہے، جس کے سامنے نظامِ شمسی کی کہکشاں کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔ ہاشمی صاحب کی سجائی ہوئی کہکشاں اپنی چمک دمک، روشنی، نور، حرارت، تابندگی اور تاریکیوں کو منور کرنے میں بے مثال ہے۔

محترم طالب ہاشمی صاحب ایک باصلاحیت قلمکار ہیں۔ عالم ہیں، اشرف

عالم نہیں، عالمِ باعمل ـــــ انھیں اللہ تعالیٰ نے ایسی دولتِ علم سے نوازا ہے، جس کے بارے پیرِ رومی نے کہا ہے: ع

علم را بر دل زنے یارے بود

اس علم نے کیسی "یاری" نبھائی۔ انھیں ایسا توشۂ آخرت فراہم کرنے میں معاونت کی، جس پر ہم جیسے ٹوٹا پھوٹا لکھنے والے رشک کرتے ہیں۔ میں جب ہاشمی صاحب کے تصنیفی سرمائے پر نظر ڈالتا ہوں تو اپنی نام نہاد تحقیق و تنقید قطعی بے کار اور ہیچ محسوس ہوتی ہے۔ انھوں نے اپنی صلاحیتوں کے اظہار کے لیے جو راستہ منتخب کیا، وہ جہاں ان کی نیک نیتی اور خلوص کا مظہر ہے وہاں شہرت و قبولیت اور مال و زر سے ان کی بے نیازی پر دال ہے ـــــ بہ ایں ہمہ:

ـــ ایں سعادت بزورِ بازو نیست ـــ خداوندِ کریم اُن پر مہربان ہے۔

صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے مستند اور جامع تذکار لکھ کر انھوں نے وہ کارنامہ انجام دیا ہے، جو درحقیقت نامی گرامی اور جید علمائے کرام کی ذمہ داری تھی۔ وہ عمر بھر ملازمت کی گاڑی کھینچتے رہے۔ (چند سال پہلے ملازمت سے سبک دوشی کے بعد انھیں فراغت کے لمحات میسر آئے ہیں) ایک سرکاری ملازم کے لیے سارا دن "چکی کی مشقت" اٹھانے کے ساتھ ساتھ "مشقِ سخن" جاری رکھنا کس قدر صبر آزما اور جان لیوا کام ہے، اس کا اندازہ شاید عام قاری، بلکہ بہت سے اہلِ قلم بھی نہیں کر سکتے۔ بقولِ اقبالؒ ع

انھیں کا کام ہے یہ، جن کے حوصلے ہیں زیاد

غیر معمولی مصروفیات کے اس عالم میں انھوں نے جس استقلالِ مزاج کے ساتھ اور جس خاموشی و تندہی سے اور: ع نہ ستائش کی تمنا نہ صلے کی پروا ـــ کا مصداق بن کر اپنا کام جاری رکھا، ہمارے ہاں اس کی مثالیں بہت کم ملتی ہیں۔

اردو کے علمی سرمائے میں دارالمصنّفین کے بعد، اس موضوع پر قابلِ لحاظ کتابیں دستیاب نہیں تھیں، ہاشمی صاحب نے اس خلا کو پُر کر دیا ہے۔ انھوں نے جہاں اپنی عاقبت کا زادِ راہ فراہم کیا ہے وہاں ہم جیسوں کے لیے رُشد و ہدایت کی جوت جگائی ہے۔

ممتاز علمائے کرام نے ان کی تصانیف کی صحت و استناد پر صاد کیا ہے۔ اس بارے میں میرا کچھ کہنا چھوٹا منہ اور بڑی بات ہو گی۔

"پیش لفظ" کی یہ سطور محض تعمیلِ ارشاد کے طور پر لکھی جا رہی ہیں، ورنہ میں خود کو اس موضوع پر کچھ کہنے یا لکھنے کا اہل نہیں پاتا ——— یہ اُن کی ذرّہ نوازی ہے، اور اس کے لیے میں تہہِ دل سے ان کا ممنون و سپاس گزار ہوں۔

دُعائے خیر کا طالب

رفیع الدین ہاشمی

(۱۰ ستمبر ۱۹۸۸ء)

حرفِ چند

(مؤلف)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی : اَمَّا بعد

اس ذاتِ بے ہمتا کا لاکھ لاکھ شکر ہے جس نے مجھ جیسے ہیچمدان بندۂ عاصی کو اپنے محبوب بندوں کی سیرت نگاری کی توفیق بخشی اور اس موضوع پر اب تک ذیل کی کتب پیش کرنے کی سعادت نصیب فرمائی :

۱۔ تیس پروانے شمعِ رسالتؐ کے۔
۲۔ خیر البشرؐ کے چالیس جاں نثارؓ
۳۔ سرورِ کائناتؐ کے پچاس صحابہؓ
۴۔ رحمتِ دارینؐ کے سو شیدائی
۵۔ یہ تیرے پر اسرار بندے
۶۔ تذکارِ صحابیاتؓ
۷۔ سیرت حضرت فاطمۃ الزہراؓ
۸۔ سیرت حضرت سعدؓ بن ابی وقاص
۹۔ سیرت حضرت ابو ایوب انصاریؓ
۱۰۔ سیرت حضرت عبداللہ بن زبیرؓ

زیرِ نظر کتاب "آسمانِ ہدایت کے ستر ستارے" اس سلسلے کی گیارھویں کڑی ہے۔ اس کتاب کو احاطۂ تحریر میں لاتے وقت مجھے جن صبر آزما حالات

سے دوچار ہونا پڑا، اگر ربّ ذوالجلال والاکرام اپنے خاص فضل وکرم سے میری دستگیری نہ فرماتا تو اس کو مکمل کرنا میرے بس سے باہر ہو چکا تھا۔ اس کی تکمیل نے اس بات پر میرے ایمان اور یقین کو اور بھی پختہ کر دیا ہے کہ

"ہر کسے را بہر کارے ساختند"

اللہ تعالیٰ جو کام کسی سے لینا چاہتا ہے ہر صورت میں اس سے لے لیتا ہے۔ اگر وہ ذاتِ رحیم وکریم ہمت اور قوت عطا نہ فرمائے تو کس کی مجال ہے کہ ایک حرف بھی لکھ سکے۔ اگر بارگاہِ ربّ العزت میں آخری دم تک ہر لمحہ سجدہ ریز رہا کرتا رہوں تو بھی اس کے اس کرم اور احسان کا شکر ادا نہیں کر سکتا کہ اس نے میرے دل میں اپنے محبوب بندوں کی محبت پیدا کی اور یہی محبت اُن کی سیرت نگاری کا باعث بنی۔ اب اگر وہ اَرْحَمُ الرَّاحِمِیْن آخرت میں ان کی معیت بھی نصیب فرما دے تو بس میں کامیاب ہو گیا ——— قارئین کرام سے التجا ہے کہ اگر وہ اس کتاب کو کسی درجہ میں بھی مفید پائیں تو آخرت میں میری کامیابی کے لیے دعا کریں۔

سیدالانبیاء والمرسلین رحمتِ دوعالم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے صحابۂ کرامؓ و صحابیاتؓ کی مقدس جماعت کا ہر فرد آسمانِ ہدایت کا روشن ستارہ اور انسانی معاشرے کا گوہرِ شب چراغ تھا۔ اسی لیے زبانِ رسالت سے ان کے بارے میں ارشاد ہوا:

اَصْحَابِیْ کَالنُّجُوْمِ بِاَیِّھِمُ اقْتَدَیْتُمْ اِھْتَدَیْتُمْ

(میرے اصحاب ستاروں کی مانند ہیں جس کی پیروی کرو گے ہدایت پاؤ گے)

حضرات صحابۂ کرامؓ و صحابیاتؓ کی عظمتِ کردار، ان کے مقام و مرتبہ اور مہتم بالشان کارناموں کے بارے میں اس سے پہلے شائع ہونے والی کتابوں کے دیباچوں میں بہت کچھ لکھا جا چکا ہے۔ یہاں میں صرف اس کتاب کے مضامین کے بارے میں چند باتیں عرض کرنا چاہتا ہوں:

جیسا کہ کتاب کے نام سے ظاہر ہے اس میں ستّر صحابۂ کرامؓ کے تذکرے

ہیں۔ ان میں کبار صحابہ (مثلاً حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص، حضرت رافع بن مالک، حضرت ابوالدرداء، حضرت قدامہ بن مظعون، حضرت ابوامامہ باہلی، حضرت ربیعہ بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہم) بھی شامل ہیں اور اصاغر صحابہ بھی (مثلاً حضرت حبیب بن مسلمہ فہری، حضرت شداد بن اوس، حضرت مسوّر بن مخرمہ، حضرت مسلمہ بن مخلد، حضرت سہل بن عدی، حضرت عبداللہ بن بسر، حضرت جنادہ بن امیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم) ان کے علاوہ اس میں آپ کو متعدد ایسے صحابہ کے تذکرے بھی نظر آئیں گے جن کے حالات اردو زبان میں لکھی گئی کسی کتاب میں یکجا نہیں ملتے مثلاً حضرت حکیم بن حزام، حضرت دحیہ بن خلیفہ کلبی، حضرت مجاشع بن مسعود، حضرت عتبہ بن فرقد، حضرت راشد بن عبد ربّ، حضرت زیاد بن حارث الصدائی، حضرت ربیع بن زیاد، حضرت عرباض بن ساریہ، حضرت عیاض بن غنم، حضرت سائب بن اقرع وغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ ضمنی طور پر کتاب کے حواشی میں بھی متعدد صحابہ کے حالات آگئے ہیں ان کو ستر کی تعداد میں اضافہ سمجھئے۔ "آسمانِ ہدایت کے ستارے" کی نسبت سے بہت سے صحابہ کرامؓ کے تذکروں میں ان سے مروی کچھ ایسی احادیث بھی درج کردی گئی ہیں جن کا تعلق اخلاق یا بعض دینی مسائل سے ہے۔

جس زمانے میں یہ کتاب لکھی جارہی تھی میری سب سے بڑی بچی طویل علالت کے بعد چار کمسن بچے چھوڑ کر ہمیں داغِ مفارقت دے گئی۔ اس سانحہ کے دو ماہ بعد میں اپنی والدہ ماجدہ کے سایۂ رحمت سے محروم ہوگیا۔ ان جانکاہ صدموں سے دل و دماغ قدرتی طور پر بہت متاثر ہوئے اس لیے ہوسکتا ہے کہ کتاب میں بہت سے اسقام رہ گئے ہوں۔ قارئین کرام سے عاجزانہ درخواست ہے کہ ان کو جو اسقام اور تسامحات نظر آئیں وہ ازراہِ کرم ان سے مجھے آگاہ فرمائیں تاکہ اگلے ایڈیشن میں انہیں دُور کرسکوں۔

میں محترم پروفیسر ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی صاحب کا صمیمِ قلب سے سپاس گزار ہوں کہ انہوں نے اس کتاب کا پیش لفظ لکھنے کی زحمت گوارا فرمائی۔ دعا ہے اللہ تعالیٰ انہیں اس کارِ خیر کے لیے اجرِ جزیل سے نوازے۔

راجئ غفران و شفاعت
طالب الہاشمی

۱۱۸۔ ڈی/رضوان بلاک/اعوان ٹاؤن
ملتان روڈ۔ لاہور

۱۲ ذی الحجہ ۱۴۰۸ھ مطابق ۲۷ جولائی ۱۹۸۸ء

ہدایت کے ستارے

ہو رَب کی بیکراں رحمت ہدایت کے ستاروں پر!
وہ خوش قسمت ہوئے قرباں جو آقا کے اشاروں پر!
وہ اصحاب پاکؓ جن پر ہر گھڑی رحمت برستی ہے
فلک کی آنکھ اب دیدار کو جن کے ترستی ہے
رَقم کرتی ہے تاریخ اُن کے روشن کارناموں کو!
سلام، انسانیت کرتی ہے حق کے پاسبانوں کو!
یہ دھرتی شاہدِ عادل ہے واللہ اُن کے ایماں پر
وفاؤ عشق پر اخلاص پر احسان و ایقاں پر!!
فلک صد آفریں کہتا ہے دیں کے شاہسواروں کو
نبیؐ کے راز داروں کو، نبی کے جاں نثاروں کو
عظیم الشان تھے دنیا میں پرچم حق کا لہرایا
بشارت مل گئی جنت کی، رحمت کو بھی جوش آیا
تھی ہیبت قیصر و کسریٰ پہ ان کے نام سے طاری
پیام اُن کا ملا تو خشک دریا ہو گئے جاری
صحابہؓ کی جماعت ساری دنیا سے نرالی تھی
خدائے پاک کے ہر حکم پہ مر مٹنے والی تھی
ملا قرآن و سنت کا خزانہ اُن کی برکت سے
بہار آئی نبوت کے چمن میں اُن کی حرکت سے
ملا ان کو خدا سے لَم یَزَل سے تمغۂ رضواں!
انہیں انسانیت کی جاں سمجھتا ہے ہر اک انساں!

جناب قیام الدین الحسینی - پنڈ دادن خان

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ

①

رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک مرتبہ معلوم ہوا کہ آپؐ کے ایک نوجوان ساتھی ہمیشہ دن کو روزہ رکھتے ہیں اور رات بھر نوافل پڑھتے رہتے ہیں۔ آپؐ نے ان صاحب کو بلا بھیجا۔ وہ ایک بلند و بالا سرخ رنگ کے قدرے فربہ اندام نوجوان تھے۔ جب بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے تو آپؐ نے ان سے فرمایا :

"مجھے بتایا گیا ہے کہ تم نے یہ معمول بنا رکھا ہے کہ دن کو ہمیشہ روزہ رکھتے ہو اور رات بھر (نوافل پڑھنے میں) قیام کرتے ہو (کیا واقعتہً ایسا ہی ہے ؟)

انہوں نے عرض کیا : "ہاں یا رسول اللہ"

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

"یہ طریقہ چھوڑ دو، روزے بھی رکھا کرو اور ناغہ بھی کیا کرو، اسی طرح رات کو نماز بھی پڑھا کرو اور سویا بھی کرو کیونکہ تمہارے جسم کا بھی تم پر حق ہے (یعنی جسم پر حد سے زیادہ بوجھ نہ ڈالو) اسی طرح تمہاری آنکھ کا بھی تم پر حق ہے (یعنی اس کو سونے اور آرام لینے کا موقع دو) اسی طرح تمہاری بیوی کا بھی تم پر حق ہے اور تمہارے مہمانوں ملاقاتیوں کا بھی تم پر حق ہے (یعنی ان کو نظر انداز کر کے عبادت میں مشغول نہ رہو) جو ہمیشہ بلا ناغہ روزہ رکھے اس نے

گویا روزہ رکھا ہی نہیں۔ ہر مہینے میں تین دن کے نفلی روزے رکھ لینا (یعنی رمضان المبارک کے فرض روزوں کے علاوہ) ہمیشہ روزہ رکھنے کے حکم میں ہے (کیونکہ ایک نیکی کا دس گنا معاوضہ ہوتا ہے) اس لیے تم ہر مہینے بس تین روزے رکھ لیا کرو اور مہینے میں ایک قرآن پاک (تہجد میں) ختم کر لیا کرو۔"

ان صاحب نے عرض کیا: "یا رسول اللہ! میں اس سے زیادہ کی طاقت رکھتا ہوں (اس لیے مجھے زیادہ کی اجازت مرحمت فرمایئے)"

حضورؐ نے فرمایا: "تو پھر تم داؤد علیہ السلام کی طرح روزے رکھا کرو وہ یوں کہ ایک دن روزہ اور ایک دن افطار (یعنی روزہ کا ناغہ) اور تہجد میں سات دنوں میں ایک قرآن ختم کر لیا کرو اس سے زیادہ نہ کرو۔[1]"

انہوں نے ارشادِ نبوی کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیا اور آئندہ اسی کے مطابق عمل کرنے کا وعدہ کیا۔

یہ صاحبِ رسولؐ جن کا ذوقِ عبادت اس قدر بڑھا ہوا تھا کہ ہمیشہ دن بھر روزہ رکھتے اور ساری ساری رات نوافل پڑھنے میں گزارتے اور جن کو صرف سید المرسلین والانبیاء صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسلم کا حکم ہی اس معمول میں کمی کرنے پر آمادہ کر سکا، سیدنا حضرت عبداللہ بن عمروؓ بن العاص تھے۔

---

[1] صحیح بخاری و صحیح مسلم۔ صحیح بخاری کے باب صوم الدہر کی روایت میں یہ اضافہ ہے کہ جب انہوں نے پہلی مرتبہ عرض کیا کہ میں اس سے زیادہ کی طاقت رکھتا ہوں تو حضورؐ نے فرمایا، ایک دن روزہ اور دو دن افطار کیا کرو۔ انہوں نے دوبارہ عرض کیا کہ میں اس سے بھی زیادہ رکھ سکتا ہوں، اس پر آپؐ نے انہیں ایک دن روزہ اور ایک دن افطار کرنے کا حکم دیا۔ انہوں نے تیسری مرتبہ عرض کیا کہ میں اس سے بھی بہتر روزے رکھ سکتا ہوں۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا۔ اس سے بہتر کوئی روزہ نہیں۔

۲

سیدنا حضرت عبداللہؓ بن عمروؓ بن العاص کا شمار شمع رسالتؐ کے اُن پروانوں میں ہوتا ہے جو آسمانِ علم و فضل کے آفتاب و ماہتاب تھے۔
ان کی کنیت ابو محمد بھی تھی اور ابو عبدالرحمٰن بھی۔ قریش کے خاندان بنو سہم سے تھے۔ سلسلۂ نسب یہ ہے :۔

عبداللہ بن عمروؓ بن العاص بن وائل بن ہاشم بن سعید بن سہم بن عمرو بن ہصیص بن کعب بن لوئیؓ۔

والدہ کا نام ریطہ بنت منبہ تھا۔
والد حضرت عمروؓ بن العاص فاتح مصر اپنی شجاعت و بسالت، تدبیر و حکمت، عسکری مہارت اور بصیرت و ذکاوت کی بنا پر تاریخ اسلام کی نہایت قد آور شخصیت ہیں جبکہ حضرت عبداللہ بن عمروؓ اپنے علم و فضل اور ذوقِ عبادت کے اعتبار سے نہایت اعلیٰ و ارفع مقام رکھتے ہیں۔ وہ قریش کے اُن گنے چُنے لوگوں میں سے تھے جو لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔
حضرت عمروؓ بن العاص نے تو فتح مکہ سے چھ مہینے پہلے اسلام قبول کیا لیکن سعادت مند فرزند حضرت عبداللہؓ ان سے پہلے ہی شرفِ اسلام سے بہرہ ور ہو چکے تھے۔ (اہل سیر نے ان کے قبول اسلام کے سال کی تصریح نہیں کی صرف یہی لکھا ہے کہ وہ اپنے والد سے پہلے سعادت اندوز اسلام ہو چکے تھے۔)
قبولِ اسلام کے جلد ہی بعد وہ مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ آ گئے۔
رسولِ اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیہِ وَسَلَّم سے بے انتہا عقیدت اور محبت تھی۔ ...
بارگاہِ رسالت میں حاضر رہتے تھے اور آپؐ کے ارشا...
شوق سے سنا کرتے تھے۔ ان کو یاد...

تھے۔ (اس کی تفصیل آگے آئے گی)

حضرت عبداللہ بن عمرو رئیس ابن رئیس تھے۔ مکہ میں ان کی زندگی امیرانہ تھی یا سادہ، اس کے بارے میں وثوق سے کچھ نہیں کہا جا سکتا البتہ قبول اسلام کے بعد ان کے شب و روز جس طرح گزرتے تھے اس کا حال پڑھ کر معلوم ہوتا ہے کہ رہبانیت کی طرف مائل ہو گئے تھے۔ عبادت کی کثرت کا یہ حال تھا کہ صحیح معنوں میں دائم الصوم اور قائم اللیل ہو گئے تھے اور اہل و عیال اور دوسرے دنیاوی معاملات سے یکسر بے نیازی اختیار کر لی تھی۔ حضرت عمرو بن العاص ہجرت کر کے مدینہ آئے اور بیٹے کا یہ رنگ دیکھا تو ان کو سمجھایا کہ عبادت میں اتنی شدت مناسب نہیں اعتدال کا راستہ اختیار کرو ــــ لیکن حضرت عبداللہؓ اپنی روش پر قائم رہے۔ اس پر حضرت عمرو بن العاص نے سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر اپنے فرزند کی راہبانہ زندگی کا ماجرا عرض کیا۔ حضورؐ نے حضرت عبداللہؓ کو بلا کر والد کی اطاعت کا حکم دیا اور تلقین فرمائی کہ حقوق اللہ کے ساتھ حقوق العباد کا ادا کرنا بھی ضروری ہے، اس لیے عبادت اسی قدر کرنی چاہیے کہ نہ دوسروں کی حق تلفی ہو اور نہ جسم پر حد سے زیادہ بوجھ پڑے۔ مسند احمد میں ہے کہ آپؐ نے اس موقع پر یہ بھی فرمایا کہ یہی میرا طریقہ ہے اور جو میرے طریقے سے ہٹ کر چلے گا اس کا میری اُمت سے کوئی متعلق نہیں۔

حضرت عبداللہؓ کے اخلاص فی الدین، زہد و عبادت، پاکیزہ اطوار و خصائل اور سماعتِ حدیث کے شوق نے ان کو رحمتِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا موردِ شفقت و الطاف بنا دیا تھا۔ حضورؐ کبھی کبھی ان کے گھر تشریف لے جاتے اور ان کو عبادت میں اعتدال کی روش پر کاربند ہونے کی تلقین فرماتے۔ خود حضرت عبداللہؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے گھر کو اپنے قدومِ میمنت لزوم سے مشرف فرمایا اور مجھے تاکید

فرمائی کہ روزے بھی رکھو اور افطار بھی کرو، نمازیں بھی پڑھو اور آرام بھی کرو۔ جسم اور آنکھوں کا حق بھی ادا کرو اور اہل وعیال اور دوستوں کا بھی۔ اگر روزے رکھنے کا بہت شوق ہے تو داؤد علیہ السلام جیسے روزے رکھو۔ میں نے عرض کیا کہ داؤد علیہ السلام کے روزے کیا تھے۔ فرمایا، نصف عمر (یعنی ایک دن روزہ ایک دن ناغہ)۔ (صحیح بخاری باب حق الجسم فی الصوم)

۳

حضرت عبداللہؓ بن عمرو کو جہاد فی سبیل اللہ کا بے انتہا شوق تھا۔ وہ غزوات میں اکثر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمرکابی کا شرف حاصل کیا کرتے تھے لیکن ارباب سیر نے یہ تصریح نہیں کی کہ انھوں نے عہد رسالت کے کن کن غزوات میں شرکت کی۔ "سنن دار قطنیؒ" کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ غزووں میں بعض دفعہ حضورؐ ان کو کسی اہم خدمت پر مامور فرماتے تھے۔ خود فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے فوج کے لیے اونٹ مہیا کرنے کا حکم دیا، چنانچہ میری تحویل میں جس قدر اونٹ تھے ان سب پر لوگوں کو سوار کرا دیا لیکن پھر بھی کچھ لوگ باقی رہ گئے جن کو سوار کرنے کے لیے کوئی اونٹ نہ تھا۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا:

"یا رسول اللہ! میں نے سارے اونٹ لوگوں میں تقسیم کر دیئے لیکن کچھ لوگوں کو کوئی اونٹ نہیں مل سکا۔"

حضورؐ نے فرمایا:

"ایک ایک اونٹ کے بدلے میں صدقہ کے دو دو تین تین اونٹوں کا وعدہ کر کے کچھ اونٹ حاصل کر لو تاکہ باقی لوگ بھی ان پر سوار ہو سکیں۔"

میں نے ارشادِ نبوی کی تعمیل کی اور جتنے اونٹوں کی ضرورت تھی مہیا کر لیے۔[1]
سنہ ۱۰ ہجری میں حجۃ الوداع کے موقع پر بھی سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب تھے۔ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حجۃ الوداع میں منیٰ میں تشریف فرما تھے کہ ایک شخص آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا، ناواقفیت کی وجہ سے میں نے ذبح کرنے سے پہلے سر منڈوا لیا۔ آپؐ نے فرمایا، ذبح کر اور پھر سر منڈوانے کوئی حرج نہیں۔ دوسرا شخص آیا اور اس نے عرض کیا، ناواقفیت کے سبب میں نے کنکریاں مارنے سے پہلے قربانی کر لی ہے۔ آپؐ نے فرمایا، اب کنکریاں مار لے اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ مختصر یہ کہ تقدیم و تاخیر کے جو مسائل آپ سے دریافت کیے گئے آپؐ نے سب کے جواب میں یہی فرمایا کہ اب کر لے کوئی حرج نہیں ہے۔

(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(۴)

عہدِ رسالت میں حضرت عبداللہ بن عمرؓو کا سب سے نمایاں کام جس کا اربابِ سِیَر نے خصوصیت سے ذکر کیا ہے، احادیثِ نبویؐ کی کتابت ہے۔[2]

---

[1] اس واقعہ کے بہت عرصہ بعد ایک دفعہ ایک شخص نے ان سے پوچھا کہ ابو محمدؓ! ہم لوگوں کا قیام ایک ایسی جگہ ہے جہاں سکے کا رواج نہیں اس لیے ہمارا لین دین اشیاء کے تبادلے کی صورت میں ہوتا ہے۔ ہم بکریوں کے عوض گائیں۔ گائیوں کے عوض گھوڑے اور گھوڑوں کے عوض اونٹ ادھار دے کر خرید و فروخت کرتے ہیں۔ اس میں کوئی شرعی ممانعت تو نہیں؟ حضرت عبداللہؓ نے اس کو یہ واقعہ سنایا اور فرمایا کہ مویشیوں کے بدلے میں مویشیوں کا لین دین کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

[2] منکرینِ حدیث یا حدیث کے متعلق بے اعتمادی پھیلانے والے لوگ کہتے

(باقی حاشیہ۔ اگلے صفحہ پر)

حضرت عبداللہؓ کو اکثر بارگاہِ نبویؐ میں حاضر ہونے کی سعادت نصیب ہوتی تھی۔ وہ جو کچھ لسانِ رسالت سے سنا کرتے تھے اس کو لکھ لیا کرتے تھے۔ بعض

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ)

ہیں کہ احادیث رسولِ اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے زمانے میں قلم بند نہیں کی گئی تھیں بلکہ حضورؐ نے ان کے لکھنے سے منع فرمایا تھا۔ اپنے موقف کی تائید میں وہ صحیح مسلم کی یہ حدیث پیش کرتے ہیں کہ حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ لا تکتبوا عنی ومن کتب عنی غیر القرآن فلیمحہ وحدثوا عنی ولا حرج ومن کذب علیّ متعمدًا فلیتبوأ مقعدہ من النار یعنی مجھ سے کچھ نہ لکھو اور جس نے مجھ سے قرآن کے سوا کچھ لکھا ہے اس کو چاہیے کہ اسے مٹا دے اور مجھ سے زبانی حدیثیں بیان کرو اس میں کچھ حرج نہیں مگر جو میری طرف جان بوجھ کر جھوٹی بات منسوب کرے گا وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنائے گا۔

لیکن امام بخاریؒ اور دوسرے محدثین نے اس حدیث کو مضطرب یا موقوف قرار دیا ہے۔ ان کی تحقیق کے مطابق یہ الفاظ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے نہیں بلکہ خود حضرت ابوسعید خدریؓ کے ہیں جن کو غلطی سے راوی نے مرفوعاً نقل کر دیا لیکن بالفرض اگر اس حدیث کو موقوف نہیں بلکہ مرفوع ہی تسلیم کیا جائے تب بھی دوسری بہت سی مستند حدیثوں کی روشنی میں یہ ثابت ہوتا ہے کہ کتابت حدیث کی یہ ممانعت وقتی اور عارضی تھی جو اس زمانے میں قرآن پاک کی حفاظت کے سلسلے میں کی گئی تھی۔ چونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو جوامع الکلم عطا فرمائے تھے اس لیے آپ کو خطرہ تھا کہ نئے نئے لوگ جو ابھی ابھی قرآن سے آشنا ہو رہے ہیں وہی اگر ایک طرف آیات قرآنی کی کتابت کریں گے اور دوسری طرف ارشادات نبوی کی تو قرآن اور حدیث کو خلط ملط کر دیں گے اور اگر خلط ملط نہ بھی کریں گے تو بھی کسی وقت شک پیدا ہو سکتا ہے کہ ایک چیز آیت قرآنی ہے یا حدیث رسولؐ۔ اسی لیے شروع شروع (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اصحاب نے انہیں ایسا کرنے سے منع کیا اور کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی رضا کی حالت میں بولتے ہیں اور کبھی غضب کی حالت میں تم سب کچھ لکھ ڈالتے ہو؟ اس پر حضرت عبداللہؓ نے فیصلہ کیا کہ جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ)

میں آپ نے کتابتِ حدیث سے منع فرمایا ہو گا مگر جب یہ حالت نہ رہی اور احادیث کے قرآن سے اشتباہ کا اندیشہ جاتا رہا تو آپؐ نے احادیث لکھنے کی اجازت دے دی۔ اس کی تائید میں بہت سی مستند روایات کتبِ حدیث میں موجود ہیں ان میں سے ایک تو حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے مروی مشہور حدیث ہے جو متن میں بیان کر دی گئی ہے۔ کچھ دوسری احادیث یہ ہیں:

(۱) حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ فتح مکہ کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خطبہ دیا جس میں حرم مکہ کے احکام اور قتل کے معاملہ میں چند قوانین بیان فرمائے۔ اہلِ یمن میں سے ایک شخص (ابوشاہؓ) نے اٹھ کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ یہ احکام مجھے لکھوا دیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا یہ احکام لکھ کر اسے دے دو۔ (صحیح بخاری)۔

(۲) حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ صحابہ میں سے کوئی مجھ سے زیادہ حدیثیں نہ رکھتا تھا مگر عبداللہ بن عمروؓ بن العاص اس سے مستثنیٰ ہیں اس لیے کہ وہ لکھ لیتے تھے۔ اور میں نہ لکھتا تھا۔ (بخاری۔ مسلم۔ ترمذی۔ ابوداؤد۔ نسائی)

(۳) حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک انصاری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں بیٹھتے آپؐ کے ارشادات سنتے اور بہت پسند کرتے لیکن یاد نہ رکھ پاتے۔ آخر انھوں نے اپنے حافظے کی کمزوری کی شکایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کی کہ یا رسول اللہ! میں آپؐ سے حدیث سنتا ہوں مگر یہ مجھے یاد نہیں رہتی اس پر آپؐ نے ارشاد فرمایا، "استعن بیمینک واومأ بیدہ للخط" اپنے داہنے ہاتھ سے مدد لو ـــــ اور اپنے دستِ مبارک سے لکھنے کی طرف اشارہ فرمایا۔ (جامع ترمذی)

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

سے پوچھ نہ لیں، آپؐ کی کوئی بات نہ لکھیں گے۔ پھر جب انہوں نے حضورؐ سے اس کے بارے میں پوچھا تو آپؐ نے اپنے منہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

اکتب فوالذی نفسی بیدہ ما یخرج منه الا حق

"لکھو اس اللہ کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اس منہ سے حق کے سوا کچھ نہیں نکلتا۔"

یہ روایت خود حضرت عبداللہ بن عمروؓ کی زبانی منقول ہے۔

(ابوداؤد، احمد بن حنبل، دارمی، حاکم، بیہقی فی المداخل)

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

(۴) حضرت رافعؓ بن خدیج سے روایت ہے کہ میں نے بارگاہِ رسالت میں شکایت کی کہ "یارسول اللہ انا نسمع منك اشیاء فنکتبها؟ اے اللہ کے رسولؐ! ہم آپ سے بہت سی باتیں سنتے ہیں اور ان کو لکھ لیتے ہیں تو اس کی نسبت کیا حکم ہے؟ آپؐ نے فرمایا، لکھتے رہو اس میں کوئی حرج نہیں۔

(مجمع الزوائد جلد اول ص۱۵۱ بحوالہ طبرانی)

(۵) حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، سے مختلف لوگوں نے پوچھا اور ایک مرتبہ ان سے اس وقت بھی پوچھا گیا جب وہ منبر پر خطبہ دے رہے تھے کہ آپ کے پاس کوئی ایسا علم بھی ہے جو خاص طور پر رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے صرف آپ ہی کو دیا ہو۔ انہوں نے جواب دیا، نہیں میرے پاس صرف کتاب اللہ ہے اور یہ چند احکام ہیں جو میں نے رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے سن کر لکھ لیے تھے، پھر آپ نے وہ تحریر نکال کر دکھائی اس میں زکوٰۃ، قانونِ تعزیرات، حرمِ مدینہ اور ایسے ہی بعض اور معاملات کے متعلق چند احکام تھے۔

(بخاری، مسلم، احمد بن حنبل، نسائی)

(۶) حضرت عبداللہ بن عمروؓ بن العاص کہتے ہیں کہ رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی خدمت

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

جنابِ رسالت مآب صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سے اجازت ملنے پر حضرت عبداللہؓ نے پھر حدیثیں لکھنی شروع کر دیں اور ان کا ایک مجموعہ مرتب کیا جس کا نام "الصادقہ" تھا۔ اس مجموعے کو وہ نہایت عزیز رکھتے تھے اور کسی حالت میں بھی اس کی مفارقت گوارا نہ کرتے تھے۔ فرماتے تھے:

ما یرغبنی فی الحیٰوۃ الا الصادقۃ

یعنی مجھ کو زندگی کا خواہشمند یہی کتاب "صادقہ" بنا رہی ہے۔ یہ نہ ہو تو مجھے جینے کی خواہش نہیں ہے۔ پھر خود ہی "صادقہ" کی تعریف اس طرح کرتے ہیں:

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ)

میں چند صحابہ بیٹھے تھے میں بھی وہاں حاضر تھا۔ آپؐ نے فرمایا کہ جو آدمی جان بوجھ کر مجھ سے کوئی جھوٹی بات منسوب کرے وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنا لے جب ہم وہاں سے اٹھے تو میں نے ان صحابیوں سے کہا کہ یہ وعید سننے کے بعد آپ لوگوں کو رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کی حدیث بیان کرنے کی ہمت کیسے ہوئی؟ انھوں نے کہا، بھتیجے ہم نے رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسلم سے جو کچھ سنا ہے وہ سب ہمارے پاس لکھا ہوا موجود ہے۔ (مجمع الزوائد جلد دوم ص۱۵۱ ہیثمی)

اس کے علاوہ رسولِ اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے اپنے عمّال کو مختلف علاقوں کی طرف بھیجتے وقت بہت سے موقعوں پر فوجداری اور دیوانی قوانین اور زکوٰۃ اور میراث وغیرہ کے احکام لکھوا کر دیئے تھے۔ ان کو ابوداؤد، دارمی، نسائی، دارقطنی طبقات ابن سعد کتاب الاموال لابی عبید، کتاب الخراج لابی یوسف اور المحلّٰی لابن حزم وغیرہ میں دیکھا جا سکتا ہے۔

(سنت کی آئینی حیثیت از سید ابوالاعلیٰ مودودی)

عہدِ رسالت میں قرآنِ کریم کے علاوہ جو چیزیں لکھی گئیں ان میں سے کچھ کی تفصیل

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

فاما الصادقة فصحیفة کتبتھا من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
یعنی الصادقہ وہ صحیفہ ہے جس کو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے
سُن سُن کر لکھا ہے۔ (سنن دارمی جلد اول صفحہ ۶۹)

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ)

یہ ہے:

۱۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓو بن العاص کا لکھا ہوا مجموعۂ احادیث "الصادقہ" جس میں ایک ہزار حدیثیں تھیں۔ (بخاری، الاصابہ، طبقات ابن سعد)

۲۔ وہ مکاتیب جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف سلاطین و امراء کو ارسال فرمائے تھے۔ (بخاری، تذکرۃ الحفاظ)

۳۔ وہ فرمان جو حضورؐ نے حضرت عمروؓ بن حزم انصاری کو یمن کا حاکم مقرر کرتے وقت ان کو دیا اس میں فرائض صدقات، صلاۃ، مَسِ مصحف، دیات، طلاق، عتاق وغیرہ کے احکام تھے۔ (مسند احمد، مستدرک حاکم، کنز العمال وغیرہ)

۴۔ وہ احادیث جو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لکھ کر اپنے پاس محفوظ کر لیں۔ (صحیحین۔ ابوداؤد۔ نسائی۔ احمد بن حنبل)

۵۔ تحریری احکام صلحنامۂ حدیبیہ اور وہ فرامین جو حضورؐ نے مختلف قبائل کو بھیجے تھے۔ (ابن ماجہ، طبقات ابن سعد)

۶۔ فتح مکہ کا خطبہ جو حضورؐ نے حضرت ابوشاہؓ کو لکھوا کر دیا۔ (صحیح بخاری)

۷۔ مدینہ بھی مکہ کی طرح حرم ہے، اس کے متعلق حضورؐ کی تحریر جو حضرت رافعؓ بن خدیج کے پاس تھی۔ (مسند احمد)

۸۔ حضرت ضحاکؓ بن سفیان کے پاس حضورؐ کی تحریر کرائی ہوئی ایک ہدایت جس میں بیوی کو مقتول شوہر کی دیت دلانے کا حکم تھا۔ (دارقطنی۔ ابوداؤد)

۹۔ فہرست صحابہ جس میں پندرہ سو اصحاب کے نام تھے۔ (بخاری)

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ایک اور روایت میں ہے کہ ایک دفعہ حضرت عبداللہؓ بن عمروؓ نے فرمایا کہ اگر قرآن اور یہ صحیفہ (صادقہ) اور وہط کی جاگیر مجھ کو دے دی جائے تو پھر مجھ کو دنیا کی کچھ پرواہ نہ ہو۔ (اُسُدُ الغابہ جلد ۳ ص۲۳۲ لابن اثیرؒ)

حضرت عبداللہؓ بن عمروؓ کے بعد ان کا مجموعۂ احادیث "الصادقہ" ان کے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

۱۰۔ وہ فرمان جو حضورؐ نے حضرت وائلؓ بن حُجرؓ کو ان کو عازم وطن ہوتے وقت عطا فرمایا۔ اس میں نماز، روزہ، ربٰو اور شراب وغیرہ کے متعلق احکام لکھے ہوئے تھے۔

۱۱۔ کتاب الصدقہ جو رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے اپنی حیاتِ اطہر کے آخری ایام میں اپنے عاملوں کے پاس بھیجنے کے لیے لکھوائی تھی۔ اس میں جانوروں کی زکوٰۃ سے متعلق احکام تھے لیکن ابھی اس کو عُمّال کے پاس بھیجنے کی نوبت نہیں آئی تھی کہ رسولِ اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کی وفات کا سانحہ پیش آگیا۔ پھر خلیفۃ الرسولؐ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اس پر عمل کیا۔ (ابوداؤد۔ ترمذی)

۱۲۔ وہ معاہدات جو آپؐ نے اہلِ نجران اور بعض دوسرے قبائل کے ساتھ تحریری صورت میں کیے۔ (طبقات ابن سعد۔ الاستیعاب لابنِ عبدالبر البدایہ والنہایہ لابن کثیر۔ مجمع الزوائد ہیثمی وغیرہ)

ان تمام تحریروں کا قوی اسناد کے ساتھ ثبوت موجود ہے۔ اس لیے منکرینِ حدیث کا یہ کہنا کہ عہدِ رسالت میں قرآنِ حکیم کے سوا اور کوئی چیز نہیں لکھی گئی (بالخصوص یہ کہ ارشاداتِ نبویؐ رسولِ اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کے سامنے معرضِ تحریر میں نہیں لائے گئے۔) قطعاً غلط اور خلافِ حقیقت ہے۔ اگر یہ لوگ قرآن اور غیر قرآن میں تمیز کر سکتے ہیں تو کیا صحابہ کرامؓ کو معاذ اللہ اتنا شعور نہیں تھا کہ وہ قرآنی آیات اور ارشاداتِ نبویؐ میں فرق اور تمیز نہ کر سکتے۔

صاحبزادے شعیبؒ کو ملا اور ان کے بعد ان کے صاحبزادے عمروؒ کو ملا۔ انہوں نے اپنے والد کے واسطے سے اسی صحیفے کی حدیثیں روایت کی ہیں۔

(تہذیب التہذیب)

حضرت عبداللہؓ کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس قدر عقیدت تھی کہ آپؐ سے کوئی خاص دعا سنتے تو یہ دعا اپنی اولاد کو بھی تلقین فرماتے ایک مرتبہ انہوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا کہ جب تم میں سے کوئی سوتے میں ڈر جائے تو یوں دعا کرے:

اَعُوْذُ بِکَلِمَاتِ اللّٰہِ التَّامَّاتِ مِنْ غَضَبِہٖ وَ عَذَابِہٖ وَمِنْ شَرِّ عِبَادِہٖ وَمِنْ ھَمَزَاتِ الشَّیَاطِیْنِ وَاَنْ یَّحْضُرُوْنِ۔

(یعنی میں اللہ کے بے عیب کلمات کے ذریعہ پناہ مانگتا ہوں خود اس کے غضب اور عذاب سے اور اس کے بندوں کے شر سے اور شیطانی وساوس و اثرات سے اور اس بات سے کہ شیاطین میرے پاس آئیں اور مجھے ستائیں)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پھر شیاطین اس بندے کا کچھ نہ بگاڑ سکیں گے۔

حضرت عبداللہؓ کے صاحبزادے حضرت شعیبؒ کا بیان ہے کہ ہمارے والد کا یہ معمول تھا کہ ان کی اولاد میں جو بڑے اور بالغ ہو جاتے وہ یہ دعا ان کو تلقین فرماتے تاکہ وہ بھی اس دعا کو اپنا معمول بنا لیں اور جو چھوٹے نابالغ بچے ہوتے تو یہی دعا ایک کاغذ پر لکھ کر ان کے گلے میں ڈال دیتے[1]

(سنن ابی داؤد، جامع ترمذی)

---

[1] تعویذ گلے میں ڈال لینے کے بارے میں علماء میں اختلاف ہے۔ جس تعویذ میں قرآنی آیات لکھی گئی ہوں یا کوئی ایسا دعائیہ کلمہ جس میں شرک نہ پایا جاتا ہو، تو بعض بزرگانِ سلف اس کی اجازت دیتے ہیں لیکن بعض کے نزدیک یہ بھی جائز نہیں۔

۵

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ سریر آرائے خلافت ہوئے تو دفعتہً سارے عرب میں فتنۂ ارتداد کے شعلے بھڑک اٹھے۔ حضرت صدیق اکبرؓ نے اس فتنہ کا بڑی استقامت سے مقابلہ کیا اور جب تک اس کا پوری طرح قلع قمع نہ ہوگیا وہ چین سے نہ بیٹھے۔ اس فتنے کے استیصال میں جن صحابۂ کرامؓ نے بھرپور حصہ لیا، حضرت عبداللہؓ کے والد حضرت عمروؓ بن العاص کا نام ان میں بہت نمایاں ہے۔ اہلِ سِیَر نے یہ تصریح نہیں کی کہ حضرت عبداللہؓ مرتدین کے خلاف بھیجے جانے والے مجاہدین کے کسی دستے میں شریک ہوئے یا انہوں نے مدینہ منورہ ہی میں مقیم رہ کر شہر کی حفاظت کا فرض انجام دیا۔ البتہ یہ بات ثابت ہے کہ انہوں نے جہادِ شام میں بھرپور حصہ لیا۔ اس جہاد کا آغاز فتنۂ ردّہ کے استیصال کے فوراً بعد صدیقِ اکبرؓ کے عہدِ خلافت ہی میں ہوگیا تھا۔ صدیق اکبرؓ نے رومیوں سے لڑنے کے لیے جو فوجیں شام روانہ کیں ان میں سے ایک کے سپہ سالار حضرت عمروؓ بن العاص تھے انہیں فلسطین کی تسخیر پر مامور کیا گیا تھا۔ قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عبداللہؓ اپنے والدِ گرامی کے ساتھ ہی ایک مجاہد کی حیثیت سے شام گئے اور رومیوں کے خلاف کئی معرکوں میں دادِ شجاعت دی۔ علامہ ابنِ اثیرؒ نے شام کی سب سے بڑی جنگ "جنگِ یرموک" میں حضرت عبداللہؓ کی سرفروشانہ شرکت کا خصوصیت سے ذکر کیا ہے۔ ان کا بیان ہے کہ حضرت عبداللہؓ اس معرکے میں نہایت پامردی سے لڑے اور نازک سے نازک موقع پر بھی اپنے پائے استقلال میں جنبش نہ آنے دی۔ حضرت عمروؓ بن العاص اپنے فرزند کی دلاوری اور استقامت دیکھ کر اتنے خوش ہوئے کہ اپنا علَم قیادت ان کے ہاتھ دے دیا۔ (اُسد الغابہ جلد سوم)

حضرت عثمان ذوالنّورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ، کے عہدِ خلافت میں

عبداللہ بن سعد بن ابی سرح (جو عبداللہ بن ابی سرح یا ابن ابی سرح کے نام سے مشہور ہیں) مصر کے والی (گورنر) مقرر ہوئے تو انہوں نے امیرالمومنینؓ سے شمالی افریقیہ (طرابلس مراکش تیونس وغیرہ) پر فوج کشی کی اجازت مانگی۔ علامہ ابن اثیرؒ الجزری اور ابن خلدونؒ کے قول کے مطابق یہ واقعہ ۲۶ھ ہجری کا ہے [1] لیکن خلیفہ ابن خیاط نے اپنی تاریخ میں اسے ۲۷ھ کے واقعات میں شمار کیا ہے۔ [2]

حضرت عثمانؓ نے اس معاملہ میں صائب الرائے صحابہ سے مشورہ کیا تو انہیں اس مہم کے حق میں پایا۔ چنانچہ امیرالمؤمنینؓ نے عبداللہ بن ابی سرح کو نہایت خوشدلی سے افریقیہ پر لشکر کشی کی اجازت دے دی۔ ساتھ ہی انہوں نے اس مہم میں شریک ہونے کے لیے مدینہ منوّرہ میں ایک لشکر مرتّب کیا اس لشکر میں بعض دوسرے صحابہ کے علاوہ حضرت عبداللہ بن عمروؓ بن العاص، حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت عبداللہ بن زبیرؓ، حضرت عبداللہ بن جعفرؓ، حضرت حسنؓ بن علی المرتضیٰؓ اور حضرت حسین بن علی المرتضیٰؓ بھی شریک تھے۔ اس لشکر نے افریقیہ پہنچ کر عبداللہ بن ابی سرح کی قیادت میں طرابلس الغرب کو مسخر کیا اور بہت سے دوسرے شہروں اور علاقوں کو بھی مطیع و منقاد کیا۔ شمالی افریقیہ کے ان تمام معرکوں میں حضرت عبداللہ بن عمروؓ دوسرے جوانان قریش کے ساتھ برابر شریک رہے اور ہر معرکے میں اپنی شجاعت اور جانبازی کی دھاک بٹھا دی۔

---

[1] الکامل جلد ۳ ص ۴۵

تاریخ ابن خلدون جلد دوم ص ۱۰۰۳ زیر عنوان :

" ولایۃ عبداللہ بن ابی سرح علیٰ مصر و افریقیہ "

[2] تاریخ خلیفہ بن خیاط جلد ۱ ص ۱۳۴

سنہ ۳۰ ہجری میں مجاہدین اسلام نے امیر المؤمنینؓ کے اذن سے خراسان، طبرستان اور جرجان پر لشکر کشی کی۔ اس مہم کی قیادت حضرت سعیدؓ بن العاص اموی والیٔ کوفہ کر رہے تھے۔ انہوں نے اپنے ساتھ لے جانے کے لیے کوفہ میں جو لشکر مرتب کیا اس میں بھی بہت سے اکابر اصحاب شریک ہوئے۔ ان میں حضرت حذیفہؓ بن الیمان، حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت حسن بن علی المرتضیٰؓ، حضرت حسین بن علی المرتضیٰؓ اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے علاوہ حضرت عبداللہؓ بن عمروؓ بن العاص بھی شامل تھے۔ اس لشکر نے طبرستان پر حملہ کر کے کئی اہم شہر فتح کر لیے۔ جرجان کے حکمران نے مقابلہ کیا اور دوران جنگ میں ایک موقع پر مسلمانوں کو صلوٰۃ الخوف بھی پڑھنی پڑی لیکن بالآخر اس نے ہتھیار ڈال دیئے اور دو لاکھ پر صلح کر لی اسی طرح اس لشکر نے بہت سے دوسرے شہروں کو مطیع کیا اور کثیر مالِ غنیمت حاصل کیا۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کے عہدِ خلافت (سنہ ۳۷ھ) میں جب امیر معاویہؓ والیٔ شام سے اُن کے اختلافات نے جنگ (صفین) کی صورت اختیار کر لی تو حضرت عبداللہؓ کے والد حضرت عمروؓ بن العاص امیر معاویہؓ کی طرف سے لڑائی میں شریک ہوئے۔ حافظ ذہبیؒ نے "تذکرۃ الحفاظ" میں لکھا ہے کہ حضرت عبداللہؓ بن عمروؓ اس خانہ جنگی کے سخت خلاف تھے اور اس میں حصہ نہیں لینا چاہتے تھے لیکن والدِ گرامیؓ کے حکم سے مجبور ہو گئے اور حضرت امیر معاویہؓ کے لشکر میں شامل ہو گئے۔ تاہم انہوں نے والدِ گرامی کو بار بار اس جنگ سے کنارہ کش ہونے کے لیے کہا۔ ابو حنیفہ الدینوری نے "الاخبار الطوال" میں لکھا ہے کہ جنگِ صفین میں امیر معاویہؓ نے

حضرت عبداللہؓ بن عمروؓ کو اپنی فوج کے رسالے کا افسر بنایا لیکن یہ روایت مشکوک ہے۔ اس لیے کہ حضرت معاویہؓ بڑے دانا اور صاحبِ تدبیر آدمی تھے۔ ان کو حضرت عبداللہؓ کے خیالات کا بخوبی علم تھا اور وہ جانتے تھے کہ عبداللہؓ بے دلی سے لڑائی میں حصہ لے رہے ہیں ان سے یہ توقع نہیں کی جا سکتی تھی کہ وہ رسالے کی افسری جیسا اہم منصب حضرت عبداللہؓ کے سپرد کر دیں۔

مُسندِ احمد بن حنبل میں ہے کہ جنگِ صفین میں جب حضرت عمارؓ بن یاسرؓ حضرت علیؓ کی طرف سے لڑتے ہوئے شہید ہوئے تو وہ اپنے والدِ ماجد کے پاس گئے جو اس وقت حضرت امیر معاویہؓ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ انہوں نے والدِ گرامی سے مخاطب ہو کر فرمایا: "ابا جان! کیا آپ کو رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا یہ ارشاد یاد نہیں کہ افسوس عمارؓ کو ایک باغی جماعت قتل کرے گی" حضرت عمروؓ بن العاص نے حضرت معاویہؓ کی طرف دیکھ کر کہا: "آپ نے عبداللہ کی بات سنی؟" انہوں نے جواب دیا: "ان کو ہمیشہ کوئی نئی بات سوجھتی ہے۔ عمارؓ کو ہم نے قتل نہیں کیا بلکہ ان کے قتل کے ذمہ دار وہ لوگ ہیں جو انہیں اپنے ساتھ لے کر آئے۔" (مُسندِ احمد)

ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت عمارؓ کی شہادت کے بعد دو آدمی جھگڑتے ہوئے امیر معاویہؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انعام کے لالچ میں ایک کہتا تھا کہ میں نے عمارؓ کو قتل کیا ہے اور دوسرا کہتا تھا، میں نے کیا ہے۔ اس موقع پر حضرت عمروؓ بن العاص اور حضرت عبداللہؓ بھی موجود تھے۔ حضرت عبداللہؓ نے ان دونوں جھگڑنے والوں سے مخاطب ہو کر فرمایا:

> "تم دونوں میں سے ایک کو دوسرے کا دعویٰ خوشی سے تسلیم کر لینا چاہیے کیونکہ میں نے رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے سنا ہے کہ عمارؓ کو ایک باغی گروہ قتل کرے گا۔"

امیر معاویہؓ نے حضرت عبداللہؓ کی بات سن کر انقباض محسوس کیا! انہوں

نے حضرت عمرو رضی اللہ عنہ بن العاص سے مخاطب ہو کر کہا :

" عمرو! تم اپنے اس دیوانے سے میری جان نہیں چھڑاتے ؟ "

اس پر حضرت عمرو بن العاص نے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مخاطب ہو کر کہا :

" جانِ پدر! اگر تمہارے یہی خیالات ہیں تو پھر تم کیوں ہمارے ساتھ ہو ؟ "

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا :

" آبا جان! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے تلقین فرمائی تھی کہ زندگی بھر باپ کی اطاعت اور فرمانبرداری کرتے رہنا۔ آپ نے مجھے اپنے ساتھ آنے کا حکم دیا میں نے اس کی تعمیل کی۔ اسی لیے آپ مجھے یہاں موجود پاتے ہیں۔ " (مسند احمد جلد ۲ ص ۲۰۶)

جنگِ صفین کا نتیجہ تحکیم کی صورت میں ظاہر ہوا۔ اس سلسلے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے درمیان جو معاہدہ ہوا اس پر جانبین کے معتبر نمائندہ اصحاب نے دستخط کیے۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی جانب سے اس پر دستخط کرنے والے اصحاب میں حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے۔

علامہ ابنِ اثیر رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ جنگِ صفین کے بعد حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ جب تک جیے اس جنگ میں اپنی شرکت پر ہمیشہ متاسف رہے۔ فرمایا کرتے تھے کاش اللہ نے مجھے اس سے بیس سال پہلے اٹھا لیا ہوتا۔

(اُسد الغابہ جلد ۳ ص ۲۲۴)

علامہ ابنِ اثیر رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ جنگِ صفین کے کچھ عرصہ بعد ایک دن حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن عمرو رضی اللہ عنہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ اور کچھ دوسرے اصحاب مسجدِ نبوی میں بیٹھے ہوئے تھے کہ سیدنا حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہما کا اُدھر سے گزر ہوا۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے انہیں دیکھ کر حاضرینِ مجلس سے کہا :

"کیا میں تمہیں وہ انسان دکھاؤں جو آسمان والوں کے نزدیک دنیا میں سب سے زیادہ محبوب ہے۔"

سب نے کہا: "ضرور ضرور"

حضرت عبداللہؓ نے سیدنا حسینؓ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا:

"یہ ہے وہ انسان جو تمہارے سامنے سے گزر رہا ہے۔ جنگِ صفین کے بعد آج تک میرے اور اس کے درمیان کوئی بات چیت نہیں ہوئی لیکن اس کی رضا سے بڑھ کر میں دنیا میں کسی شے کو عزیز نہیں جانتا۔"

حضرت ابوسعید خدریؓ نے فرمایا: "کیا آپ اُن سے مل کر ان کو راضی نہیں کریں گے؟"

حضرت عبداللہؓ بولے: "کیوں نہیں؟"

دوسرے دن وہ حضرت ابوسعید خدریؓ کو ساتھ لے کر سیدنا حضرت حسینؓ کے مکان پر تشریف لے گئے اور اندر آنے کی اجازت چاہی۔ سیدنا حسینؓ ان سے ملنا نہیں چاہتے تھے اس لیے اجازت دینے میں تامل کیا لیکن حضرت عبداللہؓ نے اتنا اصرار کیا کہ آخر انہوں نے اندر بلا لیا۔ حضرت عبداللہؓ نے ان کو وہ حالات بتائے جن کی وجہ سے انہیں جنگِ صفین میں شریک ہونا پڑا تھا ان میں بنیادی بات یہ تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اپنے والد کی فرمانبرداری کا حکم دیا تھا اسی لیے میں والد کے حکم کی تعمیل میں شامی لشکر میں شامل ہو گیا لیکن خدا کی قسم میں نے لڑائی میں نہ تو تلوار اٹھائی نہ کوئی تیر چلایا اور نہ برچھی سے کسی کو زخمی کیا۔ (اُسد الغابہ جلد ۳ صفحہ ۲۳۴)

⑦

قبولِ اسلام کے بعد حضرت عبداللہؓ بن عمروؓ نے اپنی زندگی کا بیشتر حصہ

مدینہ منورہ، طائف اور مصر میں گزرا۔ مصر اُن کے والد حضرت عمروؓ بن العاص نے امیر المؤمنین حضرت عمرؓ فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کے عہدِ خلافت میں فتح کیا تھا۔ مؤرخین نے تصریح تو نہیں کی لیکن قیاس یہ ہے کہ حضرت عبداللہؓ نے بھی اپنے والدِ گرامی کے ساتھ جہادِ مصر میں حصہ لیا اور مصر کی تسخیر کے بعد وہاں کئی سال مقیم رہے۔ حضرت عثمان ذوالنورینؓ کے عہدِ خلافت میں حضرت عمروؓ بن العاص کو امارتِ مصر کے عہدے سے سبکدوش کر دیا گیا اور وہ مدینہ واپس آ گئے۔

حضرت عبداللہؓ نے بھی اسی زمانے میں مصر سے مراجعت کی۔ چند سال بعد حضرت امیر معاویہؓ عالمِ اسلام کے بلاشرکتِ غیرے فرمانروا بنے تو انہوں نے حضرت عمروؓ بن العاص کو دوبارہ مصر کا گورنر مقرر کر دیا۔ حضرت عبداللہؓ بھی والدِ گرامی کے پاس مصر چلے گئے۔ ۴۳ھ یا ۴۷ھ میں حضرت عمروؓ بن العاص مرض الموت میں مبتلا ہوئے تو حضرت عبداللہؓ ان کے پاس ہی تھے۔ وفات سے کچھ دیر پہلے حضرت عمروؓ پر گریہ طاری ہو گیا۔ حضرت عبداللہؓ نے ان سے کہا:

"ابا جان آپ روتے کیوں ہیں، کیا آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فلاں فلاں بشارتیں نہیں دی تھیں؟"

حضرت عمروؓ بن العاص نے فرمایا:

"بیٹا! ایک وقت تھا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سخت عناد رکھتا تھا، پھر وہ وقت آیا کہ آپؐ میرے لیے دنیا کی ہر شے سے بڑھ کر عزیز ہو گئے اور آپؐ سے بڑھ کر میری نگاہ میں کوئی محبوب نہ رہا اگر اس حالت میں مرجاتا تو جنت کی امید تھی پھر زندگی کا تیسرا دور آیا جس میں مَیں نے مختلف قسم کے اعمال کیے اب میں نہیں جانتا کہ میرا کیا حشر ہو گا۔ ہاں میرے پاس سب سے قیمتی متاع لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کی شہادت ہے۔ جب میں مرجاؤں تو نوحہ کرنے والی عورتیں میرے جنازے کے ساتھ نہ جائیں

نہ جنازے کے پیچھے آگ جائے۔ دفن کرتے وقت مٹی آہستہ آہستہ ڈالنا۔ تدفین کے بعد اتنی دیر تک قبر کے پاس رہنا جب تک جانور ذبح ہو کر اس کا گوشت تقسیم ہو جائے ...."

نزع کے وقت ہوش و حواس پوری طرح قائم تھے، اُس وقت حضرت عبداللہؓ نے ان سے کہا: "ابا جان! آپ ذرا اپنی کیفیت تو بیان کریں کہ اس وقت آپ کیا محسوس کر رہے ہیں۔"

انہوں نے فرمایا:

"بیٹا یوں محسوس ہوتا ہے کہ جبل رضوی میری گردن پر ٹوٹا پڑتا ہے۔ میری آنتوں کو کھجور کے کانٹوں پر گھسیٹا جا رہا ہے اور میری جان سوئی کے ناکے سے نکل رہی ہے ــــ جب میں مر جاؤں تو پہلے معمولی پانی سے غسل دینا اور جسم کو کپڑے سے خشک کرنا، پھر تازہ اور صاف پانی سے نہلانا اور تیسری مرتبہ ایسے پانی سے جس میں کافور کی آمیزش ہو، پھر کپڑے سے خشک کرنا۔ کفناتے وقت ازار کس کے باندھنا۔ جنازہ کو نہ تیز اور نہ آہستہ آہستہ لے جانا۔ لوگوں کو جنازہ کے پیچھے رکھنا، اس کے آگے فرشتے چلتے ہیں اور پیچھے انسان۔ قبر کے رکھنے کے بعد مٹی آہستہ آہستہ ڈالنا ــــ"

حضرت عبداللہؓ نے والدِ گرامی کی وصیت پر پورا پورا عمل کیا پھر خود ان کی نمازِ جنازہ پڑھائی اور جبلِ مقطم کے دامن میں سپردِ خاک کر دیا۔

حضرت عبداللہؓ کو والد کے ترکے میں سے کافی دولت اور جائداد ملی۔ اس میں طائف کے قریب وہط نام کی ایک جاگیر بھی تھی۔ کہا جاتا ہے کہ اس کی قیمت کا اندازہ دس لاکھ درہم کے قریب تھا۔ حضرت عبداللہؓ اس میں کھیتی باڑی کرایا کرتے تھے۔ ان کی زندگی اگرچہ زاہدانہ اور عابدانہ تھی لیکن اپنے مال یا جائداد پر کسی کو ناجائز قبضہ کرنے کی اجازت ہرگز نہیں دیتے تھے۔ ایک

مرتبہ وہط کے ایک قطعۂ زمین کے بارے میں کسی شخص سے نزاع کی صورت پیدا ہوگئی۔ یہ جھگڑا اتنا بڑھا کہ فریقین لڑنے مرنے پر تل گئے۔ ان کے چچا خالد بن عاص نے نرمی اختیار کرنے کا مشورہ دیا تو فرمایا:

"میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جو اپنے مال جائداد کی حفاظت کرتا ہوا مارا جائے وہ شہید ہے۔"

(مسند احمد جلد ا ص ۲۰۶)

یہ قضیہ بالآخر باہمی افہام وتفہیم سے طے ہو گیا اور لڑائی تک نوبت نہ پہنچی۔

۶۵ھ ہجری میں حضرت عبداللہؓ مصر کے شہر فسطاط میں مقیم تھے کہ ان کا وقت آخر آ پہنچا اور انہوں نے پیک اجل کو لبیک کہا۔ اس وقت مروان بن الحکم اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی فوجوں میں مصر پر قبضہ کے لیے شدید لڑائی ہو رہی تھی اور جنازہ کو قبرستان تک پہنچانا بہت مشکل تھا اس لیے لوگوں نے انہیں گھر کے اندر ہی قبر کھود کر دفن کر دیا۔ (تذکرۃ الحفاظ۔ لذہبیؒ)

علامہ ابن سعدؒ کے قول کے مطابق اس وقت ان کی عمر ۷۲ سال کی تھی لیکن درایت اور قرائن کی رو سے انہوں نے ۷۲ سال سے خاصی زیادہ عمر پائی۔

(۸)

حضرت عبداللہ بن عمرو ؓ ان عظیم المرتبت صحابہ میں سے ہیں جن کو بارگاہ رسالت میں خاص تقرب اور شرف پذیرائی حاصل تھا اس لیے وہ نبوت کے چشمۂ فیض سے خوب سیراب ہوئے۔ ان سے سات سو احادیث مروی ہیں جن میں ۱۷ متفق علیہ ہیں۔ آٹھ میں بخاری اور بیس میں مسلم منفرد ہیں۔ یہ حدیثیں وہ عہد رسالت ہی میں احاطۂ تحریر میں لے آئے تھے اور اپنے مجموعۂ احادیث کا نام الصادقہ رکھا تھا۔ اس کی حفاظت کا ان کو خاص اہتمام تھا، اگر ان سے کوئی ایسا مسئلہ پوچھا جاتا جس کے بارے میں ان کو زبانی کچھ یاد نہ ہوتا تو "الصادقہ" میں سے دیکھ کر جواب دیتے تھے۔ ایک مرتبہ کسی صاحب نے پوچھا کہ قسطنطنیہ پہلے فتح ہوگا یا رومہ؟

ان کے حافظے میں اس بارہ میں رسول اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا ارشاد محفوظ نہیں تھا اس لیے اپنا صندوق منگایا، اس میں سے "الصادقہ" نکال کر اس پر ایک نظر ڈالی اور فرمایا کہ ہم ایک دن رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے گرد بیٹھے ہوئے حدیثیں لکھ رہے تھے۔ اسی اثنا میں کسی شخص نے پوچھا کہ قسطنطنیہ پہلے فتح ہوگا یا رومہ؟ تو رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا کہ نہیں ہرقل کا شہر (یعنی قسطنطنیہ) پہلے فتح ہوگا۔

(سنن دارمی صفحہ ۶۸ - مسندِ احمد ج ۲ ص ۱۷۶)

حضرت عبداللہؓ بڑے لطف و انبساط کے ساتھ حدیث کی تعلیم دیا کرتے تھے۔ لوگ دُور دُور سے سماعِ حدیث کے لیے ان کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے وہ خندہ پیشانی سے ان کی پذیرائی کرتے اور نہایت شیریں لہجے میں ان کو ارشاداتِ نبوی سناتے۔ ایک دفعہ لوگوں کے ایک بہت بڑے مجمع نے ان کو گھیر رکھا تھا کہ ایک شخص نے بھیڑ کو چیر کر ان کے قریب پہنچنے کی کوشش کی۔ لوگوں نے اسے روکا تو فرمایا کہ اسے آنے دو۔ لوگوں نے اس کو راستہ دے دیا وہ آکر حضرت عبداللہؓ کے سامنے بیٹھ گیا اور بولا: "اے صاحبِ رسولؐ، رسول اللہ صَلَّی اللہُ علیہِ وَسَلَّم کا کوئی ارشاد مجھے سنائیے۔" حضرت عبداللہؓ نے متبسم ہو کر فرمایا:

"میں نے رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے سنا ہے کہ مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں اور مہاجر وہ ہے جس نے اللہ کی منع کی ہوئی چیزوں کو چھوڑ دیا۔"

(مسندِ احمد جلد ۲ ص ۱۹۲)

حضرت عبداللہؓ جہاں بھی تشریف لے جاتے تھے شائقینِ علم ان کی والہانہ پذیرائی کرتے تھے اور ہر وقت سینکڑوں کی تعداد میں ان کے گرد جمع رہتے تھے۔ اہلِ بصرہ کو تو ان سے اس قدر عقیدت تھی کہ اُن کے حلقۂ درس میں غالب تعداد

بصریوں ہی کی ہوتی تھی۔ (تذکرۃ الحفاظ للذہبیؒ)

حضرت عبداللہؓ اپنے دور کے ذی علم صحابہ کی بے حد عزت کرتے تھے اور برملا ان کے علم و فضل کا اعتراف کرتے تھے۔ ایک دفعہ ان کی مجلس میں حضرت عبداللہؓ بن مسعود کا ذکر آیا تو فرمایا:

"تم لوگوں نے ایک ایسے شخص کا ذکر کیا ہے جس کو میں اس دن سے دوست رکھتا ہوں جس دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قرآن چار آدمیوں سے حاصل کرو۔ آپؐ نے سب سے پہلے عبداللہؓ بن مسعود کا نام لیا۔" [1]

فیضانِ نبویؐ سے خوب بہرہ یاب ہونے کے علاوہ حضرت عبداللہؓ نے عبرانی زبان بھی بڑی محنت سے سیکھی اور توریت و انجیل کا گہری نظر سے مطالعہ کیا۔ چنانچہ وہ ایک ایسے عالم بن گئے جن کو قرآنِ حکیم کے ساتھ توریت و انجیل پر بھی عبور حاصل تھا۔

راویانِ حدیث صحابہ کی فہرست میں حضرت ابوہریرہؓ کا نام سب سے پہلے آتا ہے۔ ان سے پانچ ہزار تین سو چوہتر (۵۳۷۴) احادیث مروی ہیں جو کسی ایک صحابی کی مرویات کی سب سے بڑی تعداد ہے لیکن خود حضرت ابوہریرہؓ کا بیان ہے کہ عبداللہ بن عمرو بن العاص کے سوا کسی اور کے پاس مجھ سے زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثیں نہیں ہیں اور یہ اس وجہ سے ہے کہ وہ لکھا کرتے تھے اور میں لکھتا نہ تھا۔ [2] یہاں اشکال پیدا ہوتا ہے کہ مرویاتِ ابوہریرہؓ (۵۳۷۴) کے مقابلے میں مرویاتِ عبداللہ بن عمروؓ کی تعداد صرف سات سو ہے۔

---

[1] یہ حدیث صحیح بخاری میں موجود ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قرآن چار آدمیوں سے سیکھو، عبداللہؓ بن مسعود، سالمؓ (مولیٰ ابو حذیفہؓ) معاذؓ (بن جبل) اور ابیؓ بن کعب سے۔

[2] صحیح بخاری جلد اول ص ۲۲ (صحیح بخاری باب القراء اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم)

جبکہ مذکورہ روایت کی رو سے ان کی تعداد ۵۳۷۴ سے زیادہ ہونی چاہیے۔ حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں اس اشکال کے متعدد جواب دیئے ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمروؓ عبادات میں زیادہ مشغول رہتے تھے بتعلیم اور بیان حدیث کی نوبت کم آتی تھی نیز مصر اور طائف میں زیادہ قیام رہا جو طالبان حدیث کا مرجع نہ تھا۔ (تاریخ علم حدیث از علامہ اشفاق الرحمٰن کاندھلوی)

حضرت عبداللہ بن عمروؓ بن العاص سے مروی پچیس[25] احادیث یہاں تبرکاً درج کی جاتی ہیں:۔

حضرت عبداللہ بن عمروؓ بن العاص سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

(۱) چار عادتیں ایسی ہیں کہ جس میں وہ چاروں جمع ہو جائیں وہ خالص منافق ہے اور جس میں ان چاروں میں سے کوئی ایک خصلت ہو تو اس کا حال یہ ہے کہ اس میں نفاق کی ایک خصلت ہے اور وہ اسی حال میں رہے گا جب تک کہ اس کو چھوڑ نہ دے۔ وہ چاروں خصلتیں یہ ہیں:
جب اس کے سپرد کوئی امانت کی جائے تو اس میں خیانت کرے۔
جب باتیں کرے تو جھوٹ بولے۔
جب کوئی عہد کرے تو اس کی خلاف ورزی کرے۔
اور جب کسی سے مخالفت ہو تو بدزبانی کرے۔
(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(۲) چار باتیں اور خصلتیں ایسی ہیں کہ اگر وہ تم کو نصیب ہو جائیں تو پھر دنیا (اور اس کی نعمتوں) کے فوت ہو جانے اور ہاتھ نہ آنے میں کوئی مضائقہ اور نقصان نہیں (وہ عادتیں ہیں)
امانت کی حفاظت۔ باتوں کی سچائی۔ حسن اخلاق اور کھانے میں احتیاط اور پرہیز گاری۔ (مسند احمد)

(۳) تم میں سب سے اچھے وہ لوگ ہیں جن کے اخلاق اچھے ہیں۔
(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(۴) جو چُپ رہا وہ نجات پا گیا۔ (مُسندِ احمد، مُسندِ دارمی، جامع ترمذی)

(۵) وہ بندہ کامیاب اور بامراد ہوا جس کو اسلام کی حقیقت نصیب ہوئی اور اس کو روزی بھی بقدرِ کفاف ملی اور اللہ تعالیٰ نے اس کو اس قدر قلیل روزی پر قانع بھی بنا دیا۔ (صحیح مسلم)

(۶) جب کوئی حاکم (کسی معاملہ کا) فیصلہ کرنا چاہے اور (حق کے مطابق صحیح فیصلہ کرنے کے لیے) غور و فکر اور کوشش کرے اور صحیح فیصلہ کر دے تو اس کو دوہرا اجر ملے گا (ایک کوشش و محنت کا اور دوسرا صحیح فیصلہ کرنے کا) اور اگر اس نے حقیقت کو جاننے سمجھنے اور صحیح فیصلہ کرنے کی کوشش کی اور اس کے باوجود فیصلہ غلط کر دیا تو بھی اس کو اجر ملے گا (یعنی حق کے مطابق فیصلہ کرنے کی نیت اور محنت کا)
(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(۷) جس نے مجھ پر ایک دفعہ درود بھیجا اللہ تعالیٰ اس پر اس کے بدلے میں دس مرتبہ رحمت نازل فرمائے گا۔ (صحیح مسلم)

(۸) دنیا متاع ہے اور اس کی سب سے بہتر متاع نیک عورت ہے۔
(صحیح مسلم)

(۹) رشتے داروں سے نیک سلوک کرنے والا وہ نہیں جو ان کے اچھے سلوک کا اچھا بدلہ دے بلکہ رشتہ داروں سے نیک سلوک کرنے والا وہ ہے کہ جب اس سے رشتہ کاٹا جائے تو وہ جوڑے۔
(صحیح بخاری)

(۱۰) مجھ سے دین کے احکام لوگوں تک پہنچایا کرو چاہے ایک آیت ہی ہو، نیز یہ بھی فرمایا کہ جس نے جان بوجھ کر مجھ پر جھوٹ بولا (یعنی

جھوٹی بات گھڑ کر کہہ دیا کہ رسول اللہؐ نے ایسے فرمایا ہے) اسے اپنا ٹھکانا جہنم میں بنا لینا چاہیے۔ (صحیح بخاری)

(۱۱) تم سے پہلے جو لوگ تھے وہ کتاب الٰہی میں اختلاف کرنے کے سبب ہلاک ہوئے۔ (صحیح مسلم)

(۱۲) جو شخص نماز پر محافظت کرتا ہے تو یہ نماز اس کے لیے نور کا سبب ہوگی، کمالِ ایمان کی دلیل ہوگی اور قیامت کی بخشش کا ذریعہ اور جو نماز کی محافظت نہ کرے اس کے لیے نہ تو نور کا سبب ہوگی نہ کمال ایمان کا اور نہ بخشش کا ذریعہ اور وہ قیامت کے دن قارون، فرعون، ہامان اور اُبَی بن خلف کے ساتھ ہوگا۔

(مشکوٰۃ بحوالہ مسند احمد، مسند دارمی، شعب الایمان للبیہقیؒ)

(۱۳) رحم کرنے والوں پر رحمان رحم کرتا ہے۔ زمین والوں پر رحم کرو آسمان والا تم پر رحم کرے گا۔ (ابوداؤد۔ ترمذی)

(۱۴) جمعہ کے دن تین قسم کے آدمی مسجد میں آتے ہیں۔ ایک تو وہ جو لغو اور بیہودہ کلام کے لیے حاضر ہوتا ہے (یعنی خطبہ کے وقت بکیار اور لغو کلام کرتا ہے) اور اس کے حاضر ہونے کا یہی صلہ ہے۔ دوسرا وہ شخص جو دعا کے لیے حاضر ہوتا ہے پس وہ دعا کرتا ہے خواہ اللہ اس کو قبول فرمائے یا نہ فرمائے۔ تیسرا وہ شخص ہے جو خاموشی کے ساتھ خطبہ سننے کے لیے حاضر ہوا ہے نہ تو اس نے کسی کی گردن پھاندی اور نہ کسی کو اذیت پہنچائی پس اس کا یہ فعل کفارہ ہے اس جمعہ سے اس جمعہ تک جو اس سے ملا ہوا ہے بلکہ تین دن اور زیادہ کے گناہوں کا کفارہ اور یہ اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو شخص ایک نیکی کرے اس کو دس گنا ثواب ملتا ہے۔ (مشکوٰۃ بحوالہ ابوداؤد)

(۱۵) تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک

اس کی تمام خواہشات میری لائی ہوئی تعلیمات (یعنی قرآن و سُنّت) کے تابع نہ ہو جائیں۔ (کتاب الحجۃ امام نووی باسنادِ صحیح)

(۱۶) رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے نماز کے اوقات کے بارے میں دریافت کیا گیا تو آپؐ نے فرمایا کہ فجر کی نماز کا وقت تو اس وقت تک رہتا ہے جب تک سورج کا ابتدائی کنارہ نمودار نہ ہو اور ظہر کا وقت اس وقت ہوتا ہے جب آفتاب آسمان کے بیچ سے مغرب کی طرف ڈھل جائے اور اس وقت تک رہتا ہے جب تک کہ عصر کا وقت نہیں آجاتا اور عصر کی نماز کا وقت اس وقت تک ہے جب تک سورج زرد نہ پڑ جائے اور سورج کا پہلا کنارہ ڈوبنے لگے اور مغرب کی نماز کا وقت اس وقت ہوتا ہے جب آفتاب ڈوب کر بالکل غائب ہو جائے اور اس وقت تک رہتا ہے جب تک کہ شفق غائب ہو اور عشاء کی نماز کا وقت آدھی رات تک ہے۔

(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(۱۷) سعدؓ بن ابی وقاص وضو کر رہے تھے (اور اس میں ضرورت سے زیادہ پانی استعمال کر رہے تھے) رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم ان کے پاس سے گزرے تو آپؐ نے ان سے فرمایا، سعد یہ کیسا اسراف ہے؟ انہوں نے عرض کیا، حضورؐ کیا وضو کے پانی میں بھی اسراف ہوتا ہے؟ آپؐ نے فرمایا، ہاں یہ بھی اسراف میں داخل ہے اگرچہ تم کسی جاری نہر کے کنارے ہی پر کیوں نہ ہو۔ (مسند احمد، سنن ابن ماجہ)

(۱۸) رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا، جس کے بچہ پیدا ہو اور وہ اس کی طرف سے عقیقہ کی قربانی کرنا چاہے تو لڑکے کی طرف سے دو بکریاں اور لڑکی کی طرف سے ایک بکری کی قربانی کرے۔

(سنن ابی داؤد۔ سنن نسائی)

(۱۹) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تمہارے بچے جب سات سال کے ہو جائیں تو ان کو نماز کی تاکید کرو اور جب دس سال کے ہو جائیں تو نماز میں کوتاہی کرنے پر ان کو سزا دو اور ان کے بستر بھی الگ الگ کر دو۔ (سنن ابی داؤد)

(۲۰) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کی رضامندی والد کی رضامندی میں ہے اور اللہ کی ناراضی والد کی ناراضی میں ہے۔

(جامع ترمذی)

(۲۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو آدمی ہمارے چھوٹوں کے ساتھ شفقت کا برتاؤ نہ کرے اور بڑوں کی عزت نہ کرے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ (جامع ترمذی، سنن ابی داؤد)

(۲۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہم نے پوچھا کہ یا رسول اللہ اسلام میں (یعنی اسلامی اعمال میں) کونسا عمل زیادہ اچھا ہے؟ آپ نے فرمایا، (ایک یہ کہ) اللہ کے بندوں کو کھانا کھلاؤ اور (دوسرے یہ کہ) جس سے جان پہچان ہو اس کو بھی اور جس سے جان پہچان نہ ہو اس کو بھی سلام کرو۔

(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(۲۳) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ماں باپ کو گالی دینا بھی کبیرہ گناہوں میں سے ہے۔ عرض کیا گیا، یا رسول اللہ! کیا کوئی اپنے ماں باپ کو بھی گالی دے سکتا ہے؟
آپ نے فرمایا، ہاں اس کی صورت یہ ہے کہ کوئی آدمی کسی کے ماں باپ کو گالی دے پھر وہ جواب میں اس کے ماں باپ کو گالی دے (تو گویا اس نے خود ہی اپنے ماں باپ کو گالی دلوائی)

(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(۴۴) ایک شخص رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا، یا رسول اللہ میں جہاد پر جانا چاہتا ہوں۔ آپ نے پوچھا، کیا تمہارے ماں باپ ہیں؟ اس نے کہا، جی ہاں ہیں۔ آپ نے فرمایا تو پھر ان کی خدمت اور راحت رسانی میں کوشش کرو (یہی تمہارا جہاد ہے) (سنن ابی داؤد)

(۴۵) رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا کہ خیانت کرنے والے کسی مرد اور خیانت کرنے والی کسی عورت کی شہادت درست نہیں (یعنی قابلِ قبول نہیں) اور کسی زانی اور زانیہ کی شہادت بھی قابلِ قبول نہیں اور کسی دشمنی رکھنے والے کی شہادت بھی اس بھائی کے خلاف جس سے اس کو دشمنی ہو قابلِ قبول نہیں اور جو شخص (اپنی روزی کے لیے) کسی گھرانے سے وابستہ ہو گیا ہو اس گھر والوں کے حق میں اس کی شہادت بھی قابلِ قبول نہیں ہے۔ (سنن ابی داؤد)

حضرت عامرؓ بن بُکیر لیثی

①

رحمتِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کو دعوتِ حق کا آغاز فرمائے ہوئے اڑھائی سال سے کچھ اوپر مدت گزری تو اچانک ایک ایسا واقعہ پیش آیا جس سے اندیشہ ہوا کہ کہیں کفارِ مکہ سے کھلم کھلا تصادم شروع نہ ہو جائے۔ حضورؐ نے اس وقت تک دعوتِ حق کو خفیہ رکھا تھا اور صرف ان سعید الفطرت لوگوں کو اسلام کا پیغام پہنچایا تھا جن کے بارے میں آپؐ کو یقین تھا کہ وہ دلیل وبرہان اور تفہیم و تذکیر سے دعوتِ توحید کو قبول کریں گے اور اس معاملہ کو اس وقت تک راز میں رکھیں گے جب تک کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے علانیہ دعوتِ عام کا حکم نازل نہ ہو۔ چنانچہ مسلمان اس زمانے میں مکہ کی گھاٹیوں میں چھپ چھپ کر نماز پڑھا کرتے تھے۔ علامہ ابن اسحاقؒ کا بیان ہے۔ ایک دن مسلمانوں کی ایک جماعت جب ایک گھاٹی میں نماز پڑھ رہی تھی، کچھ مشرکوں نے انہیں دیکھ لیا اور ان کو بُرا بھلا کہنے لگے۔ مسلمانوں میں حضرت سعدؓ بن ابی وقاص بھی تھے انہیں غصّہ آگیا اور انہیں نے ایک مشرک کو اونٹ کی ہڈی کھینچ ماری جس سے اُس کا سر پھٹ گیا۔ ایک روایت کے مطابق اس شخص کا نام عبداللہ بن خطل تیمی تھا۔ اس واقعہ کے فوراً بعد حضورؐ نے حضرت ارقمؓ بن ابی الارقم کے وسیع مکان کو دعوت و تبلیغ کا مرکز بنا دیا۔ یہ مکان کوہِ صفا کے قریب تھا اور بہت محفوظ تھا۔ حضورؐ اسی میں تشریف فرما رہتے تھے اور یہیں آکر مسلمان آپ کے پاس جمع ہوتے تھے۔ دارِ ارقم کے مرکزِ تبلیغ و دعوت بننے کے بعد ایک دن چار حقیقی بھائی بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے، اسلام قبول کیا اور آپؐ کی بیعت سے مشرف ہوئے۔ اس طرح چاروں

"السابقون الاولون" کی مقدس جماعت میں شامل ہو گئے۔ یہ چار سعادت مند بھائی تھے حضرت عاقلؓ، حضرت ایاسؓ، حضرت خالدؓ اور حضرت عامرؓ۔
ان چاروں کے والد کا نام بکیر بن عبد یالیل تھا (ایک روایت میں ابی بکیر بن عبد یالیل بھی آیا ہے) چاروں کا نسب نامہ یہ ہے:

عاقلؓ، ایاسؓ، خالدؓ، عامرؓ ابناء بکیر بن عبد یالیل بن ناشب بن غیرہ بن سعد بن لیث بن بکر بن عبد مناۃ بن کنانہ کنانی لیثی۔

بعض روایات کے مطابق ان چاروں کی والدہ کا نام عفراءؓ بنت عبید (بن ثعلبہ بن عمرو بن خزرج) انصاریہ تھا۔ ان کا پہلا نکاح حارث بن رفاعہ سے ہوا تھا۔ اُن کی صُلب سے تین بیٹے معاذؓ، عوفؓ اور مُعوّذؓ پیدا ہوئے حارث کی وفات کے بعد ان کا نکاح بکیر بن عبد یالیل لیثی سے ہوا۔ ان کی صلب سے عاقلؓ، ایاسؓ، خالدؓ اور عامرؓ پیدا ہوئے۔ حضرت عفراءؓ کی خوش بختی دیکھیے کہ انہیں نہ صرف خود بلکہ ان کے ساتوں بیٹوں کو بھی شرفِ صحابیت حاصل ہوا اور ساتوں راہِ حق کے سرفروش مجاہد بنے۔ مکہ میں یہ خاندان بنو عدی بن کعب بن لُؤی کا حلیف تھا۔

۲

سنہ ۱۳ بعدِ بعثت میں سرورِ عالم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے صحابۂ کرامؓ کو مدینہ کی طرف ہجرت کرنے کا اِذن دیا تو حضرت عامرؓ، حضرت عاقلؓ، حضرت ایاسؓ اور حضرت خالدؓ چاروں بھائی اپنے اہل و عیال سمیت مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ چلے گئے۔ اس طرح مکہ میں ان کے گھروں کے دروازے بالکل بند ہو گئے۔ علامہ ابنِ سعدؒ کا بیان ہے کہ ہجرت کے بعد حضرت رفاعہؓ بن عبد المنذر نے ان چاروں بھائیوں کو اپنا مہمان بنایا۔ کچھ عرصہ بعد رسول اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے مہاجرین اور انصار کے درمیان عقدِ مواخاۃ قائم کرایا تو حضرت عامرؓ کو

حضرت ثابتؓ بن قیس بن شماس انصاری کا، حضرت عاقل کو حضرت مجذرؓ بن زیاد انصاری کا، حضرت ایاسؓ کو حضرت حارثؓ بن خزمہ انصاری کا اور حضرت خالدؓ کو حضرت یزیدؓ بن ذثنہ انصاری کا مواخاتی بھائی بنایا۔

۲ھ ہجری میں غزوات کا آغاز ہوا تو یہ چاروں بھائی اپنے تین اخیافی بھائیوں حضرت معاذؓ، حضرت عوفؓ اور حضرت معوذؓ سمیت بڑے جوش اور جذبہ کے ساتھ غزوۂ بدر میں شریک ہوئے۔ اس طرح سب کو اصحابِ بدر میں شامل ہونے کا مہتم بالشان شرف حاصل ہو گیا۔ اس غزوہ میں حضرت عاقلؓ، حضرت عوفؓ اور حضرت معوذؓ نے شہادت پائی اور حضرت معاذؓ شدید زخمی ہو گئے [۱]

۳ھ ہجری میں غزوہ اُحد پیش آیا تو اس میں بھی حضرت عامرؓ، حضرت ایاسؓ اور حضرت خالدؓ نے سربکف ہو کر دادِ شجاعت دی۔ حضرت خالدؓ اگلے سال ۴ھ میں سانحہ رجیع میں شہید ہو گئے۔ البتہ حضرت عامرؓ اور حضرت ایاسؓ کو خندق، خیبر اور عہدِ رسالت کے دوسرے تمام غزوات میں بھی شریک ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ فتح مکہ (۸ھ ہجری) اور حجۃ الوداع (۱۰ھ ہجری) میں بھی وہ سرورِ عالم صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کے ہم رکاب تھے۔ ۱۱ھ ہجری میں حضورؐ کے وصال کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ سریر آرائے خلافت ہوئے تو یکایک سارے عرب میں فتنۂ ارتداد کے شعلے بھڑک اٹھے۔ قریشِ مکہ، انصارِ مدینہ اور طائف کے بنو ثقیف کے سوا عرب کا شاید ہی کوئی ایسا قبیلہ ہو جو اس فتنہ سے متاثر نہ ہوا ہو۔ خلافتِ اسلامیہ پر یہ انتہائی نازک وقت تھا۔ لیکن خلیفۃ الرسول سیدنا صدیقِ اکبرؓ نے اس موقع پر بے مثال عزم و ہمت اور

---

[۱] حضرت معوذؓ اور حضرت معاذؓ دونوں بھائیوں نے ابوجہل کو جہنم واصل کیا۔ حضرت معاذؓ کا ایک بازو لڑائی میں شہید ہو گیا لیکن جان بچ گئی۔

قوتِ ایمانی کا مظاہرہ کیا۔ انہوں نے مرتدین اور مانعینِ زکوٰۃ کے سامنے جھکنے سے انکار کر دیا اور ان کے تمام مطالبے رَدّ کر کے اعلانِ جہاد کر دیا۔ اس سلسلے میں انہوں نے مرتدین، مانعینِ زکوٰۃ اور جھوٹے مدعیانِ نبوّت کے خلاف مختلف اطراف میں گیارہ لشکر روانہ کیے۔ حضرت عامرؓ بھی ایک لشکر میں شامل ہو گئے اور علمبردارانِ باطل کے خلاف کئی معرکوں میں دادِ شجاعت دی۔ اس سلسلے کی سب سے خوفناک جنگ مسیلمہ کذّاب کے خلاف یمامہ کے میدان میں ہوئی۔ اس لڑائی میں مسلمانوں کی قیادت حضرت خالدؓ بن ولید کر رہے تھے۔ حضرت عامرؓ بھی اُن کے ساتھ تھے۔ انہوں نے دشمن کے خلاف سر دھڑ کی بازی لگا دی اور نہایت بے جگری سے لڑتے ہوئے شہادت پائی۔

ان کے چوتھے بھائی حضرت ایاسؓ نے طویل عمر پائی اور ۳۴ھ میں بعہدِ خلافت حضرت عثمان ذوالنورینؓ فوت ہوئے۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہم

حضرت خُرَیمؓ بن فاتِکُ الاَسَدی

(۱)

رسالت کے عہدِ باسعادت کا ذکر ہے کہ ایک دن ایک جوان رعنا بارگاہِ نبوّت میں حاضر ہوئے وہ بڑے نفاست پسند اور شوقین مزاج معلوم ہوتے تھے۔ نیچی ازار پہن رکھی تھی[1] سر پر بنے سنورے ہوئے لمبے لمبے خمدار گیسو تھے جو اُن کے دوش پر لہرا رہے تھے۔ سرورِ عالم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ان کو دیکھا تو اُن کا نام لے کر فرمایا:

"یہ کیا اچھے آدمی تھے اگر اتنے لمبے بال نہ رکھتے اور اتنی نیچی ازار نہ پہنتے۔"

یہ جوانِ رعنا لسانِ رسالتؐ سے یہ الفاظ سُن کر اُسی وقت حجام کے پاس گئے اور اپنی لمبی کاکلیں کٹوا ڈالیں پھر اپنی ازار کو نصف ساق تک کر لیا اور عہد کیا کہ عمر بھر یہی وضع قطع رکھیں گے۔ یہ جوانِ رعنا جن کو رحمتِ عالم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے ارشاد کا اس قدر پاس تھا کہ اُس وضع قطع میں رہنا تھوڑی دیر کے لیے بھی گوارا نہ کیا جو حضورؐ نے ناپسند فرمائی، حضرت خُرَیمؓ بن فاتک الاَسَدی تھے۔

(مُسندِ ابی داوُد)

(۲)

حضرت ابویحییٰ خُرَیمؓ بن فاتک کا شمار نہایت عظیم المرتبت صحابہ میں ہوتا ہے۔ اُن کا تعلق عرب کے نامور قبیلے بنو اَسد سے تھا۔

---

[1] ازار کا مطلب پاجامہ یا شلوار ہے بعض اہلِ علم اس کو مذکر لکھتے ہیں۔

سلسلۂ نسب یہ ہے :۔

خُرَیمؓ بن فاتک بن اخرم بن عمرو بن فاتک بن قلیب بن عمرو بن اسد بن خزیمہ

حضرت خُرَیمؓ رسولِ اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی ہجرتِ مدینہ کے بعد اور غزوۂ بدر سے پہلے شرفِ اسلام سے بہرہ ور ہوئے۔ ان کا اسلام لانے کا واقعہ نہایت حیرت انگیز اور دلچسپ ہے۔ امام حاکمؒ اور بعض دوسرے اہلِ سیَر نے یہ واقعہ بہ ادنیٰ تغیر اُن کی اپنی زبانی اس طرح نقل کیا ہے :۔

"میں ایک دفعہ اپنے اونٹوں کو لے کر نکلا (بروایت دیگر اپنے کچھ گمشدہ اونٹوں کی تلاش میں نکلا، اونٹ جنگل میں ایک جگہ مل گئے) اتنے میں شام ہوگئی۔ اونٹوں پر دہشت طاری ہوگئی۔ میں نے ان کو کسی طرح بٹھا دیا اور خود بھی ایک اونٹ کے بازو سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا پھر میں نے زمانۂ جاہلیت کے دستور کے مطابق پکار کر کہا، میں اس وادی کے مالک جن کی پناہ مانگتا ہوں۔

اپنی پکار کے جواب میں مجھے ایک غیبی آواز سنائی دی جو کہہ رہی تھی :

"تجھ پر افسوس ہے کہ جنوں کی پناہ چاہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی پناہ لے جو بزرگ و برتر ہے، نعمتوں سے نوازنے والا اور فضل کرنے والا ہے۔

وہی حلال اور حرام کے احکام نازل کرنے والا ہے اللہ کی وحدانیت کو مان اور کچھ فکر نہ کر۔

جنوں کا ڈر اور خوف دل سے نکال دے اور سورۂ انفال کی آیتیں پڑھ۔

اپنی ہر منزل پر صرف اللہ کو یاد کر۔ میدانوں، ٹیلوں اور پہاڑوں پر اُسی کا ذکر کر۔

جنوں کے مکر وفریب تو آگ میں جھونک دیئے گئے اب جو چیز کام

دے گی وہ پرہیزگاری ہے یا نیکی۔
یہ آواز سن کر میں نے کہا:
"اے نصیحتیں کرنے والے تو یہ کیا کہہ رہا ہے تیری باتیں میری سمجھ سے بالاتر ہیں۔"
جواب میں پھر یہ غیبی آواز سنائی دی:
"میں تمہیں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خبر دیتا ہوں جو بھلائیوں والے اور نیکیوں والے ہیں۔ اس وقت وہ مدینہ منورہ میں رونق افروز ہیں اور لوگوں کو نجات کا راستہ دکھلاتے ہیں وہ قرآن لے کر آئے ہیں جس میں یٰسٓ اور حٰمٓ والی سورتیں ہیں اور ان کے علاوہ بہت سی مفصل آیات بینات ہیں۔ ان سورتوں نے حلال وحرام کے احکام کھول کر بیان کر دیئے ہیں۔ رسول اللہؐ روزے اور نماز کا حکم دیتے ہیں۔ برے کاموں سے لوگوں کو منع کرتے ہیں اور ساری دنیا کی برائیوں کو مٹا رہے ہیں۔
اب میں نے پوچھا: "اللہ تم پر رحمت نازل فرمائے تم کون ہو؟"
جواب ملا:
"میں ہوں مالک بن مالک ایک جن جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کی سعادت نصیب ہوئی ہے۔ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نجد کی طرف مسلمان جنوں کا امیر بنا کر بھیجا ہے اس وادی سے گزر رہا تھا کہ تم کو وادی کے سردار جن سے پناہ مانگتے سنا۔ گویا تم اس کو اللہ کا شریک سمجھتے ہو۔ اس شرک کو برداشت کرنا میرے بس سے باہر تھا اسی لیے تم کو سمجھا رہا ہوں کہ اللہ کے سوا کسی دوسرے کو مت پکارو۔ سیدھا راستہ صرف توحید ہی کا ہے۔ ہر مشکل اور مصیبت میں اللہ ہی کی پناہ ڈھونڈنی چاہیے۔ اے انسان

یہ ہدایت کا راستہ مجھے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دکھایا ہے اس لیے میں ان سے دل و جان سے محبت کرتا ہوں۔"

میں نے کہا: "اے مالک! تمہاری باتیں سن کر میرے دل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت پیدا ہو گئی ہے۔ کاش اس وقت کوئی میرے اونٹوں کی حفاظت کرنے والا ہوتا تو میں مدینہ جا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کرتا۔"

مالک نے کہا "تمہارے اونٹوں کی حفاظت کی ذمہ داری میں لیتا ہوں اور تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ ان کو تمہارے گھر پہنچا دوں گا۔" چنانچہ میں ایک اونٹ پر سوار ہو کر مدینہ منورہ کی طرف چل پڑا۔ اس وقت مجھے مالک نے دعا دی کہ اللہ تیرے ساتھ ہو اور تو خیریت کے ساتھ منزل مقصود پر پہنچ جائے۔ تیری بھلائی اسی میں ہے کہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے اور دین کے پھیلانے میں ان کی مدد کرے۔

آخر میں مدینہ منورہ پہنچ گیا۔ یہ جمعہ کا دن تھا اور میرے ورودِ مدینہ کے وقت لوگ مسجد نبوی میں نمازِ جمعہ کی تیاری کر رہے تھے۔ میں نے سوچا کہ جب لوگ نماز پڑھ لیں پھر مسجد میں جاؤں۔ چنانچہ اپنا اونٹ کسی مناسب جگہ باندھنے کے لیے چلا، اتنے میں دو صحابی حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ میری طرف آئے اور مجھ سے کہا کہ تم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بلاتے ہیں۔ میں نے اونٹ کو مسجد کے قریب باندھ دیا اور مسجد کے اندر داخل ہوا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے دیکھ کر فرمایا "تمہیں معلوم ہے کہ جس شخص نے تمہارے اونٹوں کو تمہارے گھر پہنچانے کا ذمہ لیا تھا، اس نے کیا کیا؟ اس نے وعدہ کے مطابق تمہارے

اونٹوں کو بحفاظت تمہارے گھر پہنچا دیا۔" میں نے کہا، "اللہ اس پر اپنی رحمت نازل کرے۔"

آپ نے بھی فرمایا، "ہاں اس پر اللہ کی رحمت ہو" پھر میں نے کلمۂ توحید پڑھ کر اسلام کی نعمت حاصل کر لی اور اس دن میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطبہ میں یہ فرماتے سنا کہ جو شخص سُنّت کے مطابق اچھی طرح وضو کرے گا اور پھر احسن طریقے سے نماز ادا کرے گا وہ جنت میں داخل ہوگا۔

قبولِ اسلام کے بعد خریمؓ بن فاتک وقتاً فوقتاً بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوتے اور فیضانِ نبوی سے بہرہ یاب ہوتے۔ نہایت نفیس مزاج اور خوش پوش تھے۔ اپنے آپ کو خوب بنا سنوار کر رکھتے تھے لیکن جب حضورؐ نے ان کی لمبی زلفوں اور نیچی ازار کو ناپسند فرمایا تو اپنی وضع قطع بالکل تبدیل کر لی اور قولاً و فعلاً ہر لحاظ سے ہادیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق "اچھے آدمی" بن گئے۔

(۴)

رمضان سنہ ۲ ہجری میں غزوۂ بدر الکبریٰ پیش آیا تو حضرت خریمؓ بن فاتک ان سرفروشوں میں شامل تھے جن کو اس غزوے میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب ہونے پر "اصحابِ بدر" کا مہتم بالشان لقب حاصل ہوا۔ ان کے بھائی حضرت سبرہؓ بن فاتک نے بھی ان کے دوش بدوش اس غزوے میں دادِ شجاعت دی۔ یوں دونوں بھائیوں کو "بدری" ہونے کی لازوال سعادت نصیب ہوگئی۔

اگلے سال سنہ ۳ ہجری میں حضرت خُریمؓ غزوۂ اُحد میں بھی شریک ہوئے اور سر بکف ہو کر لڑے۔

عہدِ رسالت کے دوسرے غزوات میں حضرت خُریمؓ کی شرکت کی

تفصیل کُتُبِ سیر و مغازی میں نہیں ملتی لیکن ہمارا قیاس ہے کہ وہ ان سب یا بعض میں ضرور شریک ہوئے ہوں گے کیونکہ وہ نہایت بہادر اور مخلص مسلمان تھے۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے "الاصابہ فی تمییز الصحابہ" میں لکھا ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ کے عہد خلافت میں حضرت خُرَیمؓ نے شام میں رومیوں کے خلاف کئی معرکوں میں سرفروشانہ حصہ لیا۔ کوفہ آباد ہوا تو وہاں اقامت اختیار کر لی۔ چند سال کے بعد کوفہ سے شام چلے گئے۔ حضرت علیؓ کے عہد خلافت میں مسلمانوں کی باہمی لڑائیوں میں انہوں نے مطلق کوئی حصہ نہ لیا۔ لوگوں سے کہا کرتے تھے کہ جو شخص کلمہ پڑھتا ہو اس سے مت لڑو۔

حضرت خُرَیمؓ نے شام ہی میں امیر معاویہؓ کے عہد خلافت میں وفات پائی۔ حدیث کی کتابوں میں حضرت خُرَیمؓ بن فاتک سے مروی چند احادیث بھی ملتی ہیں ان میں سے دو حدیثیں بطور تبرک یہاں درج کی جاتی ہیں:

(۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن صبح کی نماز پڑھ کر یک دم کھڑے ہو گئے اور فرمایا کہ جھوٹی گواہی اللہ کے ساتھ شرک کرنے کے برابر کر دی گئی۔ یہ بات آپؐ نے تین دفعہ ارشاد فرمائی اور قرآن مجید کی یہ آیت تلاوت فرمائی:
فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ حُنَفَآءَ لِلّٰہِ غَیْرَ مُشْرِکِیْنَ بِہٖ (بتوں کی یعنی بت پرستی کی گندگی سے بچو اور جھوٹی گواہی کہنے سے بچتے رہو، صرف ایک اللہ کے ہو کر، کسی کو اس کے ساتھ شریک نہ کرتے ہوئے)

(سنن ابی داؤد وسنن ابن ماجہ)

(۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص اللہ کی راہ میں کچھ خرچ کرے اس کے لیے سات سو (گنا) لکھا جاتا ہے (یعنی فی سبیل اللہ ایک روپیہ خرچ کرے تو اس کا اجر سات سو روپے کے برابر ملے گا)

(ترمذی شریف)

حضرت ایمنؓ بن خُرَیمؓ الاَسَدی

حضرت ایمنؓ، حضرت خُریمؓ بن فاتک الاسدی کے صاحبزادے تھے جن کا ذکر پیچھے آچکا ہے۔

والدِ گرامی بدری صحابی تھے لیکن ایمنؓ فتح مکہ کے موقع پر ایمان لائے۔ علامہ ابنِ اثیرؒ کا بیان ہے کہ قبولِ اسلام کے وقت اُن کی مَسیں بھیگ رہی تھیں۔ قبولِ اسلام کے بعد حضرت ایمنؓ عہدِ رسالت کے کسی معرکے میں شریک ہوئے یا نہیں، اس کے بارے میں کُتبِ سِیَر خاموش ہیں۔

حضرت عمرِ فاروقؓ کے عہدِ خلافت میں حضرت خریمؓ بن فاتک نے جہادِ شام میں بھرپور حصہ لیا۔ قیاس یہ ہے کہ ایمنؓ نے بھی شام میں رومیوں کے خلاف کئی معرکوں میں حصہ لیا۔

حضرت ایمنؓ نہایت خوش گو شاعر تھے اور اپنے دلی جذبات کا اظہار بے دھڑک شعروں میں کر دیتے تھے۔ مسلمانوں کی خانہ جنگی کو دیکھ کر سخت آزردہ ہوتے تھے اس لیے عمر بھر اس سے کنارہ کش رہے۔

امیرالمومنین حضرت عثمان ذوالنورینؓ مظلومانہ شہید ہوئے تو ان کو بہت دُکھ ہُوا اور اپنے دلی جذبات کا اظہار اس شعر میں کیا:-

ان الذین تولوا قتلہ سفھًا
لقوا اثامًا خسرانًا دمار بحوا

(الاصابہ)

(جن لوگوں نے بیہودگی کی وجہ سے قتلِ عثمانؓ کا ارتکاب کیا انہوں نے گناہ اور گھاٹے کے سوا کچھ حاصل نہ کیا۔)

حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت امیر معاویہؓ کے درمیان مدتوں معرکے ہوتے رہے لیکن حضرت ایمنؓ نے ان میں کوئی حصہ نہ لیا۔ البتہ جب صفین میں دونوں فریقوں کا تحکیم پر اتفاق ہوگیا اور حضرت علیؓ کی طرف سے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کو اور امیر معاویہؓ کی طرف سے حضرت عمرو بن العاص کو حکم مقرر کیا گیا تو حضرت ایمنؓ نے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کے حکم بنائے جانے کو ناپسند کیا اور شعروں میں اس کا برملا اظہار کیا۔ ان کے خیال میں اس کام کے لیے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کے بجائے حضرت عبداللہ بن عباسؓ موزوں ترین شخصیت تھے۔ اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ دل سے حضرت علیؓ کے حامی اور خیر خواہ تھے۔

ابو حنیفہ دینوری نے "الاخبار الطوال" میں لکھا ہے کہ جس زمانے میں جنگ صفین ہو رہی تھی، حضرت امیر معاویہؓ نے حضرت ایمنؓ بن خریمؓ کی حمایت حاصل کرنے کے لیے فلسطین کا ایک ضلع دینے کی پیشکش کی لیکن انہوں نے اسے قبول کرنے سے انکار کر دیا اور یہ شعر کہے:

(۱) لَسْتُ بِقَاتِلٍ رَجُلًا يُصَلِّي
عَلٰى سُلْطَانِ آخَرَ مِنْ قُرَيْشٍ

(۲) لَهٗ سُلْطَانُهٗ وَعَلَيَّ اِثْمِيْ
مَعَاذَ اللّٰهِ مِنْ سَفَهٍ وَطَيْشٍ

(۳) أَأَقْتُلُ مُسْلِمًا مِنْ غَيْرِ حَقٍّ
فَلَيْسَ بِنَافِعِيْ مَا عِشْتُ عَيْشِيْ

① میں کسی بھی شخص کو جو نماز پڑھتا ہو محض کسی قریشی کے حکم پر قتل نہیں کر سکتا۔

② وہ جانے اور اس کا حکم، میں گنہگار کیوں بنوں، ایسی حماقت اور بے عقلی سے خدا کی پناہ۔

④ میں ناحق کسی مسلمان کو قتل کر ڈالوں ؟ اگر ایسا فعل مجھ سے
سرزد ہو جائے تو پھر جب تک زندہ رہوں گا میری زندگی مجھے
کوئی نفع نہیں پہنچا سکتی ۔

علامہ ابنِ اثیرؒ کا بیان اس سے مختلف ہے وہ لکھتے ہیں کہ جب مروان بن الحکم
نے ضحاک بن قیس سے جنگ کی تو ایمنؓ کو بُلا بھیجا اور ان سے کہا کہ آپ بھی
ہمارا ساتھ دیں اور ضحاک بن قیس کے خلاف لڑیں۔ انہوں نے یہ کہہ کر انکار کر دیا
کہ میرے والد اور چچا اصحابِ بدر میں سے ہیں انہوں نے مجھے وصیت کی تھی کہ
جو شخص کلمہ طیبہ پڑھتا ہو اس سے نہ لڑوں۔ اگر آپ مجھے آتش دوزخ سے
بچنے کی سند لا دیں تو میں آپ کے ساتھ مل کر لڑوں گا۔ اس پر مروان غضب ناک
ہو گیا اور ان کو سخت سست کہا۔ اس کے جواب میں حضرت ایمنؓ نے
مندرجہ بالا اشعار پڑھے۔

لڑائیوں سے کنارہ کش رہنے کے باوجود حضرت ایمنؓ کے اُموی خُلفاء
سے بہت خوشگوار مراسم تھے اور وہ ان کے پاس اکثر آتے جاتے رہتے تھے۔
اسی لیے ان کو "خلیلُ الخُلفاء" (خُلفاء کے دوست) کہا جاتا ہے۔

حضرت ایمنؓ کی تاریخ وفات کسی کتاب میں نہیں ملتی البتہ خلیفہ
عبدالملک بن مروان کے زمانے تک ان کا پتہ چلتا ہے۔ ان سے دو حدیثیں
مروی ہیں۔ (تہذیب الکمال)

حضرت قدامہؓ بن مظعون جمحی

①

قدرت کی کرشمہ سازیاں بھی عجیب ہیں۔ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوتِ حق کا آغاز فرمایا تو جہاں قریش کی شاخ بنو جمح کے دو بڑے سردار اُمیہ بن خلف اور اُبی بن خلف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بدترین دشمن بن گئے وہاں اسی خاندان کے چند سلیم الفطرت اصحاب نے بلا تامل دعوت توحید پر لبیک کہا اور اپنا سب کچھ راہِ حق میں وقف کر دیا۔ سیدنا حضرت قدامہؓ بن مظعون انہی اصحاب میں سے تھے۔ وہ آغازِ رسالت اور خفیہ دعوت کے ابتدائی تین سالوں میں اپنے بھائیوں حضرت عثمانؓ بن مظعون، حضرت عبداللہؓ بن مظعون، اور بھتیجے حضرت سائب بن عثمانؓ بن مظعون کے ساتھ شرف اسلام سے بہرہ ور ہوئے اور سابقون الاولون کی مقدس جماعت میں امتیازی جگہ حاصل کر لی۔ یوں یہ گھرانا ـــــــ "ایں خانہ ہمہ آفتاب است" کا مصداق بن گیا۔

قبولِ اسلام کے وقت حضرت قدامہؓ کی عمر انیس بیس برس کی تھی گویا وہ عنفوانِ شباب ہی میں راہِ حق کے مسافر بن گئے۔

حضرت قدامہؓ بن مظعون کا سلسلۂ نسب یہ ہے:

قدامہؓ بن مظعون بن حبیب بن وہب بن حذافہ بن جمح القرشی

ان کی کنیت باختلافِ روایت ابو عمر یا ابو عمرو تھی۔ سیدنا حضرت عمر فاروقؓ کی ہمشیرہ صفیہ بنتِ خطاب ان کے نکاح میں تھیں۔ اسی طرح ان کی بہن حضرت زینبؓ بنت مظعون حضرت عمر فاروقؓ کے نکاح میں تھیں۔ اس نسبت سے وہ اُمّ المومنین حضرت حفصہؓ بنتِ عمرؓ اور فقیہ الامت حضرت عبداللہؓ بن عمرؓ کے ماموں تھے۔

مکہ میں جوں جوں اسلام کی دعوت پھیلی مشرکین قریش کی آتش غضب بھی بھڑکنے لگی اور انہوں نے اہلِ حق پر بے پناہ ظلم وستم توڑنے شروع کر دیئے۔ جب یہ مظالم ناقابلِ برداشت حد تک پہنچ گئے تو ۵ھ بعد بعثت میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مظلوم اصحاب سے فرمایا:

"لو خرجتم الی ارض الحبشۃ فان بھا ملکا لا یظلم عندہ احد وھی ارض صدق حتی یجعل اللہ لکم فرجا مما انتم فیہ"

(یعنی اچھا ہو کہ تم لوگ یہاں سے نکل کر حبش چلے جاؤ وہاں ایک ایسا بادشاہ ہے جس کے ہاں کسی پر ظلم نہیں ہوتا اور وہ بھلائی کی سرزمین ہے۔ جب تک اللہ تمہاری اس مصیبت کو رفع کرنے کی کوئی صورت پیدا نہ کرے، تم لوگ وہاں ٹھہرے رہو۔)

اس ارشاد کے مطابق ۱۱ مردوں اور ۴ خواتین پر مشتمل ایک قافلہ مکہ سے ہجرت کرکے حبش چلا گیا۔ اس قافلے میں حضرت قدامہؓ کے بڑے بھائی حضرت عثمانؓ بن مظعون بھی شامل تھے۔ تین چار ماہ بعد یہ سب (یا ان میں سے بیشتر اصحاب، جن میں حضرت عثمانؓ بن مظعون بھی تھے) یہ خبر سن کر کہ قریش مکہ مسلمان ہوگئے، واپس آگئے۔ لیکن یہ خبر غلط نکلی اور واپس آنے والوں نے مشرکین کو پہلے کی طرح مسلمانوں پر ظلم توڑنے میں دلیر پایا۔ چنانچہ ۶ھ بعد بعثت (۶۱۵ء) میں حضورؐ نے مسلمانوں کو پھر ہدایت فرمائی کہ حبش کی طرف ہجرت کر جاؤ۔ چنانچہ اسی۸۰ سے زیادہ مردوں اور اٹھارہ اُنیس خواتین پر مشتمل ایک بڑے قافلے نے حبش کی راہ لی۔ اس قافلے میں حضرت قدامہؓ بن مظعون، ان کے بھائی حضرت عثمانؓ، حضرت عبداللہؓ اور بھتیجے حضرت سائبؓ بن عثمانؓ بھی شامل تھے۔ مشرکین نے ان اہلِ حق کو ہجرت سے روکنے کی بہت کوشش کی اور ان کے راستے میں طرح طرح کے روڑے اٹکائے لیکن مہاجرین کا یہ قافلہ بخیریت حبش پہنچ گیا۔

②

حضرت قدامہؓ بن مظعون اور ان کے بھائیوں اور بھتیجے نے چند سال حبش کے غربت کدہ میں گزارے، اس کے بعد وہ سب سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت الی المدینہ سے کچھ عرصہ پہلے حبش سے واپس مکہ آگئے۔ ۱۳ھ بعد بعثت میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب کو مدینہ کی طرف ہجرت کرنے کا اذن دیا تو حضرت قدامہؓ بھی اپنے بھائیوں اور دوسرے اہلِ خاندان کے ساتھ ہجرت کر کے مدینہ چلے گئے۔

علامہ ابن سعدؒ کا بیان ہے کہ حضرت قدامہؓ اور ان کے مومن اعزہ نے مکہ کو اس طرح خالی کر دیا کہ ان کے خاندان کا ایک فرد بھی وہاں رہنے نہ پایا۔ اور ان کے مکانوں پر تالے پڑ گئے۔ مدینہ میں حضرت عبداللہؓ بن سلمہ عجلانی نے نے اس خاندان کو اپنا مہمان بنایا۔ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لائے تو آپؐ نے حضرت قدامہؓ اور ان کے بھائیوں کو مستقل سکونت کے لیے وسیع قطعاتِ زمین مرحمت فرمائے۔

غزوات کا آغاز ہوا تو حضرت قدامہؓ نے بدر سے لے کر تبوک تک عہدِ رسالت کے تمام غزوات میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمرکابی کا شرف حاصل کیا۔ عہدِ رسالت کی شاید ہی کوئی بڑی سعادت ایسی ہو جو ان کو حاصل نہ ہوئی ہو۔

علامہ ابنِ اثیرؒ کا بیان ہے کہ حضرت قدامہؓ کے بڑے بھائی حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ۲ھ ہجری کے اخیر میں وفات پائی۔ وفات سے پہلے انہوں نے حضرت قدامہؓ کو وصیت کی کہ میری بیٹی کا نکاح عبداللہ بن عمرؓ (حضرت عثمانؓ اور حضرت قدامہؓ کے بھانجے) سے کر دینا۔ چنانچہ حضرت قدامہؓ نے بھائی کی وفات کے چند سال بعد بھتیجی کی نسبت حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے طے کر دی (یعنی جب ان کی بھتیجی جوان ہو گئی)۔ ادھر حضرت

مغیرہؓ بن شعبہ بھی اس لڑکی کے خواستگار تھے اور لڑکی بھی انہی سے شادی کرنا چاہتی تھی۔ رسول اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم حضرت عثمانؓ بن مظعون کو بہت محبوب رکھتے تھے اور ان کی اولاد بھی آپؐ کو بہت عزیز تھی۔ آپؐ کو اس صورتِ حال کا علم ہوا تو آپؐ نے حضرت قدامہؓ کو بلا بھیجا۔ وہ حاضر ہوئے تو آپؐ نے اُن سے پوچھا کہ یہ کیا معاملہ ہے تم بنتِ عثمانؓ کی شادی عبداللہ بن عمرؓ سے کرنا چاہتے ہو لیکن وہ اس پر راضی نہیں بلکہ وہ ایک اور جگہ شادی کرنا چاہتی ہے ۔۔۔۔۔ حضرت قدامہؓ نے عرض کیا: ۔۔۔۔۔ "یارسول اللہؐ! وہ میرے بھائی کی لڑکی ہے اور میں نے اس کے لیے بہت اچھی جگہ تجویز کی ہے۔"

حضورؐ نے فرمایا: "اس کو اس کی خواہش پر چھوڑ دو، وہ خود اپنے نفس کا زیادہ اختیار رکھتی ہے۔"

چنانچہ حضورؐ نے اس لڑکی کا نکاح حضرت مغیرہؓ بن شعبہ سے کر دیا (اس نکاح پر وہ لڑکی بھی راضی تھی اور اس کی والدہ بھی) [1]

---

[1] علامہ ابنِ اثیرؒ نے یہ روایت "اُسدُ الغابہ" میں عروہؒ، ابنِ شہاب، موسیٰؒ اور ابن اسحاقؒ کے حوالے سے درج کی ہے۔ اس کے راوی خود حضرت عبداللہ بن عمرؓ ہیں۔ اس روایت کے اصل الفاظ کے مطابق حضرت قدامہؓ نے بھائی (حضرت عثمانؓ بن مظعون) کی وفات کے بعد ان کی بیٹی کا نکاح حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے کر دیا تھا لیکن ابھی رخصتی عمل میں نہیں آئی تھی۔ اس کا سبب یہی معلوم ہوتا ہے کہ لڑکی ابھی نابالغ تھی۔ جب وہ بالغ ہوئی تو اپنی بے شعوری کے زمانے کے نکاح پر رضامند نہ ہوئی۔ حضرت مغیرہؓ بن شعبہ جو ۵ ہجری میں مشرف بہ اسلام ہوئے، قبولِ اسلام کے بعد ہی ایک مسلمان لڑکی کے لیے پیغام بھیج سکتے تھے۔ اس روایت میں ہے کہ حضرت مغیرہؓ بن شعبہ اس لڑکی کے خواستگار ہوئے تو لڑکی کی والدہ نے اُن کا پیغام قبول کر لیا اور لڑکی خود بھی ان سے شادی پر رضامند ہو گئی۔ چنانچہ حضورؐ نے اس کی نابالغی کے زمانے کا نکاح فسخ کر دیا اور حضرت مغیرہؓ سے اس کا نکاح کر دیا۔ دوسری صورت یہ ہے کہ اس کی حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے صرف نسبت طے ہوئی ہو اور بعد میں اسے منسوخ کر دیا گیا ہو۔

(۳)

سیدنا حضرت قدامہؓ بن مظعون بڑی سوجھ بوجھ کے مالک تھے اور انتظامی امور میں اچھی خاصی دسترس رکھتے تھے۔ اس کے علاوہ فضائل کے اعتبار سے بھی ان کا مقام بہت بلند تھا۔ چنانچہ امیر المومنین حضرت عمرؓ فاروقؓ نے اپنے دورِ خلافت میں انہیں بحرین کا گورنر مقرر کر دیا۔ انہوں نے وہاں کا نظم و نسق بڑی خوش اسلوبی سے چلایا لیکن بدقسمتی سے اسی زمانے میں ایک ناگوار واقعہ پیش آیا جس کے نتیجے میں خاصی بدمزگی پیدا ہوئی۔ واقعہ یہ تھا کہ ایک دفعہ بنو عبدالقیس کے ایک سردار جارودؓ بن عمرو عبدی[1] امیر المومنین حضرت عمرؓ فاروقؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ قدامہؓ کو شراب پیتے دیکھا گیا ہے ان پر حد جاری کیجئے۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا، کوئی گواہ بھی ہے؟

انہوں نے کہا، ہاں ابوہریرہؓ کو بلا کر پوچھ لیجئے (حضرت ابوہریرہؓ اس زمانے میں بحرین میں تھے) حضرت عمرؓ نے حضرت ابوہریرہؓ کو بلا کر پوچھا تو انہوں نے کہا، میں نے قدامہؓ کو شراب پیتے ہوئے تو نہیں دیکھا البتہ یہ دیکھا کہ وہ نشہ کی حالت میں قے کر رہے تھے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا، صرف اتنی شہادت سے جرم ثابت

---

[1] ابو منذر جارودؓ بن عمرو کا اصل نام بشر تھا۔ قبیلہ عبدالقیس کے سرداروں میں سے تھے زمانۂ جاہلیت میں ایک دفعہ انہوں نے اپنے حریف قبیلہ بکر بن وائل کو لوٹ کر بالکل صاف کر دیا تھا اس لیے جارود لقب پڑ گیا۔ اس کے معنی بے برگ و بار کے ہیں۔ جارود مذہباً عیسائی تھے۔ ۱۰ ہجری میں وفد عبدالقیس کے ساتھ مدینہ آئے اور بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر حلقہ بگوشِ اسلام ہو گئے۔ حضورؐ کے وصال کے بعد فتنہ ردہ نے زور پکڑا تو انہوں نے اپنے قبیلے کو ارتداد سے روکنے کی پوری کوشش کی۔ حضرت عمر فاروقؓ کے عہد میں بصرہ آباد ہوا تو انہوں نے بصرہ میں مستقل سکونت اختیار کر لی۔

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

نہیں ہوتا۔ پھر حضرت عُمرؓ نے حضرت قُدامہؓ کو بحرین سے مدینۂ منوّرہ بُلا بھیجا۔ وہ آئے تو حضرت جارودؓ نے حضرت عمرؓ سے پھر مطالبہ کیا کہ قُدامہؓ پر حد جاری کریں۔

حضرت عُمرؓ نے فرمایا، تم گواہ ہو یا مقدمہ کے فریق؟

انہوں نے کہا: "گواہ"

حضرت عُمرؓ نے فرمایا۔ "تو بس تم گواہی دے چکے اب تم خاموش رہو۔"

لیکن حضرت جارودؓ نے قسم دے کر حضرت قُدامہ پر حد جاری کرنے کے لیے اصرار کیا۔

ان کے اصرار پر حضرت عُمرؓ نے فرمایا: "تم اپنی زبان بند رکھو ورنہ میں تمہیں سزا دوں گا۔"

اس پر حضرت جارودؓ نے کہا۔ "اے عمرؓ! خدا کی قسم یہ انصاف نہیں ہے کہ تمہارا ابنِ عَم شراب پیئے اور سزا مجھ کو دو۔"

اس موقع پر حضرت ابوہریرہؓ نے امیرالمؤمنین کو مشورہ دیا کہ آپ قُدامہؓ کی بیوی کو بُلا کر شہادت لے لیجیے۔

چنانچہ حضرت عُمرؓ نے حضرت قُدامہؓ کی بیوی (ہندہ بنت ولید) کو بُلا کر شہادت طلب کی۔ انہوں نے حضرت ابوہریرہؓ کی تائید کی اور کہا کہ میں نے قدامہؓ

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ)

انہوں نے ایران کے جہاد میں سرفروشانہ حصہ لیا اور مجوسیوں کے خلاف متعدد معرکوں میں دادِ شجاعت دی۔

حضرت جارودؓ نے باختلافِ روایت فارس یا نہاوند کے معرکہ میں شہادت پائی۔

نہایت بہادر۔ حق گو اور بے باک تھے۔ جس بات کو حق سمجھ لیتے تھے اس کا برملا اظہار کرتے تھے۔ حضرت قُدامہؓ کا واقعہ اس کی ایک مثال ہے۔

حضرت جارودؓ شعر و شاعری میں بھی درک رکھتے تھے۔ حافظ ابنِ حجرؒ نے "الاصابہ" میں ان کے کچھ شعر نقل کیے ہیں جو انہوں نے بارگاہِ نبوی میں بطور نذرِ عقیدت پیش کیے تھے۔

کو قے کرتے دیکھا ہے۔ حضرت عمرؓ نے اب حضرت قدامہؓ سے کہا کہ اب میں تم پر حد جاری کروں گا۔

انہوں نے کہا، اگر بالفرض ان لوگوں کی شہادت کے مطابق میں نے شراب پی بھی تو آپ کو حد جاری کرنے کا اختیار نہیں ہے۔

حضرت عمرؓ نے پوچھا "کیوں"

حضرت قدامہؓ نے کہا، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

"لَيْسَ عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جُنَاحٌ فِيمَا طَعِمُوا إِذَا مَا اتَّقَوا وَّآمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ۔ (المائدہ آیۃ ۹۳)

(جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیے انہوں نے پہلے جو کچھ کھایا پیا تھا اس پر کوئی گرفت نہ ہوگی جبکہ انہوں نے پرہیز کیا، ایمان پر ثابت قدم رہے اور اچھے کام کیے)

حضرت عمرؓ نے فرمایا، "تم اس آیت کا مطلب غلط سمجھے اگر تم تقویٰ اختیار کرتے تو اللہ کی حرام کی ہوئی چیز سے پرہیز کرتے۔"

ان دنوں حضرت قدامہؓ بیمار تھے۔ حضرت عمرؓ نے صحابہؓ سے ان پر حد جاری کرنے کے بارے میں مشورہ کیا تو سب نے کہا کہ وہ صحت یاب ہو لیں تو پھر حد جاری کریں۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے اجرائے حد کو چند دن کے لیے ملتوی کر دیا لیکن حضرت قدامہؓ اس عرصہ میں پوری طرح صحت یاب نہ ہوئے اور حضرت عمرؓ کے پوچھنے پر صحابہؓ نے پہلے ہی جیسا مشورہ دیا۔

لیکن اس بار حضرت عمرؓ نے ان کا مشورہ قبول نہ کیا اور فرمایا:

"میرے نزدیک یہ زیادہ بہتر ہے کہ قدامہؓ کوڑوں کے نیچے اللہ سے ملے بہ نسبت اس کے کہ میں خدا کے سامنے جاؤں تو اس کا بار میری گردن پر ہو۔"

اس کے بعد انہوں نے حکم دیا کہ قدامہ پر حد جاری کی جائے۔ چنانچہ بیماری ہی کی

حالت میں ان پر حد جاری کی گئی ——— اس واقعہ کی بناء پر حضرت قدامہؓ، حضرت عمرؓ فاروقؓ سے خفا ہو گئے اور ان سے بول چال ترک کر دی۔ کچھ عرصہ بعد حج کا موسم آیا تو حضرت عمرؓ اور حضرت قدامہؓ دونوں حج کے لیے مکہ گئے۔ حج سے فارغ ہو کر دونوں نے ایک ہی قافلے میں مدینہ منوّرہ کو مراجعت کی۔ قافلے نے سقیا کے مقام پر قیام کیا۔ اسی جگہ حضرت عمرؓ سونے کے بعد اٹھے تو لوگوں سے کہا، قدامہؓ کو جلد میرے پاس لاؤ۔ مگر جب حضرت قدامہؓ سے حضرت عمرؓ کے پاس چلنے کے لیے کہا گیا تو انہوں نے جانے سے انکار کر دیا۔ حضرت عمرؓ کو بتایا گیا تو انہوں نے فرمایا ——— خدا کی قسم ایک آنے والا خواب میں میرے پاس آیا اور اس نے کہا، قدامہ سے صلح کر لو، وہ تمہارا بھائی ہے۔ اس لیے جس طرح بھی ہو سکے قدامہ کو میرے پاس لاؤ۔

چنانچہ حضرت قدامہؓ کو زبردستی اٹھا کر حضرت عمرؓ کے پاس لے گئے۔ انہوں نے حضرت قدامہؓ سے خود گفتگو کی ابتدا کی اور بقول ابن اثیرؒ ان سے معافی مانگی اس طرح دونوں میں صلح ہو گئی اور ٹوٹے ہوئے تعلقات پھر بحال ہو گئے۔

(الاستیعاب، الاصابہ، اسد الغابہ وغیرہ)

حضرت قدامہؓ نے حضرت علیؓ کے عہدِ خلافت (۳۶ھ) میں وفات پائی۔ اس وقت ان کی عمر ۶۸ برس کی تھی۔ انہوں نے اپنے پیچھے تین بیویاں ایک اُمِّ ولد، چار لڑکیاں اور ایک لڑکا اپنی یادگار چھوڑے۔ بیویوں کے نام یہ تھے صفیہ بنتِ خطاب (ان سے ایک لڑکی رملہ پیدا ہوئی) ہند بنتِ ولید (ان سے عمر اور فاطمہ پیدا ہوئے) فاطمہ بنتِ ابی سفیان (ان سے ایک لڑکی عائشہ پیدا ہوئی) اُمِّ ولد سے ایک لڑکی حفصہ پیدا ہوئی۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت ابو مرثد غنوی رضی اللہ عنہ

(۱)

سیدنا حضرت ابو مرثد غنوی ان عظیم المرتبت صحابہؓ میں سے ہیں جو نہ صرف خود دعوتِ توحید کی ابتداء میں شرفِ اسلام سے بہرہ ور ہوئے بلکہ جن کے بیٹے اور پوتے بھی صحابیت اور غزوات میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمرکابی کے شرف سے بہرہ یاب ہوئے۔

حضرت ابو مرثدؓ کا اصل نام کناز تھا۔ مشہور بدری صحابی حضرت مرثدؓ (شہیدِ رجیع) ان کے فرزند تھے۔ انہی کے نام کی نسبت سے ان کی کنیت ابو مرثد تھی۔ یہ کنیت اتنی مشہور ہوئی کہ لوگوں کو ان کا اصل نام بھول گیا۔ علامہ ابنِ سعد نے ان کا سلسلۂ نسب اس طرح لکھا ہے:

کناز (ابو مرثد) بن حصین بن یربوع بن جہینہ بن سعد بن طریف بن خرشہ بن عبید بن سعد بن عوف بن کعب بن جلان بن غنم بن یحییٰ بن یعصر بن سعد بن قیس بن عیلان بن مضر۔

لیکن علامہ ابنِ اثیرؒ نے "اسد الغابہ" میں ان کا شجرۂ نسب اس طرح بیان کیا ہے:

کناز (ابو مرثد) بن حصین بن یربوع بن طریف بن خرشہ بن عبید بن سعد بن عوف بن کعب بن جلان بن غنم بن غنی بن اعصر بن سعد بن قیس عیلان بن مضر۔

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ کو اذنِ ہجرت دیا تو حضرت ابو مرثدؓ بھی وطن سے ہجرت کر کے مدینہ چلے گئے۔ فرزندِ سعید حضرت مرثدؓ بھی

ساتھ تھے۔ حضورؐ نے حضرت ابو مرثدؓ کی حضرت عبادہؓ بن صامت انصاری سے اور حضرت مرثدؓ کی حضرت اوسؓ بن صامت انصاری سے مواخاۃ کرادی۔

(۲)

سنہ ۲ ہجری میں غزوات کا سلسلہ شروع ہوا تو حضرت مرثدؓ نے بدر سے لے کر تبوک تک تمام غزواتِ نبوی میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمرکابی کا شرف حاصل کیا۔

فتح مکہ (رمضان سنہ ۸ ہجری) میں ایک عجیب واقعہ پیش آیا بعض محدثین اور ارباب سیر نے اس واقعہ کے سلسلے میں حضرت ابو مرثدؓ کا نام بھی خصوصیت سے لیا ہے ——— ہوا یوں کہ ایک بدری صحابی حضرت حاطبؓ بن ابی بلتعہ نے مکہ کی ایک عورت کے ہاتھ بعض عمائد قریش کو ایک خط بھیجا[1] جس میں ان کو اطلاع دی گئی تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عنقریب مکہ پر چڑھائی کرنے والے ہیں۔ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اس بات کو قریش مکہ سے مخفی رکھنا چاہتے تھے۔ آپؐ کو وحی کے ذریعے اس خط کے بھیجے جانے کا علم ہوگیا۔ آپؐ نے اسی وقت چند صحابہؓ کو حکم دیا کہ اس عورت کا تعاقب کرو اور اس سے یہ خط چھین لاؤ۔ ان صحابہ میں حضرت ابو مرثدؓ بھی شامل تھے۔ وہ گھوڑے اڑاتے روانہ ہوئے اور روضۂ خاخ کے مقام پر اس عورت کو جا پکڑا۔ اس نے خط دینے میں پس و پیش کیا تو انہوں نے اس کی تلاشی لی۔ خط اس کے بالوں کے جوڑے سے برآمد

---

[1] یہ عورت ابو عمر بن صیفی بن ہاشم کی لونڈی تھی اور فتح مکہ سے کچھ عرصہ پہلے حضورؐ سے کچھ مالی امداد حاصل کرنے کے لیے مدینہ آئی تھی۔ جب چند دن کے بعد مکہ واپس جانے لگی تو حضرت حاطبؓ نے مذکورہ خط ان کے سپرد کیا۔

ہو گیا۔ اسے لے کر واپس آئے اور حضورؐ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ آپؐ نے حضرت حاطبؓ سے باز پرس کی تو انہوں نے یہ عذر پیش کیا کہ میرے اہل و عیال مکہ میں ہیں، وہاں میرا کوئی رشتہ دار نہیں اس لیے میں نے اپنے بال بچوں کو بچانے کی خاطر قریش کو یہ خط لکھ دیا تاکہ وہ ممنونِ احسان ہو کر میرے اہل و عیال کو کوئی گزند نہ پہنچائیں۔

حضورؐ نے حضرت حاطبؓ کا عذر قبول کر لیا اور محض اس تنبیہ پر اکتفا کی کہ آئندہ ایسا کام نہ کرنا۔

حضرت ابو مرثدؓ نے حضرت ابو بکر صدیقؓ کے عہدِ خلافت (۱۲ھ) میں وفات پائی۔ اس وقت ان کی عمر چھیاسٹھ برس کی تھی۔ انہوں نے مرثدؓ اور انسؓ دو بیٹے اپنی یادگار چھوڑے۔ ان دونوں کو شرفِ صحابیت حاصل تھا۔ حضرت مرثدؓ اصحابِ بدر میں سے ہیں اور حضرت انسؓ نے بھی عہدِ رسالت کے بعض غزوات میں شرکت کی۔ حضرت مرثدؓ کے صاحبزادے انیسؓ بھی صحابی تھے۔ وہ فتح مکہ اور حنین میں شریک تھے۔ بعض اہلِ سیر نے انسؓ اور انیسؓ کو ایک ہی شخصیت قرار دیا ہے اور انہیں حضرت ابو مرثدؓ کا بیٹا بتایا ہے۔ لیکن ابن اثیرؒ نے تخصیص کے ساتھ حضرت انسؓ کو حضرت ابو مرثدؓ کا فرزند اور انیسؓ کو ان کا پوتا بتایا ہے۔

حضرت ابو مرثدؓ سے یہ مشہور حدیث مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، نہ تو قبروں کے اوپر بیٹھو اور نہ ان کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھو۔ (صحیح مسلم)

حضرت ابو امامہ باہلی رضؓ

۱

ذیقعدہ ۶ھ ہجری میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم چودہ سو ۱۴۰۰ جاں نثاروں کے ہمراہ عمرہ کے ارادہ سے مکہ معظمہ کی طرف روانہ ہوئے۔ اثنائے راہ میں آپؐ کو معلوم ہوا کہ مشرکین قریش نے مزاحمت کا فیصلہ کر لیا ہے اور وہ لڑنے مرنے پر تلے بیٹھے ہیں۔ حضورؐ نے مکہ کے قریب حدیبیہ کے مقام پر پڑاؤ ڈال دیا اور قریش کو پیغام بھیجا کہ ہم لڑنے کے لیے نہیں آئے بلکہ عمرہ کرنے کے لیے آئے ہیں لیکن مشرکین میں ضد اور جہالت حد سے زیادہ تھی انہوں نے کہلا بھیجا کہ ہم کسی قیمت پر مسلمانوں کو مکہ میں داخل نہیں ہونے دیں گے۔ آخر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان کے پاس سفیر بنا کر بھیجا۔ مشرکین نے حضرت عثمانؓ کو اپنے پاس روک لیا۔ اُدھر مسلمانوں میں یہ خبر مشہور ہو گئی کہ حضرت عثمانؓ کو مشرکین نے شہید کر ڈالا۔ حضورؐ نے فرمایا کہ اگر یہ خبر صحیح ہے تو ہم عثمانؓ کا بدلہ لیے بغیر یہاں سے نہیں جائیں گے صحابہ کرامؓ اگرچہ بے سروسامان تھے لیکن سب نے حضورؐ کے ارشاد پر لبیک کہا۔ پھر آپؐ ببول کے ایک درخت کے نیچے بیٹھ گئے اور فرمایا، کون کون میرے ہاتھ پر مرنے کی بیعت کرتا ہے؟ سب مسلمانوں نے بڑے ذوق و شوق سے آپؐ کے دستِ مبارک پر بیعت کی اور اپنی جانیں راہِ حق میں قربان کرنے کے لیے تیار ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ کو ان اصحاب کا جذبۂ سرفروشی اتنا پسند آیا کہ ان الفاظ میں اُن کو اپنی خوشنودی کی بشارت دی:-

لَقَدْ رَضِیَ اللّٰہُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ یُبَایِعُوْنَکَ

تَحْتَ الشَّجَرَةِ۔

(اللہ راضی ہوا مومنوں سے جب بیعت کرتے تھے (اے رسول) تم سے درخت کے نیچے)

اسی لیے تاریخ اسلام میں یہ بیعت "بیعتِ رضوان" کے نام سے مشہور ہے۔

بیعتِ رضوان سے مُشرَّف ہونے والے اصحاب میں سے چوبیس پچیس سال کی عمر کے ایک نوجوان نے بارگاہِ رسالت میں عرض کیا:

"یارسول اللہ! مجھے بھی بیعت کی سعادت نصیب ہوئی ہے کیا رضائے الٰہی کی بشارت میرے لیے بھی ہے؟"

حضورؐ نے فرمایا: "تم مجھ سے ہو اور میں تم سے ہوں۔"

(الاصابہ ج ۳)

سیّد المرسلین والانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی سُن کر اُن صاحب کی مسرّت کا یہ عالم تھا کہ قدم زمین پر نہ ٹکتے تھے۔

یہ صاحبِ رسولؐ جن کو اللہ اور اللہ کے رسولؐ نے بیک وقت اپنی خوشنودی کی سند عطا فرمائی حضرت ابو اُمامہ باہلیؓ تھے۔

(۲)

سیّدنا حضرت ابواُمامہ باہلیؓ کا شمار نہایت عظیم المرتبت صحابہ میں ہوتا ہے۔

اصل نام صُدَیّ بن عجلان تھا لیکن انہوں نے اپنی کنیت ابو اُمامہ سے شہرت پائی۔ بہت سے دوسرے صحابۂ کرامؓ کی کنیت بھی "ابو اُمامہ" ہے لیکن جب کسی روایت میں صرف "عن ابی اُمامہ" کے الفاظ آتے ہیں تو اُن سے مراد حضرت ابو امامہ باہلیؓ ہی ہوتے ہیں۔

حضرت ابواُمامہؓ کا تعلق مشہور مضری قبیلہ باہلہ سے تھا سلسلۂ نسب یہ ہے:

ابواُمامہؓ صُدَیّ بن عجلان بن وہب بن عریب بن وہب بن رباح

بن حارث بن وہب بن معن بن مالک بن اعصر بن سعد بن قیس بن عیلان بن مضر۔

حضرت "ابو اُمامہ" کے اجداد میں کسی کا نام باہلہ نہیں تھا۔ "باہلہ" دراصل معن بن مالک کی بیوی کا نام تھا اُسی کی نسبت سے معن بن مالک کی اولاد باہلی مشہور ہوئی۔

حضرت ابو اُمامہؓ ہجرت نبویؐ سے تقریباً بیس سال پہلے پیدا ہوئے۔ اربابِ سِیر نے اُن کے قبولِ اسلام کا زمانہ متعین نہیں کیا لیکن قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ صلح حدیبیہ (۶ ہجری) سے بہت پہلے مشرف بہ اسلام ہو چکے تھے۔ امام حاکمؒ نے اپنی "مستدرک" میں بیان کیا ہے کہ قبولِ اسلام کے بعد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اپنے قبیلہ کی ہدایت پر مامور فرمایا جو اس وقت تک کفر و شرک کی بھول بھلیوں میں بھٹک رہا تھا۔ حضرت ابو اُمامہؓ جس وقت اپنے قبیلے میں پہنچے وہ لوگ اپنی اونٹنیوں کو پانی پلا کر اُن کا دودھ دوہ کر پی رہے تھے۔ انہوں نے حضرت ابو اُمامہؓ کو دیکھا تو اُن کا پرتپاک خیر مقدم کیا اور پھر پوچھا:

"اے صُدَیّ! ہم نے سنا ہے کہ تم اپنے آباؤ اجداد کا مذہب چھوڑ کر صابی (بے دین) ہو گئے ہو؟"

ابو اُمامہؓ نے جواب دیا، میں صابی نہیں ہوا بلکہ اللہ اور اللہ کے رسولؐ پر ایمان لایا ہوں۔ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہارے پاس بھیجا ہے کہ میں تمہیں اسلام کی دعوت دوں اور دین کے احکام سکھاؤں۔

ابھی یہ گفتگو ہو رہی تھی کہ قبیلے کے کچھ لوگ خون سے بھرا ہوا ایک بڑا پیالہ لائے۔ وہاں پر موجود سب لوگ مزے لے لے کر یہ خون پینے لگے۔ انہوں نے حضرت ابو اُمامہؓ کو بھی اس دعوت میں شریک ہونے کے لیے کہا۔ انہوں نے کہا، تم لوگوں پر افسوس ہے میں اس ہستی کے پاس سے آ رہا

ہوں جس نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے خون کو حرام قرار دیا ہے۔
اہلِ قبیلہ یہ بات سُن کر بہت حیران ہوئے کیونکہ خون اُن کا من بھاتا کھا جاتا تھا اور وہ یہ سمجھنے سے قاصر تھے کہ ان کی یہ مرغوب غذا کیسے حرام ہو سکتی ہے۔ انہوں نے پوچھا:
"بھلا وہ حکم کیا ہے جس کے تحت خون کو حرام قرار دیا گیا ہے؟"
حضرت ابو اُمامہؓ نے قرآنِ حکیم کی یہ آیت پڑھی:
حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيرِ وَمَآ أُهِلَّ لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيحَةُ وَمَآ أَكَلَ السَّبُعُ إِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ
(المائدہ: آیت ۳)

(تم پر حرام کیا گیا مردار، خون، سور کا گوشت، وہ جانور جو اللہ کے سوا کسی اور نام پر ذبح کیا گیا ہو، وہ جو گلا گھٹ کر، یا چوٹ کھا کر یا بلندی سے گر کر یا ٹکر کھا کر مرا ہو یا جسے کسی درندے نے پھاڑا ہو سوائے اس کے جسے تم نے زندہ پا کر ذبح کر لیا۔)
اس کے بعد انہوں نے اہلِ قبیلہ سے کہا کہ اسلام قبول کرو اسی میں تمہاری بھلائی ہے۔ انہوں نے صاف انکار کر دیا بلکہ اُلٹا حضرت ابو اُمامہؓ سے کہا کہ تمہاری بہتری اس میں ہے کہ اپنے آبائی دین کی طرف لوٹ آؤ۔ اتنے میں حضرت ابو اُمامہؓ کو پیاس محسوس ہوئی۔ انہوں نے اپنے قبیلہ والوں سے پانی مانگا لیکن اسلام لانے کے "جرم" کی وجہ سے اہلِ قبیلہ ان کے دشمن بن گئے تھے انہوں نے جواب دیا، جب تک تم اپنا نیا دین ترک نہیں کر دو گے تمہیں پانی کا ایک قطرہ بھی نہیں مل سکتا۔ یہ ظالمانہ جواب سُن کر حضرت ابو اُمامہؓ صبر کا گھونٹ پی کر خاموش ہو گئے اور تپتی ریت پر سو گئے۔ نیند کی حالت میں اللہ تعالیٰ نے انہیں پانی پلا کر سیراب کر دیا۔ بیدار ہوئے تو قبیلہ والے آپس میں اس

قسم کی باتیں کر رہے تھے کہ تمہارے سرداروں میں سے ایک شخص طویل سفر کے بعد تمہارے پاس پہنچا لیکن تم نے اس سے یہ سلوک کیا حالانکہ تمہیں اس کے سامنے دودھ اور خرما پیش کرنا چاہیے تھا۔ ندامت کے اس احساس کے تحت اب انہوں نے حضرت ابو امامہؓ کے سامنے دودھ اور خرما پیش کیا لیکن انہوں نے اسے چھونا بھی گوارا نہ کیا اور فرمایا:

"اللہ تعالیٰ نے مجھے سیراب کر دیا ہے۔"

اس کے بعد وہ شب و روز اپنے قبیلے کو دعوتِ اسلام دینے میں مشغول ہو گئے۔ ان کے پاکیزہ کردار کی وجہ سے برف آہستہ آہستہ پگھلنے لگی اور ان کی تبلیغی مساعی بار آور ہونے لگیں حتیٰ کہ چند سال کے اندر اندر اُن کا تمام قبیلہ شرفِ اسلام سے بہرہ ور ہو گیا۔ شاید ان کی یہی تبلیغی مساعی تھیں جن کی وجہ سے وہ حبیبِ کبریا کے محبوب بن گئے اور صلح حدیبیہ کے موقع پر آپؐ نے ان سے فرمایا کہ تم مجھ سے ہو اور میں تم سے ہوں۔

(۲)

عہدِ رسالت کے بعد حضرت ابو اُمامہؓ کا نام حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے عہدِ خلافت میں منظرِ عام پر آتا ہے۔ ایک روایت کے مطابق وہ جنگِ صفین میں حضرت علیؓ کے ساتھ تھے۔ (سیر الصحابہ جلد ہفتم) لیکن ابو حنیفۃ الدینوری کا بیان ہے کہ حضرت ابو امامہؓ نے مسلمانوں کی باہمی لڑائیوں میں مطلق کوئی حصہ نہ لیا۔ اس سلسلے میں انہوں نے "الاخبار الطوال" میں لکھا ہے کہ جنگِ صفین کے دوران میں حضرت ابو امامہ باہلیؓ اور حضرت ابو الدرداءؓ امیر معاویہؓ سے ملے اور کہا:

"آپ کس بات پر علیؓ سے لڑ رہے ہیں کیا وہ خلافت کے معاملے میں آپ سے زیادہ مستحق نہیں؟"

امیر معاویہؓ نے جواب دیا :-

"میں تو خونِ عثمانؓ کی خاطر لڑ رہا ہوں۔"

دونوں نے پوچھا : "کیا انہیں علیؓ نے قتل کیا تھا ؟"

انہوں نے جواب دیا :

"علیؓ نے عثمانؓ کے قاتلوں کو پناہ دے دی ہے ان سے کہو کہ قاتلینِ عثمانؓ کو میرے حوالے کر دیں۔ پھر میں پہلا آدمی ہوں گا جو ان کی بیعت کروں گا۔"

اب وہ دونوں حضرت علیؓ کے پاس آئے اور انہیں امیر معاویہؓ کے موقف سے آگاہ کیا۔ حضرت علیؓ نے اس بات کو اپنے لشکر کے سامنے بیان کیا تو کوئی بیس ہزار آدمی الگ ہو گئے اور نعرہ لگایا، "ہم سب عثمانؓ کے قاتل ہیں۔"

یہ رنگ دیکھ کر حضرت ابو اُمامہؓ اور حضرت ابو الدرداءؓ کسی ساحلی مقام پر جا ٹھہرے اور ان لڑائیوں میں کسی قسم کا حصّہ نہ لیا۔

حضرت ابو اُمامہؓ نے شام کے شہر حمص میں مستقل سکونت اختیار کر لی تھی۔ وہیں ۸۶ھ ہجری میں ایک سو چھ برس کی عمر میں وفات پائی۔ یہ خلیفہ عبدالملک بن مروان کا عہدِ حکومت تھا۔

(۴)

حضرت ابو اُمامہؓ علم و فضل کے اعتبار سے نہایت بلند مقام پر فائز تھے۔ ان سے دو سو پچاس (۲۵۰) احادیث مروی ہیں۔ ان میں سے پانچ روایتیں صحیح بخاری میں اور تین صحیح مسلم میں ہیں۔ ان کے رواۃ میں مکحول الشامیؒ، شہر بن حوشبؒ، رجاء بن حیوۃؒ، سالم بن ابی الجعدؒ، سلیم بن عامرؒ، سلیمان بن حبیب محاربیؒ اور ابو غالب الراسبیؒ وغیرہ شامل ہیں۔

حضرت ابو اُمامہؓ کو اشاعتِ حدیث سے بے حد شغف تھا۔ جہاں بھی دو چار آدمی مل جاتے ان تک ارشاداتِ نبویؐ پہنچا دیتے۔ لوگوں سے فرمایا کرتے کہ رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی جو احادیث میں تمہیں سناتا ہوں ان کو غور سے سنو سمجھو اور پھر ان کو دوسروں تک پہنچاؤ۔ ہماری یہ مجالسِ حدیث تم لوگوں کے لیے خدائی تبلیغ کی جگہیں ہیں۔ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو کچھ سنا یا آپؐ کو جو کچھ کرتے دیکھا وہ تمہیں سنا دیا اب تمہارا فرض ہے کہ جو اچھی باتیں سنو ان کی تبلیغ کرو۔ شغفِ حدیث کی وجہ سے ان کی ذات مرجعِ خلائق بن گئی تھی لوگ جوق در جوق ان کی خدمت میں حاضر ہوتے اور بڑے ذوق و شوق سے ان سے حدیثیں سنتے۔ ایک دن حضرت مکحول الدمشقیؒ، حضرت سلیمان بن حبیب محاربیؒ اور ابن ابی زکریاؒ ان کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انہوں نے خندہ پیشانی سے ان کا استقبال کیا اور فرمایا :

"تمہارا سماعتِ حدیث کے لیے آنا باعثِ رحمت ہے اور تمہارے لیے حجت ہے۔ میں نے رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو اپنی اُمت کے لیے جھوٹ اور عصبیت سے زیادہ کسی چیز کا اندیشہ کرتے ہوئے نہیں دیکھا، اس لیے جھوٹ اور عصبیت سے ہمیشہ اپنا دامن بچانا۔ حضورؐ نے ہم کو حکم دیا تھا کہ میرا یہ فرمان دوسروں تک پہنچا دینا۔ ہم نے اپنا فرض ادا کر دیا اب اسے آگے پہنچانا تمہارا فرض ہے۔

(اُسد الغابہ جلد ۳ ص ۱۱۶)

آئیے اب ہم آپ کو کچھ دیر کے لیے سیدنا حضرت ابو اُمامہ باہلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مجلسِ حدیث میں لیے چلتے ہیں اور اُن سے چند احادیث آپ کو سنواتے ہیں۔

حضرت ابو اُمامہؓ باہلی سے روایت ہے کہ :۔

(۱) رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے دو آدمیوں کا ذکر کیا گیا جن میں سے ایک عابد تھا اور دوسرا عالِم۔ پس فرمایا رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم

ـنے کہ عالم عابد پر ایسی فضیلت رکھتا ہے جیسا کہ میں تم میں سے ادنیٰ آدمیوں پر فضیلت رکھتا ہوں۔ اس کے بعد آپؐ نے فرمایا تحقیق اللہ تعالیٰ اس کے فرشتے اور آسمانوں اور زمینوں کی ساری مخلوقات یہاں تک کہ چیونٹیاں اپنے سوراخوں میں اور مچھلیاں بھی اس کے لیے دعائے خیر کرتی ہیں جو بھلائی سکھاتا ہے۔ (ترمذی)

(۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مریض کی پوری عیادت یہ ہے کہ تم اپنا ہاتھ مریض کی پیشانی پر یا ہاتھ پر رکھ کر اس کا حال پوچھو اور پورا سلام کرنا یہ ہے کہ سلام کے بعد تم مصافحہ بھی کرو۔

(مشکوٰۃ بحوالہ احمدؒ و ترمذیؒ)

(۳) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جبرئیل میرے پاس آئے اور مجھ کو مسواک کرنے کا حکم دیا اور البتہ میں ڈرا کہ کہیں (مسواک کی زیادتی سے) میں اپنے منہ کے اگلے حصے کو نہ چھیل ڈالوں۔

(مسند احمدؒ)

(۴) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تین شخص ہیں جن کی ذمہ داری اللہ نے اپنے ذمہ لی ہے (یعنی دنیا و آخرت میں اس کی بھلائی کی ذمہ داری) ایک تو غازی جو خدا کی راہ میں لڑنے کے لیے گھر سے نکلا ہے وہ خدا کی ذمہ داری میں ہے۔ اگر وہ شہید ہو جائے تو جنت میں داخل کیا جائے اور زندہ رہے تو ثواب اور مال غنیمت لے کر واپس آئے۔ دوسرا وہ شخص جو مسجد کی طرف گیا وہ بھی خدا کی نگہبانی میں ہے اور تیسرا وہ شخص جو اپنے گھر میں سلام کرتا ہوا داخل ہوا وہ بھی خدا کی ذمہ داری میں ہے۔ (مسند ابی داؤد)

(۵) میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہؐ مجھے کوئی ایسا عمل بتائیے جس سے اللہ تعالیٰ مجھے نفع دے۔ آپؐ نے

ارشاد فرمایا، روزہ رکھا کرو اس کے مثل کوئی بھی عمل نہیں ہے۔
(سنن نسائی)

(۶) رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا جس مردِ مومن کی کسی عورت کے حسن و جمال پر پہلی دفعہ نظر پڑ جائے پھر وہ اپنی نگاہ نیچی کرلے (اور اس کی طرف نہ دیکھے) تو اللہ تعالیٰ اس کو ایسی عبادت نصیب فرمائے گا جس کی وہ لذت و حلاوت محسوس کرے گا۔
(مُسندِ احمدؒ)

(۷) رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا کہ جس شخص نے کسی یتیم کے سر پر صرف اللہ کے لیے ہاتھ پھیرا تو سر کے جتنے بالوں پر اس کا ہاتھ پھرا، ہر ہر بال کے حساب سے اس کی نیکیاں ثابت ہوں گی اور جس نے اپنے پاس رہنے والی کسی یتیم بچی یا یتیم بچے کے ساتھ بہتر سلوک کیا تو میں اور وہ آدمی جنت میں ان دو انگلیوں کی طرح قریب ہوں گے اور آپؐ نے اپنی دو انگلیوں کو ملا کر بتایا اور دکھایا (کہ ان دو انگلیوں کی طرح بالکل پاس پاس ہوں گے)
(مُسندِ احمد، جامع ترمذی)

(۸) ایک شخص نے رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے پوچھا کہ یا رسول اللہ ؐ ایمان کیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا کہ جب تم کو اپنے اچھے عمل سے مسرت ہو اور بُرے عمل سے رنج و قلق ہو تو تم مومن ہو۔
(مُسندِ احمد)

(۹) رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا کہ مومن کی طبیعت اور فطرت میں ہر خصلت کی گنجائش ہے سوائے خیانت اور جھوٹ کے۔
(مُسندِ احمد، شعب الایمان للبیہقی)

(۱۰) رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے تمام جہانوں

کے لیے رحمت اور سب کے لیے وسیلۂ ہدایت بنا کر بھیجا ہے اور میرے پروردگار عَزَّ وَجَلَّ نے مجھے حکم دیا ہے معازف و مزامیر (یعنی ہر قسم کے باجوں) کے مٹا دینے کا اور بت پرستی اور صلیب پرستی کو مٹا دینے کا اور تمام رسومِ جاہلیت کو ختم کر دینے کا اور میرے رَبّ عَزَّ وَجَلَّ نے یہ قسم کھائی ہے کہ میری عزت و جلال کی قسم میرے بندوں میں سے جو بندہ شراب کا ایک گھونٹ بھی پیئے گا تو میں آخرت میں اس کو اتنا ہی لہو پیپ ضرور پلاؤں گا اور جو بندہ میرے خوف سے شراب کو چھوڑ دے گا اور اس سے باز رہے گا تو میں آخرت کے قدسی حوضوں کی شرابِ طہور اس بندہ کو ضرور نوش کراؤں گا۔ (مُسندِ احمد)

(۱۱) ایک دفعہ رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم عصا کا سہارا لیتے ہوئے باہر تشریف لائے تو ہم کھڑے ہو گئے۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا، تم اس طرح مت کھڑے ہو جس طرح عجمی لوگ ایک دوسرے کی تعظیم کے لیے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ (سنن ابی داؤد)

(۱۲) رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا کہ قرآن پڑھا کرو وہ قیامت کے دن پڑھنے والوں کا شفیع بن کر آئے گا (خاص کر) زہراوین (یعنی اس کی دو نورانی سورتیں) البقرہ اور آلِ عمران پڑھا کرو۔ وہ قیامت کے دن اپنے پڑھنے والوں کو اپنے سایہ میں لیے ہوئے اس طرح آئیں گی جیسے کہ وہ ابر کے ٹکڑے ہیں یا سائبان ہیں یا صف باندھے پرندوں کے پَرے ہیں۔ یہ دونوں سورتیں قیامت کے دن اپنے پڑھنے والوں کی طرف سے مدافعت کریں گی۔ آپؐ نے مکرر فرمایا پڑھا کرو سورۂ بقرہ کیونکہ اس کو حاصل کرنا بڑی برکت والی بات ہے اور اس کو چھوڑنا بڑی حسرت اور ندامت کی بات ہے اور اہلِ باطل اس کی طاقت نہیں رکھتے۔

(صحیح مسلم)

(۱۳) رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا معمول تھا کہ جب آپ کھانا کھانے سے فارغ ہوتے تو فرماتے، سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں۔ یہ کھانا اللہ نے دیا جو بہت ہی پاکیزہ اور برکت والا ہے۔ ایسا نہیں کہ ہم کو کھانے کی ضرورت نہیں یا ہم اللہ کے عطیہ سے بے پروا ہیں۔

(صحیح بخاری)

(۱۴) رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا کہ لوگوں میں اللہ کے قُرب اور اس کی رحمت کا زیادہ مستحق وہ بندہ ہے جو سلام کرنے میں پہل کرے۔

(مُسند احمد، جامع ترمذی، سنن ابی داؤد)

(۱۵) ایک شخص نے رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے پوچھا کہ یا رسول اللہؐ اولاد پر ماں باپ کا کتنا حق ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ وہ تمہاری جنت اور دوزخ ہیں۔ (سنن ابن ماجہ)

(۱۶) رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا کہ چار موقعے ایسے ہیں جن میں دُعا خصوصیت سے قبول ہوتی ہے ——

راہِ خدا میں جنگ کے وقت۔

اور جس وقت آسمان سے بارش ہو رہی ہو (اور رحمت کا سماں ہو)

اور نماز کے وقت

اور جب کعبۃ اللہ نظر کے سامنے ہو۔ (معجم کبیر طبرانی)

حضرت ابو رافعؓ مولیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

(۱)

یوں کہنے کو تو سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے متعدد غلام اور خدام تھے لیکن فی الحقیقت سرکارؐ کا سلوک اُن سے اس طرح کا تھا جیسے وہ آپؐ کے گھر کے افراد ہوں۔ آپؐ جو خود کھاتے وہی اُن کو کھلاتے، جو خود پہنتے وہی اُن کو پہناتے، اُن کے دُکھ سُکھ میں شریک رہتے اور اُن کی ہر ضرورت کا خیال رکھتے۔ یہی سبب تھا کہ یہ تمام اصحاب آپؐ پر جان چھڑکتے تھے اور آپؐ کی غلامی کو ہزار آزادیوں پر ترجیح دیتے تھے اور دیتے بھی کیوں نہ کہ سرکارؐ کی غلامی کے طفیل دوسرے مسلمانوں کے نزدیک ان کو یہ مقام اور مرتبہ حاصل ہو گیا تھا کہ وہ ان کو اپنا مخدوم اور سردار کہتے تھے۔ ایک دفعہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ایک غلام کو آزاد فرمایا تو وہ رونے لگے۔ لوگوں نے کہا، یہ رونے کا کون سا مقام ہے، آپ کو تو خوش ہونا چاہیے کہ آزادی مل گئی۔

انہوں نے فرمایا، "نہیں نہیں آج میں ایک اجر سے محروم ہو گیا ہوں میرے لیے سرکارؐ کی غلامی سے بڑھ کر کون سی سعادت ہو سکتی ہے۔ میں تو عمر بھر آپؐ کا غلام رہوں گا ——" اور پھر وہ زندگی کے آخری سانس تک اپنے آپ کو حضورؐ کا غلام ہی کہتے اور سمجھتے رہے، قولاً بھی اور فعلاً بھی۔

آقائے دوجہاں سے غلامی کی نسبت کو کائنات کی ہر شے سے بڑھ کر سمجھنے والے یہ صاحب سیدنا حضرت ابو رافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔

(۲)

سیدنا حضرت ابو رافعؓ کے نام میں بہت اختلاف ہے۔ مختلف روایات

میں ان کے مختلف نام بیان کیے گئے ہیں مثلاً اسلم، ابراہیم، ہرمز اور ثابت۔
امام بخاریؒ نے "اسلم" پر جزم کیا ہے۔

بعض روایتوں میں ان کو قبطی النسل بتایا گیا ہے اور بعض میں حبشی النسل۔
ان کا سلسلۂ نسب کسی نے بیان نہیں کیا صرف اتنا معلوم ہے کہ وہ بنی ہاشم کے غلام تھے۔ مدت تک عم رسولؐ حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب کی غلامی میں رہے، انہوں نے حضورؐ کی نذر کر دیا۔ آپؐ نے ان کو آزاد کر دیا لیکن انہوں نے حضورؐ کی خدمت اور جاں نثاری ہی کو اپنا شعار بنائے رکھا۔ اس طرح وہ سرکارِ دوعالم صَلَّی اللّٰہُ علیہ وسلّم کی محبت اور شفقت کا مَورِد بن گئے اور آپؐ نے ان کو اپنے ہی خاندان (بنو ہاشم) کا فرد قرار دیا۔ خود حضرت ابورافعؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے بنو مخزوم کے ایک شخص کو (کسی قبیلے سے) زکوٰۃ وصول کرنے پر مامور فرمایا۔ اس نے مجھ سے کہا کہ تم بھی میرے ساتھ چلو تاکہ تم کو بھی زکوٰۃ سے کچھ مل جائے۔ میں نے کہا کہ جب تک رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے نہ پوچھ لوں تمہارے ساتھ نہ جاؤں گا۔ چنانچہ میں رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس شخص کے ساتھ جانے کی اجازت طلب کی۔ آپؐ نے فرمایا، زکوٰۃ ہم لوگوں (یعنی بنو ہاشم) کے لیے حلال نہیں ہے اور بنو ہاشم کا آزاد کردہ غلام بھی بنو ہاشم ہی کے حکم میں ہے (مَوْلَی الْقَوْمِ مِنْ اَنْفُسِهِمْ)۔

(مشکوٰۃ بحوالہ ترمذی، ابوداؤد، نسائی)

حضرت ابورافعؓ نے ابھی اسلام قبول نہیں کیا تھا کہ ایک دفعہ مشرکین قریش نے ان کو کسی کام سے رسول اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے پاس بھیجا۔ حضورؐ کے روئے انور پر نگاہ پڑتے ہی اُن کا دل اسلام کی طرف مائل ہو گیا۔ بارگاہِ رسالت میں عرض کیا، یا رسول اللہ اب میں قریش کے پاس واپس نہ جاؤں گا۔ حضورؐ نے فرمایا، میں عہد کو نہیں توڑتا اور قاصد کو نہیں روکتا۔ اب تم واپس جاؤ۔

اگر پھر بھی اسلام کی طرف رجحان اپنے اندر پاؤ تو واپس آجانا۔

چنانچہ اُس وقت تو ارشادِ نبوی کی تعمیل میں حضرت ابو رافعؓ قریش کے پاس واپس آگئے لیکن جلد ہی ایک دن بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر سعادت اندوزِ اسلام ہو گئے۔ (مستدرک حاکم ج ۳ ص ۵۹۸)

قیاس یہ ہے کہ یہ واقعہ ہجرتِ نبویؐ سے پہلے یا ہجرتِ نبوی اور غزوۂ اُحد کے درمیانی عرصے میں پیش آیا۔ علامہ ابنِ سعدؒ کاتب الواقدی نے خود حضرت ابو رافعؓ کا یہ بیان نقل کیا ہے:

"میں حضرت عباسؓ کا غلام تھا اور اسلام ہمارے گھر میں داخل ہو چکا تھا۔ حضرت عباسؓ، ان کی بیوی اُمّ الفضلؓ اور میں سب مسلمان ہو چکے تھے مگر حضرت عباسؓ اپنا اسلام چھپائے ہوئے تھے۔ جنگ بدر کے بعد جب کفار کے ہاں گھر گھر ماتم برپا تھا، ہمارے ہاں خوشیاں منائی جا رہی تھیں۔"

بعض شارحینِ حدیث نے یہ قیاس آرائی کی ہے کہ یہ واقعہ صلح حدیبیہ کے موقع پر پیش آیا لیکن درایت کی رو سے یہ قیاس صحیح معلوم نہیں ہوتا کیونکہ اکثر اہلِ سیر کے بیان کے مطابق حضرت ابو رافعؓ غزوۂ اُحد اور غزوۂ احزاب میں شریک تھے جو صلح حدیبیہ سے پہلے پیش آئے۔ اگر وہ صلح حدیبیہ کے بعد ہجرت کر کے مدینہ آتے تو ان غزوات میں کیسے شریک ہو سکتے تھے؟

حضورؐ نے حضرت ابو رافعؓ کو کب آزاد فرمایا؟ اربابِ سیر نے اس کا زمانہ متعین نہیں کیا صرف اتنا لکھا ہے کہ آپؐ نے انہیں حضرت عباسؓ کے اسلام لانے کی خوشی میں آزاد کیا۔ یہاں اشکال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت عباسؓ تو اوائلِ بعثت میں (مخفی طور پر) مسلمان ہو چکے تھے لیکن حضرت ابو رافعؓ کا غزوۂ بدر تک ان کی غلامی میں رہنے کا پتہ چلتا ہے۔ اگر اس سلسلے کی ساری روایات کو ملا کر پڑھا جائے تو صورتِ حال کا نقشہ کچھ یوں بنتا ہے کہ حضرت عباسؓ دل سے تو اوائلِ بعثت ہی میں مسلمان ہو چکے تھے لیکن اس کا اعلان و اظہار انہوں

نے فتح مکہ (رمضان ۸ ہجری) سے کچھ عرصہ پہلے کیا اور پھر ہجرت اور آپؐ کی بیعت کا شرف بھی حاصل کیا۔ غزوۂ بدر تک انہوں نے اپنے اسلام کی اطلاع سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی نہیں دی تھی۔ مشرکین کے مجبور کرنے پر ان کے ساتھ بدر گئے اور قریش کی ہزیمت کے بعد مسلمانوں کے ہاتھ اسیر ہو گئے۔ زرِ فدیہ کے سلسلے میں حضورؐ سے ان کی گفتگو ہوئی تو انہوں نے عرض کیا کہ میں تو دَر پردہ مسلمان تھا قریش نے مجھ کو زبردستی اس لڑائی میں شریک کیا۔ حضورؐ نے فرمایا، دل کے حال سے اللہ تعالیٰ زیادہ واقف ہے۔ اگر آپ کا بیان صحیح ہے تو اللہ تعالیٰ اس کا اجر دے گا لیکن بظاہر تو آپ مشرکین کے لشکر میں شریک ہو کر اہلِ حق سے لڑنے آئے تھے اس لیے آپ کو فدیہ دینا ہو گا۔

(مُسندِ احمد و طبری)

دوسری طرف مستند روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ غزوۂ بدر کے زمانے میں حضرت ابو رافعؓ حضرت عباسؓ ہی کی غلامی میں تھے لیکن وہ ان کے ساتھ بدر نہیں گئے اور مکہ ہی میں رہے۔ غزوۂ بدر کے بعد ہی حضرت عباسؓ نے انہیں حضورؐ کو ہبہ کر دیا اور وہ ہجرت کر کے مدینہ چلے گئے (رمضان ۲ ہجری اور شوال ۳ ہجری کے درمیانی عرصے میں)۔ اب رہی یہ بات کہ حضورؐ نے انہیں کب آزاد فرمایا تو قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ یا تو آپؐ نے حضرت عباسؓ کے اعلانِ اسلام کے وقت انہیں آزاد فرمایا (فتح مکہ سے کچھ عرصہ پہلے) اور یا اس وقت جب حضرت عباسؓ نے (غزوۂ بدر کے بعد) حضورؐ کو اپنے اسلام کی اطلاع دے کر ہجرت کی اجازت طلب کی۔

غزوۂ بدر کے سلسلے میں ابن سعدؒ اور ابن جریر طبریؒ نے حضرت ابو رافعؓ کی زبانی ایک دلچسپ واقعہ بھی نقل کیا ہے۔ حضرت ابو رافعؓ کہتے ہیں کہ غزوۂ بدر میں مشرکین کی شکست کی خبر مکہ پہنچی تو ہمیں بے حد مسرت ہوئی۔ میں اس وقت چاہِ زمزم کے قریب ایک حجرے میں تیر بنا رہا تھا ——— اور میری

مالکہ اُمّ الفضل رض (اہلیۂ حضرت عباس رض) بھی وہیں تشریف فرما تھیں۔ اتنے میں ابولہب پاؤں گھسیٹتا ہوا ہماری طرف آیا اور حجرے کی طناب کے پاس میری پیٹھ کی طرف پیٹھ کر کے بیٹھ گیا۔ اتنے میں ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب (حضور ؐ کے چچازاد بھائی جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے) ادھر سے گزرے۔ ابولہب نے انہیں آواز دے کر ٹھہرالیا اور ان سے بدر کے حالات پوچھنے لگا۔ انہوں نے کہا، واللہ مسلمانوں نے ہماری قوت تباہ کر دی۔ قریش کی حالت مسلمانوں کے سامنے ایسی تھی جیسے مُردہ غسال کے ہاتھوں میں بے بس ہوتا ہے۔ مسلمانوں نے جس کو چاہا قتل کر دیا اور جس کو چاہا قید کر لیا۔ ایک عجیب بات ہم نے یہ دیکھی کہ بہت سے سفید پوش سوار مسلمانوں کی مدد کر رہے تھے۔

میں نے ابوسفیان کی بات سن کر کہا، وہ فرشتے تھے۔

اس پر ابولہب بھڑک اٹھا اور میرے منہ پر زور سے تھپڑ مارا۔ میں بھی اس سے لپٹ گیا لیکن وہ طاقتور تھا مجھے گرا کر میرے سینے پر سوار ہو گیا اور بے تحاشا مارنے لگا۔ اُمّ الفضل رض پہلے تو خاموش بیٹھی دیکھتی رہیں پھر وہ اٹھیں اور ایک موٹا سا کھمبا لے کر اس زور سے ابولہب کے سر پر مارا کہ اس کا سر پھٹ گیا اور وہ لہولہان ہو گیا۔ پھر اس سے مخاطب ہو کر کہنے لگیں :-

"اس کا آقا یہاں نہیں ہے اس لیے کمزور سمجھ کر مارتا ہے؟"

ابولہب کو بھاوج پر ہاتھ اٹھانے کی جرأت نہ ہوئی اور وہ بکتا جھکتا وہاں سے چلا گیا۔

(۳)

غزوۂ بدر کے بعد حضرت ابورافع رض مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ آ گئے اور اپنے آپ کو ہمہ تن سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کے لیے وقف کر دیا۔ غزوۂ بدر ان کے قیامِ مکہ کے زمانے میں گزر چکا تھا۔ اس کے بعد اُحد، احزاب اور عہدِ رسالت کے دوسرے تمام غزوات میں بڑے جوش

اور جذبے کے ساتھ شریک ہوئے اور حقِ سرفروشی ادا کیا۔ حجۃ الوداع سے کچھ عرصہ پہلے حضورؐ نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایک سریّہ کا امیر بنا کر یمن بھیجا۔ حضرت ابورافعؓ بھی اس سریّہ میں شریک تھے۔ خود ان سے روایت ہے کہ جب حضرت علیؓ مدینہ سے روانہ ہوئے (اور کچھ دور گئے) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا:

"اے ابورافع تم بھی علیؓ کے ساتھ جا کر مل جاؤ اور اُن کو پیچھے سے آواز نہ دینا۔ ان کو چاہیے کہ وہیں ٹھہر جائیں اور اِدھر اُدھر نہ دیکھیں یہاں تک کہ میں آجاؤں۔"

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور حضرت علیؓ کو چند ہدایات دیں اور آخر میں فرمایا، اے علی اگر تمہارے ذریعے اللہ کسی ایک شخص کو بھی ہدایت کے راستے پر گامزن کر دے تو یہ تمہارے لیے ان تمام چیزوں سے بہتر ہے جن پر آفتاب طلوع کرتا ہے۔ (مستدرک حاکم)

حضرت علیؓ یمن سے حجۃ الوداع میں شریک ہونے کے لیے مکہ معظمہ آئے تو اپنی غیر حاضری میں حضرت ابورافعؓ کو یمن میں اپنا جانشین مقرر کیا۔

حضرت ابورافعؓ کو سفر و حضر میں اکثر حضورؐ کی معیت کا شرف حاصل ہوتا تھا۔ سفر میں حضورؐ کا خیمہ وہی نصب کیا کرتے تھے۔ بعض دفعہ ان کو حضورؐ کے لیے کھانا تیار کرنے کی سعادت بھی نصیب ہوتی تھی۔ صحیح مسلم میں ان سے روایت ہے کہ میں بکری کے پیٹ کی چیزیں (دل کلیجی) وغیرہ بھونتا تھا۔ آپ باوضو حالت میں اس میں سے کھاتے اور پھر دوبارہ وضو کیے بغیر نماز پڑھ لیتے تھے۔

مسندِ احمد اور سننِ دارمی کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابورافعؓ کی پکائی ہوئی چیز بڑی رغبت سے تناول فرماتے تھے۔ حضرت ابورافعؓ کہتے ہیں کہ میرے پاس کسی نے تحفہ کے طور پر بکری کا گوشت بھیجا۔ میں نے اس کو پکانے کے لیے ہانڈی میں ڈال دیا۔

اتنے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور پوچھا، ابورافع یہ کیا ہے؟ میں نے عرض کیا، یا رسول اللہ! بکری کا گوشت ہے جو کسی نے مجھے ہدیہ کے طور پر بھیجا تھا میں نے اس کو ہانڈی میں پکا لیا۔ آپؐ نے فرمایا، ابورافع ایک دست (دستی) مجھ کو بھی دو۔ پس میں نے آپؐ کو ایک دست دے دی پھر آپؐ نے فرمایا، ایک دست اور دو۔ میں نے دوسری دست دے دی۔ پھر آپؐ نے فرمایا، ایک دست اور دو۔ میں نے عرض کیا، یا رسول اللہؐ بکری کی تو دو ہی دست ہوتی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ابورافع اگر تو خاموش رہتا تو مجھ کو دست پہ دست دیتے چلا جاتا (اور یہ ختم ہونے میں نہ آتیں) پھر آپ نے پانی منگوایا، اپنا منہ دھویا، کلی کی اور انگلیوں کے پورے دھوئے۔ پھر آپؐ نے نماز پڑھی۔ نماز کے بعد پھر میرے پاس تشریف لائے میرے قریب ٹھنڈا گوشت رکھا ہوا تھا آپؐ نے اس میں سے کھایا پھر مسجد میں تشریف لے گئے اور نماز پڑھی (دوبارہ وضو کیے بغیر)۔

حضورؐ حضرت ابورافعؓ پر اس قدر شفیق تھے کہ ان کو آزاد کرنے کے بعد اپنی ایک آزاد کردہ لونڈی (حضرت) سلمیٰؓ سے ان کا نکاح کر دیا۔ حضرت سلمیٰؓ خادمۂ رسول اللہؐ کے لقب سے مشہور تھیں۔ حضرت ماریہ قبطیہؓ کے بطن سے حضورؐ کے فرزند ابراہیمؓ پیدا ہوئے تو دایہ کی خدمت حضرت سلمیٰؓ ہی نے انجام دی۔ حضرت ابورافعؓ نے حضورؐ کو حضرت ابراہیمؓ کی ولادت کا مژدہ سنایا تو آپؐ نے اس کے صلہ میں ایک غلام عطا فرمایا۔ حضرت سلمیٰؓ ننھے ابراہیمؓ کی آیا یا کھلائی کی خدمت بھی انجام دیتی تھیں لیکن افسوس کہ حضرت ابراہیمؓ بہت چھوٹی عمر میں فوت ہو گئے۔

(۴)

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد بھی حضرت ابورافعؓ کا جذبۂ جہاد

برقرار رہا۔ علامہ ابن اثیرؒ کا بیان ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ کے عہد خلافت میں مصر پر فوج کشی ہوئی تو حضرت ابو رافعؓ بھی لشکر اسلام میں شامل ہو گئے اور مصر فتح ہونے تک برابر جہاد میں مصروف رہے۔

حضرت ابو رافعؓ نے حضرت علیؓ کے عہد خلافت کی ابتدا میں وفات پائی۔ انہوں نے اپنے پیچھے ایک بیٹی اور چار بیٹے اپنی یادگار چھوڑے۔ ان کے نام یہ ہیں۔ سلمیٰؓ، حسنؒ، رافعؒ (انہی کے نام پر ان کی کنیت ابو رافع تھی) عبید اللہؒ اور معتمرؒ۔

علم و فضل کے اعتبار سے حضرت ابو رافعؓ بہت بلند مقام پر فائز تھے۔ چونکہ وہ اپنے وقت کا بیشتر حصہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گزارتے تھے اس لیے حضورؐ کے معمولات کے بارے میں ان کو قابل رشک واقفیت حاصل ہو گئی تھی یہاں تک کہ حضورؐ کے ابن عم حبر الامۃ حضرت عبد اللہ بن عباسؓ بھی اس بارے میں ان سے معلومات حاصل کرتے تھے ایک دفعہ وہ ایک کاتب کو ساتھ لے کر حضرت ابو رافعؓ کے پاس گئے اور ان سے حضورؐ کے معمولات سے متعلق سوال کرنے لگے کہ فلاں دن حضورؐ نے کیا کیا کام کیا۔ حضرت ابو رافعؓ بتاتے جاتے تھے اور کاتب قلمبند کرتا جاتا تھا۔

(الاصابہ لابن حجرؒ تذکرہ ابن عباسؓ)

حضرت ابو رافعؓ ہمیشہ اپنے آپ کو حضورؐ کا غلام (یا آزاد کردہ غلام) کہا کرتے تھے اور اس نسبت کو وہ اپنے لیے فخر و ناز اور عزّ و شرف کا باعث سمجھتے تھے[1]

---

[1] "مہاجرین" حصہ دوم میں مولانا شاہ معین الدین احمد ندوی مرحوم نے "تہذیب التہذیب لابن حجرؒ" کے حوالے سے حضرت ابو رافعؓ کے ترجمہ میں لکھا ہے کہ "ہمیشہ اپنے کو آنحضرتؐ کا غلام کہتے تھے۔ عمرو بن سعید بن عاص نے مدینہ کی امارت کے زمانہ میں اپنا غلام کہلانا چاہا

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

سیدنا حضرت ابورافعؓ سے اڑسٹھ[۶۸] حدیثیں مروی ہیں جن میں سے ایک میں امام بخاریؒ اور تین میں امام مسلمؒ منفرد ہیں۔ ان کے رواۃ حدیث میں چار بیٹوں اور دو پوتوں حسن اور صالح کے علاوہ عطاء بن یسارؒ، سلیمان بن یسارؒ، ابوسعید مقبریؒ اور ابوغطفان بن طریفؒ شامل ہیں۔

حضرت ابورافعؓ سے مروی احادیث میں سے پانچ حدیثیں ہم یہاں بطور تبرک درج کرتے ہیں۔

حضرت ابورافعؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

① میں ہرگز نہ پاؤں تم میں سے کسی شخص کو کہ وہ اپنی مسند پر تکیہ لگائے بیٹھا ہو اور اس کو میرے احکام میں سے کوئی حکم پہنچے خواہ میں نے کسی چیز سے منع کیا ہو یا کسی کام کے کرنے کا حکم دیا ہو اور وہ سن کر کہے کہ میں نہیں جانتا، جو کچھ ہم کتاب اللہ میں پائیں گے اس کی پیروی

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

لیکن یہ برابر انکار کرتے رہے تاآنکہ عمرو بن سعید نے ۵۰۰ کوڑے لگا کر زبردستی اپنا غلام کہلوایا ـــــ" لیکن فاضل مؤلف نے وہ عبارت درج نہیں کی جو تہذیب التہذیب میں اس واقعہ کو نقل کرنے کے بعد ابن حجرؒ نے لکھی ہے۔ یہ عبارت یوں ہے: ولا تبین لی ذلک بل عندی انہ غیرہ یعنی میرے نزدیک یہ (روایت) درست نہیں ہے بلکہ یہ کوئی اور ابورافع ہیں۔

درایتاً بھی یہ روایت بالکل غلط معلوم ہوتی ہے کیونکہ حضرت ابورافعؓ، عمرو بن سعید بن عاص کے زمانۂ امارت سے پہلے وفات پا چکے تھے۔ دوسرے اتنی سی بات پر ایک بوڑھے صحابی کو پانچ سو کوڑے مارنا ناقابلِ فہم ہے۔ کیا ایک بوڑھا آدمی پانچ سو کوڑے کھا کر زندہ رہ سکتا ہے اور کیا اس زمانے میں کسی مسلمان میں اتنی غیرت و حمیت نہیں تھی کہ اس ظلم کے خلاف آواز اٹھاتا۔ یہی کسی دیگر ابورافع کے بارے میں بھی یہ روایت تسلیم کرنے میں تامل ہے۔

کریں گے۔
(احمدؒ، شافعیؒ، ترمذیؒ، ابوداؤد، ابن ماجہ، بیہقی فی دلائل النبوۃ)

(۲) اللہ نے مجھ سے پہلے کسی اُمّت میں جو نبی بھی مبعوث فرمایا اسے اپنی اُمّت میں ایسے حواری اور اصحاب ملے جو اس کی سُنّت پر عمل کرتے تھے اور اس کے حکم کی اطاعت کرتے تھے۔ پھر ان کے جانشین ایسے لوگ بنتے رہے جو ایسی باتیں کرتے تھے جن پر خود عمل نہیں کرتے تھے اور جو کچھ عمل کرتے اس کا حکم نہیں دیا گیا تھا تو ایسے لوگوں سے جو شخص اپنے زورِ بازو سے جہاد کرے گا وہ مومن ہے۔ جو اپنی زبان کے ساتھ ان سے جہاد کرے گا وہ بھی مومن ہے اور جو دل میں ان سے نفرت رکھ کر ان سے جہاد کرے گا وہ بھی مومن ہے۔ رہا وہ شخص جس کے دل میں ان کے خلاف نفرت پیدا نہیں ہوتی وہ رائی کے دانے کے برابر ایمان کا بھی حامل نہیں۔
(صحیح مسلم)

(۳) حضرت ابورافعؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کو (اپنے نواسے) حضرت حسنؓ بن علیؓ کے کان میں نماز والی اذان پڑھتے ہوئے دیکھا۔ جب فاطمہؓ (بنتِ رسول اللہؐ) کے ہاں ان کی ولادت ہوئی۔
(جامع ترمذی، سنن ابی داؤد)

(۴) حضرت ابورافعؓ بیان کرتے ہیں کہ میں اس امر کی شہادت دیتا ہوں کہ میں رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کے لیے بکری کے پیٹ کی چیزیں (دل اور کلیجی وغیرہ) بھونتا تھا اور پھر آپؐ (تناول فرما کر) نماز کے لیے کھڑے ہو جاتے اور وضو نہ کرتے۔
(مشکوٰۃ بحوالہ مسلم)

(۵) حضرت ابورافعؓ سے روایت ہے کہ وہ سعدؓ بن ابی وقاص کے پاس آئے اور ان سے کہا کہ:

"اے سعد! مجھ سے وہ دونوں مکان جو آپ کے محلہ میں ہیں خرید لیجیے۔"

حضرت سعدؓ نے کہا :

"خدا کی قسم میں تمہیں چار ہزار (درہم) سے زیادہ نہ دوں گا اور وہ بھی قسطوں میں۔

ابو رافعؓ نے کہا :

"مجھے تو ان دونوں کے عوض پانچ سو دینار ملتے ہیں اگر میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے نہ سنا ہوتا کہ پڑوسی بوجہ اپنے قرب کے زیادہ مستحق ہے تو میں آپ کو چار ہزار (درہم) میں نہ دیتا کیونکہ مجھے ان کے عوض پانچ سو دینار ملتے ہیں۔ پس وہ دونوں مکان انہوں نے حضرت سعدؓ کو دے دیئے۔"

(صحیح بخاری کتاب الشفعۃ)

حضرت ابوکبشہؓ

۱

اللہ تعالیٰ کی شانِ کریمی کے قربان جایئے کہ اس نے جہاں مکہ کے دُرِّ یتیم صلی اللہ علیہ وسلم کو سارے جہانوں کے لیے رحمت بنایا وہاں ان لوگوں کو، جو غلام ابن غلام یا غریب الدیار اور مجہول النسب تھے، وہ مقام اور مرتبہ عطا کیا کہ بڑے بڑے آزاد ابن آزاد جو شرفائے عرب کا خلاصہ تھے ان پر رشک کرتے تھے۔ یہ مقام اور مرتبہ انہیں اس لیے حاصل ہوا کہ وہ محبوبِ ربّ العالمین کے غلام تھے ایسے ہی اصحاب میں ایک حضرت ابوکبشہؓ تھے۔ جمہور اہل سیر کے قول کے مطابق ان کا نام سلیم تھا لیکن اپنی کنیت "ابوکبشہ" ہی سے مشہور تھے۔ اُن کے نسب کے بارے میں تمام کُتبِ سیر خاموش ہیں اور نہ اُن کے وطن کے بارے میں کسی نے وثوق کے ساتھ کچھ کہا ہے۔ بعض نے لکھا ہے کہ ان کا تعلق یمن کے قبیلہ دَوس سے تھا، بعض نے بیان کیا ہے کہ وہ فارس (ایران) کے رہنے والے تھے اور کچھ یہ بھی کہتے ہیں کہ وہ مکہ میں پیدا ہوئے اور غلاموں کی اولاد سے تھے۔ اُن کی پہچان یہی ہے کہ وہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام تھے۔ حضورؐ نے انہیں خرید کر آزاد کر دیا تھا لیکن وہ عملاً عمر بھر حضورؐ کا طوقِ غلامی اپنے گلے میں ڈالے رہے کہ اس سے بڑھ کر ان کے لیے فخر اور سعادت کی کوئی اور بات نہ تھی۔

۲

قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوکبشہؓ نے دعوتِ حق کے

ابتدائی دور میں کسی وقت قبولِ اسلام کا شرف حاصل کیا۔ قبولِ حق کے جرم میں ان کے غیر مسلم آقا نے اُن کو ہدفِ ستم بنایا تو حضورؐ نے انہیں خرید کر آزاد کر دیا۔ لیکن آزاد کیا اور غلام کیا کوئی بھی مسلمان مشرکین کے دستِ تعدّی سے محفوظ نہیں تھا۔ دوسرے مسلمانوں کی طرح حضرت ابوکبشہؓ پر بھی طویل مدت تک مشرکین کے قہر و غضب کی بجلیاں ٹوٹ ٹوٹ کر گرتی رہیں یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے مکّہ سے تین سو میل دور شہر یثرب کے اوس و خزرج کو یہ توفیق دی کہ وہ حق کی حمایت پر کمربستہ ہو گئے۔ ان کے جوشِ ایمان اور اخلاص کو دیکھ کر حضورؐ نے اپنے صحابہ کو اذنِ ہجرت دیا تو حضرت ابوکبشہؓ بھی دوسرے اہلِ حق کے ساتھ ہجرت کر کے مدینہ آ گئے۔ رئیس قبا حضرت کلثومؓ بن الہدم نے ان کو اپنا مہمان بنایا۔ سرورِ عالم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے اپنے قدومِ میمنت لزوم سے مدینہ کو مشرف فرمایا اور کچھ عرصہ بعد اپنے مسکین اور مفلوک الحال جاں نثاروں کے قیام و طعام کا مستقل انتظام کیا تو بہت سے بے خانماں صحابہ نے اُس مسقف دالان (صُفّہ) کو اپنا مستقر بنایا جو حضورؐ نے اُن کے لیے مخصوص فرمایا تھا۔ یہ اصحاب اپنے شب و روز قرآن اور احکامِ شریعت کی تعلیم حاصل کرتے اور عبادت میں گزارتے تھے۔ ضرورت پڑنے پر حضورؐ ان کو مختلف قبائل میں قرآن اور احکامِ دین کی تعلیم دینے کے لیے بھی بھیج دیا کرتے تھے۔ جہاد بالسیف کا موقع آتا تو اللہ کے یہ پاکباز بندے سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر میدانِ جنگ میں پہنچ جاتے تھے اور پرستارانِ باطل کے خلاف سر دھڑ کی بازی لگا دیتے تھے۔ ان مردانِ حق نے تاریخ میں اصحابِ صُفّہ کے لقب سے شہرت پائی۔ حضرت ابوکبشہؓ کو عجز و شکستگی، بے نوائی و خاکساری کے سوا متاعِ دنیا میں سے کوئی چیز بھی میسّر نہ تھی، اس لیے وہ بھی اصحابِ صُفّہ کی مقدس جماعت میں شامل ہو گئے۔

رمضان ۲ھ ہجری میں غزوۂ بدر پیش آیا اس میں جن سرفروشوں کو سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمرکابی کا شرف حاصل ہوا ان میں حضرت ابوکبشہؓ بھی شامل تھے۔ اس طرح ان کو اصحابِ بدر کی مغفور اور عظیم المرتبت جماعت کا رکن بننے کی سعادت بھی حاصل ہو گئی۔ بدر کے بعد انہوں نے اُحد اور عہدِ رسالت کے دوسرے غزوات میں بھی سرفروشی کا حق ادا کیا۔

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد حضرت ابوکبشہؓ زیادہ عرصہ نہ جیئے۔ انہوں نے ۲۲ جمادی الآخر ۱۳ھ ہجری کو وفات پائی۔ اسی دن خلیفۃ الرسول حضرت ابوبکر صدیقؓ نے بھی (مغرب اور عشاء کے درمیان) رحلت فرمائی۔

(۴)

کُتبِ حدیث میں حضرت ابوکبشہؓ سے مروی کچھ احادیث بھی ملتی ہیں۔ ان میں سے ہم ایک طویل حدیث یہاں درج کرتے ہیں جس میں رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت سے ارشادات سموئے ہوئے ہیں۔

حضرت ابوکبشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

دو تین باتیں ہیں جن پر میں قسم کھاتا ہوں اور ان کے علاوہ ایک اور بات ہے جس کو میں تم سے بیان کرنا چاہتا ہوں۔ پس تم کو یاد کر لیجیو۔ جن تین باتوں پر میں قسم کھاتا ہوں ان میں سے ایک تو یہ ہے کہ صدقہ دینے سے کبھی کسی بندہ کے مال میں کمی نہیں آتی اور (دوسری بات یہ ہے) کہ جس شخص پر ظلم کیا جائے پھر وہ شخص صبر اختیار کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے عوض لوگوں میں اس شخص کی عزت بڑھا دے گا اور (تیسری بات یہ

ہے کہ) جس شخص نے مانگنے کا دروازہ کھولا اللہ تعالیٰ بھی اس پر محتاجی کا دروازہ کھول دے گا (اس کے بعد آپؐ نے فرمایا) اور جو بات میں ان کے علاوہ تم سے بیان کرنا چاہتا تھا جس کو تمہیں یاد کر لینا اور یاد رکھنا چاہیے وہ یہ ہے کہ دنیا میں چار قسم کے لوگ ہیں ایک وہ شخص کہ اللہ تعالیٰ نے اسے مال و دولت کے علاوہ علم بھی عطا فرمایا پھر وہ شخص مال و دولت کے معاملہ میں خدا سے ڈرتا رہتا ہے۔ رشتہ داروں کے حقوق ادا کرتا ہے اور مال کے متعلق جو حقوق اللہ تعالیٰ نے مقرر کیے ہیں ان کو خوب پہچانتا ہے پس ایسا شخص درجہ میں سب سے افضل ہے۔ دوسرا وہ شخص ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو علم تو عطا فرمایا ہے مگر مال و منال عطا نہیں کیا لیکن وہ شخص نیت کا نہایت پاک وصاف ہے۔ اس کا ارادہ نہایت پختہ ہے کہ اگر اس کے پاس بھی مال ہو تو وہ اس پہلے شخص کی طرح نیک کاموں میں اسے خرچ کرے پس اعلیٰ نیت رکھ کر یہ شخص اس پہلے شخص ہی کی طرح اللہ کے نزدیک ثواب کا مستحق ہے۔ تیسرا وہ شخص کہ اس کے پاس مال و دولت تو ہے مگر علم سے بے بہرہ ہے وہ جہالت کی وجہ سے مال کے معاملہ میں لغزشیں کھاتا ہے اور خدا سے خوف نہیں کرتا ۔۔۔ نہ رشتہ داروں کے حقوق ادا کرتا ہے اور نہ مال کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے حق کو پہچانتا ہے یہ شخص مرتبہ کے لحاظ سے نہایت بُرے مقام پر ہے۔

چوتھا وہ شخص ہے کہ نہ اس کو علم ملا اور نہ مال مگر اس کی نیت اور ارادہ یہی ہے کہ اگر اس کے پاس مال ہو تو اس تیسرے شخص کی طرح مال و دولت سے عیاشی اور فضول خرچی کرے (بُرے بُرے کام کرے)

پس یہ شخص بھی نیت کی برائی کی وجہ سے اُس تیسرے آدمی ہی کے برابر ہے۔" (ترمذی)

(۴)

ہجرتِ نبوی سے پہلے مشرکین مکہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ اقدس میں طرح طرح کی گستاخیاں کیا کرتے تھے۔ وہ حضورؐ کو (نعوذ باللہ) صابی، کاہن، ساحر، مجنون اور شاعر کہنے کے علاوہ "ابن ابی کبشہ" بھی کہا کرتے تھے۔ بعض اربابِ سیر کو اس سے یہ غلط فہمی ہوئی ہے کہ اس سے مراد ابو کبشہؓ صحابی تھے جن کے ننہالی اجداد میں ابو کبشہ نام کا کوئی شخص گزرا تھا جس نے بت پرستی چھوڑ کر ستارہ پرستی اختیار کر لی تھی۔

صحیح یہ ہے کہ ابو کبشہ جس کی طرف نسبت کر کے مشرکین مکہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو ابو کبشہ کا بیٹا کہتے تھے، ایک قول کے مطابق بنو خزاعہ کا کوئی شخص تھا جس نے اپنے زمانے میں بت پرستی چھوڑ دی تھی اور دوسرے قول کے مطابق آپؐ کے اجدادِ مادری میں کوئی اس نام کا گزرا ہے۔

(نبیؐ رحمتؐ از سید ابو الحسن علی ندوی بحوالہ مجمع بحار الانوار)

مولانا ابو القاسم رفیق دلاوری مرحوم نے اپنی کتاب "سیرۃ کبریٰ" میں لکھا ہے کہ:

"ابو کبشہ دنیا میں پہلا شخص تھا جس نے شعریٰ کی پرستش شروع کی اور کہا کہ یہ ستارہ آسمان کو چوڑان میں قطع کرتا ہے اس کے سوا کوئی ستارہ ایسا نہیں جو آسمان کو عرض میں طے کرتا ہو۔ اس خیال سے ابو کبشہ نے اپنے بت کو چھوڑ کر اس کو پوجنا شروع کر دیا تھا۔

چونکہ یہ اقدام قریش کے مسلکِ اصنام پرستی کے خلاف تھا

اس بناء پر جب سرورِ انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے اور آپؐ نے لوگوں کو توحیدِ الٰہی کی طرف بلانا شروع کیا اور انہیں ہدایت کی کہ بتوں کو پس پشت ڈال دیں تو قریش نے کہنا شروع کر دیا کہ یہ ابوکبشہ کا بیٹا ہے یعنی جیسے ابوکبشہ نے بت پرستی چھوڑ کر ہماری مخالفت کی اسی طرح مدعیٔ نبوت نے بھی اصنام پرستی سے منہ موڑ کر راہِ خلاف اختیار کی ہے۔"

(سیرۃ کبریٰ جلد اوّل ص ۲۱۳)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ یارسول اللہؐ! ایمان کا افضل درجہ کیا ہے؟

آپؐ نے ارشاد فرمایا:—

"یہ کہ تمہاری محبت و مودت اور تمہاری نفرت و عداوت بس اللہ کے واسطے ہو اور تمہاری زبان اللہ کے ذکر میں استعمال ہو —" معاذ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ اس کے علاوہ اور کیا یا رسول اللہؐ؟ تو آپؐ نے فرمایا:—

"اور یہ کہ تم سب لوگوں کے لیے وہی چاہو اور وہی پسند کرو جو اپنے لیے چاہتے اور پسند کرتے ہو اور اس چیز اور اس حالت کو سب لوگوں کے لیے ناپسند کرو جس کو اپنے لیے ناپسند کرتے ہو۔"

(مسندِ احمدؒ)

حضرت ابوبکرہؓ ـــــ عتیق النبیؐ

(۱)

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ۸ ہجری میں فتح مکہ اور غزوۂ حنین کے بعد طائف کا محاصرہ کیا تو دورانِ محاصرہ میں آپؐ نے اعلان فرمایا کہ جو آزاد ہم سے مل جائے وہ محفوظ و مامون ہے اور جو غلام ہمارے پاس چلا آئے گا وہ آزاد ہے۔ یہ اعلان سن کر بنو ثقیف کے رئیسوں کے غلام کسی نہ کسی طریقے سے شہر سے نکل کر حضورؐ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہو گئے۔ آپؐ نے ان سب کو آزاد کر دیا۔ ان میں ایک حبشی غلام بھی تھے جو ایک گھرنی (چرخی) (PULLY) کے ذریعے فصیلِ شہر سے اتر کر بارگاہِ نبوت میں حاضر ہوئے اور آزادی کی نعمت سے بہرہ یاب ہوئے۔ بعد میں ان کے آقا نے حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ میرا غلام مجھے واپس دیا جائے۔ آپؐ نے فرمایا:

"اللہ اور رسول نے ان کو آزاد کر دیا ہے اس لیے اب انہیں واپس نہیں کیا جا سکتا۔"

یہ خوش بخت غلام جنہیں سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو ثقیف کی غلامی سے نجات دلائی اور واپس دینے پر راضی نہ ہوئے حضرت ابوبکرہؓ تھے۔

(۲)

حضرت ابوبکرہؓ کا اصل نام نُفیع تھا لیکن انہوں نے اپنی کنیت ہی سے شہرت پائی۔ باپ کا نام بہ اختلافِ روایت مسروح یا حارث تھا (جمہور اہلِ سیر نے مسروح ہی لکھا ہے لیکن بعض روایتوں میں حارث آیا ہے) ان

کی والدہ کا نام ان کے بعض سوانح نگاروں نے سُمَیّہ لکھا ہے جو امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مشہور گورنر زیاد بن ابیہ کی بھی ماں تھی، اس نسبت سے وہ زیاد بن ابیہ کے اخیافی بھائی تھے۔ اُن کے والد کا آبائی وطن حبش تھا لیکن حضرت ابوبکرہؓ کو بنو ثقیف کے ایک رئیس کا غلام ہونے کی بنا پر ثقفی کہا جاتا ہے۔ محاصرۂ طائف کے دوران میں اگرچہ رسولِ اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے انہیں آزاد کر دیا تھا لیکن وہ تمام عمر اپنے آپ کو رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا غلام ہی کہتے رہے۔ ایک روایت کے مطابق وہ اپنے آپ کو بڑے فخر سے "عتیق النبی" (نبی صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا آزاد کیا ہوا) کہا کرتے تھے۔ قیاس یہ ہے کہ انہوں نے آزاد ہوتے ہی اسلام قبول کر لیا ——— علامہ ابن اثیرؒ نے "اُسد الغابہ" میں لکھا ہے کہ حضرت ابوبکرہؓ لوگوں سے کہا کرتے تھے کہ

"میرے لیے اس سے بڑھ کر کیا فخر ہو سکتا ہے کہ تمہارا مسلمان بھائی ہوں اور رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا غلام ہوں۔ اگر تمہیں میری آبائی نسبت پر اصرار ہے تو نفیع بن مسروح کہا کرو۔"

طائف کا محاصرہ ختم ہونے کے بعد حضرت ابوبکرہؓ رسولِ اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے ساتھ ہی مدینہ منورہ آ گئے اور وہیں اقامت اختیار کر لی۔ اب وہ شب و روز حضورؐ کی خدمت میں مصروف رہتے تھے اور حضورؐ جو حکم دیتے نہایت مستعدی سے اس کی تعمیل کرتے تھے۔ اُن کو سرکارِ دو عالم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے کمال درجے کی محبت تھی۔ آپؐ کے ارشادات کو غور سے سنتے اور اُن کو حرزِ جان بنا لیتے۔ اُسوۂ نبوی پر پوری طرح عمل کرنے کی بھی کوشش کرتے تھے۔

ایک مرتبہ کسی مجلس میں گئے تو ایک شخص نے اٹھ کر ان کے لیے جگہ خالی کر دی۔ انہوں نے اس کی جگہ بیٹھنے سے انکار کر دیا اور فرمایا، رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے اس سے منع فرمایا ہے۔ (ابوداؤد)

سرورِ عالم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم بھی حضرت ابوبکرہؓ پر بہت شفقت فرماتے

تھے اور نماز کو یا کسی اور کام کو جاتے وقت بعض دفعہ انہیں اپنے ساتھ لے لیا کرتے تھے۔

(۳)

حضرت ابوبکرہؓ کے مدینہ منورہ آنے سے پہلے بیشتر غزوات گزر چکے تھے۔ سب سے اہم غزوہ جو عہدِ رسالت کے آخری تین سالوں میں پیش آیا وہ "جیش عسرۃ" یا غزوہ تبوک تھا (۹ھ ہجری)۔ حضرت ابوبکرہؓ اس میں بڑے ذوق و شوق سے شریک ہوئے۔

۱۰ ہجری میں حضرت ابوبکرہؓ کو حجۃ الوداع میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمرکابی کا شرف حاصل ہوا اس کے واقعات بڑے لطف و انبساط سے سنایا کرتے تھے۔ صحیحین میں ان سے روایت ہے کہ:

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (حجۃ الوداع میں) دسویں ذی الحجہ کو خطبہ دیا جس میں فرمایا: —— زمانہ گھوم پھر کر اپنی اس اصلی ہیئت پر آ گیا ہے جس پر وہ زمین اور آسمان کی تخلیق کے وقت تھا۔ سال پورے بارہ مہینے ہی کا ہوتا ہے ان میں سے چار مہینے خصوصیت سے قابلِ احترام ہیں تین مہینے تو مسلسل ہیں ذی القعدہ، ذی الحجہ اور محرم اور چوتھا رجب جو جمادی الاخریٰ اور شعبان کے درمیان ہوتا ہے اور جس کو قبیلہ مضر زیادہ مانتا ہے —— اس کے بعد آپ نے فرمایا: ——

"بتاؤ یہ کونسا مہینہ ہے؟"

ہم لوگوں نے عرض کیا: "اللہ اور اس کے رسول ہی کو زیادہ علم ہے۔" اس کے بعد آپ نے کچھ دیر سکوت فرمایا یہاں تک ہم نے خیال کیا کہ آپ اس مہینہ کا کوئی اور نام مقرر کر دیں گے (لیکن) آپ

نے فرمایا :

"کیا یہ ذی الحجہ کا مہینہ نہیں ہے ؟"

ہم نے عرض کیا : بے شک یہ ذی الحجہ ہی ہے۔"

اس کے بعد آپؐ نے فرمایا : "بتاؤ یہ کونسا شہر ہے ؟"

ہم لوگوں نے عرض کیا : "اللہ اور رسولؐ ہی کو زیادہ علم ہے۔"

آپ کچھ دیر خاموش رہے اور ہم نے خیال کیا کہ اب آپؐ اس شہر کا کوئی اور نام مقرر کر دیں گے لیکن آپؐ نے فرمایا، کیا یہ بلدہ نہیں ہے؟ (مکہ معظمہ کا ایک نام بلدہ بھی ہے) ہم نے عرض کیا، بے شک یہ بلدہ ہی ہے۔ پھر آپؐ نے فرمایا، یہ کونسا دن ہے ؟ ہم نے عرض کیا، اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔ فرمایا، کیا آج یوم النحر (قربانی کا دن) نہیں ہے۔ ہم نے عرض کیا، بے شک آج یوم النحر ہے۔ اس کے بعد آپؐ نے فرمایا، تمہارے خون، تمہارے اموال اور تمہاری آبروئیں ایک دوسرے پر حرام ہیں جیسا کہ آج کے مبارک اور مقدس دن خاص اس شہر اور اس مہینہ میں تم کسی کی جان لینا یا اس کا مال لوٹنا یا اس کی آبرو لوٹنا حرام سمجھتے ہو —— اور عنقریب (مرنے کے بعد آخرت میں تم اپنے رَبّ کے سامنے پیش ہو گے اور وہ تم سے تمہارے اعمال کی بابت سوال کرے گا دیکھو میں تمہیں خبردار کرتا ہوں کہ تم میرے بعد گمراہ نہ ہو جانا کہ تم میں سے بعض بعض کی گردنیں مارنے لگیں —— اس کے بعد آپؐ نے فرمایا، کیا میں نے تم کو اللہ کا پیغام پہنچا دیا۔ سب نے کہا، بے شک آپ نے تبلیغ کا حق ادا کر دیا۔ اس پر آپؐ نے فرمایا، اے اللہ تو گواہ رہ —— پھر آپؐ نے (حاضرین سے مخاطب ہو کر) فرمایا، جو لوگ یہاں موجود ہیں وہ ان لوگوں تک

میری بات پہنچا دیں جو یہاں موجود نہیں ہیں۔ بہت سے وہ لوگ جن کو کسی سننے والے سے بات پہنچے اس سننے والے سے زیادہ یاد رکھنے والے ہوتے ہیں۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(۴)

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد حضرت ابوبکرہؓ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کی بیعت کر لی اور مدینہ منورہ ہی میں رہے۔ حضرت عمر فاروقؓ سریر آرائے خلافت ہوئے تو ان کی بیعت کی اور کچھ عرصہ بعد یمن چلے گئے۔ عہدِ فاروقی میں بصرہ آباد ہونے لگا تو انہوں نے اس کی تاسیس میں حصہ لیا اور پھر اسی شہر میں مستقل طور پر سکونت اختیار کر لی۔ ۱۵ھ ہجری میں حضرت مغیرہؓ بن شعبہ ثقفی بصرہ کے گورنر مقرر ہوئے۔ انہوں نے اپنی امارتِ بصرہ کے دوران میں کئی شاندار کارنامے سرانجام دیے لیکن بدقسمتی سے بعض لوگوں نے ان پر ایک تہمت لگا دی جس کی بنا پر حضرت عمر فاروقؓ نے انہیں بصرہ کی گورنری سے معزول کر کے مدینہ منورہ بلا لیا اور ان پر جو تہمت لگائی گئی تھی اس کی تحقیق کی۔ حضرت مغیرہؓ کے خلاف شہادت دینے والوں میں حضرت ابوبکرہؓ بھی تھے لیکن ان پر الزام ثابت نہ ہو سکا۔ اس پر امیر المومنینؓ نے حضرت ابوبکرہؓ پر حدِ قذف جاری کی (ان کو کوڑے لگوائے) اس کے بعد انہوں نے عہد کر لیا کہ اب دو آدمیوں کے درمیان شہادت نہ دیں گے۔

حضرت عمر فاروقؓ نے حضرت ابوبکرہؓ کو کچھ زمینیں عطا کی تھیں۔ وہ ان پر کاشت کرتے تھے۔ ایک روایت کے مطابق انہوں نے کچھ عوامی حمام بھی بنوائے تھے۔ زمینوں اور حماموں سے اچھی خاصی آمدنی ہو جاتی تھی اور وہ بصرہ کے اہلِ ثروت میں شمار ہوتے تھے۔ حضرت عثمان ذوالنورینؓ کے عہد میں فتنوں کا آغاز ہوا تو وہ ان سے یکسر کنارہ کش رہے۔ حضرت عثمانؓ کی شہادت

کے بعد بھی انہوں نے سیاست میں کسی قسم کا حصہ نہ لیا۔ جنگ جمل اور جنگ صفین میں بھی شریک نہ ہوئے۔ مسلمانوں کی خانہ جنگی پر ان کا دل بہت کڑھتا تھا اور وہ لوگوں کو ایک دوسرے کے گلے کاٹنے سے منع کرتے تھے۔

حضرت ابوبکرہؓ نے امیر معاویہؓ کے عہدِ خلافت میں بصرہ میں وفات پائی۔ سالِ وفات باختلافِ روایت ۵۱ھ (۶۷۱ء) یا ۵۲ھ (۶۷۲ء) ہے۔ انہوں نے اپنے پیچھے بہت سے لائق بیٹے چھوڑے جن میں سے عبید اللہ، عبید اللہ، عبد الرحمٰن، عبد العزیز، مسلم، رواد، یزید اور عتبہ مشہور ہیں۔ یہ سب دینی اور دنیوی لحاظ سے بلند مقام رکھتے تھے۔ عبید اللہ کچھ عرصہ سجستان کے گورنر بھی رہے۔ لائق بیٹوں نے اپنے والدِ گرامی سے حدیثیں روایت کی ہیں۔

۵

فضل و کمال کے اعتبار سے حضرت ابوبکرہؓ کا شمار فضلاء صحابہ میں ہوتا ہے۔ ان سے ۱۳۲ حدیثیں مروی ہیں۔ ان میں آٹھ متفق علیہ ہیں اور پانچ میں امام بخاری منفرد ہیں۔

حضرت ابوبکرہؓ سے مروی پانچ حدیثیں بطور تبرک یہاں درج کی جاتی ہیں:

حضرت ابوبکرہؓ سے روایت ہے کہ:

(۱) میں نے رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے سنا، آپؐ ارشاد فرماتے تھے کہ کوئی قاضی اور حاکم (کسی معاملہ کا فیصلہ) ایسی حالت میں ہرگز نہ کرے کہ وہ غصہ کی حالت میں ہو۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(۲) جب رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو خبر پہنچی کہ اہلِ فارس نے کسریٰ شاہ فارس کی بیٹی کو اپنا بادشاہ بنا لیا ہے تو آپؐ نے فرمایا کہ وہ قوم کبھی فلاح نہیں پا سکتی جس نے ایک عورت کو اپنی فرمانروا بنا لیا ہے۔ (صحیح بخاری)

(۳) رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی خدمت میں ایک شخص نے عرض کیا، یا رسول اللہ!

آدمیوں میں کون بہتر ہے۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا، وہ جس کی عمر لمبی ہوئی اور جس کے اعمال اچھے رہے۔ پھر اسی سوال کرنے والے نے پوچھا، یا رسول اللہ آدمیوں میں زیادہ بُرا کون ہے؟
آپؐ نے ارشاد فرمایا، جس کی عمر لمبی ہوئی اور اس کے اعمال بُرے رہے۔
(مسند احمد)

(۴) رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا ہے کہ جب دو مسلمان تلواریں پکڑ کر ایک دوسرے کے قتل کرنے کے ارادہ سے ایک دوسرے کے سامنے آئیں تو قاتل اور مقتول دونوں جہنمی ہیں۔ میں نے عرض کیا، یا رسول اللہ قاتل تو قتل کرنے کی وجہ سے جہنمی ہوا مقتول کیوں دوزخی ہو گیا۔
آپؐ نے فرمایا، اس لیے کہ وہ بھی اپنے ساتھی کو قتل کرنے پر حریص تھا۔
(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(۵) ایک دن ہم رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے پاس تھے کہ آپؐ نے ہم سے فرمایا، کیا میں تمہیں بڑے بڑے گناہوں سے بھی بُرے کاموں سے آگاہ نہ کروں۔ وہ تین ہیں اللہ کے ساتھ شرک کرنا، والدین کی نافرمانی کرنا اور جھوٹی گواہی دینا (یا آپ نے فرمایا جھوٹی بات کرنا) اور رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم ٹیک لگا کر بیٹھے ہوئے تھے۔ اس کے بعد آپؐ نے ٹیک چھوڑ دی اور سیدھے ہو کر بیٹھ گئے اور بار بار یہی جملہ دہراتے گئے یہاں تک کہ ہم خواہش کرنے لگے کہ آپؐ اب سکوت فرمائیں (تاکہ تھک نہ جائیں)
(صحیح مسلم)

(۶) میں رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے ساتھ صبح کی نماز کے لیے نکلا پس جو شخص راستے میں ملتا آپ اس کو نماز کے لیے بلاتے یا (سوتا ہوتا) تو اپنے پاؤں سے اس کے پاؤں کو حرکت دیتے۔ (ابوداؤد)

حضرت عُمیرؓ بن وہب جمحی

۱

غزوۂ بدر کے چند دن بعد کا ذکر ہے کہ ایک دن ایک قوی الجثہ ادھیڑ عمر کا آدمی اونٹ پر سوار مدینہ منوّرہ میں وارد ہُوا۔ اس کے خدوخال اور ہیئت سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ قریشِ مکہ سے تعلق رکھتا ہے اور طویل سفر طے کر کے آ رہا ہے۔ اس نے گلے میں تلوار لٹکا رکھی تھی اور سیدھا مسجدِ نبوی کی طرف بڑھ رہا تھا جہاں سرورِ عالم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم اپنے چند جاں نثاروں کے درمیان رونق افروز تھے۔ نووارد مسافر مسجدِ نبوی کے سامنے پہنچ کر رُک گیا اور اپنی سواری کا اونٹ باندھ کر چاہتا تھا کہ مسجدِ نبوی کے اندر داخل ہو۔ اتفاق سے حضرت عمرؓ فاروقؓ بھی بارگاہِ رسالت میں حاضر تھے۔ اُن کی نظر اُس شخص پر پڑی تو وہ پکار اٹھے:

"ادھو یہ تو اسلام کا بدترین دشمن عمیر بن وہب ہے۔ اس کی یہاں آمد کسی علت سے خالی نہیں۔"

یہ کہہ کر وہ عمیر پر باز کی طرح جھپٹے، نہایت پھرتی سے ایک ہاتھ اس کی تلوار کے قبضے پر رکھا اور دوسرے ہاتھ سے اس کا گلا دبا کر پوچھنے لگے:

"او دشمنِ خدا! تو مکہ سے یہاں کس غرض سے آیا ہے؟"

عمیر نے اُن کو جواب دیا — "میں اپنے بیٹے کو چھڑانے آیا ہوں جو مسلمانوں کے ہاتھ جنگِ بدر میں اسیر ہو گیا تھا۔"

حضرت عمرؓ کو اس کی بات پر یقین نہ آیا اور وہ اس کو کھینچتے ہوئے سرورِ عالم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے پاس لے گئے۔ حضورؐ نے حضرت عمرؓ سے فرمایا: — "عمرؓ! اس کو چھوڑ دو۔"

انہوں نے تعمیلِ ارشاد کی۔ اب عُمیر اور سرورِ عالم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے درمیان یہ مکالمہ ہُوا:

عُمیر: "اَنْعِمُوْا صَبَاحًا" یعنی صبح کا سلام پیش کرتا ہوں لہ

رسولِ اکرمؐ: "اللہ تعالیٰ نے تمہارے طریقۂ تحیۃ سے ہم کو بے نیاز کر دیا ہے اور اہلِ جنت کا طریقۂ تحیۃ ہمیں عطا فرمایا ہے اور وہ ہے سلام" علیکم"

عُمیر: "یہ طریقۂ تحیۃ تو آپ نے حال میں اختیار کیا ہے اس سے پہلے تو آپ ہمارے مروجہ طریقۂ سلام پر عمل پیرا تھے۔"

رسولِ اکرمؐ: "کس ارادے سے آئے ہو؟"

عُمیر: "اپنے بیٹے کی خبر لینے آیا ہوں جو آپ کی قید میں ہے اور پھر آپ سے ہماری قرابت داری بھی تو ہے۔"

رسولِ اکرمؐ: "گلے میں تلوار کیوں حمائل کر رکھی ہے؟"

عُمیر: "خدا ان تلواروں کو غارت کرے۔ انہوں نے بدر میں آپ کا کیا بگاڑ لیا۔ اے صاحب کیا بتاؤں سواری سے اترتے وقت خود فراموشی کے عالم میں اسے گلے سے اتارنا بھول گیا۔"

رسولِ اکرمؐ: "اے عُمیر! سچ کہو یہاں کس ارادے سے آئے ہو؟" مکہ میں صفوان بن اُمیّہ سے حجر میں کیا طے ہوا تھا؟" لہ

لہ یہ زمانۂ جاہلیت کا سلام تھا۔ حضورؐ نے اس کو مکروہ قرار دیا تھا اور اس کی جگہ السلام علیکم کہنے کا حکم دیا تھا۔

لہ صفوانؓ بن اُمیّہ کا تعلق بھی بنو جُمح سے تھا۔ وہ عمیرؓ بن وہب کے چچا زاد بھائی تھے۔ نسب نامہ یہ ہے:

صفوانؓ بن اُمیّہ بن خلف بن وہب بن حذافہ بن جُمح۔

حضرت صفوانؓ کا باپ اُمیّہ اور چچا اُبَیّ بنو جُمح کے رئیسوں میں سے تھے دونوں

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

عُمیرؓ نے گھبرا کر کہا: "صفوان سے کیا طے ہوا تھا؟ آپ جو ایسا فرما رہے ہیں تو آپؐ ہی بتائیے۔"

رسولِ اکرمؐ: "صفوان اور تمہارے درمیان یہ طے پایا تھا کہ تم مجھے قتل کر دو تو وہ تمہارا قرض بھی ادا کرے گا اور تمہارے اہل و عیال کی تا زیست کفالت بھی کرے گا۔ اے عمیر تم کب ٹلنے والے تھے یہ تو اللہ تعالیٰ ہے جس نے تمہارے

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ)

اسلام کے بدترین دشمن تھے۔ انہوں نے سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے صحابہؓ کو ستانے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی تھی۔ حضرت بلالِ حبشی رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ اُمیّہ ہی کی غلامی میں تھے۔ اس نے اسلام لانے کے جرم میں حضرت بلالؓ پر بے پناہ مظالم ڈھائے یہاں تک کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے انہیں امیّہ سے خرید کر آزاد کر دیا۔ اہلِ حق کی ایذا رسانی میں صفوان بھی باپ کے ساتھ ساتھ رہتے تھے۔ غزوۂ بدر میں امیّہ کو مسلمانوں نے جہنم واصل کر دیا۔ چند دن بعد صفوان نے عمیر بن وہب کو اس مقصد کے لیے مدینہ بھیجا کہ وہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید کر ڈالیں لیکن عمیر وہاں پہنچ کر مسلمان ہو گئے۔ ۳ھ ہجری میں انہوں نے مسلمانوں کے خلاف اُحد کی لڑائی میں بڑے جوش و خروش سے حصہ لیا۔ اس کے کچھ عرصہ بعد واقعۂ رجیع پیش آیا جس میں مسلمان مبلغین کی ایک جماعت پر بنو لحیان نے غدارانہ حملہ کیا۔ دو کے سوا سب مبلغین شہید ہو گئے۔ ان دونوں کو بنو لحیان نے قریش کے ہاتھ بیچ ڈالا۔ ان میں ایک حضرت زیدؓ بن دثنہ انصاری تھے ان کو صفوانؓ نے خریدا اور اپنے باپ کے بدلہ میں سولی پر چڑھا کر شہید کر ڈالا۔ دوسرے حضرت خبیب انصاریؓ تھے۔ مشرکین قریش نے ان کو بھی اسی طرح شہید کیا۔ اس کے بعد صفوانؓ کے دل میں اسلام کی طرف رغبت پیدا ہونے لگی چنانچہ انہوں نے غزوۂ خیبر (محرم ۷ھ) کے موقع پر چند زرہیں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو عاریتاً دیں۔ ان میں سے کچھ زرہیں جنگِ خیبر میں ضائع ہو گئیں۔ حضورؐ نے ان کا تاوان

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

شر سے مجھے محفوظ رکھا۔"

عمیر: "اے محمد! میں شہادت دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں اور اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں (اَشْهَدُ اَنَّكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَاَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ)۔ یا رسول اللہ! یہ ہماری حماقت تھی کہ ہم آسمانی خبروں (وحی) کے

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ)

دینا چاہا لیکن صفوانؓ نے قبول نہ کیا۔ یہ مسند احمد کی روایت ہے۔ سنن ابو داؤد کی روایت کے مطابق یہ واقعہ غزوۂ حنین کے موقع پر پیش آیا۔ ہمارے خیال میں سنن ابی داؤد کی روایت زیادہ قرین قیاس ہے کیونکہ غزوۂ خیبر کے موقع پر صفوانؓ مکہ میں تھے اور حالتِ کفر میں تھے۔ مکہ کے کسی کافر سے زرہیں منگوانا درایت کی رو سے مستبعد معلوم ہوتا ہے۔

فتح مکہ (رمضان ۸ ہجری) سے پہلے قریش کے حلیف قبیلہ بنو بکر نے مسلمانوں کے حلیف قبیلہ بنو خزاعہ پر ناحق حملہ کیا اور ان کے بہت سے آدمیوں کو بڑی بیدردی سے قتل ڈالا۔ قریش کے بعض اکابر نے بھی صلحنامۂ حدیبیہ کی خلاف ورزی کرتے ہوئے (چہرے پر نقاب ڈال کر) بنو بکر کی مدد کی۔ ان میں صفوان بھی شامل تھے۔ چنانچہ حضورؐ نے فتح مکہ کے وقت بعض دوسرے لوگوں کے ساتھ صفوان کو بھی واجب القتل قرار دیا۔ حضرت صفوانؓ نے یہ خبر سنی تو وہ مکہ سے بھاگ کر ساحلِ سمندر پر چلے گئے اور ارادہ کیا کہ کشتی پر بیٹھ کر کسی دوسرے ملک کو چلے جائیں۔ اس اثناء میں ان کے چچازاد بھائی حضرت عمیرؓ بن وہب نے بارگاہِ رسالت میں ان کی سفارش کی۔ حضورؐ نے فرمایا، وہ مامون ہیں۔ پھر آپؐ نے حضرت عمیرؓ بن وہب کی درخواست پر انہیں اپنی ردائے مبارک عطا فرمائی۔ (بروایت دیگر اپنا عمامہ عطا فرمایا جو آپ فتح مکہ کے وقت باندھے ہوئے تھے) کہ وہ اسے دکھا کر صفوان کو واپس لے آئیں اگر وہ اسلام قبول کرلیں تو بہتر ورنہ انہیں دو مہینے کی مہلت ہے ۔ عمیرؓ بن وہب حضرت صفوانؓ کے پیچھے گئے اور ان کو ساتھ لے کر بارگاہِ نبوی

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

متعلق آپؐ کو ہمیشہ جھٹلاتے رہے۔ میرے اور صفوان کے سوا کسی کو اس راز کا علم نہ تھا۔ اگر آپؐ پر وحی صادق کا نزول نہ ہوتا تو آپؐ کو اس راز کی خبر کیسے ہو سکتی تھی۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

میں حاضر ہوئے۔ صفوان نے سواری پر سے ہی بآوازِ بلند پوچھا، اے محمدؐ! عمیر بن وہب نے مجھے آپ کی چادر دکھا کر کہا ہے کہ آپؐ نے مجھے بلایا ہے اور اختیار دیا ہے کہ میرا جی چاہے تو اسلام قبول کر لوں ورنہ غور کرنے کے لیے دو مہینے کی مہلت ہے۔ حضورؐ نے فرمایا، ابو وہب سواری سے تو اترو۔ انہوں نے کہا جب تک صاف نہ بتائیں گے نہ اتروں گا۔ حضورؐ نے فرمایا، دو مہینہ کے بجائے تم کو چار مہینے کی مہلت ہے۔ حضرت صفوانؓ اس وقت تو مسلمان نہ ہوئے لیکن غزوۂ حنین اور غزوۂ طائف میں مسلمانوں کی طرف سے شریک ہوئے۔ اس موقع پر حضورؐ نے ان سے کچھ زرہیں مانگیں تو انہوں نے پوچھا آپ عاریتاً لینا چاہتے ہیں یا جبراً؟ حضورؐ نے فرمایا، عاریتاً۔ چنانچہ انہوں نے زرہیں پیش کر دیں۔ ایک روایت میں ہے کہ انہوں نے چالیس ہزار درہم بھی قرض کے طور پر دیئے۔ حنین کا مالِ غنیمت تقسیم کیا گیا تو حضورؐ نے حضرت صفوانؓ کو سو اونٹ (اور بروایت دیگر تین سو اونٹ) مرحمت فرمائے۔ صفوانؓ حضورؐ کی شانِ بخشش دیکھ کر مہلت کی مدت ختم ہونے سے پہلے ہی سچے دل سے مسلمان ہو گئے۔ ان کی اہلیہ ناجیہؓ بنت ولید بن مغیرہ ان سے پہلے ہی مسلمان ہو چکی تھیں۔ حضورؐ نے ان کے نکاح کی تجدید نہیں فرمائی۔

(مؤطا امام مالک)

ایک روایت میں ہے کہ فتح مکہ کے قریبی زمانے میں ایک دفعہ حضرت صفوانؓ نے اپنے اخیافی بھائی کلدہؓ بن حنبل کو کچھ دودھ، ہرنی کا ایک بچہ اور کچھ کھیرے دے کر حضورؐ کی خدمت میں بھیجا۔ اس وقت آپؐ مکہ کے بالائی حصے میں تھے۔ انہوں نے نہ سلام کیا اور نہ حاضری کی اجازت چاہی۔ اس پر حضورؐ نے فرمایا، تم واپس جاؤ اور اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ اَاَدْخُلُ؟

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

عمیرؓ کے قبولِ اسلام پر سرورِ عالم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم مسرور ہوئے اور آپؐ نے صحابہؓ کو حکم دیا کہ اپنے بھائی کو آرام پہنچاؤ اور ان کا قیدی رہا کر دو۔ چنانچہ اُن کے فرزند وہب کو بغیر فدیہ کے چھوڑ دیا گیا۔ حضرت عمیرؓ مدینہ ہی میں ٹھہر گئے اور حضورؐ کے ارشاد کے مطابق قرآن کی تعلیم حاصل کرنے لگے۔

(۲)

حضرت عُمیرؓ بن وہب کا تعلق قریش کی شاخ بنو جُمَح سے تھا۔ یہ خاندان مکّہ میں بڑے اثر و رسوخ کا مالک تھا اور ازلام یعنی تیروں سے پانسہ ڈالنے کا عہدہ اسی کے پاس تھا۔ زمانۂ جاہلیّت میں اہلِ مکّہ کو کوئی حاجت پیش آتی تو

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ)

کہہ کے اجازت مانگو۔ چنانچہ انہوں نے اسی طرح کیا۔ (جامع ترمذی و سنن ابی داؤد)

قبولِ اسلام کے کچھ عرصہ بعد حضرت صفوانؓ ہجرت کا شرف حاصل کرنے کے لیے مکّہ سے مدینہ گئے اور حضرت عباسؓ بن عبدالمُطّلب کے ہاں قیام کیا۔ حضورؐ کو معلوم ہوا تو آپؐ نے بلا کر فرمایا، فتح مکّہ کے بعد (مکّہ سے مدینہ کی طرف) ہجرت باقی نہیں رہی۔ اس لیے تم مکّہ واپس چلے جاؤ اور وہیں رہو۔ چنانچہ وہ مکّہ واپس آ گئے اور باقی زندگی یہیں گزاری۔ امام طبریؒ کا بیان ہے کہ انہوں نے جہادِ شام میں سرگرم حصہ لیا اور رومیوں کے خلاف کئی لڑائیوں میں دادِ شجاعت دی۔ شام کی مشہور جنگ، جنگِ یرموک میں فوج کے ایک دستے کے افسر تھے۔ بقول ابنِ اثیرؒ حضرت صفوانؓ بن امیہ نے ۴۲ھ ہجری میں وفات پائی۔ انہوں نے اپنے پیچھے دو لڑکے امیّہ اور عبداللہ چھوڑے۔

حضرت صفوانؓ سے مروی چند احادیث بھی کتبِ حدیث میں موجود ہیں۔ وہ نہایت فصیح البیان خطیب تھے۔ اور فیاضی اور سخاوت میں بھی بہت شہرت رکھتے تھے۔ ان کے وسیع دسترخوان سے ہر روز بیسیوں لوگ متمتع ہوتے تھے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ

وہ تیروں سے فال لیتے اور فال ہی کے مطابق عمل کرتے۔ یہ خاص قسم کے بے پر تیر تھے جو خاص اسی مقصد کے لیے بنائے گئے تھے۔ فال لینے کا طریقہ یہ تھا کہ ایسے تین تیر کپڑے کی ایک تھیلی میں رکھ کر ہبل بت کے مجاور کے ہاتھ میں دے دیئے جاتے۔ ان میں سے ایک تیر پر " امرنی ربی " اور دوسرے پر " نہانی ربی " لکھا ہوتا تھا۔ تیسرا تیر خالی ہوتا تھا (یعنی اس پر کچھ نہ لکھا ہوتا تھا) اس کو "منیح" کہتے تھے۔ بوقت ضرورت حاجت مند ہبل کے مجاور کے پاس جاتا اور کچھ تحائف اس کی نذر کرتا پھر تیروں کی تھیلی میں ہاتھ ڈال کر ایک تیر نکالتا۔ اگر " امرنی ربی " والا تیر نکلتا تو وہ شخص فوراً وہ کام کر گزرتا تھا۔ اگر " نہانی ربی " والا تیر نکلتا تو ایک سال تک اس کام کے کرنے سے باز رہتا۔ اگر خالی تیر (منیح) ہاتھ آتا تو پھر تھیلی میں ہاتھ ڈالتا یہاں تک کہ " ہاں " یا " نہ " والا تیر نکل آتا۔

حضرت عمیرؓ کا چچا اُمیہ بن خلف از لام کا مہتمم تھا اور بہت مالدار آدمی تھا لیکن عمیرؓ کی مالی حالت کمزور تھی، اس کی کمی اُن کی شجاعت اور بے خوفی نے پوری کر دی تھی اور وہ قریش کے نامی بہادروں میں شمار ہوتے تھے۔

سلسلۂ نسب یہ ہے:

عمیرؓ بن وہب بن خلف بن وہب بن حذافہ بن جمح۔

ماں کا نام ام سخیلہ تھا وہ ہاشم بن سعید (بن سہم) قرشی کی بیٹی تھیں۔ حضرت عمیرؓ کی کنیت ابوامیہ تھی۔ ان کے دونوں چچا اُمیہ بن خلف اور اُبی بن خلف اور چچا زاد بھائی صفوانؓ بن اُمیہ مسلمانوں کے سخت دشمن تھے۔ عمیرؓ کی اسلام دشمنی کا بھی یہی عالم تھا۔ ۲ ہجری میں غزوۂ بدر پیش آیا تو عمیرؓ اور ان کا بیٹا وہب دونوں مشرکین قریش کے لشکر میں شامل ہو کر بدر پہنچے۔ ارباب سیر کا بیان ہے کہ مسلمانوں کی قوت کا اندازہ لگانے کے لیے وہی نکلے تھے۔ گھوم پھر کر مسلمانوں کی تعداد معلوم کرنے کی بہت کوشش کی لیکن اس میں کامیابی نہ ہوئی۔ اگرچہ اسلام دشمنی میں وہ کسی سے کم نہ تھے لیکن ان کی دلی خواہش تھی کہ کسی طرح

لڑائی ٹل جائے اور مسلمانوں سے مقابلہ کی نوبت نہ آئے۔ چنانچہ قریش سے کہا کہ ہمارا قافلہ تو بخیریت واپس پہنچ گیا ہے اب لڑائی بے فائدہ ہے لیکن قریش نے ان کی بات نہ مانی۔ ابن اثیرؒ کا بیان ہے کہ انھوں نے قریش سے کہا کہ میں اہلِ یثرب (انصار) کے چہرے شاداب اور تروتازہ دیکھتا ہوں۔ یہ لوگ پیاسے نہیں مر سکتے جب تک کہ اپنی تعداد کے برابر ہمارے آدمیوں کو نہ مار لیں۔ اس لیے مصلحت کا تقاضا یہ ہے کہ تم ان کے روشن چہروں کا مقابلہ نہ کرو[۱] لیکن قریش نے ان کی بات نہ مانی اور لڑائی شروع ہو گئی۔ اس کا نتیجہ قریش کی شکست کی صورت میں نکلا۔ ان کے ستر آدمی مارے گئے اور اتنے ہی مسلمانوں کے ہاتھ اسیر ہو گئے۔ وہ خود تو بچ گئے لیکن ان کا چچا امیّہ بن خلف مارا گیا اور بیٹے وہب کو مسلمانوں نے قیدی بنا لیا۔ مکہ واپس گئے تو نہ دن کو چین تھا نہ رات کو آرام۔ ایک دن مکہ کے مقام حجر میں اپنے ابن عم صفوان بن امیّہ کے ساتھ بیٹھ کر مقتولینِ بدر کی یاد میں آنسو بہا رہے تھے۔ اثنائے گفتگو میں صفوان نے کہا: —— "خدا کی قسم اب زندگی کا لطف جاتا رہا"

عمیر بولے، بھائی تم نے سچ کہا، بدر کی لڑائی کے بعد میں تو اپنی زندگی سے بیزار ہو چکا ہوں خصوصاً ایسی حالت میں کہ میرا لختِ جگر مسلمانوں کی قید میں ہے، دن رات انگاروں پر لوٹتا رہتا ہوں، کاش میں قرض کے بوجھ تلے نہ دبا ہوتا اور اہل وعیال کی پرورش کا خیال نہ ہوتا تو میں یثرب جا کر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو قتل کر دیتا۔

---

[۱] مولوی شاہ معین الدین احمد ندوی مرحوم نے اپنی کتاب "مہاجرین" حصہ دوم میں یہ واقعہ بالکل دوسرے انداز میں بیان کیا ہے وہ لکھتے ہیں کہ "عمیر نے قریش سے انصار کی تذلیل کے طور پر کہا کہ ان کے چہرے سانپوں کی طرح ہیں جو پیاس سے بھی نہیں مرتے ان کی یہ مجال نہیں کہ ہمارے مقابلہ میں آکر بدلہ لیں اس لیے ان روشن وتاباں چہرہ والوں (قریش) کو ان سے تعرض نہ کرنا چاہیے"۔

یہ سن کر صفوان نے کہا۔ اس وقت اس کام سے بڑھ کر اچھا کام کیا ہو سکتا ہے۔ ایسا کارنامہ انجام دے کر تم قوم پر احسان کرو گے۔ رہا تمہارا قرض تو اس کے ادا کرنے کا ذمہ میں لیتا ہوں۔ اسی طرح میں تمہارے اہل وعیال کی کفالت کا بھی ذمہ لیتا ہوں جس طرح اپنے بال بچوں کی پرورش کرتا ہوں، اسی طرح ان کی کروں گا۔

غرض صفوان نے عمیرؓ کے سفر کے لیے ضروری سامان فراہم کیا اور زہر میں بجھی ہوئی ایک تلوار ان کے حوالے کی کہ حصولِ مقصد کے لیے اس سے کام لینا۔

عمیرؓ یہ ہدایت کرکے کہ ابھی کچھ دنوں تک میرا حالِ سفر مخفی رکھنا، عازمِ مدینہ ہو گئے۔ مدینہ پہنچ کر ان کو جو حالات پیش آئے ان کا ذکر اوپر آ چکا ہے۔ حضرت عمیرؓ نے چند دن قرآن کریم کی تعلیم حاصل کرکے سرورِ عالم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے درخواست کی کہ یا رسول اللہ! اگر آپ اجازت دیں تو میں مکہ جا کر تبلیغِ اسلام کا فرض ادا کروں، شاید اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو ہدایت دے۔ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے انہیں مکہ جانے کی اجازت دے دی اور وہ مدینے سے عازمِ مکہ ہو گئے۔

(۴)

دوسری طرف صفوان بن امیہ بڑی بے چینی سے عمیرؓ کی مہم کے نتیجے کا انتظار کر رہے تھے اور قریش سے کہتے پھرتے تھے کہ عنقریب تم ایک ایسی خوشخبری سنو گے کہ ہزیمتِ بدر کا غم بھول جاؤ گے۔ وہ ہر آنے والے سے پوچھتے کہ یثرب میں کوئی نیا واقعہ تو پیش نہیں آیا۔ ایک دن خلافِ توقع یہ خبر سنی کہ عمیر حلقہ بگوشِ اسلام ہو گئے تو سر پکڑ کر بیٹھ گئے اور عہد کر لیا کہ اب مدت العمر عمیر سے کلام نہ کروں گا اور نہ اس کی کسی قسم کی مدد کروں گا۔

چند دن بعد جب عمیرؓ مدینہ سے مکہ آئے تو مشرکینِ قریش نے ان کو اسلام

لانے پر بہت طعن و تشنیع کی لیکن وہ بڑے دلیر آدمی تھے۔ انہوں نے کچھ پروا نہ کی اور بڑی سرگرمی سے ان میں دعوت و تبلیغ شروع کردی۔ علامہ طبری کا بیان ہے کہ ان کی کوششوں سے متعدد افراد شرفِ ایمان سے بہرہ ور ہوگئے۔

حضرت عمیرؓ کے مشرف بہ ایمان ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے بارِ قرض سے سبکدوشی اور آسودہ حالی کی ایک عجیب سبیل پیدا کردی جو کسی کے وہم و گمان میں بھی نہ آسکتی تھی۔ وہ یوں کہ حضرت عمیرؓ کے باپ وہب بن خلف نے مرنے سے پہلے بہت سا زر و مال ایک جگہ زمین میں دفن کر دیا تھا لیکن اُس نے نہ تو کسی کو یہ جگہ بتائی تھی اور نہ اسے مرتے وقت وصیت کرنے کا موقع ملا تھا۔ جس زمانے میں حضرت عمیرؓ مدینہ سے واپس آکر اہلِ مکہ میں اسلام کی تبلیغ کر رہے تھے، ایک دن انہوں نے خواب میں دیکھا کہ کوئی غیبی آواز اُن سے کہہ رہی ہے، فلاں جگہ تمہارے باپ کا زر و مال دفن ہے اسے نکال لو۔ انہوں نے بیدار ہو کر اس جگہ کو کھودا تو وہاں سے انہیں دس ہزار درہم اور سونے کے کچھ ٹکڑے ملے۔ وہ اس غیبی امداد پر خدا کا شکر بجا لائے فوراً اپنا قرض ادا کیا اور آسودہ حالی میں اپنا وقت گزارنے لگے۔

چونکہ یہ واقعہ ان کے قبولِ اسلام کے فوراً بعد رونما ہوا، ایک دن ان کی کم سن بچی کہنے لگی :-

> "ابا جان! ہمارا یہ رب تو بہت اچھا ہے۔ یہ ہبل اور عزیٰ سے تو کہیں بہتر ہے۔ ابھی ہم نے چند ہی روز سے اس کی بندگی شروع کی تھی کہ اس نے ہم کو اتنی بڑی دولت عطا کردی۔ ہبل اور عزیٰ نے ہمیں کبھی کچھ نہ دیا تھا۔"

(کتاب الروح از علامہ ابن قیمؒ)

مکہ میں چند ماہ قیام کے بعد حضرت عمیرؓ ہجرت کر کے مدینہ منورہ چلے گئے اور وہیں مستقل سکونت اختیار کرلی۔

(۴)

حضرت عمیرؓ کے مدینہ آنے کے جلد ہی بعد اُحد کا معرکہ پیش آیا۔ وہ اس میں بڑے جوش اور جذبہ کے ساتھ شریک ہوئے اور بڑی بہادری سے لڑے۔ اس کے بعد غزوۂ احزاب میں بڑی پامردی سے دادِ شجاعت دی۔ رمضان ۸ھ میں سرورِ عالم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے مکہ پر لشکر کشی کی تو دس ہزار سرفروش آپؐ کے ہم رکاب تھے۔ حضرت عمیرؓ بن وہب بھی ان میں شامل تھے۔ فتح مکہ کے وقت حضورؐ نے مکہ کے دس آدمیوں کو مباح الدم (واجب القتل) قرار دیا تھا۔ ان میں حضرت عمیرؓ کے چچا زاد بھائی صفوان بن امیہ بھی شامل تھے۔ لشکرِ اسلام کے مکہ میں داخل ہونے سے پہلے وہ بھاگ کر جدہ چلے گئے۔ حضرت عمیرؓ بن وہب نے بارگاہِ رسالت میں سفارش کی کہ یا رسول اللہؐ صفوان کو معاف فرما دیجئے اس کی طبیعت میں نیکی کا مادہ موجود ہے، امید ہے وہ شرفِ ایمان سے بہرہ ور ہو کر اسلام کا دست و بازو بنے گا۔

قبولِ اسلام کے بعد حضرت عمیرؓ نے اپنے اخلاص اور جوشِ ایمان کی بدولت بارگاہِ نبوی میں درجۂ تقرب حاصل کر لیا تھا اس لیے حضورؐ نے ان کی سفارش قبول فرمالی اور حضرت عمیرؓ کو اپنی چادر یا عمامہ دے کر فرمایا کہ صفوان کو ہمارے پاس لے آؤ۔ اگر وہ اسلام قبول کر لے تو بہتر ورنہ اس کو دو ماہ تک غور کرنے کی مہلت ہے۔ حضرت عمیرؓ جدہ جا کر حضرت صفوانؓ کو لے آئے۔ حضورؐ نے انہیں دو ماہ کے بجائے چار ماہ کی مہلت دے دی لیکن انہوں نے یہ مدت ختم ہونے سے پہلے ہی اسلام قبول کر لیا۔

۹ ہجری میں حضرت عمیرؓ نے تبوک کے پر صعوبت سفر میں سرورِ عالم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی ہمرکابی کا شرف حاصل کیا۔ اگلے سال ۱۰ ہجری میں حجۃ الوداع میں بھی حضورؐ کے ساتھ تھے۔

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سریر آرائے خلافت ہوئے تو حضرت عمیرؓ بن وہب مہمات امور میں برابر شریک رہے۔ حضرت عمر فاروقؓ کے عہدِ خلافت میں حضرت عمروؓ بن العاص نے مصر پر لشکر کشی کی وہ مختلف مقامات فتح کرتے ہوئے اسکندریہ پہنچے تو مصریوں نے زبردست مزاحمت کی اور یہ اہم شہر کئی ماہ تک فتح ہونے میں نہ آیا۔ آخر حضرت عمروؓ بن العاص نے بارگاہِ خلافت سے کمک مانگ بھیجی۔ علامہ بلاذریؒ نے "فتوح البلدان" میں لکھا ہے کہ امیر المومنین حضرت عمرؓ نے دس ہزار مجاہدین پر مشتمل امدادی فوج چار امراء کی سرکردگی میں بھیجی۔ ان میں ایک حضرت عمیرؓ تھے۔ لیکن دوسرے مؤرخین کا بیان ہے کہ امدادی فوج چار ہزار مجاہدوں پر مشتمل تھی اور اس پر چار افسر تھے حضرت زبیرؓ بن العوام، حضرت عبادہؓ بن صامت انصاری، حضرت مقدادؓ بن الاسود کندی اور حضرت مسلمہؓ بن مخلد انصاری۔ حضرت عمرؓ نے حضرت عمروؓ بن العاص کو لکھا کہ ان میں سے ہر افسر ایک ہزار آدمیوں کے برابر ہے۔ اس لیے امدادی فوج کو چار ہزار نہیں بلکہ آٹھ ہزار سمجھو۔ حضرت عمیرؓ ان افسروں میں شامل نہیں تھے ہو سکتا ہے وہ ان کے ماتحت افسروں میں شامل ہوں۔ بہرحال اسکندریہ کی تسخیر میں انہوں نے سرفروشانہ حصہ لیا۔ اس کے بعد حضرت عمروؓ بن العاص نے حضرت عمیرؓ کو کچھ دوسرے مقامات کی تسخیر پر مامور کیا۔ چنانچہ دمیاط، تونہ، شطا، بوسیر، تینس وغیرہ کئی مقامات ان کے ہاتھ فتح ہوئے۔

حضرت عمیرؓ بن وہب نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہدِ خلافت کے آخر میں وفات پائی۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت ربیعہؓ بن کعب اسلمی

(۱)

یوں تو رحمتِ دو عالم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے سبھی صحابہ آپؐ پر پروانہ وار فدا تھے لیکن ایک صاحب کی کچھ عجیب کیفیت تھی وہ اگرچہ ہجرتِ نبوی کے بعد شرفِ اسلام سے بہرہ ور ہوئے لیکن حضورؐ سے ان کی عقیدت اور محبت کا یہ عالم تھا کہ صبح سے عشاء تک ہر وقت آپؐ کی خدمت میں رہتے۔ حضورؐ کے لیے وضو کا پانی لاتے اور آپؐ کا کوئی دوسرا کام ہوتا تو اس کو انجام دینے میں بھی ہمہ تن مستعد رہتے۔ سرورِ عالم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم عشاء کی نماز سے فارغ ہو کر کاشانۂ اقدس کے اندر تشریف لے جاتے تو وہ اس خیال سے دروازے پر بیٹھ جاتے کہ شاید آپؐ کو کوئی ضرورت پیش آجائے۔ حضورؐ کسی غزوے میں تشریف لے جاتے تو بھی وہ اکثر آپؐ کے ہمرکاب رہتے۔ ان کی اس شبانہ روز خدمت کی وجہ سے حضورؐ ان کو بہت محبوب رکھتے تھے یہاں تک کہ ایک دن (نماز تہجد کے وقت) آپؐ نے ان سے فرمایا، جو مانگنا ہے مانگ میں تجھے دوں گا۔

انہوں نے عرض کیا: "یا رسول اللہؐ! میں سوچ کر جواب دوں گا۔"

دوسرے دن حضورؐ نے پھر پوچھا: "تم نے کیا سوچا؟"

انہوں نے عرض کیا: "یا رسول اللہؐ! میں آپ سے یہ سوال کرتا ہوں کہ آپ اللہ تعالیٰ سے میرے لیے یہ دعا کریں کہ وہ مجھے آخرت میں دوزخ سے بچائے اور جنت میں آپ کی معیت نصیب فرمائے۔"

حضورؐ نے فرمایا: "کیا اس کے علاوہ کوئی اور حاجت ہے؟"

انہوں نے عرض کیا: "نہیں یا رسول اللہؐ! صرف یہی حاجت ہے

آپؐ نے فرمایا: "میں ایسا کروں گا لیکن اس بات میں تم کثرتِ سجود کے ساتھ میری مدد کرو۔" (صحیح مسلم)

یہ صاحبِ رسول جن کو سید المرسلین والانبیاءؐ کی زیادہ سے زیادہ خدمت کی سعادت نصیب ہوئی اور جنہوں نے اس کے عوض کسی دُنیوی نفع کے بجائے جنت میں حضورؐ کی معیت کی خواہش ظاہر کی، حضرت ربیعہؓ بن کعب اسلمی تھے۔

(۲)

سیدنا حضرت ربیعہؓ کا تعلق قبیلہ بنو اسلم سے تھا۔ ان کی کنیت ابو فراس تھی اور وہ کعب بن مالک بن یعمر اسلمی کے فرزند تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں فطرتِ سعید عطا کی تھی لیکن معلوم نہیں کیا موانع پیش آئے کہ وہ ہجرتِ نبوی سے پہلے سعادت اندوزِ اسلام نہ ہو سکے البتہ جب ہجرتِ نبویؐ کے بعد اسلام قبول کیا تو اپنے اخلاص فی الدین اور محبتِ رسول کی بدولت وہ مقام حاصل کیا کہ دوسرے مسلمان ان پر رشک کرتے تھے۔ قبولِ اسلام کے بعد اپنے قبیلہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ آ گئے۔ یہاں ان کا کوئی ذریعۂ معاش نہ تھا اس لیے اصحابِ صُفّہ میں شامل ہو گئے اور اپنے وقت کا زیادہ سے زیادہ حصہ خدمتِ نبویؐ میں گزارنے لگے۔ خود بیان کرتے ہیں کہ میں ہر وقت آستانۂ نبوی پر پڑا رہتا تھا جب حضورؐ عشاء کی نماز سے فارغ ہو کر گھر کے اندر تشریف لے جاتے تو میں آپ کے گھر کے دروازہ پر بیٹھ جاتا اور بہت دیر تک آپؐ کو سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ اور اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ (بروایت دیگر سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ) کہتے ہوئے سنتا رہتا یہاں تک کہ میں تھک جاتا تو لوٹ آتا یا نیند غالب آ جاتی تو وہیں سو رہتا —— آپؐ نے مجھ کو اس طرح خدمت کرتے دیکھا تو ایک دن مجھ سے فرمایا کہ اے ربیعہ بن کعب مجھ سے مانگ میں تجھے دوں گا۔

میں نے آپؐ سے سوچنے کی مہلت مانگی، آپؐ نے دے دی۔ میں نے

سوچا کہ یہ دنیا ختم اور زائل ہونے والی ہے اور مجھے دنیا میں اتنا رزق ضرور مل جائے گا جو میرے لیے کفایت کرے گا۔ میں حضورؐ سے اپنی آخرت کے لیے سوال کروں گا اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو بہت بڑا مرتبہ عطا فرمایا ہے۔ چنانچہ آپؐ نے جب مجھ سے دوبارہ کچھ مانگنے کے لیے فرمایا اور میں نے آپؐ سے آخرت کی بھلائی کے لیے دعا کی درخواست کی تو آپؐ نے فرمایا، اے ربیعہ تمہیں ایسا سوال کرنے کا مشورہ کس نے دیا؟ میں نے قسم کھا کر کہا کہ مجھ کو کسی دوسرے نے ایسا مشورہ نہیں دیا بلکہ یہ بات خود میرے دل سے اٹھی ہے کہ میں آپؐ سے اپنی آخرت کا سوال کروں گا۔ چنانچہ حضورؐ نے میرا سوال پورا کرنے کا وعدہ فرمایا اور ساتھ ہی مجھے حکم دیا کہ کثرتِ سجود کے ساتھ میری امداد کر۔

بعد میں حضرت ربیعہؓ نے مدینہ میں اپنا ایک گھر بنا لیا اس لیے ان کا شمار اہلِ حجاز میں ہونے لگا۔

اربابِ سیَر نے یہ تصریح نہیں کی کہ حضرت ربیعہؓ کو عہدِ رسالت کے کن کن غزوات میں شریک ہونے کا شرف حاصل ہوا لیکن یہ ضرور لکھا ہے کہ وہ سفر اور حضر میں حضورؐ کے ہمراہ رہتے تھے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اکثر غزواتِ نبوی میں شریک ہوئے ہوں گے۔

عرصہ تک بیوی بچوں کے جھنجٹ سے آزاد رہے۔ حضورؐ اپنے صحابہؓ کے لیے تجرّد کی زندگی پسند نہیں فرماتے تھے۔ چنانچہ آپؐ نے ایک دفعہ حضرت ربیعہؓ سے پوچھا: "اے ربیعہ تو شادی کیوں نہیں کرتا؟"

انہوں نے عرض کیا: "یا رسول اللہؐ! خدا کی قسم میرا ارادہ نکاح کرنے کا نہیں ہے کیونکہ میرے پاس کوئی ایسا سامان نہیں ہے کہ کسی عورت کا کفیل ہو سکوں۔ دوسرے میں یہ پسند نہیں کرتا کہ آپؐ کو چھوڑ کر کوئی اور چیز مجھے اپنی طرف راغب کرے۔"

حضورؐ ان کا جواب سُن کر کچھ دیر خاموش رہے اور پھر وہی پہلا سوال

دہرایا۔ حضرت ربیعہؓ نے بھی پہلا جواب دہرا دیا۔ اس پر آپؐ خاموش ہو گئے۔

حضرت ربیعہؓ نے دل میں سوچا کہ رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم مجھ سے زیادہ میری دنیا اور آخرت کی مصلحت کو جانتے ہیں اب اگر حضورؐ نے مجھ سے یہ سوال کیا تو میں عرض کروں گا کہ آپ جو چاہیں حکم دیں میں اس کی تعمیل کروں گا۔

چنانچہ ایک دن حضورؐ نے پھر ان سے پوچھا کہ اے ربیعہ تو شادی کیوں نہیں کر لیتا۔ تو انہوں نے جواب میں عرض کیا، یا رسول اللہ! ضرور کروں گا جو آپ چاہیں مجھے حکم دیں۔

حضورؐ نے فرمایا کہ تم انصار کے فلاں قبیلے کے پاس جاؤ اور ان سے کہو کہ مجھے رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے تمہارے پاس بھیجا ہے اور فرمایا ہے کہ تم اپنے قبیلہ کی فلاں عورت سے میری شادی کر دو۔

حضرت ربیعہؓ نے تعمیلِ ارشاد کی تو وہ لوگ بلا حیل وحجت اس خاتون سے ان کا نکاح کرنے پر راضی ہو گئے جس کے بارے میں حضورؐ نے فرمایا تھا۔ واپس آکر انہوں نے حضورؐ کو بتایا کہ یا رسول اللہ میرے پاس مہر دینے کے لیے کچھ نہیں۔ حضورؐ نے حضرت بریدہؓ بن حصیب اسلمی کو حکم دیا کہ ربیعہ کے لیے ایک گٹھلی وزن کے برابر سونا جمع کر دو۔ انہوں نے اتنی مقدار میں سونا جمع کر دیا۔ حضورؐ نے یہ سونا حضرت ربیعہؓ کو عطا فرمایا۔ انہوں نے انصار کے پاس جاکر مہر میں دے دیا۔ اس کے بعد انہوں نے حضورؐ سے درخواست کی کہ میری مدد فرمائیے کہ ولیمہ کر سکوں۔ آپؐ نے ایک مینڈھے اور کچھ غلّے کا انتظام فرما دیا جس سے حضرت ربیعہؓ نے دعوتِ ولیمہ کی۔ رسولِ اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم بھی اس دعوت میں شریک ہوئے۔ (مُسندِ احمد وطبرانی)

(۳)

حضرت ربیعہؓ کی شادی کے بعد رسولِ اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے انہیں

کچھ زمین عطا فرمائی۔ اس سے متصل حضرت ابوبکر صدیقؓ کی کچھ زمین بھی تھی۔ ایک دفعہ کھجور کے ایک تنے کے بارے میں حضرت ربیعہؓ اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کے مابین جھگڑا ہو گیا۔ حضرت ربیعہؓ کہتے تھے کہ یہ تنہ میری زمین کی حد میں ہے۔ بحث و تکرار کے دوران میں حضرت ابوبکر صدیقؓ نے انہیں کوئی سخت بات کہہ دی۔ بعد میں احساس ہوا تو نہایت عاجزی کے ساتھ حضرت ربیعہؓ سے درخواست کی کہ اے ربیعہ تم بھی مجھے ایسی ہی بات کہہ لو تاکہ آخرت میں مجھ سے مواخذہ نہ ہو۔

حضرت ربیعہؓ، صدیق اکبرؓ کے مرتبہ شناس تھے کوئی سخت بات کہنے پر تیار نہ ہوئے۔ اس پر صدیق اکبرؓ نے فرمایا:

"اگر تم ایسا نہیں کرتے تو میں یہ معاملہ رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی خدمت میں پیش کروں گا۔"

حضرت ربیعہؓ بولے۔ "آپ اس معاملہ کو یہیں رہنے دیں اور حضورؐ تک یہ بات نہ پہنچائیں۔"

لیکن حضرت ابوبکر صدیقؓ بارگاہِ نبوی کی طرف چل پڑے۔ حضرت ربیعہؓ بھی ان کے پیچھے چل پڑے۔ اتنے میں ان کے قبیلے کے کچھ لوگ آ گئے اور کہنے لگے:

"یہ تو خوب رہی کہ سخت بات بھی خود کہی پھر حضورؐ سے شکایت کرنے بھی جا رہے ہیں۔"

حضرت ربیعہؓ نے ان لوگوں کو ڈانٹ کر کہا:

"تم لوگ اس معاملہ میں دخل نہ دو کیا تمہیں معلوم نہیں کہ یہ رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے یارِ غار ہیں، انہوں نے تم لوگوں کو اس طرح میری حمایت کرتے دیکھا تو غضبناک ہو جائیں گے اور رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ان کو غضبناک دیکھا تو آپؐ کو

بھی غصہ آجائے گا اور ان دونوں کے غصے سے اللہ تعالیٰ کا غصہ بھڑک اٹھے گا اور ربیعہ تباہ ہو جائے گا۔"

وہ لوگ تو یہ سن کر واپس چلے گئے اور حضرت ربیعہؓ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے پیچھے پیچھے بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو گئے۔ دونوں نے اپنی معروضات بارگاہِ رسالت میں پیش کیں تو حضورؐ نے فرمایا:

"ربیعہ تم نے اچھا کیا کہ ابوبکر کو کوئی سخت بات نہیں کہی تم اب یوں کہہ دو کہ اے ابوبکر! اللہ آپ کی مغفرت کرے۔"

حضرت ربیعہؓ نے تعمیلِ ارشاد کی تو صدیق اکبرؓ پر رقت طاری ہو گئی اور وہ زار زار رونے لگے۔ (فتح الباری۔ مسندِ احمد۔ البدایہ والنہایہ)

علامہ ابن سعدؒ کا بیان ہے کہ اس نزاع میں حضورؐ نے حضرت ربیعہؓ کے موافق فیصلہ فرمایا۔

حضورؐ کے وصال کے بعد حضرت ربیعہؓ بن کعب مدینہ منورہ کی سکونت ترک کر کے اپنے قبیلے میں چلے گئے۔ انہوں نے واقعہ حرہ کے بعد ۶۳ ہجری میں وفات پائی۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہ،

حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ

۱
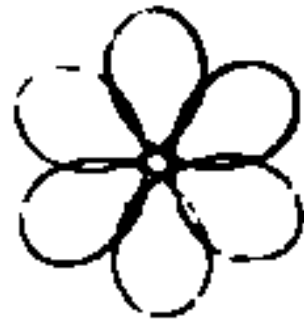
ایک دفعہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے بہت سے جاں نثاروں کی معیت میں سفر فرما رہے تھے۔ ان جاں نثاروں میں ایک صاحب ایسے تھے کہ جب ان کا کوئی ساتھی تھک جاتا تھا تو اپنے ہتھیار ڈھال نیزہ تلوار وغیرہ اتار کر اُن پر لاد دیتا تھا۔ اس طرح ان پر بہت بھاری بوجھ لد گیا۔ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اس حال میں دیکھا تو ان سے مخاطب ہو کر فرمایا:

"تم سفینہ (کشتی) ہو۔" اس دن سے ان کا نام سفینہ ہی مشہور ہو گیا حالانکہ اصل نام کچھ اور تھا۔ بعض مہران، بعض رومان اور بعض عبس بتاتے ہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ سے ایک دفعہ ان کے نام کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے کہا کہ میں تم کو اپنے اس نام (سفینہ) کے بارے میں بتاتا ہوں کہ میرا یہ نام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رکھا ہے۔ وہ اس طرح کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک دفعہ سفر کر رہے تھے اور آپ کے ساتھ آپ کے صحابہ بھی تھے۔ ان پر اپنا سامانِ سفر بھاری پڑ گیا۔ حضور نے مجھ سے فرمایا کہ تم اپنا کمبل بچھاؤ۔ میں نے اپنا کمبل بچھا دیا۔ آپ نے اس کمبل پر ان سب کا سامان رکھ دیا پھر اس کو میرے اوپر لاد دیا اور فرمایا، تم سفینہ (کشتی) ہو۔ اس روز اگر مجھ پر ایک یا دو یا پانچ یا چھ اونٹوں کا بوجھ بھی لاد دیا جاتا تو مجھ پر گراں نہ گزرتا۔

حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ کو اپنا یہ نام یا لقب اس قدر محبوب تھا کہ اپنا اصل

نام ترک کر دیا تھا۔ اگر کوئی پوچھتا تو کہتے نہ بتاؤں گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا نام سفینہ رکھا ہے اور میں اس کے سوا کوئی نام نہیں چاہتا [۱]

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی بے انتہا عقیدت و محبت کا اندازہ اس واقعہ سے بھی کیا جا سکتا ہے کہ ایک دفعہ حضورؐ نے پچھنے لگوائے۔ جسمِ اطہر سے جو خون نکلا آپ نے ایک برتن میں ڈال کر حضرت سفینہؓ کو دیا اور فرمایا کہ اسے انسانوں پرندوں اور درندوں سے بچا کر کسی جگہ دفن کر دو۔ حضرت سفینہؓ نے (ازراہِ عقیدت و محبت) پسِ پردہ اس خون کو پی لیا۔ پھر حضورؐ سے اس کا ذکر کیا تو آپ ہنس پڑے۔ (حیاۃ الصحابہ جلد دوم بحوالہ طبرانی و ہیثمی)

۲

حضرت سفینہؓ کی کنیت ابو عبدالرحمٰن اور بقول بعض ابو البختری تھی۔ نسب کے لیے یہی شرف کافی ہے کہ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام تھے۔ بعض روایتوں میں ہے کہ وہ اُمّ المومنین حضرت اُمِّ سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے غلام تھے۔ انہوں نے اس شرط پر آزاد کر دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کیا کریں گے۔

ایک روایت میں حضرت سفینہؓ کا اپنا بیان نقل کیا گیا ہے کہ میں اُمِّ سلمہؓ کی ملکیت میں تھا، ایک دن انہوں نے مجھ سے کہا کہ میں تجھ کو اس شرط پر آزاد کرتی ہوں کہ جب تک تو زندہ ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کیا کرے گا۔ میں نے عرض کیا، اس شرط کی ضرورت نہیں میں جب تک زندہ رہوں گا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جدا نہ ہوں گا۔ چنانچہ اُمِّ سلمہؓ نے مجھ کو

---

[۱] "اُسدُ الغابہ" (ابنِ اثیرؒ) ج ۲ صفحہ ۳۲۴
"الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب" (حافظ ابنِ عبدالبرؒ) ج ۲ صفحہ ۶۰۱
"حلیۃ" (ابو نعیمؒ) ج ۱ ص ۳۶۹

آزاد کر دیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کی شرط مجھ پر لگا دی۔
(مشکوٰۃ ج-۲ بحوالہ ابوداؤد، ابن ماجہ)

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ عرصہ بعد حضرت سفینہؓ کو بلا شرط آزاد کر دیا لیکن وہ آزادی کے بعد بھی حضورؐ سے جُدا نہ ہوئے اور ہمیشہ آپؐ کی خدمت کرتے رہے۔

علامہ ابن اثیرؒ کا بیان ہے کہ حضرت سفینہؓ عربی النسل تھے اور بطن نخلہ میں رہتے تھے۔ لیکن بعض لوگ کہتے ہیں کہ وہ پارسی تھے اور ان کا نام سفیہ بن مارقینہ تھا۔ (اسد الغابہ)

حضرت سفینہؓ کے قبولِ اسلام کا زمانہ متعین نہیں ہے البتہ اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ وہ اصحابِ صُفّہ میں شامل تھے۔

محمد بن منکدرؒ سے روایت ہے کہ حضرت سفینہؓ نے ان کو بتایا کہ ایک دفعہ میں نے سمندر کا سفر کیا۔ میری وہ کشتی ٹوٹ گئی جس پر میں سوار تھا میں شکستہ کشتی کے ایک تختے پر بیٹھ گیا۔ مجھ کو اس تختہ نے ایک ایسی جھاڑی میں لا ڈالا جس میں ایک شیر تھا، وہ شیر میری طرف لپکا، میں نے اس سے مخاطب ہو کر کہا:

"اے ابوالحارث! میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا غلام ہوں۔"

یہ سُن کر اس شیر نے اپنا سر جھکا لیا اور مجھے اپنے کندھے پر اٹھا لیا یہاں تک کہ مجھے اس جھاڑی سے نکالا اور راستہ پر لا رکھا، پھر آہستہ سے ایسی آواز نکالی گویا مجھے رخصت کر رہا ہے (اسد الغابہ، مستدرک حاکم)

"مسندِ بزّار" میں حضرت سفینہؓ کا بیان اس طرح نقل کیا گیا ہے:

"میں سمندری سفر کر رہا تھا کہ ہماری کشتی ٹوٹ گئی (ہم سب مسافر کسی طرح خشکی پر پہنچ گئے لیکن راستہ سے ناواقف تھے) ہم نے ایک شیر کو دیکھا جو ہماری طرف آ رہا تھا۔ میرے ساتھی تو پیچھے ہٹے لیکن میں اس کے قریب گیا اور کہا —— میں سفینہ ہوں،

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا صحابی اور ہم سب راستہ بھول گئے ہیں۔ یہ سن کر شیر ہمارے آگے آگے ہو لیا یہاں تک کہ ہم راستہ پر جا لگے۔ پھر وہ الگ ہٹا اور اس نے مجھے ذرا سا دھکا دیا گویا مجھے راستہ بتا رہا ہے۔ میں نے گمان کیا کہ اب یہ ہم کو رخصت کر رہا ہے۔"

حافظ ابن کثیرؒ نے "البدایہ والنہایہ" میں حضرت سفینہؓ کی زبانی یہ واقعہ اس طرح نقل کیا ہے:

"میں سرزمین روم میں لشکر سے بھٹک گیا (یا یوں فرمایا کہ گرفتار کر لیا گیا تو وہاں سے اپنے لشکر کی تلاش میں بھاگ کھڑا ہوا) پس اچانک میں نے ایک شیر کو دیکھا۔ میں نے اس سے کہا، اے ابو الحارث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا غلام ہوں یہ سن کر شیر دم ہلاتا ہوا سامنے آیا اور میرے پہلو میں کھڑا ہو گیا۔ جب کبھی کوئی آواز سنتا تو اس کی طرف مائل ہوتا پھر وہ میرے پہلو کے برابر آتا اور چلتا اسی طرح کرتے ہوئے اس نے مجھے میرے لشکر تک پہنچا دیا۔ پھر وہ وہاں سے واپس چلا گیا۔"

حضرت سفینہؓ نے طویل عمر پائی اور حجاج بن یوسف ثقفی کے زمانے میں فوت ہوئے۔ ان سے چودہ حدیثیں مروی ہیں۔ ان میں سے کچھ انہوں نے براہ راست رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہیں اور کچھ ام المؤمنین حضرت ام سلمہؓ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے۔ ایک روایت صحیح مسلم میں بھی موجود ہے۔

حضرت سفینہؓ سے مروی کچھ احادیث یہاں بطور تبرک درج کی جاتی ہیں۔ حضرت سفینہؓ کہتے ہیں کہ:

(۱) میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ خلافت تیس سال

تک رہے گی پھر یہ خلافت بادشاہت ہو جائے گی۔
(حضرت سفینہؓ نے اس حدیث کو بیان کر کے کہا کہ حساب کر کے دیکھو —— حضرت ابو بکرؓ کی خلافت دو سال، حضرت عمرؓ کی خلافت دس سال، حضرت عثمانؓ کی خلافت بارہ سال اور حضرت علیؓ کی خلافت چھ سال۔

(مشکوٰۃ بحوالہ احمد، ترمذی و ابوداؤد)

(۲) حضرت علیؓ کے ہاں ایک مہمان آیا۔ انہوں نے اس کے لیے کھانا تیار کیا۔ حضرت فاطمہؓ نے کہا کہ اگر ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی بلا لیں اور آپؐ ہمارے ساتھ کھانا کھائیں تو بہتر ہے۔ چنانچہ آپؐ تشریف لائے اور دروازہ کے دونوں بازوؤں پر ہاتھ رکھ کر کھڑے ہو گئے۔ آپؐ نے گھر کے اندر ایک گوشہ میں پردہ پڑا ہوا دیکھا اور واپس تشریف لے گئے۔ فاطمہؓ کہتی ہیں کہ میں بھی آپؐ کے پیچھے گئی اور عرض کیا، یا رسول اللہ آپؐ کیوں تشریف نہ لائے۔ آپؐ نے فرمایا، مجھ کو اور کسی نبی کو زینت والے گھر میں داخل ہونا مناسب نہیں ہے۔

(مشکوٰۃ بحوالہ ابن ماجہ)

(۳) میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حبارے یعنی سرخاب کا گوشت کھایا ہے۔

(۴) میں (ایک دن) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھا کہ حضرت علیؓ آئے اور آہستہ سے دروازہ کھٹکھٹا کر اندر آنے کی اجازت طلب کی۔ آپؐ نے فرمایا، اس کے لیے دروازہ کھول دو۔

(حیاۃ الصحابہ بحوالہ طبرانی و ہیثمی)

حضرت عدیؓ بن نضلہ

①

سیدنا حضرت عدیؓ بن نضلہ کا شمار سید المرسلین والانبیاءؑ کے اُن جاں نثاروں میں ہوتا ہے جو دعوتِ حق کے آغاز ہی میں ہر قسم کے نتائج و عواقب سے بے پروا ہو کر آگے بڑھے اور لوائے توحید کو تھام کر السابقون الاوّلون کی مقدس جماعت کے رکن بن گئے۔ ان کا تعلق قریش کی شاخ بنو عدی سے تھا۔ سلسلۂ نسب یہ ہے:

عدیؓ بن نضلہ بن عبد العزیٰ بن حرثان بن عوف بن عویج بن عدی بن کعب۔

۴؁ بعدِ بعثت کے اوائل میں فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ (احکامِ الٰہی بر ملا سنائیے اور مشرکین کی مخالفت کی پروا نہ کیجیے) کا حکمِ خداوندی نازل ہوا تو سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دعوت کو آشکارا کر دیا اور کھلے عام مشرکین کو راہِ حق کی طرف بلانے لگے۔ اس کے ساتھ ہی کفارِ قریش کے قہر و غضب کا آتش فشاں پوری قوت سے پھٹ پڑا اور انہوں نے اہلِ حق پر جور و ستم کا ایسا لامتناہی سلسلہ شروع کر دیا کہ انسانیت سر پیٹ کر رہ گئی۔ جب پانی سر سے اونچا ہو گیا تو ۵؁ بعدِ بعثت میں حضورؐ نے صحابۂ کرامؓ کو مشورہ دیا کہ وہ مکہ سے ہجرت کر کے حبش چلے جائیں جہاں ایک نیک بادشاہ کی حکومت ہے جو کسی پر ظلم نہیں ہونے دیتا۔

چنانچہ چند صحابہؓ اور صحابیاتؓ کا ایک مختصر قافلہ ہجرت کر کے حبش چلا گیا۔ اگلے سال ۶؁ بعدِ بعثت میں ایک بڑا قافلہ عازمِ حبش ہوا اس میں

حضرت عدیؓ بن نضلہ، ان کے فرزند نعمانؓ بن عدی اور چچا عروہؓ بن عبد العزیٰ بھی شامل تھے۔ یہ قافلہ خیریت کے ساتھ حبش پہنچ گیا اور اس میں شامل سبھی اصحاب رضائے الٰہی کی خاطر ہنسی خوشی غریب الوطنی کی زندگی گزارنے لگے لیکن چند سال بعد حضرت عدیؓ بن نضلہ شدید بیمار ہو گئے اور اسی بیماری میں پیک اجل کو لبیک کہ

مہاجرین حبشہ میں وہ پہلے آدمی ہیں جنہوں نے حبش کے غربت کدہ میں سفر آخرت اختیار کیا اور وہیں پیوند خاک ہوئے۔ انہوں نے اپنے پیچھے ایک بیٹی آمنہؓ اور دو بیٹے نعمانؓ اور نعیم اپنی یادگار چھوڑے۔

حضرت عدیؓ کی وفات کے کچھ عرصہ بعد ان کے چچا حضرت عروہؓ بن عبد العزیٰ بھی وفات پا گئے اور حبش ہی میں دفن ہوئے۔ یوں سرزمین حبش کو السابقون الاولون کی مقدس جماعت سے تعلق رکھنے والے بہترین انسانوں کا مدفن بننے کا شرف حاصل ہو گیا۔

(۲)

حضرت عدیؓ بن نضلہ کے فرزند حضرت نعمانؓ کا شمار مشہور صحابہ میں ہوتا ہے۔ وہ بھی دعوت توحید کے اوائل میں والد گرامیؓ کے ساتھ مشرف بہ اسلام ہو گئے تھے اور انہی کے ساتھ مکہ سے ہجرت کر کے حبش آ گئے تھے۔ والد گرامیؓ کی وفات کے بعد وہ حبش ہی میں مقیم رہے۔ بارہ تیرہ سال کی غریب الوطنی کے بعد جب مہاجرین کا ایک قافلہ حبش سے عازم مدینہ ہوا تو حضرت نعمان بن عدیؓ بھی اس میں شامل ہو گئے۔ جب یہ اصحاب مدینہ منورہ پہنچے تو معلوم ہو کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ خیبر کے لیے تشریف لے گئے ہیں۔ (یہ سنہ ہجری کا آغاز تھا) ان اصحاب کو حضورؐ کی زیارت کیے ہوئے تیرہ برس گزر چکے تھے اور ان کی آنکھیں آپؐ کے دیدار کو ترس رہی تھیں۔ مدینہ میں بیٹھ کر اپنے

آقا و مولا صلی اللہ علیہ وسلم کا انتظار کرنا گوارا نہ ہوا۔ سب بڑے ذوق و شوق سے ڈیڑھ سو میل کا سفر طے کر کے خیبر پہنچے اور حضورؐ کی پابوسی کا شرف حاصل کیا۔ آپؐ تیرہ برس کے ان بچھڑے ہوئے جاں نثاروں کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے، ایک ایک سے معانقہ فرمایا اور ایک ایک کی پیشانی چومی۔ پھر ان سب کو خیبر کے مال غنیمت میں شریک کر کے دوسروں کے برابر حصہ دیا۔ (ابن ہشام۔ ابن سعد)

حضرت نعمانؓ ایک خوش گو شاعر اور بہت لائق آدمی تھے امیر المؤمنین حضرت عمر فاروقؓ نے انہیں میسان (زیریں عراق) کا عامل یا محصل خراج مقرر کر دیا۔ جب نعمانؓ مدینہ سے چلنے لگے تو ان کی بیوی ان کے ساتھ پردیس جانے پر تیار نہ ہوئیں۔ چنانچہ وہ تنہا چلے گئے۔ میسان بڑا سرسبز اور شاداب علاقہ تھا۔ حضرت نعمانؓ وہاں جا کر بہت مسرور ہوئے اور ایک دن (بیوی کو بلانے کے لیے) ایک شوق انگیز غزل لکھ ڈالی جس کے کچھ اشعار یہ ہیں :۔

(۱) مَنْ مُبْلِغُ الْحَسْنَاءَ اَنَّ حَلِيْلَهَا
بِمَيْسَانَ يُسْقٰى فِيْ زُجَاجٍ وَّحَنْتَمِ

(۲) اِذَا شِئْتُ غَنَّتْنِيْ دَهَاقِيْنُ قَرْيَةٍ
وَّ صَنَّاجَةٌ يَّجْذُوْ عَلٰى كُلِّ مَنْسِمِ

(۳) لَعَلَّ اَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ يَسُوْءُهٗ
تَنَادُمُنَا فِي الْجَوْسَقِ الْمُتَهَدِّمِ

(ترجمہ) (۱) کوئی ہے جو میری بیوی کو یہ خبر پہنچا دے کہ تمہارے شوہر کو شیشہ کے گلاس اور فیروزی جگ سے شراب پلائی جاتی ہے

(۲) جب گانا سننے کو میرا جی چاہتا ہے تو سرِ راہ ناچنے والا چنگ نواز اور گاؤں کا مقدم مجھے گانا سناتے ہیں۔

(۴) اگر امیر المومنین کو معلوم ہو جائے کہ میں ساقیوں کے ساتھ ٹوٹے قلعہ میں بیٹھ کر شراب پیتا ہوں تو مجھے ڈر ہے کہ وہ ناراض ہوں گے [1]

حضرت عمرؓ فاروقؓ کو کسی ذریعے سے ان اشعار کا علم ہوا تو انہوں نے حضرت نعمانؓ کو یہ خط لکھا:

"بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ - حٰمٓ ○ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ○ غَافِرِ الذَّنْبِ وَقَابِلِ التَّوْبِ شَدِيْدِ الْعِقَابِ ذِي الطَّوْلِ ط

واضح ہو کہ تمہاری نظم جس کا ایک شعر ہے:

لَعَلَّ اَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ يَسُوْءُهٗ
تَنَادُمُنَا فِي الْجَوْسَقِ الْمُتَهَدِّمِ

میں نے سنی۔ واقعی مجھے تمہارے یہ شعر برے لگے اور میں تمہیں معزول کرتا ہوں۔"

ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت عمرؓ فاروقؓ نے یہ اشعار سن کر فرمایا، بلاشبہ یہ اشعار مجھے بہت برے لگے ہیں اگر کوئی نعمان کے پاس جائے تو اسے کہہ دے کہ میں نے اسے معزول کر دیا ہے۔

علامہ ابن سعدؒ کا بیان ہے کہ حضرت نعمانؓ نے (خط لکھ کر یا خود حاضر ہو کر) صفائی پیش کی کہ یہ محض شاعری ہے حقیقت سے اس کو کوئی واسطہ نہیں لیکن حضرت عمرؓ فاروقؓ نے ان کا عذر قبول نہ کیا اور فرمایا: "ایسے اشعار کہنے کے بعد تم میرے عامل نہیں رہ سکتے۔"

علامہ شبلی نعمانیؒ نے "الفاروق" میں "عمالانِ فاروقی" کی فہرست میں حضرت نعمانؓ بن عدی کا نام درج کیا ہے اور لکھا ہے کہ صحابہ میں سے اول انہی کو وراثت کا مال ملا۔

حضرت نعمانؓ کے مزید حالات نہیں ملتے اور نہ ان کے سالِ وفات کا پتہ چلتا ہے۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

---

[1] "سیر الصحابہ" (مہاجرین حصہ دوم) میں مولوی شاہ معین الدین احمد ندوی مرحوم نے لکھا ہے کہ حضرت نعمانؓ نے ایک غزل میں کسی عورت کی تشبیب کر ڈالی تھی۔

حضرت عبداللہ بن ابی حدرد اسلمیؓ

(۱)

سیدنا حضرت عبداللہ بن ابی حدرد اسلمیؓ کا شمار اُن خوش بخت صحابہ میں ہوتا ہے جو بدر، اُحد، بنو مصطلق اور احزاب کے غزوات گزر جانے کے بعد حلقہ بگوش اسلام ہوئے لیکن چند ہی دن بعد ان کو یہ عظیم سعادت نصیب ہو گئی کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو کھلے لفظوں میں اپنے راضی ہونے کی بشارت دی۔ واقعہ یوں ہوا کہ حضرت عبداللہ بن ابی حدردؓ نے ذی قعدہ ۶ ہجری سے کچھ پہلے اسلام قبول کیا۔ چند دن بعد جب سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم چودہ سو جاں نثاروں کی معیت میں عمرہ کی نیت سے مکہ کی جانب روانہ ہوئے تو حضرت عبداللہ بن ابی حدردؓ بھی آپؐ کے ہم رکاب تھے۔ اس وقت ان کی عمر سولہ برس کی تھی اور اُن کی مسیں بھیگ رہی تھیں۔

قریشِ مکہ کی مزاحمت کے پیشِ نظر حضورؐ نے حدیبیہ میں پڑاؤ ڈال دیا اور حضرت عثمان ذوالنورینؓ کو کفار سے گفت و شنید کے لیے مکے بھیجا۔ قریشِ مکہ نے حضرت عثمانؓ کو واپس آنے سے روک دیا۔ اُدھر مسلمانوں میں یہ افواہ پھیل گئی کہ کفار نے حضرت عثمانؓ کو شہید کر ڈالا ہے۔ اس پر سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے مخاطب ہو کر فرمایا:

”اگر یہ خبر صحیح ہے تو ہم عثمانؓ کا بدلہ لیے بغیر یہاں سے نہیں جائیں گے۔“

صحابۂ کرامؓ اگرچہ بے سروسامان تھے لیکن سب نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد پر لبیک کہا۔ آپ ببول کے ایک درخت کے نیچے بیٹھ گئے اور اپنے

ساتھیوں سے اس بات پر بیعت لی کہ جب تک دَم میں دَم ہے کفار سے لڑیں گے اور قدم پیچھے نہیں ہٹائیں گے۔

تمام صحابۂ کرامؓ نے جن میں حضرت عبداللہ بن ابی حدردؓ بھی شامل تھے نہایت ذوق و شوق سے جاں نثاری کی بیعت کی۔ تاریخ اسلام میں یہ بیعت "بیعت رضوان" کے نام سے مشہور ہے کیونکہ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے بیعت کرنے والوں کو بدیں الفاظ اپنے راضی ہونے کا مژدہ سُنایا۔

لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ
(سورۂ فتح)

(اللہ راضی ہوا مسلمانوں سے جب وہ بیعت کرتے تھے (اے رسول) تم سے درخت کے نیچے) 3

(۲)

حضرت عبداللہ بن ابی حدردؓ کی کنیت ابو محمد تھی اور وہ قبیلہ بنو اسلم سے تعلق رکھتے تھے۔ نسب نامہ یہ ہے:

عبداللہ بن ابی حدردؓ بن عمیر بن ابی سلامہ بن سعد بن حساب (یا مساب یا سنان) بن حارث بن عبس بن ہوازن بن اسلم اسلمی

حضرت عبداللہؓ کے والد ابی حدردؓ کا اصل نام باختلاف روایت سلامہ یا عبید تھا لیکن انہوں نے اپنی کنیت ہی سے شہرت پائی۔ ان کو بھی شرفِ صحابیت حاصل ہے اور کچھ حدیثیں بھی ان سے مروی ہیں۔

صلح حدیبیہ کے بعد حضرت عبداللہ کو غزوۂ خیبر، فتح مکہ، حنین اور تبوک میں شریک ہونے کی سعادت نصیب ہوئی۔ علامہ ابن اثیرؒ کا بیان ہے کہ سرورِ عالم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے ان کو مالک بن عوف نصری کے حالات معلوم کرنے پر مامور فرمایا تھا۔ یہ خدمت انہوں نے کامیابی سے انجام دی۔

شعبان ۸ھ ہجری میں رسولِ اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو اطلاع ملی کہ نجد کے ایک موضع خُضرہ میں بنو محارب (بروایتِ دیگر بنو غطفان) کے کچھ لوگ جمع ہو کر مسلمانوں پر حملہ کرنے کی سازش کر رہے ہیں لہ آنحضورؐ نے حضرت ابو قتادہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کو پندرہ آدمیوں کے ایک دستے کا قائد بنا کر ان لوگوں کی گوشمالی کے لیے روانہ کیا۔ انہوں نے مسلمانوں کا مقابلہ کیا لیکن بُری طرح شکست کھائی صحابہ اتنا مالِ غنیمت ساتھ لائے کہ خمس نکالنے کے بعد بھی ہر ایک کو بارہ بارہ اونٹ ملے۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ دشمن خوفزدہ ہو کر (مقابلہ کیے بغیر) بھاگ گئے۔ مسلمان ان کے مویشی ہانک کر مدینہ لے آئے۔

اس مہم کا نام مہم خُضرہ یا سریّۂ محارب یا سریّۂ اضم مشہور ہے۔ اس مہم میں حضرت عبداللہ بن ابی حدردؓ بھی شریک تھے۔ انہوں نے اس کا حال اس طرح بیان کیا ہے:

"ہمیں رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے اضم پہاڑی کی آبادی کی طرف مع چند مسلمانوں کے بھیجا۔ ان میں حضرت ابو قتادہؓ حارثؓ بن ربعی اور حضرت محلم بن جثامہ بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی تھے۔ ہم مدینہ سے نکل کر اضم کے قریب ہی پہنچے تھے کہ ہمارے پاس سے عامر بن الاضبط اشجعی اپنے اونٹ کے بچھیرے پر سوار ہو کر گزرا۔ اس کے پاس تھوڑا سا سامان اور ایک مشکیزہ دودھ سے بھرا ہوا تھا۔ اس نے ہم لوگوں کو اسلامی سلام کیا ہم اس پر ہاتھ اٹھانے سے رک گئے لیکن محلمؓ بن جثامہ نے حملہ کر کے اس کو

لہ یہ بیان علامہ ابنِ سعدؒ کا ہے (طبقات الکبریٰ ج ۱ ص ۲،۴)
علامہ ابنِ اثیرؒ کہتے ہیں کہ شرپسند بطنِ اضم میں جمع تھے اور اضم ایک نالے کا نام ہے جو بنو اشجع کے نالوں میں سے ہے۔ (اُسد الغابہ ج ۵

قتل کر دیا اور اس کے اونٹ اور سامان کو لے لیا[1]۔ جب ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کو یہ واقعہ سنایا تو (عامر بن اضبط کے قتل کو آپ نے پسند نہ فرمایا) اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا ضَرَبْتُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ فَتَبَیَّنُوْا وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰۤى اِلَیْكُمُ السَّلٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًاۚ تَبْتَغُوْنَ عَرَضَ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا٘ فَعِنْدَ اللّٰهِ مَغَانِمُ كَثِیْرَةٌؕ كَذٰلِكَ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلُ فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَیْكُمْ فَتَبَیَّنُوْاؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرًا۔ (النساء آیت ۹۴)

(یعنی اے لوگو! جو ایمان لائے ہو جب تم اللہ کی راہ میں جہاد کے لیے نکلو تو دوست دشمن میں تمیز کرو اور جو تمہاری طرف سلام سے تقدیم کرے اُسے فوراً نہ کہہ دو کہ تو مومن نہیں ہے اگر تم دنیوی فائدہ چاہتے ہو تو اللہ کے پاس تمہارے لیے بہت سے اموالِ غنیمت ہیں۔ آخر اس حالت میں تم خود بھی رہ چکے ہو پھر اللہ نے تم پر احسان کیا، لہٰذا تحقیق سے کام لو، جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے باخبر ہے)

علامہ ابن سعدؒ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عامر بن الاضبط اشجعی کی دیت (خون بہا) میں ان کے وارثوں کو سو اونٹ دیئے۔

---

[1] ابن سعدؒ اور ابن اثیرؒ نے عامر بن الاضبط اشجعی کو صحابہ میں شمار کیا ہے اور لکھا ہے کہ اسلامی لشکر نے ان کو غلط فہمی کی بنیاد پر مار ڈالا۔ اگرچہ انہوں نے اہلِ لشکر کو اسلامی طریقے سے سلام کیا اور کلمۂ شہادت بھی پڑھا لیکن محلمؓ بن جثامہ نے سمجھا کہ یہ سب کچھ اپنی جان بچانے کے لیے کر رہے ہیں اس لیے انہوں نے ان کو قتل کر ڈالا۔

(۴)

حضرت عبداللہ بن ابی حدردؓ بہت غریب تھے اور بڑی تنگدستی سے گزراوقات کرتے تھے۔ ایک دفعہ انہوں نے ایک یہودی سے چار درہم قرض لیے لیکن حسنِ نیت کے باوجود ان کو واپس کرنے کی مقدرت نہ پاتے تھے آخر یہودی نے بارگاہِ رسالت میں ان پر دعویٰ کر دیا۔ آنحضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ان کو حکم دیا، اے عبداللہ اس کا قرض ادا کرو۔ انہوں نے عرض کیا:

"یارسول اللہؐ قسم ہے اس ذات کی جس نے آپؐ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا، میرے پاس اتنا نہیں کہ اس کا قرض ادا کرسکوں۔"

آپؐ نے فرمایا: "اس کا حق اسے دے دو۔"

انہوں نے پھر عرض کیا: "یارسول اللہ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے کہ مجھے یہ درہم واپس دینے کی مقدرت نہیں ہے۔ میں اس (قرض خواہ) سے کہہ چکا ہوں کہ آپ ہم لوگوں کو عنقریب خیبر بھیجنے والے ہیں مجھے اُمید ہے کہ ہمیں وہاں سے کچھ نہ کچھ مالِ غنیمت ضرور ملے گا۔ جب میں خیبر سے واپس آؤں گا تو اس کا قرض ادا کردوں گا۔"

اس پر سرورِ عالم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے تیسری مرتبہ فرمایا، اے عبداللہ اس کا حق اسے دے دے۔"

رسولِ اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم جب کسی بات کو تین مرتبہ فرما دیتے تھے تو اس سے رجوع نہیں فرماتے تھے (یعنی وہ اٹل حکم ہوتا تھا) چنانچہ حضرت عبداللہؓ اس یہودی کو ساتھ لے کر بازار کی طرف چلے۔ اس وقت ان کے سر پر ایک مختصر سا عمامہ تھا اور ایک چادر کی تہبند باندھے ہوئے تھے جب بازار پہنچے تو انہوں نے عمامہ اپنے سر سے اتارا اور اس کو تہبند کی جگہ باندھا اور تہبند والی چادر کو علیحدہ کرکے اس یہودی سے کہا کہ تم یہ چادر مجھ سے

خرید لو۔ اس نے یہ چادر ان سے چار درہم میں خرید لی۔ انہوں نے یہی درہم اس کو دے کر قرض سے خلاصی حاصل کر لی۔ اتنے میں ایک بوڑھی خاتون وہاں سے گزریں انہوں نے حضرت عبداللہؓ کو اس حالت میں دیکھ کر کہا :

"اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی آپ کی یہ کیا حالت ہے؟"

انہوں نے اس خاتون کو ساری سرگزشت سنائی۔ نیک دل خاتون نے کہا، اچھا تو آپ میری یہ چادر لے لیں۔ یہ کہہ کر انہوں نے اپنی چادر اتار کر حضرت عبداللہؓ کے حوالے کر دی۔ (مسند احمد، الاصابہ، کنز العمال)

حضرت عمر فاروقؓ اپنے عہد خلافت میں شام کے دورے پر تشریف لے گئے تو مدینہ سے کچھ اصحاب رسولؐ کو بھی اپنے ساتھ لے لیا، ان میں حضرت عبداللہ ابن ابی حدردؓ بھی تھے۔ اس سفر کا حال بیان کرتے ہوئے وہ کہتے ہیں کہ جب ہم حضرت عمرؓ کی معیت میں جابیہ پہنچے تو ایک بوڑھے آدمی کو دیکھا جو کھانا مانگتا پھر رہا تھا۔ حضرت عمرؓ نے اس کے بارے میں دریافت کیا تو انہیں بتایا گیا کہ یہ ذمی (عیسائی یا یہودی) ہے۔ اب بڈھا اور کمزور ہو گیا ہے۔ حضرت عمرؓ نے اس کا جزیہ معاف کر دیا اور حکام سے مخاطب ہو کر فرمایا، "تم لوگوں نے اسے جزیہ کی تکلیف دی جب یہ بوڑھا ہو گیا تو تم نے اس کو ایسی حالت میں کر دیا کہ کھانا مانگتا پھرتا ہے ـــــ پھر بیت المال سے اس کے لیے دس درہم ماہانہ وظیفہ مقرر کر دیا۔

حضرت عبداللہ بن ابی حدردؓ نے ۷۱ھ ہجری میں وفات پائی اس وقت ان کی عمر ۸۱ برس کی تھی۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت ابو واقد لیثی رض

۱

سیدنا حضرت ابو واقد لیثی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا شمار آسمانِ ہدایت کے ان درخشندہ ستاروں میں ہوتا ہے کہ جن سے کبھی کبھی سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے یگانۂ روزگار عالمِ دین بھی استفادہ کرتے تھے۔ ایک مرتبہ ان کو یہ معلوم کرنے کی ضرورت پیش آئی کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نمازِ عید الفطر اور نمازِ عید الاضحیٰ میں کون کون سی سورتیں تلاوت کرتے تھے تو انھوں نے حضرت ابو واقد لیثی رض کی طرف رجوع کیا۔ حضرت ابو واقد رض نے بتایا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم قٓ وَالقُرآنِ المَجِید اور اِقتَرَبَتِ السَّاعَۃُ وَانشَقَّ القَمَر پڑھا کرتے تھے۔

حضرت ابو واقد کا نام حارث تھا اور وہ بنو لیث سے تعلق رکھتے تھے، جو قبیلۂ بنو کنانہ کی ایک شاخ ہے۔ سلسلۂ نسب یہ ہے:

ابو واقد حارث رض بن مالک بن اسید بن جابر بن حوثرہ بن عبد مناۃ بن اشجع بن لیث لیثی۔ (سیر الصحابہ)

بعض اہلِ سیر نے ان کے والد کا نام عوف بتایا ہے اور سلسلۂ نسب اس طرح بیان کیا ہے:

ابو واقد حارث رض بن عوف بن اسید بن جابر بن عویرہ بن عبد مناۃ بن اشجع بن عامر بن لیث بن بکر بن عبد مناۃ بن کنانہ۔

(اُسد الغابہ لابن اثیر)

حضرت حارث رض نے اپنی کنیت ابو واقد ہی سے شہرت پائی۔ حضرت ابو واقد لیثی رض اگرچہ بہت مشہور صحابی ہیں لیکن یہ بات حیرت انگیز ہے کہ ان کی

زندگی کے بیشتر پہلوؤں کے بارے میں اہل سیر میں بہت اختلاف پایا جاتا ہے۔ بعض نے لکھا ہے کہ وہ ہجرتِ نبوی کے فوراً بعد شرفِ اسلام سے بہرہ ور ہو گئے تھے، بعض کہتے ہیں کہ وہ فتح مکہ سے کچھ پہلے اسلام لائے اور بعض کا بیان ہے کہ فتح مکہ کے موقع پر سعادت اندوزِ اسلام ہوئے۔ زیادہ قرین قیاس یہی ہے کہ وہ فتح مکہ سے کئی سال پہلے اسلام قبول کر چکے تھے اور صلح حدیبیہ (ذیقعدہ ۶ ہجری) سے پہلے تو وہ یقیناً اسلام لا چکے تھے کیونکہ بیعتِ رضوان کے شرکاء میں ان کا نام بھی شامل ہے۔

(۲)

جو اربابِ سیر حضرت ابو واقدؓ کے ہجرتِ نبوی کے فوراً بعد اسلام لانے کے قائل ہیں وہ کہتے ہیں کہ انہوں نے سب سے پہلے غزوۂ بدر (رمضان ۲ ہجری) میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمرکابی کا شرف حاصل کیا۔ چنانچہ حافظ ابنِ حجر عسقلانیؒ نے "الاصابہ" میں خود حضرت ابو واقدؓ کا یہ بیان نقل کیا ہے کہ

"میں نے غزوۂ بدر میں ایک مشرک کا تعاقب کیا، مگر اس سے پہلے کہ میں اس پر وار کروں ایک دوسرے مسلمان نے اس کو قتل کر دیا۔"

لیکن بعض اربابِ سیر اس روایت کو ضعیف سمجھتے ہیں اور حضرت ابو واقدؓ کو اصحابِ بدر میں شمار نہیں کرتے۔ اپنے موقف کے حق میں وہ سب سے بڑی دلیل یہ دیتے ہیں کہ غزوۂ بدر کے وقت ان کی عمر پندرہ برس سے کم تھی اور وہ لڑائی میں شریک ہونے کے قابل نہیں تھے۔

ذیقعدہ ۶ ہجری میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم عمرہ کے لیے چودہ سو (۱۴۰۰) جاں نثاروں کے ہمراہ مدینہ سے روانہ ہوئے تو حضرت ابو واقدؓ بھی آپؐ کے ہمرکاب تھے۔ اس سلسلے میں صلح حدیبیہ سے پہلے بیعتِ رضوان کا مہتم بالشان واقعہ پیش آیا۔ حضرت ابو واقدؓ کو بھی اس بیعت میں شریک ہونے کی سعادت حاصل ہوئی اور وہ اللہ تعالیٰ کی اس بشارت کے مستحق قرار پائے: ———

لَقَدْ رَضِیَ اللّٰہُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ یُبَایِعُوْنَکَ تَحْتَ الشَّجَرَۃِ
(سورۂ فتح)

(اللہ راضی ہوا مومنوں سے جب بیعت کرتے تھے (اے رسول) تم سے درخت کے نیچے)

فتح مکہ (۸ھ ہجری) میں حضرت ابو واقدؓ ان دس ہزار قدسیوں میں شامل تھے جن کے بارے میں سینکڑوں سال پہلے "کتاب استثناء" میں یوں پیش گوئی کی گئی تھی:

"خداوند سینا سے آیا اور شعیر سے ان پر طلوع ہوا۔ کوہِ فاران سے وہ جلوہ گر ہوا۔ دس ہزار قدسیوں کے ساتھ آیا اور اس کے ہاتھ میں ایک آتشیں (نورانی) شریعت ان کے لیے تھی۔"

فتح مکہ کے بعد حضرت ابو واقدؓ نے غزوۂ حنین میں دادِ شجاعت دی۔ پھر ۹ھ ہجری میں غزوۂ تبوک میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت کا شرف حاصل کیا۔ حجۃ الوداع میں بھی آپؐ کے ہمراہ تھے۔

حضرت عمر فاروقؓ کے عہدِ خلافت میں حضرت ابو واقدؓ نے جہادِ شام میں سرفروشانہ حصہ لیا اور رومیوں کے خلاف کئی معرکوں میں دادِ شجاعت دی۔ "جنگِ یرموک" شام کی لڑائیوں میں سب سے خونریز جنگ تھی حضرت ابو واقدؓ اس میں بھی سرکیف ہو کر لڑے۔

حضرت ابو واقدؓ قبولِ اسلام کے بعد عمر بھر مدینہ منورہ میں رہے لیکن آخری عمر میں مدینہ منورہ کی سکونت ترک کر کے مکہ معظمہ چلے گئے اور وہیں باختلافِ روایت ۶۶ھ یا ۶۸ھ میں وفات پائی۔ عمر کے بارے میں مختلف روایتیں ہیں۔ کسی نے وفات کے وقت ان کی عمر پچھتر سال اور کسی نے پچاسی سال بتائی ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)۔ بدر میں ان کی شرکت اسی صورت میں ممکن ہو سکتی تھی جب وہ ۶۸ھ میں پچاسی برس کے ہوں۔

حضرت ابو واقدؓ نے وفات کے وقت دو لڑکے اپنی یادگار چھوڑے۔ ان کے نام واقدؒ اور عبد الملکؒ تھے۔ ان دونوں نے اپنے والد سے حدیثیں روایت کی ہیں۔

(۴)

حضرت ابو واقد لیثیؓ سے ۲۴ مرفوع احادیث مروی ہیں۔ ان کے رواۃِ حدیث میں دو فرزندوں واقدؒ اور عبد الملکؒ کے علاوہ عروۃؒ بن زبیرؓ، عطاءؒ بن یسارؒ، سنان بن ابی سنانؒ، ابو مرۃؒ اور عبید اللہ بن عبد اللہؒ شامل ہیں۔ حضرت ابو واقدؓ سے مروی تین احادیث بطور تبرک یہاں درج کی جاتی ہیں:

(۱) حضرت ابو واقد لیثی رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے روایت ہے کہ:
رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم جب (مکہ سے ہجرت فرما کر) مدینہ تشریف لائے تو یہاں، نہایت ظالمانہ ایک طریقہ یہ رائج تھا کہ کچھ لوگ کھانے کے لیے اپنے زندہ اونٹ کی کوہان کاٹ لیتے (جو بہت لذیذ قسم کا گوشت ہوتا ہے) اور اسی طرح دنبوں کی چکتی کاٹ لیتے (اور پھر اس اونٹ اور دنبہ کے زخم کا علاج کر لیتے۔) رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے اس بارے میں فرمایا کہ کسی زندہ جانور میں سے جو گوشت کاٹا جائے گا وہ مردار ہے اس کا کھانا جائز نہیں۔

(جامع ترمذی۔ سنن ابو داؤد)

(۲) حضرت ابی واقد لیثی رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کہتے ہیں کہ جب رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم غزوۂ حنین میں تشریف لے گئے تو آپؐ کا گزر مشرکوں کے ایک درخت پر ہوا جس پر وہ ہتھیار لٹکایا کرتے تھے اور اس کا نام ذاتِ انواط تھا (یعنی مشرکین اس پر ہتھیار لٹکا کر یا رکھ کر اس کے گرد طواف کیا کرتے تھے۔) بعض لوگوں نے (جو نئے نئے اسلام میں داخل ہوئے تھے) عرض کیا، یا رسول اللہ! ہمارے لیے

بھی ایک ذاتِ انواط بنا دیجئے جیسا کہ مشرکوں کا ذاتِ انواط ہے۔
آپؐ نے فرمایا، سبحان اللہ یہ تو تم نے ایسا سوال کیا جیسا موسیٰ علیہ السلام
کی قوم نے اُن سے کیا یعنی یہ کہ جیسا کافروں نے بُت کی صورت میں اپنا خدا بنا رکھا
ہے ایسا ہی خدا ہمارے لیے بنا دیجئے۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری
جان ہے (اگر تم ایسا کروگے تو) تم ان لوگوں کی راہ پر چلوگے جو تم سے پہلے
تھے (یعنی ان قوموں کی راہ پر جو پہلے گزر چکی ہیں) (ترمذی)

(۳) ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض
کیا کہ یا رسول اللہ! کبھی ہم ایسی زمین میں پہنچ جاتے ہیں کہ ہمیں
بھوک تکلیف دیتی ہے (یعنی وہاں کھانے کی کوئی چیز میسّر
نہیں آتی) ہمارے لیے مردار کب حلال ہو جاتا ہے (یعنی اگر ہم
کو کھانا نہ ملے تو ہم کس وقت مردار چیزوں کو اپنے لیے حلال سمجھیں)
آپؐ نے فرمایا، جب تم صبح تک کھانا نہ پاؤ یا شام تک نہ پاؤ
اور اس زمین میں تم کو سبزی ترکاری کی قسم میں سے بھی کچھ میسّر نہ
آئے (اور تمہاری جان لبوں پر آجائے) تو مردار تمہارے لیے
جائز ہے۔

(مشکوٰۃ بحوالہ دارمی)

حضرت ابو ثعلبہ خشنی رضہ

①

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن اپنے چند جاں نثاروں کے درمیان رونق افروز تھے کہ ایک صاحب جن کے چہرے پر زہد و عبادت اور تفکر کے آثار نمایاں تھے آپؐ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کیا :

" اے اللہ کے نبیؐ ہم اہلِ کتاب لوگوں میں رہتے ہیں کیا ان کے برتنوں میں ہم کھانا کھالیں اور ہم ایسی زمین میں رہتے ہیں جہاں شکار بہت ہے اور میں اپنی کمان اور غیر تربیت یافتہ کتوں سے شکار کرتا ہوں! ان میں سے کونسی چیز میرے لیے درست ہے۔"

حضورؐ نے فرمایا :-

" تم نے اہلِ کتاب کے برتنوں کا جو ذکر کیا ہے ان کے متعلق صحیح طرزِ عمل یہ ہے کہ اگر ان کے ہاں اور برتن (جو ان کے استعمال میں نہ ہوں) مل سکیں تو ان میں کھاؤ ــــــ اور اگر دوسرے برتن نہ ملیں تو ان کو خوب دھوؤ اور پھر ان میں کھالو ــــــ اور جو چیز تم اپنی کمان سے شکار کرو اور اس پر اللہ کا نام لو، اس کو کھالو اور جو چیز تم تربیت یافتہ کتے سے شکار کرو اور اس پر اللہ کا نام لو اس کو بھی کھالو ــــــ اور جو چیز کہ تم غیر تربیت یافتہ کتے سے شکار کرو اور اس کو زندہ پاؤ تو ذبح کرو اور کھالو۔" (صحیحین)

ان صاحب نے ان ارشاداتِ نبوی کو حرزِ جان بنا لیا اور ساری عمر نہ صرف خود ان پر عمل کیا بلکہ دوسروں تک بھی ان کو پہنچایا۔

یہ صاحب رسولؐ جن کو حلال و حرام اور جائز و ناجائز جاننے کے لیے

سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم سے رہنمائی حاصل کرنے کا اس قدر اشتیاق تھا، حضرت ابو ثعلبہ خُشنی تھے۔

(۲)

حضرت ابو ثعلبہ خُشنیؓ کا شمار آسمانِ ہدایت کے نہایت روشن ستاروں میں ہوتا ہے۔ ان کے نام کے بارے میں اختلاف ہے کسی نے جُرہُم لکھا ہے اور کسی نے جرثوم۔ اسی طرح ان کے والد کا نام کسی نے ناشب یا ناشم لکھا ہے اور کسی نے لاشر۔ انہوں نے اپنی کنیت ابو ثعلبہ ہی سے شہرت پائی۔ ان کا تعلق بنو قضاعہ کی ایک شاخ خشین سے تھا، اسی نسبت سے انہیں خُشنی کہا جاتا ہے۔

اہلِ سیر نے ان کے قبولِ اسلام کے زمانہ کی تصریح نہیں کی البتہ بعض نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ وہ دعوتِ اسلام کی ابتدا میں دولت ایمان سے بہرہ ور ہو گئے۔ لیکن صفحاتِ تاریخ میں وہ صلح حدیبیہ (ذیقعدہ ۶ہجری) کے موقع پر منظرِ عام پر آتے ہیں۔ اگر وہ دعوتِ توحید کے آغاز میں اسلام لائے تو پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ سترہ اٹھارہ سال تک کہاں رہے اور کیا کرتے رہے؟ کُتُبِ سیر سے اس کا کوئی جواب نہیں ملتا۔ قرائن سے یہی معلوم ہے کہ وہ صلح حدیبیہ سے کافی عرصہ پہلے مشرف بہ اسلام ہوئے اور فیضانِ نبوی سے بہرہ یاب ہو کر اسلام کے جانباز سپاہی بن گئے۔ چنانچہ بیعت رضوان کا عظیم الشان شرف حاصل کیا اور بارگاہِ خداوندی سے خوشنودی کی بشارت پائی۔

(اُسدُ الغابہ)

صلح حدیبیہ کے بہت جلد بعد (محرم ۷ھ میں) غزوۂ خیبر پیش آیا۔ اس میں قریب قریب وہ تمام صحابہؓ جو بیعتِ رضوان سے

سعادت اندوز ہوئے تھے، حضورؐ کے ہم رکاب تھے۔ حضرت ابو ثعلبہؓ بھی یقیناً اس غزوہ میں شریک ہوئے ہوں گے کیونکہ اہلِ سیر نے صراحت کے ساتھ لکھا ہے کہ خیبر کے مالِ غنیمت سے انہوں نے بھی حصہ پایا۔

غزوۂ خیبر کے بعد سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو ثعلبہؓ کو ان کے قبیلے میں تبلیغ اسلام کے لیے بھیجا۔ ان کی شبانہ روز تبلیغی مساعی کے نتیجے میں سارا قبیلہ عہدِ رسالت ہی میں حلقہ بگوشِ اسلام ہو گیا۔

(۴)

حضرت عمر فاروقؓ کے عہدِ خلافت میں شام فتح ہوا تو حضرت ابو ثعلبہؓ نے شام میں مستقل اقامت اختیار کر لی۔ نہایت عابد و زاہد تھے اور سیاسی ہنگامہ آرائیوں سے کنارہ کش رہتے تھے۔ جنگِ صفین میں بھی مطلق کوئی حصہ نہ لیا۔ نہایت حق گو اور راست باز تھے۔ ان کی زبان سے حق کے سوا کبھی کوئی بات نہ نکلتی تھی۔ ان کے جاننے اور ملنے والے لوگ کہتے تھے کہ راست بازی میں ہم نے ابو ثعلبہ سے بڑھ کر کسی کو نہیں پایا۔ حافظ ابن حجرؒ کا بیان ہے کہ خشیتِ الٰہی کا ان پر اس قدر غلبہ تھا کہ ہر وقت لرزاں و ترساں رہتے تھے۔ رات کو گھر سے باہر نکل جاتے اور چاند ستاروں اور قدرتِ خداوندی کے دوسرے مظاہر پر غور کرتے کرتے بے اختیار سربسجود ہو کر حمدِ خداوندی میں مشغول ہو جاتے۔ (الاصابہ)

حضرت ابو ثعلبہؓ نے سفرِ آخرت کب اختیار کیا، اس کے بارے میں اختلاف ہے۔ ابن اثیرؒ نے اسد الغابہ میں لکھا ہے کہ انہوں نے امیر معاویہؓ کی ابتدائے خلافت میں اور بعض لوگ کہتے ہیں یزید کے زمانے میں وفات پائی اور بعض لوگوں کا قول ہے کہ ۷۵ھ میں بعہدِ عبدالملک بن مروان ان کی وفات ہوئی۔ (واللہ اعلم بالصواب)

ان کی وفات کا قصہ بھی عجیب ہے۔ زندگی میں لوگوں سے اکثر کہا کرتے تھے کہ "اللہ سے امید ہے کہ وہ مجھے تم لوگوں کی طرح ایڑیاں رگڑ رگڑا کر دنیا سے نہیں اٹھائے گا۔"

چنانچہ ان کی یہ امید پوری ہوئی۔ حافظ ابن حجرؒ کہتے ہیں کہ ایک دن آدھی رات گئے نماز میں مشغول تھے۔ قریب ہی ان کی بیٹی سو رہی تھیں۔ انہوں نے خواب میں دیکھا کہ والدِ گرامی اس دنیائے فانی سے کوچ کر گئے ہیں ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھیں اور آواز دی " ابا جان ابا جان" انہوں نے جواب دیا "بیٹی نماز پڑھ رہا ہوں" تھوڑی دیر کے بعد پھر آواز دی تو کوئی جواب نہ ملا۔ پاس جا کر دیکھا تو سجدے میں پڑے ہوئے تھے لیکن روح عالمِ بالا کو پرواز کر چکی تھی۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔

ازواج واولاد کے بارے میں کتب سیر خاموش ہیں۔

حضرت ابو ثعلبہؓ سے چالیس حدیثیں مروی ہیں ان میں سے تین صحیح بخاری اور صحیح مسلم دونوں میں موجود ہیں۔ ایک میں امام مسلمؒ منفرد ہیں۔ ان کے راویانِ حدیث میں حضرت سعید بن مسیّبؒ، حضرت جبیر بن نفیرؒ اور حضرت مکحولؒ شامل ہیں۔

حضرت ابو ثعلبہ خشنیؓ سے مروی احادیث کو پڑھ کر معلوم ہوتا ہے کہ انہیں سفر و حضر میں اکثر بارگاہِ نبوی میں حاضری کی سعادت نصیب ہوئی۔ وہ خود بھی حضورؐ سے مسائل پوچھتے تھے اور اس کے علاوہ بھی جو کچھ آپؐ سے سنتے تھے اس کو یاد رکھتے تھے اور دوسروں تک پہنچاتے تھے۔ ہم ان سے مروی چھ احادیث یہاں بطور تبرک درج کرتے ہیں۔

حضرت ابو ثعلبہ خشنیؓ سے روایت ہے کہ:

(۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پالتو گدھوں کو حرام قرار دیا۔
(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(۲) رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیہِ وَسَلَّم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے چند باتیں فرض کی ہیں پس تم ان کو ضائع نہ کرو (یعنی ان کو ترک نہ کرو) اور چند چیزیں اللہ تعالیٰ نے حرام کی ہیں پس ان کے قریب (بھی) نہ جاؤ اور اللہ تعالیٰ نے چند حدود مقرر کی ہیں پس ان سے تجاوز نہ کرو اور چند چیزوں (کے بیان کرنے میں) سکوت اختیار لیا پس تم ان پر بحث نہ کرو۔

(مشکوٰۃ المصابیح بحوالہ دارقطنی)

(۳) رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیہِ وَسَلَّم نے فرمایا ہے کہ جن تین قسم ہیں۔ ایک تو وہ ہیں جن کے پر ہیں اور وہ اڑتے ہیں۔ دوسرے وہ ہیں جو سانپوں اور کتوں کی شکل میں ہیں اور ایک قسم وہ ہے جو منزل میں اترتی اور کوچ کرتی ہے۔

(مشکوٰۃ بحوالہ شرح السنۃ)

(۴) رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیہِ وَسَلَّم نے اس شکار کی نسبت جس کو شکاری شکار کرنے کے بعد تیسرے دن پائے فرمایا اگر اس میں بو پیدا نہ ہوگئی ہو تو اس کو کھا لیا جائے۔

(صحیح مسلم)

(۵) لوگ سفر میں جب کسی منزل پر اترتے تو پہاڑی دروں اور وادیوں میں پھیل جاتے۔ رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیہِ وَسَلَّم نے ایک موقع پر یہ دیکھ کر فرمایا، تمہارا ان گھاٹیوں اور وادیوں میں متفرق ہو جانا شیطان کے فریب اور وسوسہ کے سبب سے ہے۔ اس کے بعد لوگ جب کسی منزل میں اترتے تو اس طرح قیام کیا کہ ایک دوسرے سے ملا ہوا تھا یعنی یہاں تک ایک دوسرے سے قریب رہتا تھا کہ اگر ان پر ایک کپڑا پھیلایا جائے تو اُن کو ڈھانک لے۔

(ابو داؤد)

(۶) رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیہِ وَسَلَّم نے فرمایا کہ قیامت کے دن مجھ کو سب سے زیادہ عزیز اور میرے سب سے زیادہ قریب وہ لوگ ہوں گے جو تم میں سے زیادہ خوش اخلاق ہیں۔

(بیہقی)

حضرت مَعقِل رضؓ بن یَسَار مُزَنی

(۱)

سردرِ عالم صَلَّی اللہُ عَلَیہِ وَسَلَّم نے ایک مرتبہ اپنے ایک صاحب فہم و ذکا جاں نثار کو بُلا بھیجا۔ جب وہ حاضرِ خدمت ہوئے تو آپؐ نے ان سے فرمایا:

"میں تمہیں قبیلہ مُزَینہ کا قاضی بنانا چاہتا ہوں۔"

ان صاحب نے بڑے ادب کے ساتھ عرض کی:

"یارسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، مجھ میں اتنی اہلیت نہیں ہے کہ میں یہ ذمہ داری نباہ سکوں۔"

حضورؐ نے فرمایا:

"نہیں تم اُن (بنو مُزَینہ) کے فیصلے کیا کرو۔"

انہوں نے پھر عرض کی: "یارسول اللہؐ! میں اچھی طرح فیصلہ نہیں کر سکتا۔"

حضورؐ نے تیسری مرتبہ فرمایا:

"نہیں تم فیصلہ کرو اللہ قاضی کا اس وقت تک مددگار رہتا ہے جب تک وہ جان بوجھ کر ظلم اور ناانصافی نہیں کرتا۔"

اب انہوں نے حضورؐ کے ارشاد پر سرِ تسلیم خم کر دیا۔ یہ صاحب رسولؐ جن کو رحمتِ دو عالم صَلَّی اللہُ عَلَیہِ وَسَلَّم نے اصرار کے ساتھ عہدۂ قضا پر مامور فرمایا، حضرت معقِلؓ بن یسار تھے۔

(۲)

حضرت ابوعبداللہ مَعقِلؓ بن یسار کا شمار اُن صحابہ کرامؓ میں ہوتا ہے جو

فضل وکمال اور حکمت و دانش کے اعتبار سے بلند ترین مقام پر فائز تھے۔ ان کا نسب نامہ یہ ہے :۔

معقلؓ بن یسار بن عبداللہ بن صفیر بن حراق بن لائی بن کعب بن ثور بن ہدمہ بن لاطم بن عثمان بن عمرو بن ادین بن طانجہ بن الیاس بن مضر۔

اہلِ سِیَر نے یہ تصریح نہیں کی کہ وہ کس سال شرفِ اسلام سے بہرہ ور ہوئے لیکن یہ بات ثابت ہے کہ وہ صلح حدیبیہ (ذیقعدہ ۶ھ) سے پہلے اسلام قبول کر چکے تھے۔ مسندِ احمد بن حنبلؒ میں ہے کہ حدیبیہ کا صلحنامہ لکھے جانے سے پہلے سرورِ عالم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم صحابۂ کرامؓ سے بیعت لے رہے تھے تو حضرت معقلؓ آپؐ کے پیچھے کھڑے تھے۔ اس وقت ان کے ہاتھ میں (پتوں والی) ایک شاخ تھی جس سے وہ حضورؐ پر سایہ کیے ہوئے تھے۔ اس خدمت کے علاوہ انہوں نے بیعت کا شرف بھی حاصل کیا اور یوں اُن خوش بخت اصحاب میں شامل ہو گئے جن کو اللہ تعالیٰ نے کھلے لفظوں میں اپنی خوشنودی کی بشارت دی۔ (سورۂ فتح)

وہ بڑے دانا اور صائب الرائے آدمی تھے۔ احکام شریعت سے بخوبی واقف تھے اس لیے سرورِ عالم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم ان کی بڑی قدر فرماتے تھے۔ آپؐ کو قبیلہ مزینہ میں ایک قاضی بھیجنے کی ضرورت محسوس ہوئی تو آپؐ کی نظرِ انتخاب حضرت معقلؓ پر پڑی لیکن ان کی احتیاط، انکسار اور تقویٰ کا یہ عالم تھا کہ اس ذمہ داری کو اٹھانے سے معذرت کی۔ جب حضورؐ نے اصرار فرمایا تو آپؐ کے ارشاد کی تعمیل میں یہ منصب قبول کر لیا۔

اُن کی طبیعت میں غیرت اور خودداری کا مادہ بہت زیادہ تھا لیکن جب اللہ اور رسولؐ کا کوئی حکم سنتے تو اپنے جذبات کو بالائے طاق رکھ دیتے اور اس حکم کی تعمیل کرتے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ انہوں نے ایک صلحہ

کے ساتھ اپنی بہن کی شادی کی۔ انہوں نے چند دن کے بعد طلاق دے دی۔ جب عدّت گزر گئی تو انہوں نے اُن کی بہن سے دوبارہ نکاح کرنا چاہا۔ چونکہ طلاق مغلظ نہیں تھی اس لیے دوبارہ نکاح میں کوئی عذرِ شرعی مانع نہ تھا لیکن حضرت معقلؓ نے ان کے ساتھ دوسری مرتبہ اپنی بہن کا نکاح کرنے سے انکار کر دیا اور ان سے فرمایا:

"میں نے اپنی بہن کی شادی تمہارے ساتھ کر کے تمہاری عزت افزائی کی تھی لیکن تم نے اس کی خوب قدر کی کہ طلاق دے دی۔ اب میں کبھی تمہارے ساتھ اس کی شادی نہ کروں گا۔"

اسی زمانے میں قرآن حکیم کی یہ آیت نازل ہوئی:

وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوهُنَّ أَنْ يَنْكِحْنَ أَزْوَاجَهُنَّ إِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوفِ ۗ ذَٰلِكَ يُوعَظُ بِهِ مَنْ كَانَ مِنْكُمْ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ۗ ذَٰلِكُمْ أَزْكَىٰ لَكُمْ وَأَطْهَرُ ۗ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ۔ (البقرہ آیت ۲۳۲)

ترجمہ (جب تم اپنی عورتوں کو طلاق دے چکو اور وہ اپنی عِدّت پوری کر لیں تو پھر اس میں مانع نہ ہو کہ وہ اپنے زیرِ تجویز شوہروں سے نکاح کر لیں جب کہ وہ معروف طریقے سے باہم مناکحت پر راضی ہوں۔ تمہیں نصیحت کی جاتی ہے کہ ایسی حرکت ہرگز نہ کرنا اگر تم اللہ اور روزِ آخر پر ایمان لانے والے ہو۔ تمہارے لیے پاکیزہ اور شائستہ طریقہ یہی ہے کہ اس سے باز رہو، اللہ جانتا ہے تم نہیں جانتے)۔

حضرت معقلؓ نے یہ فرمانِ خداوندی سنا تو اپنے موقف کو ترک کر دیا اور بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر عرض کی:

"یا رسول اللہ! مجھے اب اس شخص سے اپنی بہن کا نکاح دوبارہ

کرنے میں کوئی عذر نہیں۔“
چنانچہ بہن کا نکاح دوبارہ ان صاحب سے کر دیا۔

(۳)

حضرت معقل رض کی بصیرت اور اصابتِ رائے کا امیر المومنین حضرت عمر فاروق رض کو بھی اعتراف تھا۔ وہ اہم ملکی امور میں ان سے مشورہ کیا کرتے اور بعض دفعہ نہایت اہم کام اُن کے سپرد کرتے تھے۔ جنگ نہاوند ۲۱ھ سے پہلے کوفہ کے گورنر حضرت عمار بن یاسر رض نے حضرت عمر رض کو اطلاع بھیجی کہ یزدگرد نے ڈیڑھ لاکھ جنگجوؤں پر مشتمل ایک لشکر تیار کیا ہے اور اسے اپنے ایک آزمودہ کار جرنیل مردان شاہ کی سرکردگی میں مسلمانوں کو ایران سے نکالنے کے لیے روانہ کیا ہے تو امیر المومنین رض نے اس کے مقابلے کی تجاویز سوچنے کے لیے اکابر صحابہ سے مشورہ کیا۔ اس مجلس مشاورت میں حضرت معقل رض بن یسار بھی شریک تھے۔

علامہ بلاذری رح نے ”فتوح البلدان“ میں لکھا ہے کہ اسی زمانے میں حضرت عمر فاروق رض نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رض کو بصرہ کے قریب ایک نہر کھدوانے کا حکم دیا اور فرمایا کہ جب یہ تیار ہو جائے تو معقل رض بن یسار کے ہاتھوں اس کا افتتاح کرایا جائے (یعنی اس میں پانی جاری کرایا جائے)۔ انہوں نے ایسا ہی کیا اور یہ نہر حضرت معقل رض کے نام کی نسبت سے ”نہر معقل“ مشہور ہوئی۔ علامہ شبلی نعمانی رح کا بیان اس سے مختلف ہے۔ انہوں نے ”الفاروق“ میں لکھا ہے کہ:

”نہر معقل ایک مشہور نہر ہے جس کی نسبت عربی میں یہ مقولہ مشہور ہے ”اذا جاء نهر الله بطل نهر معقل“ یہ نہر بھی دجلہ سے کاٹ کر لائی گئی تھی اور چونکہ اس کی تیاری کا اہتمام معقل رض بن یسار کو سپرد کیا گیا تھا جو ایک مقدس صحابی تھے اس لیے انہی

کے نام سے مشہور ہو گئی۔“

علامہ بلاذریؒ نے یہ بھی لکھا ہے کہ امیر معاویہؓ کے زمانے میں یہ نہر مٹی سے اَٹ گئی تھی۔ انہوں نے گورنر بصرہ زیاد کو حکم بھیجا کہ اسے دوبارہ کھدوایا جائے۔ اس نے نہر دوبارہ کھدوائی اور تبرکاً حضرت معقلؓ ہی سے اس کا افتتاح کرایا۔ افتتاح کے بعد اس نے ایک آدمی کو ہزار درہم دیئے اور کہا کہ دجلہ کے کنارے گھوم آؤ اور دیکھو کہ کوئی شخص اس کو میرے نام سے بھی منسوب کرتا ہے یا نہیں۔ اگر ایک شخص بھی اس کو ”نہرِ زیاد“ کہتا ہوا ملے تو اس کو یہ رقم دے دینا۔ جب اس شخص نے دجلہ کے کنارے کی گشت کی تو بچے بچے کی زبان پر اس نے ”نہرِ معقل“ کے الفاظ پائے۔ یہ سن کر اس کی زبان سے بے اختیار نکلا:

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَّشَاءُ

(اللہ جسے چاہتا ہے اپنے فضل سے نوازتا ہے)

(فتوح البلدان ص ۳۶۶)

(۴)

حضرت معقلؓ امیر معاویہؓ کے دورِ خلافت میں شدید بیمار ہو گئے یہاں تک کہ جانبری کی کوئی امید نہ رہی۔ اسی حالت میں عبید اللہ بن زیاد ان کی عیادت کے لیے آیا۔ دوران گفتگو میں اس سے فرمایا کہ میرا وقتِ آخر ہے، رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی ایک حدیث جو ابھی تک میرے سینے میں محفوظ ہے اس کو بیان کرتا ہوں اچھی طرح سن لو، میں نے رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو یہ ارشاد فرماتے سنا ہے کہ جو شخص رعایا کی گلہ بانی کرتا ہے اگر اس نے گلہ بانی میں خیانت کی (رعایا کے حقوق ادا نہ کیے یا اس پر ظلم کیا) تو اللہ اس پر جنت حرام کر دے گا۔

اسی بیماری میں انہوں نے پیکِ اجل کو لبیک کہا۔ اہلِ سیر نے سالِ وفات کی تصریح نہیں کی بہر صورت یہ امیر معاویہؓ کا دورِ خلافت (۴۱ھ تا ۵۹ھ) تھا۔

حضرت معقلؓ سے چونتیس ۳۴ حدیثیں مروی ہیں۔ ان میں سے ایک صحیح بخاری اور صحیح مسلم دونوں میں موجود ہے۔ ایک میں بخاریؒ اور دو میں مسلمؒ منفرد ہیں۔ ان کے رواۃ میں حضرت عمرانؓ بن حصین، حضرت علقمہ بن عبداللہؒ، خواجہ حسن بصریؒ، عمرو بن میمونؒ اور نافع بن ابی نافع جیسی مشہور شخصیتیں شامل ہیں۔

حضرت معقلؓ نے بلا کا حافظہ پایا تھا اور ان کو رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کئی ایسے فیصلے یاد تھے جن کا علم بہت سے اکابر صحابہؓ کو بھی نہ تھا تاہم وہ حدیث بیان کرنے میں بہت محتاط تھے اسی لیے ان کی مرویات کی تعداد ان کے فضل و کمال کی نسبت سے کچھ زیادہ نہیں ہے۔

علامہ ابن اثیرؒ نے "اُسد الغابہ" میں یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ ایک دفعہ ایک شخص فقیہ الامت حضرت عبداللہؓ بن مسعود کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان سے یہ مسئلہ پوچھا کہ ایک شخص نے حق مہر کے تعین کے بغیر ایک عورت سے نکاح کیا لیکن بلا خلوتِ صحیحہ فوت ہو گیا کیا ایسی صورت میں بیوہ خاتون کو ترکہ اور مہر ملے گا یا نہیں۔ حضرت عبداللہؓ بن مسعود کو اس قسم کے معاملے میں رسولِ اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا کوئی حکم یا فیصلہ یاد نہیں تھا۔ انہوں نے اپنی فراست سے کام لے کر جواب دیا کہ میرے خیال میں اس عورت کو اپنے جیسے اوصاف والی عورت کے برابر مہر ملے گا، وہ ترکہ کی بھی حقدار ہو گی اور اسے عدت بھی پوری کرنی ہو گی۔

اس موقع پر حضرت معقلؓ بن یسار بھی موجود تھے۔ انہوں نے فرمایا، آپ کا خیال صحیح ہے، رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے بروع بنتِ واشق کے بارے میں یہی فیصلہ فرمایا تھا۔ حضرت عبداللہؓ بن مسعود یہ جان کر کہ ان

کا فیصلہ رسول اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے فیصلے کے مطابق ہے بہت خوش ہوئے۔
حضرت معقلؓ سے مروی تین احادیث بطور تبرک یہاں درج کی جاتی ہیں۔ حضرت معقلؓ بن یسار رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے روایت ہے کہ:

(۱) رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا کہ فتنے کے دنوں میں عبادت کرنا (یعنی فتنہ وفساد میں حصہ نہ لینا اور اللہ سے لو لگانا) ایسے ہی ہے جیسے میری طرف ہجرت کرکے آنا۔ (صحیح مسلم)

(۲) میں نے رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے سنا۔ فرماتے تھے کہ جس بندہ کو اللہ کسی رعیت کا راعی (یعنی حاکم و نگران) بنائے اور وہ اس کی خیرخواہی پوری پوری نہ کرے تو وہ (حاکم) جنت کی خوشبو بھی نہ پا سکے گا۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(۳) رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا جس نے اللہ کی رضا کے لیے سورۂ یٰسین پڑھی اس کے پچھلے گناہ معاف کردیئے جائیں گے۔ لہٰذا یہ مبارک سورۃ مرنے والوں کے پاس پڑھا کرو۔
(شعب الایمان للبیہقی)

حضرت واثلہؓ بن اسقع کنانی

①

غزوۂ تبوک (۹ھ) سے چند دن پہلے کا ذکر ہے کہ ایک بدوی نوجوان سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کی:

"یا رسول اللہ مجھے اپنے دین میں داخل فرما لیجیے۔"

حضورؐ نے ان سے فرمایا:

"جاؤ پانی اور بیر کی پتیوں سے نہاؤ اور زمانۂ کفر کے بالوں کو منڈوا ڈالو۔"

انہوں نے تعمیل ارشاد کی اور حضورؐ نے ان کو کلمۂ شہادت پڑھا کر دائرۂ اسلام میں داخل کر لیا۔ پھر ازراہِ شفقت ان کے سر پر اپنا دست مبارک پھیرا۔ —— یہ خوش بخت نوجوان جن کے سر پر رحمت دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دستِ شفقت پھیرا، حضرت واثلہؓ بن الاسقع تھے۔

②

حضرت واثلہؓ بن اسقع کا شمار رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نہایت مخلص جاں نثاروں میں ہوتا ہے۔ ان کی کنیت ابو قرصافہ تھی اور وہ بنو کنانہ سے تعلق رکھتے تھے۔ نسب نامہ یہ ہے:

"واثلہؓ بن اسقع بن عبدالعزیٰ بن عبد یالیل بن ناشب بن غنزہ بن سعد بن لیث بن بکر بن کنانہ

قبولِ اسلام کے بعد حضرت واثلہؓ اصحابِ صفہ میں شامل ہو گئے

کیونکہ نہ ان کا کوئی ذریعۂ معاش تھا اور نہ مدینہ منورہ میں ان کا کوئی جاننے والا تھا۔ اصحاب صُفّہ کی مقدس جماعت کا رکن بننے کے بعد انہوں نے بڑے ذوق و شوق سے دین کی تعلیم حاصل کرنا شروع کر دی ساتھ ہی آقائے دوجہاں صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی خدمت گزاری کو اپنا شعار بنا لیا۔ چند دن کے بعد حضورؐ نے صحابۂ کرامؓ کو غزوۂ تبوک کے لیے تیار ہونے کا حکم دیا۔ حضرت واثلہؓ نے سواری اور زادِ راہ کا انتظام کرنے کے لیے بہت کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہوئے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ اس مقصد کے لیے وہ اپنے گھر (وطن) بھی گئے لیکن وہاں سے بھی کچھ نہ ملا۔ واپس مدینہ منورہ آئے تو سرورِ عالم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم تبوک کے لیے روانہ ہو چکے تھے حضرت واثلہؓ کو اپنے آقا و مولا صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی ہمرکابی کے شرف سے محروم ہونے کا بے حد قلق ہوا۔ بے تاب ہو کر مدینہ منورہ کی گلیوں میں گشت لگا لگا کر پکارنے لگے:

"کوئی اللہ کا بندہ ہے جو مجھ کو میرے مالِ غنیمت کے عوض تبوک لے چلے۔"

اتفاق سے ایک انصاری صاحب رسولؐ بھی پیچھے رہ گئے تھے اور اب روانہ ہونے کے لیے تیار تھے اُن کے کانوں میں حضرت واثلہؓ کی آواز پڑی تو انہیں اپنے پاس بلایا اور کہا:

"میں تبوک جانے والے لشکر میں شریک ہونے کے لیے روانہ ہو رہا ہوں۔ تمہیں بھی اپنے ساتھ لے چلوں گا۔ اپنی سواری پر بھی بٹھاؤں گا اور کھانے میں بھی اپنے ساتھ شریک کر دوں گا۔ اللہ کی رحمت پر بھروسا کرو اور تیار ہو جاؤ۔"

حضرت واثلہؓ کو یہ سن کر بے انتہا مسرت ہوئی۔ سفر پر پہلے ہی کمربستہ تھے فوراً اُن کے ساتھ ہو لیے۔ انہوں نے سفر میں حضرت واثلہؓ سے حقیقی بھائیوں جیسا سلوک کیا اور اُن کی ضروریات کا ہر طرح خیال رکھا۔ منزلِ مقصود پر پہنچ

کہ حضرت واثلہؓ بڑے ذوق و شوق سے غزوے میں شریک ہوئے اور مالِ غنیمت میں چھ اونٹنیاں حاصل کیں۔ وعدے کے مطابق وہ انہیں اپنے مربی انصاری بزرگ کے پاس لے گئے۔ انہوں نے ان کی چال ڈھال دیکھ کر فرمایا:

"بھئی تمہاری یہ ساری اونٹنیاں بہت اچھی ہیں۔"

حضرت واثلہؓ نے کہا: "میں اپنے وعدہ کے مطابق یہ سب آپ کی نذر کرتا ہوں۔"

انہوں نے فرمایا:

"بھتیجے! اللہ یہ اونٹنیاں تمہیں مبارک کرے انہیں لے جاؤ۔ میں تمہیں اپنے ساتھ مالِ غنیمت کے لالچ کی وجہ سے نہیں لایا تھا میرا مقصد تو صرف اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور آخرت کی بھلائی حاصل کرنا تھا۔"

(۳)

امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ کے عہدِ خلافت میں بصرہ آباد ہوا تو حضرت واثلہؓ وہاں چلے گئے لیکن بصرہ میں زیادہ مدت قیام نہ کیا جلد ہی شام کا رُخ کیا اور دمشق کے قریب بلاط نامی ایک گاؤں میں سکونت اختیار کر لی۔ وہاں سے اسلامی لشکر میں شریک ہو کر رومیوں کے خلاف بہت سے معرکوں میں دادِ شجاعت دی۔

علامہ ابن اثیرؒ کا بیان ہے کہ زندگی کے آخری دَور میں انہوں نے بیت المقدس (یروشلم) میں مستقل سکونت اختیار کر لی تھی۔ ڈاڑھی سفید ہو گئی تو اس میں زرد رنگ کا خضاب کرنے لگے۔ اخیر عمر میں آنکھوں کی بینائی جاتی رہی تھی۔ زندگی کے ابتدائی دَور میں بہت نادار تھے۔ بعد میں اللہ تعالیٰ نے انہیں مرفہ الحال کر دیا۔ اس مرفہ الحالی کا شکر وہ اس طرح ادا کرتے تھے کہ صبح اور شام دونوں وقت غریب لوگوں کو بلا کر

اپنے ساتھ کھانا کھلاتے تھے۔

عبادتِ الٰہی سے بے انتہا شغف تھا۔ اوراد وظائفِ ماثورہ کے پڑھنے میں کبھی ناغہ نہ آنے دیتے تھے۔ امام حاکمؒ نے اپنی "مستدرک" میں ان کی صاحبزادی اسماءؒ کا یہ بیان نقل کیا ہے کہ والدِ محترم فجر کی نماز کے بعد وظیفہ پڑھنے میں مشغول ہو جاتے تھے یہاں تک کہ آفتاب طلوع ہو جاتا تھا۔ اس دوران میں وہ کسی سے کوئی بات نہ کرتے تھے۔ اگر میں کسی ضرورت سے ان کو بلاتی تو جواب نہیں دیتے تھے۔ ایک دن میں نے ان سے پوچھا کہ آپ اس وقت کسی سے بات کیوں نہیں کرتے؟ فرمایا، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جو شخص نماز کے بعد بغیر کسی سے بات کیے ہوئے سو مرتبہ سورۂ اخلاص کی تلاوت کرلے تو اس کے اس سال کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔

حضرت واثلہؓ نے خلیفہ عبدالملک بن مروان کے دورِ حکومت میں باختلافِ روایت ۸۳ھ یا ۸۵ھ میں وفات پائی۔ اس وقت ایک روایت کے مطابق ان کی عمر ۱۰۵ سال اور دوسری کے مطابق ۹۸ برس کی تھی۔

(۴)

حضرت واثلہؓ بن اسقع اگرچہ اخیر عہدِ رسالت میں سعادت اندوزِ اسلام ہوئے لیکن اللہ تعالیٰ نے انہیں قلبِ تپاں اور ذہنِ رسا سے نوازا تھا۔ سال سوا سال کی مختصر مدت میں وہ فیضانِ نبوی سے خوب بہرہ یاب ہوئے اور علم و فضل کے اعتبار سے بڑے بلند مقام پر پہنچ گئے۔ ان سے چھپن ۵۶ حدیثیں مروی ہیں جن میں سے ایک میں بخاری اور ایک میں مسلم منفرد ہیں۔ ان کے رواۃ حدیث میں ان کی تین بیٹیوں اسماءؒ، فسیلہؒ اور جمیلہؒ کے علاوہ مکحول الدمشقیؒ، عبداللہ بن عامرؓ اور شداد بن عمارہؒ قابلِ ذکر ہیں۔

روایت حدیث میں حضرت واثلہؓ الفاظ کی پابندی کو ضروری نہیں سمجھتے

تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ روایتِ حدیث میں اتنا ہی کافی ہے کہ حدیث کا مفہوم اور اس کے صحیح معنی بیان کر دیئے جائیں۔

ایک مرتبہ حضرت مکحول الدمشقیؒ نے ان سے کہا کہ کوئی ایسی حدیث سنایئے جو آپ کو لفظ بہ لفظ یاد ہو اور اس کے کسی لفظ میں آپ کو مطلق کوئی شک نہ ہو۔

یہ سن کر حضرت واثلہؓ نے حاضرینِ مجلس سے پوچھا، کیا تم میں سے کسی نے گزشتہ رات کو قرآنِ پاک پڑھا ہے؟ ان میں سے بعض نے کہا جی ہاں لیکن ہم حافظِ قرآن نہیں ہیں۔

فرمایا، جب قرآنِ حکیم کو جو تمہارے پاس لکھا ہوا موجود ہے صحیح طور پر حافظہ میں محفوظ نہیں رکھ سکتے (جب تک کہ اسے خاص طور پر حفظ نہ کیا ہو) اور زبانی پڑھتے وقت تمہیں خوف رہتا ہے کہ کوئی آیت چھوٹ نہ جائے یا زیادہ نہ ہو جائے تو حدیثیں حافظہ میں لفظ بہ لفظ کیسے محفوظ رہ سکتی ہیں خاص کر اس صورت میں کہ ہم نے انہیں صرف ایک ہی مرتبہ سنا ہو۔

اس احتیاط کے باوجود ان سے مروی بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ انہوں نے لفظ بہ لفظ روایت کی ہیں۔

یہاں ہم حضرت واثلہؓ بن اسقع سے مروی پانچ حدیثیں (بطور تبرک) درج کرتے ہیں۔ حضرت واثلہؓ بن الاسقع سے روایت ہے کہ:

(۱) میں نے خود سنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے تھے کہ جس شخص نے کوئی عیب والی چیز کسی کے ہاتھ فروخت کی اور خریدار کو وہ عیب بتلایا نہیں دیا تو اس پر ہمیشہ خدا کا غضب رہے گا۔ یا آپؐ نے فرمایا کہ اللہ کے فرشتے ہمیشہ اس پر لعنت کرتے رہیں گے۔ (ابن ماجہ)

(۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے ساتھ ایک مسلمان کے جنازہ پر نماز پڑھی اور میں نے آپ کو یہ دعا فرماتے سنا۔

اَللّٰهُمَّ اِنَّ فُلَانَ بْنَ فُلَانٍ فِیْ ذِمَّتِكَ وَحَبْلِ جِوَارِكَ فَقِهٖ مِنْ فِتْنَةِ الْقَبْرِ وَعَذَابِ النَّارِ وَاَنْتَ اَهْلُ الْوَفَاءِ وَالْحَقِّ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلَهٗ وَارْحَمْهُ اِنَّكَ اَنْتَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ (ابوداؤد و ابن ماجہ)

یعنی اے اللہ فلاں شخص فلاں کا بیٹا تیری امان میں ہے پس تو بچا اس کو قبر کے فتنے سے اور دوزخ کے عذاب سے اور تو اے اللہ وفا اور حق کا مالک ہے (یعنی جو وعدے تو نے اپنے بندوں سے کیے ہیں ان کو پورا کرتا ہے) اور جو کچھ تو کرتا ہے وہ حق ہے یا اللہ اس میت کو بخش دے اور اس پر رحم کر بے شک تو ہی بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

(۳) رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا کہ جس شخص نے علم طلب کیا اور اس کو حاصل کر لیا اس کو دوہرا اجر ملے گا اور اگر علم حاصل نہ ہوا تو اکہرا ثواب ملے گا۔ (مسند دارمی)

(۴) رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا تم اپنی مسجدوں سے دور اور الگ رکھو اپنے چھوٹے بچوں کو اور دیوانوں کو (ان کو مسجدوں میں نہ آنے دو) اور اسی طرح مسجدوں سے الگ اور دور رکھو اپنی خرید و فروخت کو اور اپنے باہمی جھگڑوں بکھیڑوں کو اور اپنے شور و شغب کو اور حدوں کے قائم کرنے کو اور تلواروں کو نیاموں سے نکالنے کو (یعنی ان میں سے کوئی بات بھی مسجدوں کے حدود کے اندر نہ ہو۔ یہ سب باتیں مسجد کے تقدس اور احترام کے منافی ہیں) (سنن ابن ماجہ)

(۵) رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا کہ اپنے مسلمان بھائی کے نقصان (یا مصیبت) پر خوشی مت ظاہر کرو۔ اللہ تعالیٰ سے بعید نہیں کہ وہ اس پر رحمت کر دے اور تم کو اس مصیبت میں مبتلا کر دے۔

حضرت سعد القرظ رض

مؤذنِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

(۱)

ہجرت نبوی کے کچھ عرصہ بعد کا ذکر ہے کہ ایک دن ایک نوجوان صاحب رسول بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اور بڑے ادب سے سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا۔ حضور نے ان پر محبت بھری نگاہ ڈالی، اُن کے سر پر دستِ شفقت پھیرا اور ان کو خیر و برکت کی دعا دی۔ پھر آپ نے اُن سے مخاطب ہو کر فرمایا:

"تم پانچوں وقت مسجدِ قُبا میں اذان دیا کرو اور جس دن بلال مدینہ میں موجود نہ ہو اس دن مسجدِ نبوی میں اذان دیا کرو۔"

اُن صاحب نے ارشادِ نبوی پر لبیک کہا اور حضور نے جو خدمت ان کے سپرد کی تھی اس کو نہایت باقاعدگی کے ساتھ دل و جان سے انجام دینے لگے۔

یہ خوش بخت نوجوان جن کے سر پر رحمتِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے دستِ شفقت پھیرا اور انہیں تقویٰ کی اساس پر تعمیر ہونے والی مسجدِ اوّل کا مؤذن مقرر فرمایا[1] حضرت سعد القرظ تھے۔

---

[1] مسجدِ قُبا وہی مسجد ہے جس کی شان میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

(۲)

حضرت سعد قَرَظؓ کے حسب و نسب کے بارے میں اتنا ہی معلوم ہے کہ ان کے والد کا نام عائذ تھا اور وہ جلیل القدر صحابی حضرت عمارؓ بن یاسرؓ کے غلام تھے (بعد میں انہوں نے ان کو آزاد کر دیا تھا) وہ کہاں کے رہنے والے تھے۔ مکہ یا مدینہ میں کب آئے، اسلام کب قبول کیا اور کن غزوات میں حصہ لیا ـــــ ان تمام سوالوں کے جواب میں کتب سِیَر خاموش ہیں۔

بعض تذکرہ نگاروں نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ حضرت سعد قرظؓ اپنے آقا حضرت عمار کے ساتھ دعوت اسلام کے آغاز میں مشرف بہ اسلام ہوئے ہوں گے لیکن جب حضرت عمارؓ کی مکی زندگی پر نظر ڈالتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ خود ایک غلام خاندان سے تعلق رکھتے تھے اور مکہ میں غریب الدیار تھے۔ ان کی مکی زندگی بڑی مظلومانہ تھی۔ اس حالت میں یہ بات مستبعد معلوم ہوتی ہے کہ وہ کوئی غلام خریدنے کی استطاعت رکھتے تھے۔ ہاں اس بات کا ضرور امکان ہے کہ ہجرت کے بعد جب مسلمانوں کے حالات سدھرنے لگے انہوں نے حضرت سعد قرظ کو خریدا ہو اسی لیے انہیں حضرت عمارؓ کا غلام یا مولیٰ کہا جاتا ہے۔

قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت سعدؓ کی آواز بہت اچھی اور بلند تھی

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ) لَتَقُوْمَ فِيْهِ ؕ فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ۔ (التوبہ۔آیت ۱۰۸)

(وہ مسجد جس کی بنیاد شروع ہی میں تقویٰ پر رکھی گئی تھی وہ اس کی زیادہ مستحق ہے کہ آپ اس میں نماز کے لیے کھڑے ہوں۔ اس میں ایسے لوگ ہیں جن کو زیادہ صفائی مرغوب ہے اور اللہ خوب صاف ستھرے ہونے والوں کو پسند کرتا ہے)

اسی لیے حضورؐ نے انہیں مسجدِ قبا کا مستقل مؤذن مقرر فرمایا اور ساتھ ہی مسجدِ نبوی کے مؤذن حضرت بلالؓ بن رباح حبشی کی نیابت بھی سپرد کی کہ جب وہ غیر حاضر ہوں تو سعد مسجدِ نبوی میں اذان دیا کریں۔

حضرت سعدؓ ابتدا میں بہت مفلس تھے۔ ایک دن بارگاہِ رسالت میں اپنی غریبی اور تنگدستی کی شکایت کی حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ تجارت کرو اللہ تعالیٰ اس میں برکت دے گا۔ چنانچہ انہوں نے ایک خاص قسم کے پتوں کی تجارت شروع کر دی جنہیں عرب میں قرظ کہا جاتا تھا۔ یہ پتے دباغت (کھال پکانے) کے کام آتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کام میں اتنی برکت دی کہ وہ بہت آسودہ حال ہو گئے اور قرظ ہی کی تجارت کو انہوں نے اپنا مستقل پیشہ بنا لیا اسی لیے سعد القرظ کے نام سے مشہور ہو گئے۔

سرورِ عالم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے وصال کے بعد جب حضرت بلالؓ نے شکستہ دلی کے عالم میں اذان دینی چھوڑ دی تو خلیفۃ الرسول حضرت ابو بکر صدیقؓ نے ان کی جگہ حضرت سعد القرظؓ کو مسجدِ نبویؐ کا مستقل مؤذن مقرر کر دیا ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ جب حضرت بلالؓ مدینہ منورہ سے شام جانے لگے تو انہوں نے خود یہ ذمہ داری حضرت سعد القرظؓ کو سونپ دی (لیکن پہلی روایت کی اسناد زیادہ قوی ہیں)۔ حضرت سعد القرظ اس خدمت کو عمر بھر انجام دیتے رہے۔ انہوں نے طویل عمر پا کر ۷۴ھ میں وفات پائی اور اپنے پیچھے دو بیٹے عمار اور عمر اپنی یادگار چھوڑے۔ حضرت سعد القرظ کی اولاد بھی مدتوں تک مسجدِ نبوی میں مؤذنی کی خدمت انجام دیتی رہی۔

حضرت سعد القرظ سے مروی کچھ احادیث بھی کتبِ حدیث میں موجود ہیں۔ ان میں ایک مشہور حدیث یہ ہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے بلالؓ کو حکم دیا کہ اذان دیتے وقت وہ اپنی دونوں انگلیاں کانوں میں دے لیا کریں۔ آپؐ نے اُن سے فرمایا کہ ایسا کرنے سے تمہاری آواز زیادہ بلند ہو جائے گی۔ (سنن ابن ماجہ)

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت جُبیرؓ بن مُطعِم

(۱)

سنہ ۱۰ نبوت میں شعب ابی طالب کی محصوری کا خاتمہ ہونے کے بعد سرورِ عالم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم تبلیغ حق کے لیے طائف تشریف لے گئے تو اہلِ طائف نے انتہائی شقاوت اور بہیمیت کا مظاہرہ کیا۔ انہوں نے دعوتِ حق قبول کرنے کے بجائے آپؐ پر پتھر برسائے۔ آخر آپؐ ان کو اپنے حال پر چھوڑ کر مکّہ کو مراجعت فرما ہوئے۔ مکّہ میں داخل ہونے سے پہلے حضورؐ نے اخنس بن شریق کو پیغام بھیجا کہ وہ آپؐ کو اپنی حمایت میں لے لے لیکن اس نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ میں بنو زُہرہ کا حلیف ہوں اور حلیف اصل قبیلے کی کسی شاخ کے مقابلے میں پناہ نہیں دے سکتا۔ پھر آپؐ نے سہیل بن عمرو کے پاس بھی ایسا ہی پیغام بھیجا، سہیلؓ ابھی ایمان نہیں لائے تھے۔ انہوں نے بھی حمایت کی ہامی نہ بھری۔ اس کے بعد آپؐ نے مُطعِم بن عدی کے پاس یہی پیغام بھیجا۔ وہ مشرک ہونے کے باوجود بڑا رحمدل، شریف اور بہادر آدمی تھا۔ اس نے آپ کو اپنی حمایت میں لینا قبول کر لیا اور آپؐ کو کہلا بھیجا کہ آپ مکّہ میں آجائیں میں آپ کی حفاظت کروں گا۔ مُطعِم کو علم تھا کہ رسولِ اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو اپنی حمایت میں لینے کا مطلب سارے قریش کو اپنی مخالفت کی دعوت دینا ہے لیکن اس نے کچھ پروا نہ کی اور اپنے بیٹوں اور بھتیجوں کو حکم دیا کہ ہتھیار لگا کر حرم میں پہنچ جائیں۔ سرورِ عالم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم شہر میں داخل ہونے کے بعد طواف کے لیے مسجد الحرام میں تشریف لائے تو مُطعِم بن عدی نے اونٹ پر کھڑے ہو کر کہا:۔

"اے گروہِ قریش! سن لو کہ میں نے محمد (صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم) کو اپنی حمایت میں لے لیا ہے کوئی شخص ان پر ہاتھ اٹھانے کی جرأت نہ کرے۔"

حضورؐ نے اطمینان سے طواف کیا، نماز پڑھی اور پھر کاشانۂ اقدس کو تشریف لے گئے۔ اس دوران میں مطعم اور اس کے چھ سات بیٹے (اور بھتیجے) آپؐ پر اپنی تلواروں کا سایہ کیے ہوئے تھے۔ آلِ مطعم کے تیور دیکھ کر تمام جبابرۂ قریش خون کے گھونٹ پی کر رہ گئے۔

حضرت جبیرؓ اسی شریف اور بہادر انسان، مطعم بن عدی کے فرزند تھے۔

(۲)

حضرت ابو محمد جبیر بن مطعم کا تعلق بنو عبد مناف کی شاخ بنی نوفل سے تھا اور وہ سرورِ عالم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے ہم جد تھے۔ سلسلۂ نسب یہ ہے:

جبیرؓ بن مطعم بن عدی بن نوفل بن عبد مناف بن قصی قرشی۔

عبد مناف پر حضرت جبیرؓ کا سلسلۂ نسب سرورِ عالم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے سلسلۂ نسب سے مل جاتا ہے۔ ان کے پردادا نوفل حضورؐ کے پردادا ہاشم کے بھائی تھے۔

حضرت جبیرؓ کے والد مطعم بن عدی کا شمار قریش کے نہایت شریف اور نرم دل اکابر میں ہوتا تھا۔ کفارِ قریش نے جس معاہدہ کے مطابق بنی ہاشم اور بنی مطلب کو شعب ابی طالب میں محصور کیا تھا، مطعم بن عدی نے سنہ ۱۰ نبوت میں بعض دوسرے شریف لوگوں کے ساتھ مل کر اس ظالمانہ معاہدے کو ختم کرنے کے لیے بھرپور جدوجہد کی تھی۔ ان کے دوسرے ساتھی یہ تھے:

ہشام بن عمرو العامری، زہیر بن ابی امیہ، ابو البختری عاص بن ہاشم،

اور زمعہ بن الاسود بن مُطّلب۔

ان چاروں نے مُطعم بن عدی کے ساتھ مل کر یہ طے کیا کہ مقاطعہ کے معاہدے کو پھاڑ ڈالا جائے۔ چنانچہ دوسرے دن یہ پانچوں بہادر حرم میں گئے اور زہیر بن ابی اُمیہ نے اہل مکہ سے مخاطب ہو کر کہا:

"مکہ کے لوگو کیا یہ شرافت ہے کہ ہم مزے سے کھائیں پئیں اور کپڑے پہنیں جب کہ بنی ہاشم ہلاک ہو رہے ہیں۔ نہ ان سے کوئی چیز خریدی جاتی ہے اور نہ ان کے ہاتھ کوئی چیز بیچی جاتی ہے۔ خدا کی قسم میں چین نہ لوں گا جب تک اس ظالمانہ معاہدے کی دستاویز کو پھاڑ نہ ڈالا جائے۔"

اس پر اشرار کے سرغنہ ابو جہل نے چیخ کر کہا: "تم جھوٹ کہتے ہو یہ دستاویز کسی صورت میں نہ پھاڑی جائے گی۔"

زَمعَہ بن الاَسوَد نے کہا: "خدا کی قسم تم سب سے بڑھ کر جھوٹے ہو ہم تو اس وقت بھی راضی نہ تھے جب یہ معاہدہ لکھا جا رہا تھا۔"

ابوالبختری نے زمعہ کی تائید کرتے ہوئے کہا: "زمعہ نے سچ کہا۔ اس معاہدے میں جو کچھ لکھا گیا ہے ہم کو اس سے بالکل اتفاق نہیں ہے اور نہ ہم اسے تسلیم کرتے ہیں۔"

مُطعم بن عدی نے بڑے جوش سے کہا، "تم دونوں سچے ہو اور جھوٹا وہ ہے جو اس کے سوا کچھ کہتا ہے۔ ہم اللہ کے سامنے اس دستاویز سے اور جو کچھ اس میں لکھا ہے لاتعلقی کا اظہار کرتے ہیں۔"

پھر یہ پانچوں بہادر مسلح ہو کر شعب ابی طالب میں گئے اور تمام محصورین کو وہاں سے نکال لائے۔ خدا کی قدرت معاہدے کی دستاویز کو پھاڑنے کی ضرورت ہی پیش نہ آئی کیونکہ اللہ کے نام کے سوا باقی تمام عبارت کو دیمک نے چاٹ لیا تھا۔ (ابنِ سعدؒ، بلاذری)

اس واقعہ کے بعد ہی حضورؐ طائف تشریف لے گئے۔ واپسی پر مطعم بن عدی ہی تھا جس نے آپؐ کو اپنی حمایت میں لے لیا اور جان کی بازی لگا کر آپؐ کی حفاظت کی۔ حضورؐ نے اس کی اس نیکی کو ہمیشہ یاد رکھا۔ افسوس کہ یہ شریف انسان قبولِ اسلام کے شرف سے محروم رہا۔ وہ زندہ رہتا تو شاید یہ سعادت حاصل کر لیتا لیکن حضورؐ کی ہجرت مدینہ کے جلد ہی بعد (یا اس سے کچھ پہلے) وہ فوت ہو گیا۔ جُبیرؓ نے اسی شریف باپ کے زیرِ سایہ تربیت پائی تھی، اس لیے بڑے منکسر المزاج اور حلیم الطبع تھے۔ علامہ ابن اثیرؒ کا بیان ہے کہ رئیس ہونے کے باوجود ان کو تکبر اور غرور چھو کر بھی نہیں گیا تھا تاہم قومی عصبیت نے ان کو عرصہ تک قبولِ حق سے باز رکھا۔ ۲ھ ہجری میں کفر و حق کے معرکۂ اوّل "بدر" میں کفارِ قریش کے سبھی اکابر شریک ہوئے لیکن جُبیرؓ مکہ ہی میں رہے اور لڑائی میں شریک نہ ہوئے۔ البتہ لڑائی کے بعد وہ اپنے قیدیوں کو چھڑانے کے لیے مکہ گئے۔ جس وقت وہ حضورؐ سے ملنے گئے آپؐ نماز میں مشغول تھے اور سورۂ طور کی تلاوت فرما رہے تھے۔ جُبیرؓ کلامِ الٰہی کو سن کر بے حد متاثر ہوئے۔ خود ان کا بیان ہے کہ میں نے سورۂ طور کی آیات سنیں تو یوں محسوس ہوا کہ میرا دل ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا۔ (مُسندِ احمد جلد ۴ ص ۸۳)

حضورؐ نماز سے فارغ ہوئے تو حضرت جُبیرؓ نے آپؐ کے سامنے پیش ہو کر اسیرانِ بدر کے بارے میں گفتگو شروع کی۔ اس موقع پر سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے والد کے احسانات کو یاد کر کے فرمایا:

لَوْ كَانَ الْمُطْعِمُ بْنُ عَدِيٍّ حَيًّا ثُمَّ كَلَّمَنِي فِي هٰؤُلَاءِ النَّتْنٰى لَتَرَكْتُهُمْ لَهٗ۔ (صحیح بخاری، ابوداؤد، مُسندِ احمد)

(یعنی اگر مطعم بن عدی زندہ ہوتا اور مجھ سے ان گھناؤنے لوگوں کے متعلق بات کرتا تو میں اس کی خاطر ان کو چھوڑ دیتا)۔

افسوس کہ حضرت جُبیرؓ بن مطعم کلامِ الٰہی سے متاثر ہونے کے باوجود اس

وقت بھی قبولِ حق سے محروم رہے۔ غزوۂ بدر میں ان کا چچا طعیمہ بن عدی حضرت حمزہؓ کے ہاتھ سے مارا گیا تھا۔ اس کا انہیں بہت رنج تھا۔ ۳ ہجری میں اُحد کی لڑائی پیش آئی تو ابن ہشام کے بیان کے مطابق انہوں نے اپنے غلام وحشی بن حرب سے کہا کہ اگر تم حمزہؓ کو قتل کر دو گے تو تمہیں آزاد کر دیا جائے گا۔ دوسری طرف ہند بن عتبہ (زوجۂ ابو سفیانؓ) نے بھی ان کو حضرت حمزہؓ کے قتل پر اکسایا۔ چنانچہ وحشی گھات لگا کر بیٹھ گئے۔ جب حضرت حمزہؓ صفوں کو درہم برہم کرتے ان کے سامنے سے گزرے تو انہوں نے اپنا بھالا تان کر پوری طاقت سے اُن پر پھینکا جو اُن کی ناف سے پار نکل گیا اور وہ شہید ہو کر فرشِ خاک پر گر گئے۔[1]

---

[1] یہ پورا واقعہ خود وحشیؓ کی زبانی صحیح بخاری (غزوۂ اُحد باب قتلِ حمزہؓ) میں نقل کیا گیا ہے۔ ابو سمہ وحشیؓ بن حرب نسلاً حبشی تھے۔ ان کے ہاتھ سے اپنے محبوب چچا حضرت حمزہؓ کی شہادت کا سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو شدید صدمہ پہنچا اور آپؐ نے ان کی اس حرکت کو ہمیشہ یاد رکھا۔ ۸ ہجری میں مکہ فتح ہوا تو وحشی کی نظر میں دنیا تاریک ہو گئی۔ بھاگ کر طائف میں پناہ لی۔ کچھ عرصہ بعد اہلِ طائف کا وفد مدینے جانے لگا تو کسی نے ان کو مشورہ دیا کہ تم بھی اس وفد کے ساتھ چلے جاؤ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی ایسے شخص کو قتل نہیں کرتے جو ان کے دین میں داخل ہو جائے۔ یہ بات ان کی سمجھ میں آ گئی اور کلمۂ شہادت پڑھ کر مسلمان ہو گئے۔ مدینہ پہنچ کر وہ کلمۂ شہادت پڑھتے ہوئے دفعتہً رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں پیش ہو گئے۔ آپؐ کی نظر ان پر پڑی تو فرمایا: کیا تم وحشی ہو؟ انہوں نے عرض کیا "جی ہاں۔" فرمایا، "کیا تمہیں نے حمزہ کو شہید کیا تھا؟" انہوں نے عرض کیا: "آپؐ کو جو اطلاع پہنچی وہ درست ہے۔" حضورؐ نے ان کا اسلام قبول فرما لیا لیکن ان کا جواب سن کر فرمایا، "کیا تم یہ کر سکتے ہو کہ میرے سامنے نہ آیا کرو۔" (صحیح بخاری باب قتلِ حمزہؓ)

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

حضرت حمزہؓ کی شہادت سے سرورِ عالم صلّی اللہ علیہ وسلّم کو سخت دکھ ہوا لیکن عجیب بات ہے کہ آپؐ نے جُبَیرؓ بن مُطعم کو کبھی یہ نہ جتایا کہ تم نے وحشی کو حمزہؓ کے قتل پر تیار کیا تھا جبکہ وحشی کے قبولِ اسلام کے بعد آپؐ نے ان سے فرمایا کہ تم میرے سامنے نہ آیا کرو۔ ہو سکتا ہے کہ حضرت حمزہؓ کے قتل میں حضرت جُبَیرؓ کا ہاتھ نہ ہو اور ان سے یہ بات کسی راوی کی غلط فہمی کی بنا پر منسوب ہو گئی ہو۔

(۳)

آہستہ آہستہ حضرت جُبَیرؓ بن مطعم پر قومی عصبیت کا اثر کم ہونے لگا۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

حضرت وحشیؓ نے تعمیلِ ارشاد کی اور فوراً وہاں سے چلے گئے۔ اس کے بعد وہ برابر حضورؐ کے سامنے جانے سے کتراتے رہے، یہاں تک کہ آپؐ کا وصال ہو گیا۔

حضرت وحشیؓ کے ہاتھ سے جو حرکت سرزد ہوئی تھی قبولِ اسلام کے بعد اس کا احساس ان کے لیے سوہانِ روح بن گیا اور وہ اس کی تلافی کا موقع ڈھونڈنے لگے۔ حضرت صدیقِ اکبرؓ کے عہدِ خلافت میں جھوٹے مدعی نبوّت مسیلمہ نے فساد برپا کیا اور حضرت خالدؓ بن ولید کو اس کی سرکوبی پر مامور کیا گیا تو وحشیؓ یہ ارادہ کر کے حضرت خالدؓ کے لشکر میں شریک ہو گئے کہ مسیلمہ کو جہنم واصل کر کے حضرت حمزہؓ کے خون کا کفّارہ ادا کر دیں گے۔ چنانچہ یمامہ کی خونریز لڑائی میں وہ لڑتے بھڑتے مسیلمہ کے قریب پہنچ گئے اور تاک کر اس پر اپنا برچھا پھینکا جو اس کے سینہ کے پار ہو گیا، ساتھ ہی حضرت اُمِّ عمارہؓ کے جانباز فرزند عبداللہؓ نے اس پر اپنی تلوار کا بھرپور وار کیا۔ اس طرح اُس دَور کا سب سے خطرناک دشمنِ اسلام کیفرِ کردار کو پہنچ گیا۔

حضرت وحشیؓ خود کہا کرتے تھے کہ میں نے زمانہ جاہلیت میں ایک بہترین انسان کو قتل کیا اور زمانۂ اسلام میں ایک بدترین شریر کو۔ اس کے بعد وحشیؓ جہادِ شام میں

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

یہاں تک کہ صلح حدیبیہ (ذیقعدہ ۶ ھ ہجری) اور فتح مکہ (رمضان ۸ ھ) کے درمیانی عرصے میں قبولِ حق کا جذبہ قومی عصبیت کے جذبے پر غالب آگیا اور وہ سعادت اندوزِ اسلام ہوگئے۔ قبولِ ایمان کے بعد انہیں غزوۂ حنین میں سرورِ عالم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی ہم رکابی کا شرف حاصل ہوا۔ خود ان سے روایت ہے کہ:

"رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم حنین سے واپس تشریف لا رہے تھے تو میں آپؐ کے ساتھ تھا۔ راستے میں ایک جگہ چند بدوی (دیہاتی لوگ) آپؐ سے لپٹ پڑے اور آپ سے (حنین کا مالِ غنیمت) مانگنے لگے۔ وہ آپؐ کو دھکیلتے دھکیلتے کیکر کے ایک درخت کے نیچے لے گئے۔ اس کے کانٹوں میں آپؐ کی چادر مبارک الجھ گئی۔ آپؐ اس جگہ ٹھہر گئے اور فرمایا، میری چادر تو مجھے دے دو اور سنو اگر ان درختوں کی گنتی کے برابر بھی میرے پاس اونٹ ہوتے تو وہ سب میں تم میں تقسیم کر دیتا۔ پھر تم نہ تو مجھے بخیل ہی پاتے (کہ ہوتے سوتے تم سے دریغ رکھتا) اور نہ جھوٹا ہی (کہ وعدہ کرکے ایفا نہ کرتا) اور نہ بزدل ہی (کہ فقر و افلاس سے ڈر کر سینت سینت کر رکھتا)

(صحیح بخاری)

سرورِ عالم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے وصال (۱۱ ھ ہجری) کے بعد حضرت

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ)

سرفروشانہ شریک ہوئے اور جنگِ یرموک میں بڑی بہادری سے لڑے۔ وہ حضرت عثمان غنیؓ کی خلافت تک زندہ رہے۔ اہلِ سیر نے ان کے سالِ وفات کی تصریح نہیں کی۔

ان سے کچھ حدیثیں بھی مروی ہیں ـــــ ان میں سے ایک مشہور حدیث یہ ہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا کہ اکٹھے مل کر اللہ کا نام لے کر کھایا کرو اس سے کھانے میں برکت ہوگی۔ (ابوداؤد)

جُبَیرؓ بن مطعم تقریباً نصف صدی تک حیات رہے۔ اس عرصے میں ان کے کیا مشاغل رہے، اربابِ سِیَر نے ان کی تفصیل بیان نہیں کی البتہ ان کے ایک بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ جس زمانے میں باغیوں نے امیرالمومنین حضرت عثمان ذوالنُّورینؓ کو محصور کر رکھا تھا، وہ مدینہ مُنوّرہ میں موجود تھے اور سیدنا حضرت عثمانِ غنیؓ کے مصائب کے نہ صرف عینی شاہد تھے بلکہ امیرالمومنینؓ کے دل سے خیرخواہ تھے۔ علامہ بلاذریؒ نے اس سلسلے میں ان کا بیان اس طرح نقل کیا ہے:

"حضرت عثمانؓ اس طرح محصور کر دیئے گئے کہ پینے کے لیے پانی اُن کو نہیں ملا۔ ان کی حویلی میں ایک غریب (فقیر) شخص تھا مجبوری کی حالت میں اُس سے پانی لیتے تھے۔ یہ حالت دیکھ کر میں حضرت علیؓ کے پاس گیا اور ان سے کہا کہ آپؓ کی پھوپھی زاد بہن کے بیٹے (عثمانؓ) اس حال میں اس طرح محصور ہیں، کیا آپ اس حالت پر راضی ہیں کہ ان کو پانی پینے کو نہیں مل رہا؟ تو حضرت علیؓ نے فرمایا کہ سبحان اللہ! ان لوگوں (فسادیوں) نے یہاں تک نوبت پہنچا دی؟ میں نے کہا کہ بالکل۔ تو اس وقت حضرت علیؓ نے پانی لانے والے جانوروں پر پانی بھیج کر پلانے کا انتظام کیا۔"

(انساب الاشراف ج ۵ ص ،، تحت امر عمروؓ بن العاص وغیرہ)

حضرت عثمان ذُوالنُّورینؓ کی شہادت کے بعد ان کی میّت تین دن تک بے گور و کفن پڑی رہی کیونکہ باغی ان کی تدفین میں مزاحم ہوتے تھے۔ آخر چند جاں باز مسلمانوں نے سربکف ہو کر رات کو امیرالمؤمنین شہید کا جنازہ اٹھایا۔ ان سرفروشوں میں ایک حضرت جُبَیرؓ بن مطعم تھے۔ انہوں نے ہی نمازِ جنازہ پڑھائی اور پھر دوسرے ساتھیوں کی مدد سے میّت کو جنت البقیع کے جنوب مشرقی کونے میں لحد میں اتارا۔

حافظ ابنِ عبدالبرؒ کے قول کے مطابق حضرت جُبَیرؓ بن مُطعم نے ۵۸ھ ہجری

میں بعہدِ خلافت امیر معاویہؓ وفات پائی اور اپنے پیچھے دو بیٹے محمدؒ اور نافعؒ چھوڑے۔ علم و فضل کے اعتبار سے حضرت جبیرؓ بہت بلند مقام رکھتے تھے۔ ان سے ساٹھ حدیثیں مروی ہیں جن میں سے چھ بخاری اور مسلم دونوں میں موجود ہیں۔ ان کے شاگردوں اور راویوں میں دونوں بیٹوں محمدؒ اور نافعؒ کے علاوہ حضرت سلیمانؓ بن صُرَدُ الخزاعی اور حضرت سعید بن مُسَیَّب قابل ذکر ہیں۔ علامہ ابنِ اثیرؒ کا بیان ہے کہ حضرت جبیرؓ بن مطعم کو "علم الانساب" میں بڑی مہارت تھی اور وہ عرب کے مختلف قبائل کے حسب و نسب اور عادات و خصائل سے بخوبی آگاہ تھے۔ اس فن کو انہوں نے سیدنا حضرت ابوبکر صدیقؓ سے حاصل کیا تھا جو "علم الانساب" کے سب سے بڑے حافظ تھے۔ حضرت عمر فاروقؓ کو کبھی نسب کی تحقیق کی ضرورت پیش آتی تو وہ (حضرت ابوبکر صدیقؓ کے بعد) حضرت جبیرؓ بن مطعم ہی کی طرف رجوع کرتے تھے۔

حضرت جبیرؓ بن مطعم کے چمنِ اخلاق میں تواضع، انکسار، حلم، بردباری اور رحم دلی سب سے خوش رنگ پھول تھے۔ حضرت عثمان غنیؓ کو مصیبت میں دیکھا تو بے تاب ہو گئے۔ خود اُن کو پانی نہیں پہنچا سکتے تھے کیونکہ باغیوں کے مقابلے کی طاقت نہ تھی اس لیے حضرت علیؓ کے پاس گئے اور ان کو حضرت عثمانؓ کے حال سے مؤثر الفاظ میں آگاہ کیا۔

علامہ ابنِ سعدؒ کا بیان ہے کہ حضرت جبیرؓ بن مطعم کا شمار قریش کے نہایت حلیم الطبع اصحاب میں ہوتا تھا۔

قیاس یہ ہے کہ حضورؐ کے وصال کے بعد حضرت جبیرؓ بن مطعم اپنا کافی وقت لوگوں کو حدیث اور احکام دین کی تعلیم دینے میں صرف کرتے رکھتے۔ اُن سے مروی کچھ احادیث ہم یہاں بطور تبرک درج کرتے ہیں:

حضرت جبیرؓ بن مطعم سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا:

(۱) قطع رحمی کرنے والا (یعنی رشتہ داروں اور اہل قرابت سے تعلق منقطع کرنے والا یا ان سے بُرا سلوک کرنے والا) جنّت میں نہ جا سکے گا۔

(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(۲) اے عبد مناف کی اولاد کسی کو اس گھر (خانۂ کعبہ) کا طواف کرنے سے منع نہ کرنا اور رات اور دن میں جس وقت کوئی چاہے اسے نماز پڑھنے دو۔ (مشکوٰۃ ج ۱ بحوالہ ترمذی۔ ابوداؤد۔ نسائی)

(۳) اللہ اس شخص کو خوش و خرم رکھے جو ہم سے کوئی بات سنے اور اسے دوسروں تک پہنچائے۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ایک شخص سمجھ کی بات کسی ایسے شخص کو پہنچا دیتا ہے جو اس سے زیادہ فقیہ ہو اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ایک شخص خود فقیہ نہیں ہوتا مگر فقہ پہنچانے والا بن جاتا ہے۔

(ابوداؤد۔ ترمذی۔ احمد۔ ابن ماجہ۔ دارمی)

(۴) حضرت جبیرؓ بن مُطعِم کہتے ہیں کہ ایک اعرابی رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی خدمت میں حاضر ہُوا اور اس نے کہا، یا رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم بارش نہ ہونے کی وجہ سے لوگ کمزور دلاغر ہو گئے۔ بال بچے بھوکے مر گئے اور مال برباد ہو گیا۔ آپ ہمارے لیے بارش کی دعا کیجئے ہم اللہ تعالیٰ کو آپ کے پاس اور آپؐ کو اللہ کے سامنے سفارشی بناتے ہیں۔ اس پر رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے سبحان اللہ سبحان اللہ کہا اور اتنی مرتبہ کہا کہ اس کا اثر صحابہ کے چہروں پر بھی نمایاں ہو گیا۔ پھر آپؐ نے فرمایا، تجھ پر افسوس! تو جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی شان کتنی بلند ہے۔ اللہ تعالیٰ کا مقام و مرتبہ اس سے بہت اونچا ہے کہ اسے کسی کے سامنے سفارشی کی حیثیت سے پیش کیا جائے۔

(ابوداؤد)

(۵) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک عورت حاضر ہوئی اور کسی معاملہ میں گفتگو کی۔ آپ نے اس سے فرمایا، پھر کسی وقت آنا۔ اس عورت نے عرض کیا، یا رسول اللہ یہ بتا دیجئے اگر میں آؤں اور آپ کو نہ پاؤں تو کیا کروں۔ آپ نے فرمایا اگر تو مجھ کو نہ پائے تو ابوبکر کے پاس چلی جانا۔

(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(۶) میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ میرے بہت سے نام ہیں میں محمد ہوں، میں احمد ہوں، میں ماحی (محو کرنے والا) ہوں۔ یعنی میرے ذریعہ اللہ تعالیٰ کفر کو مٹاتا ہے۔ اور میں حاشر ہوں کہ قیامت کے دن لوگ میرے قدم پر اٹھائے جائیں گے (یعنی قبر سے میرے نکلنے کے بعد دوسرے لوگ قبروں سے باہر آئیں گے) اور میں عاقب ہوں اور عاقب وہ نبی ہوتا ہے جس کے بعد کوئی نبی نہیں ہوتا۔

(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(۷) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (مالِ غنیمت میں سے) ذوی القربیٰ کا حصہ بنو ہاشم اور بنو مطلب میں تقسیم کیا تو میں اور عثمانؓ بن عفان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا:

"یا رسول اللہؐ ہم اپنے بنو ہاشم بھائیوں کی فضیلت کے منکر نہیں ہیں کہ آپ ان میں پیدا ہوئے لیکن یہ تو فرمائیے کہ آپؐ نے ہمارے بھائیوں بنو مطلب کو تو پانچویں حصے میں سے دیا اور ہم کو عطا نہ فرمایا، حالانکہ ان کی اور ہماری قرابت ایک ہے۔

(یعنی ہم اور وہ ایک ہی دادا کی اولاد ہیں)۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"میں اور بنو مطلب کبھی جدا نہیں ہوئے نہ ایام جاہلیت میں اور نہ اسلام میں یعنی ہم (بنو ہاشم) اور وہ (بنو مطلب) ایک

ہی چیز ہیں۔ یہ فرما کر آپؐ نے ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ میں داخل کیں (یعنی جس طرح یہ انگلیاں باہم وصل ہیں اسی طرح یہ دونوں خاندان ایک ہیں)

(مشکوٰۃ بحوالہ ابی داؤد ونسائی)

(۸) میں نے رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کو مغرب کی نماز میں سورہ طور پڑھتے سنا جب آپ آیت اَمْ خُلِقُوْا مِنْ غَیْرِ شَیْءٍ اَمْ ھُمُ الْخَالِقُوْنَ الخ پر پہنچے تو قریب تھا کہ میرا دل پھٹ جائے۔

(صحیح بخاری)

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا: ——

"ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے (اس لیے) نہ تو خود اس پر ظلم و زیادتی کرے نہ دوسروں کا مظلوم بننے کے لیے اس کو بے یار و مددگار چھوڑ دے اور جو کوئی اپنے بھائی کی حاجت پوری کرے گا اللہ تعالیٰ اس کی حاجت روائی کرے گا اور جو کسی مسلمان کی تکلیف اور مصیبت کو دور کرے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن کی مصیبتوں میں سے اس کی کسی مصیبت کو دور کرے گا ——

—— اور ——

جو کسی مسلمان کی پردہ داری کرے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی پردہ داری کرے گا۔"

(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

حضرت وائلؓ بن حُجر

(۱)

فتح مکہ (۸ ہجری) کے کچھ عرصہ بعد دُنیائے عرب کے کونے کونے سے مختلف قبیلوں کے وفود جوق در جوق بارگاہِ رسالت میں حاضر ہونے لگے کچھ اسلام قبول کرنے کے لیے کچھ احکامِ دین سیکھنے اور کچھ صلح وامن کا معاہدہ کرنے کے لیے۔ ۹ ہجری میں تو اس کثرت سے وفود آئے کہ اس سال کا نام ہی "عام الوفود" (وفدوں کا سال) پڑ گیا۔ وفدوں کا یہ سلسلہ ۱۰ ہجری میں بھی جاری رہا۔ اُسی زمانے کا ذکر ہے کہ ایک دن رحمتِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ سے فرمایا کہ:

"وائل بن حُجرؓ نے جو سلاطینِ حضر موت کی یادگار ہیں، اللہ اور رسولؐ کی اطاعت قبول کر لی ہے اور وہ طویل فاصلہ طے کر کے مدینہ آ رہے ہیں۔"

اور پھر جس دن وائلؓ بن حُجر مدینہ پہنچے اور بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے تو آپؐ نے ان کا پُرتپاک استقبال کیا اور اپنی ردائے مبارک ان کے لیے بچھا دی۔ حضرت وائلؓ نے بڑے ذوق و شوق سے اسلام قبول کیا اور آپؐ کی بیعت سے مشرف ہوئے اس موقع پر سیّد المرسلین والانبیاءؐ نے دعا فرمائی:

"الٰہی وائل ان کی اولاد اور اولاد کی اولاد پر برکت نازل فرما اور ان کو حضر موت کے سرداروں کا حاکم بنا۔"[1]

---

[1] ایک روایت میں ہے کہ حضورؐ نے حضرت وائلؓ بن حُجر کے مدینہ میں آنے کے لیے
(باقی حاشیہ پر)

یہ وائلؓ بن حجر جن کے نرخران کے اپنے لیے بلکہ جن کی اولاد اور اولاد کی اولاد کے لیے بھی آقائے دوجہاں صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے برکت کی دعا فرمائی، حضرموت کے فرمانرواؤں کے خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔

نسب نامہ یہ ہے:

وائلؓ بن حجر بن ربیعہ بن وائل بن یعمر حضرمی

حضرت وائلؓ کی کنیت ابوہندہ تھی۔ حجر بن ربیعہ تک تو ان کے خاندان میں بادشاہت کا سلسلہ قائم تھا لیکن اس کے بعد ختم ہوگیا پھر بھی ان کا شمار حضرموت کے مقتدر رئیسوں میں ہوتا تھا اور وہ اپنے آپ کو بادشاہ ہی سمجھتے تھے۔ سرورِ عالم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے اہلِ یمن کو دعوتِ توحید دی تو حضرموت کے رؤسا کو بھی خط یا مبلغ بھیج کر اسلام قبول کرنے کی ترغیب دی۔ حضرت وائلؓ کو اللہ تعالیٰ نے فطرتِ سعید سے نوازا تھا انہوں نے بلا تامل اسلام قبول کرنے اور مدینہ پہنچ کر بارگاہِ رسالت میں حاضر ہونے کا ارادہ ظاہر کیا۔ معلوم نہیں انہوں نے خط یا قاصد بھیج کر حضورؐ کو اپنے ارادے کی اطلاع دی یا آپؐ کو وحی کے ذریعے ان کے ارادے کا علم ہوا بہر صورت آپؐ نے صحابہ کرامؓ کو ان کی آمد سے پہلے ہی اطلاع دے دی کہ وائلؓ بن حجر مدینہ آرہے ہیں۔

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ)

ایک نہایت عمدہ مکان تجویز فرمایا تھا اور ان کی خاطر تواضع کا خاص اہتمام فرمایا تھا۔ جب وہ بیعت کا شرف حاصل کر چکے تو حضورؐ نے حضرت معاویہؓ بن ابی سفیانؓ سے فرمایا کہ انہیں ناقہ پر بٹھا کر فلاں مکان میں لے جاؤ جہاں ان کی مہمان نوازی کا انتظام کیا گیا ہے۔ (معجم صغیر طبرانی)

(٢)

حضرت وائلؓ بن حجرؓ نے قبول اسلام کے بعد چند دن مدینہ منورہ میں قیام کیا۔ اس دوران میں وہ فیضانِ نبوی سے خوب بہرہ یاب ہوئے۔ جب وطن جانے کے لیے سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے رخصت ہونے لگے تو آپؐ نے ان کو حضر موت میں ایک جاگیر (زمین کی صورت میں) مرحمت فرمائی اور نماز روزہ، سود اور شراب وغیرہ کے بارے میں احکام لکھا دیئے۔ اس کے علاوہ ایک خط حضرت مہاجرؓ بن امیہ کے نام اور دوسرا حضر موت کے رئیسوں اور سرداروں کے نام لکھ کر ان کو دیا۔ اس وقت حضرت معاویہ بن ابی سفیانؓ آپؐ کی خدمت میں حاضر تھے۔ آپؐ نے انہیں حکم دیا کہ وائل بن حجرؓ کی مشایعت کے لیے کچھ دوران کے ساتھ جاؤ۔ ارشادِ نبویؐ کی تعمیل میں وہ حضرت وائلؓ کے ساتھ چل پڑے۔ حضرت وائلؓ سوار تھے اور حضرت معاویہؓ ان کی سواری کے ساتھ پیدل چل رہے تھے۔ یہ گرمی کا موسم تھا آسمان سے آگ برس رہی تھی اور زمین تانبے کی طرح تپ رہی تھی۔ حضرت معاویہؓ نے حضرت وائلؓ سے کہا، میرے پاؤں جل رہے ہیں۔

حضرت وائلؓ نے کہا، سواری کے سایہ میں آجاؤ۔

حضرت معاویہؓ نے کہا:

"اس سے کوئی فائدہ نہ ہوگا کیونکہ سائے میں آنے سے زمین کی گرمی کا اثر زائل نہیں ہوتا۔ آپ مجھے اپنے ساتھ سواری پر بٹھا لیجئے۔"

حضرت وائلؓ نے تازہ تازہ اسلام قبول کیا تھا ابھی انکسار اور تواضع کا رنگ طبیعت پر نہ چڑھا تھا بڑی تمکنت سے بولے:

"خاموش رہو تم بادشاہوں کے ساتھ کیسے بیٹھ سکتے ہو؟"[1]

---

[1] جامع ترمذی اور سنن دارمی میں حضرت وائلؓ بن حجرؓ کے صاحبزادے حضرت علقمہؒ (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ کے عہدِ خلافت میں کوفہ آباد ہوا تو وہ اپنے وطن سے اٹھ آئے اور کوفہ میں مستقل اقامت اختیار کر لی۔

امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت معاویہؓ کے درمیان اختلافات کا آغاز ہوا تو انہوں نے پُر جوش طریقے سے حضرت علیؓ کی طرفداری کی اور جنگِ صفین میں حضرت علیؓ کی طرف سے شامی فوج کے خلاف بڑی ثابت قدمی سے لڑے۔ علامہ ابن اثیرؒ کا بیان ہے کہ علوی لشکر میں حضر موت کا عَلَم انہی کے ہاتھ میں تھا۔

امیر معاویہؓ کے عہدِ خلافت میں ایک دفعہ ان سے ملنے گئے۔ امیر معاویہؓ بڑے مدبر اور بُردبار تھے باوجود اس کے کہ حضرت وائلؓ نے ان کی سخت مخالفت کی تھی انہوں نے نہایت خندہ پیشانی سے ان کا استقبال کیا۔ دوران گفتگو میں اشارۃً اُن کی مخالفت کا ذکر کیا لیکن وہ خاموش رہے۔ جب حضرت معاویہؓ سے رخصت ہونے لگے تو انہوں نے کچھ رقم پیش کی۔ حضرت وائلؓ نے اس کو لینے سے انکار کر دیا۔ اس پر امیر معاویہؓ نے ایک جاگیر کی پیشکش کی لیکن انہوں نے وہ بھی قبول نہ کی اور کہا:

"مجھ کو اس کی ضرورت نہیں کسی حاجت مند کو دے دیجئے۔"

حضرت وائلؓ بن حجرؓ نے حضرت امیر معاویہؓ کے عہدِ خلافت ہی میں کسی وقت وفات پائی۔ اہلِ سیر نے سالِ وفات کی تصریح نہیں کی۔

حدیث کی کتابوں میں حضرت وائلؓ بن حجرؓ سے مروی چند احادیث بھی

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ)

کا یہ بیان نقل کیا گیا ہے کہ میرے والد روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو حضر موت میں ایک زمین مرحمت فرمائی اور آپؐ نے میرے ساتھ (حضرت) معاویہؓ کو بھیجا اور حکم دیا کہ فلاں زمین ان کے سپرد کر دو۔

ملتی ہیں۔ ان میں سے چھ حدیثیں بطور تبرک یہاں درج کی جاتی ہیں۔

حضرت وائلؓ بن حجرؓ سے روایت ہے کہ :-

(۱) ایک شخص حضرموت کے رہنے والے اور ایک قبیلہ کندہ کے (اپنا مقدمہ لے کر) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرمی نے (جو مدعی تھا) عرض کیا کہ یا رسول اللہ اس کندی نے میری ایک زمین پر غاصبانہ قبضہ کر رکھا ہے۔ کندی نے (جو مدعا علیہ تھا) جواب میں کہا کہ یا رسول اللہ وہ زمین فی الحقیقت میری ہی ملکیت ہے اور میرے قبضہ میں ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدعی حضرمی سے فرمایا کہ کیا تم اپنے دعوے کے حق میں کوئی گواہ پیش کر سکتے ہو؟ اس نے عرض کیا کہ گواہ تو کوئی نہیں ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ پھر تو تم کو صرف یہ حق ہے کہ اپنے مدعا علیہ کندی سے قسم لے لو۔ مدعی نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ یہ شخص تو فاجر (بدکار و بدچلن اور بد دیانت) ہے۔ اس کو اس کی کچھ پروا نہیں کہ کس بات کی قسم کھا رہا ہے اور کسی بھی بری بات سے اس کو اجتناب نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ (کچھ بھی ہو جب تمہارے دعوے کے حق میں کوئی شہادت دینے والا نہیں ہے) تم کو بس یہی حق ہے کہ اس شخص سے قسم لے لو۔ تو جب وہ کندی (مدعا علیہ) قسم اٹھانے کے لیے دوسری طرف کو چلا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگر اس نے حضرمی کا مال ظالمانہ اور ناجائز طور پر غصب کرنے کے لیے جھوٹی قسم کھائی تو اللہ کے سامنے یہ اس حال میں پیش ہوگا کہ اللہ تعالیٰ (غضب اور ناراضی کی وجہ سے) اس کی طرف سے رخ پھیر لے گا۔

(صحیح مسلم)

(۲) سلمہؓ بن یزید نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ

اگر ہم پر ایسے حاکم مقرر ہوں جو اپنا حق تو ہم سے لیں اور ہمارا حق ہم کو نہ دیں تو اس کے بارے میں ہم کو آپ کیا ارشاد فرماتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا، تم پھر بھی حاکموں کی بات سننا اور ان کی فرمانبرداری کرنا۔ اُن کا فرض اُن کے ذمّہ ہے اور تمہارا فرض تمہارے ذمّہ۔

(صحیح مسلم)

شارحین حدیث نے اس حدیث کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ حاکموں سے اپنا حق مانگنا منع نہیں ہے لیکن اس مقصد کے لیے فتنہ و فساد برپا کرنا یا سازش کرنا جائز نہیں۔

(۳) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (نماز میں) بیٹھے اور بایاں پاؤں بچھا لیا اور بائیں ہاتھ کو بائیں ران پر رکھا اور داہنے ہاتھ کی کہنی پہلو سے علیحدہ رکھ کر داہنے ہاتھ کو داہنی ران پر رکھا اور دو انگلیاں (یعنی چھوٹی اور اس کے پاس کی) بند رکھیں اور درمیانی انگلی اور انگوٹھے کا حلقہ بنایا۔ پھر شہادت کی انگلی کو اٹھایا۔ میں نے دیکھا کہ آپؐ اس انگلی کو جنبش دیتے تھے اور اشارہ کرتے تھے۔

(مشکوٰۃ بحوالہ ابوداؤد و دارمی)

(۴) طارقؓ بن سوید نے شراب کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا تو آپؐ نے ان کو شراب پینے سے منع فرمایا۔ انہوں نے کہا کہ میں تو اس کو دوا کے لیے استعمال کرتا ہوں۔ آپؐ نے فرمایا کہ وہ دوا نہیں بلکہ وہ تو بیماری ہے۔

(صحیح مسلم)

(۵) میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خود دیکھا ہے کہ جب آپ سجدے میں جاتے تھے تو ہاتھوں سے پہلے اپنے گھٹنے زمین پر رکھتے تھے اور جب آپ سجدے سے اٹھتے تھے تو اس کے برعکس

اپنے ہاتھ گھٹنوں سے پہلے اٹھاتے تھے۔

(سنن ابی داؤد)

(۶) میں نے نبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو دیکھا کہ آپ جس وقت نماز کے لیے کھڑے ہوئے تو اپنے دونوں ہاتھوں کو دونوں شانوں تک اٹھایا اور ہاتھ کے انگوٹھوں کو کانوں کے برابر رکھا پھر اللہ اکبر کہا۔ (سنن ابی داؤد)

اور ابوداؤد کی دوسری روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ آپؐ نے دونوں انگوٹھوں کو کانوں کی لَو تک اٹھایا۔

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے کہا "السَّلَامُ عَلَیْکُمْ" آپؐ نے اس کے سلام کا جواب دیا اور وہ مجلس میں بیٹھ گیا تو آپؐ نے فرمایا: "دس" (یعنی اس بندے کے لیے اس کے سلام کی وجہ سے دس نیکیاں لکھی گئیں)۔ پھر ایک اور آدمی آیا اور اس نے کہا "اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ" آپؐ نے اس آدمی کے سلام کا جواب دیا، پھر وہ بیٹھ گیا تو آپؐ نے ارشاد فرمایا: "بیس" (یعنی اس کے لیے بیس نیکیاں لکھی گئیں) پھر ایک تیسرا آدمی آیا اور اس نے کہا "اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ" آپؐ نے اس کے سلام کا جواب دیا اور وہ مجلس میں بیٹھ گیا تو آپؐ نے فرمایا:۔ "تیس" (یعنی اس کے لیے تیس نیکیاں لکھی گئیں)۔

(جامع ترمذی۔ سنن ابی داؤد)

حضرت دِحیہؓ بن خلیفہ کلبی

(۱)

سرورِ عالم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم ایک دن اپنے کاشانۂ اقدس میں تشریف فرما تھے کہ آپؐ نے ایک شخص کو دیکھا جو ترکی گھوڑے پر سوار تھے۔ ان کے سر پر سفید عمامہ تھا جس کا کنارہ وہ اپنے شانوں کے درمیان لٹکائے ہوئے تھے۔ حضورؐ ان کو دیکھ کر تیزی سے اٹھ کھڑے ہوئے اور باہر جا کر اپنا دستِ مبارک ان کے گھوڑے کی ایال پر رکھ دیا اور مصروفِ گفتگو ہو گئے۔ جب واپس گھر کے اندر تشریف لائے تو اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ نے عرض کیا :

"آپ نے ایک دم کھڑے ہو کر مجھے اس شخص سے ڈرا دیا۔"

حضورؐ نے پوچھا : "کیا تم نے اسے دیکھا تھا ؟"

انہوں نے عرض کیا : "جی ہاں"

حضورؐ نے فرمایا : "بھلا تم نے کس کو دیکھا تھا ؟"

اُمّ المؤمنینؓ نے عرض کیا : "وہ دحیۃ الکلبی تھے۔"

حضورؐ نے فرمایا : "نہیں وہ جبریل علیہ السلام تھے۔"

دِحیۃ الکلبیؓ جن کو یہ شرف حاصل ہوا کہ حضرت جبریل علیہ السلام کبھی کبھی ان کی شکل میں رحمتِ عالم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے پاس آیا کرتے تھے، حضورؐ کے ایک نہایت مخلص صحابی تھے[1] (طبقات ابنِ سعد)

(۲)

سیّدنا حضرت دِحیہ کا تعلق عرب کے مشہور قبیلہ بنو کلب سے تھا۔

---

[1] بعض اہلِ سیر نے "دحیہ" میں "د" کو مفتوح بتایا ہے یعنی دَحیہ، اس لیے دِحیہ اور دَحیہ دونوں طرح صحیح ہے۔

سلسلۂ نسب یہ ہے:

دحیہؓ بن خلیفہ بن فردہ بن فضالہ بن زید بن امراد القیس بن خزرج بن زید مناۃ بن عامر بن بکر بن عامر اکبر بن عوف بن بکر بن عوف بن عذرہ بن زید اللات بن رفیدہ بن ثور بن کلب بن وبرہ کلبی۔

(طبقات ابن سعد)

حضرت دحیہؓ شرفِ اسلام سے کب بہرہ ور ہوئے اس کے بارے میں اہلِ سِیَر نے تصریح نہیں کی۔ صرف اتنا لکھا ہے کہ وہ قدیم الاسلام تھے البتہ بدر میں حاضر نہیں تھے۔ ہاں اس کے بعد اُحد احزاب خیبر وغیرہ عہدِ رسالت کے تمام غزوات میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم رکاب تھے۔

حضرت دحیہؓ کو حضورؐ سے بے انتہا محبت اور عقیدت تھی۔ آپؐ بھی ان کو بہت عزیز جانتے تھے۔ ایک دفعہ آپؐ کے پاس کچھ قبطی چادریں آئیں، ان میں سے ایک چادر آپؐ نے حضرت دحیہؓ کو عطا فرمائی۔ علامہ ابن اثیرؒ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ حضرت دحیہؓ نے دو موزے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ہدیۃً پیش کیے۔ آپؐ نے وہ قبول فرما کر پہن لیے۔

صلح حدیبیہ (ذیقعدہ ۶ ہجری) کے بعد سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمسایہ بادشاہوں اور عرب کے کچھ مقتدر لوگوں کے نام دعوتِ اسلام کے خطوط بھیجے۔ ان میں سے ایک مکتوب گرامی رومی شہنشاہ ہرقل کے نام تھا۔ یہ مکتوب گرامی آپؐ نے حضرت دحیہؓ کے سپرد کیا اور انہیں ہدایت فرمائی کہ اسے بُصریٰ کے حاکم کو پہنچا دیں وہ اسے ہرقل کے پاس بھیج دے گا۔ اس مکتوب گرامی کا متن یہ تھا:

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ من محمد عبد اللہ ورسولہ الیٰ ھرقل عظیم الروم سلام علیٰ من اتبع الھدیٰ، اما بعد، فانی ادعوک بدعایۃ

الإسلام أسلم تسلم، يؤتك الله اجرك مرتين،
فإن توليت فإن عليك إثم اليريسيين " وَ يَا
أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ
أَنْ لَا نَعْبُدَ إِلَّا اللَّهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا وَلَا يَتَّخِذَ
بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللَّهِ، فَإِنْ تَوَلَّوْا
فَقُولُوا اشْهَدُوا بِأَنَّا مُسْلِمُونَ ." (صحیح بخاری)

"(ترجمہ) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ محمدؐ کی طرف سے جو اللہ کا بندہ اور رسول
ہے۔ روم کے رئیس اعظم ہرقل کے نام، اس پر سلامتی ہو جو ہدایت
کا پیرو ہے۔ اس کے بعد میں تجھ کو اسلام کی دعوت کی طرف بلاتا
ہوں، اسلام لاؤ سلامت رہو گے، اللہ تجھ کو دگنا اجر دے گا
اگر تم نے نہ مانا تو اہل ملک کا گناہ تیرے اوپر ہو گا۔
اے اہل کتاب ایک ایسی بات کی طرف آؤ جو ہم میں اور تم میں
یکساں ہے وہ یہ کہ ہم اللہ کے سوا کسی کو نہ پوجیں اور ہم میں سے
کوئی کسی کو (حقیقی اللہ کو چھوڑ کر) اللہ نہ بنائے اور تم نہیں مانتے
تو گواہ رہو کہ ہم مانتے ہیں۔"

حضرت دحیہؓ یہ مکتوب گرامی لے کر شام کی طرف روانہ ہوئے۔ کچھ مال
تجارت بھی انہوں نے اپنے ساتھ لے لیا۔ جب وہ قبیلہ جذام کے علاقے میں پہنچے
تو اس قبیلے کے چند رہزنوں نے ان پر حملہ کیا۔ اس قبیلے میں چند خاندان مسلمان
ہو چکے تھے انہیں پتہ چلا تو وہ فوراً دوڑے اور حضرت دحیہؓ کا مال جو وہ
تجارت کے لیے لے جا رہے تھے ڈاکوؤں کے ہاتھ سے چھڑایا لیکن حضرت دحیہؓ،
جذامی رہزنوں کی اس حرکت پر اس قدر غضبناک ہوئے کہ واپس
مدینہ منورہ آگئے اور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں سارا واقعہ
عرض کیا۔ آپؐ نے فوراً حضرت زیدؓ بن حارثہ کی قیادت میں پانچ سو مجاہدین

پر مشتمل ایک تعزیری مہم روانہ فرمائی۔[1] یہ مہم "سریۂ حسمیٰ" کے نام سے مشہور ہے۔ وادی القریٰ سے ذرا شمال میں حسمیٰ کے مقام پر جذامی رہزنوں سے مقابلہ ہوا، انہیں سخت شکست ہوئی اور ان کا سردار ہنید اور اس کا بیٹا لڑائی میں مارے گئے۔ حضرت زیدؓ کو غنیمت میں ایک ہزار اونٹ اور پانچ ہزار بکریاں ہاتھ آئیں۔ اس کے علاوہ ایک سو جذامیوں کو اسیر بنا لیا گیا لیکن بعد میں ان کے توبہ کرنے پر انہیں چھوڑ دیا گیا۔

(۲)

اس واقعہ کے بعد حضرت دحیہؓ نے غزوۂ خیبر میں شریک ہو کر دادِ شجاعت دی۔ خیبر کی فتح کے بعد وہ دوبارہ مکتوب گرامی لے کر شام کی طرف روانہ ہوئے اور بخیریت بصریٰ پہنچ گئے۔ وہاں انہوں نے حضورؐ کا مکتوب گرامی حاکم بصریٰ کے سپرد کر دیا۔ حاکم بصریٰ نے اس مکتوب گرامی کو ہرقل کے پاس حمص پہنچا دیا۔ ہرقل اس وقت بیت المقدس جا رہا تھا تاکہ وہ صلیبِ مقدس ایرانیوں سے واپس لینے کے شکرانے کی تقریب میں شریک ہو۔ وہاں پہنچ کر ہرقل نے

---

[1] بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ حضرت دحیہؓ کے قافلے پر اس وقت ڈاکہ پڑا جب وہ سفارت کی خدمت انجام دے کر واپس آ رہے تھے، اور تعزیری مہم حضورؐ نے جمادی الآخر ۶ھ ہجری میں روانہ فرمائی۔ لیکن ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب نے اپنی کتاب "رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیاسی زندگی" میں قوی دلائل کے ساتھ ثابت کیا ہے کہ ڈاکے کا واقعہ اس وقت پیش آیا جب حضرت دحیہؓ حضورؐ کا مکتوب گرامی لے کر جا رہے تھے (نہ کہ ان کی واپسی پر) اور تعزیری مہم آپؐ نے صلح حدیبیہ اور غزوۂ خیبر کے درمیانی عرصے میں روانہ فرمائی۔

حکم دیا کہ اگر رومی علاقے میں حجازی تاجر آئے ہوئے ہوں تو انہیں اس کے سامنے حاضر کیا جائے۔ (تاکہ وہ حضورؐ کے بارے میں ان سے معلومات حاصل کرے) اتفاق سے اسی زمانے میں حضرت ابوسفیانؓ (جو ابھی اسلام نہیں لائے تھے) ایک تجارتی قافلہ لے کر شام گئے ہوئے تھے اور غزہ میں مقیم تھے۔ رومی افسر اس قافلے کو ساتھ لے کر ہرقل کے دربار میں حاضر ہوئے تو اس نے ترجمان کے واسطے سے ان لوگوں سے پوچھا :-

"برادرانِ عرب تم میں سے کون اس مدعیٔ نبوت کا سب سے زیادہ قریبی رشتہ دار ہے ؟"

حضرت ابوسفیانؓ نے آگے بڑھ کر کہا : "ان سب میں زیادہ میں اس کا قریبی رشتہ دار ہوں" [1]

اس کے بعد حضرت ابوسفیانؓ اور ہرقل کے درمیان وہ تاریخی مکالمہ ہوا جس کو اکثر اہلِ سیر نے نقل کیا ہے۔ ہم بھی اسے یہاں درج کرتے ہیں۔

ہرقل : "جو شخص تم میں پیغمبر ہونے کا دعویٰ کرتا ہے اس کا نسب کیسا ہے ؟"

ابوسفیانؓ : "وہ نہایت شریف النسب ہے۔"

ہرقل : "اس سے پہلے اس کے خاندان میں کبھی کسی نے پیغمبر ہونے کا دعویٰ کیا ؟"

ابوسفیانؓ : "نہیں۔"

ہرقل : "اس کے دین کو جن لوگوں نے قبول کیا ان کی کیا حیثیت ہے ؟"

ابوسفیانؓ : "زیادہ تر غریب اور کم حیثیت لوگوں نے اس کا دین قبول کیا ہے۔"

---

[1] حضرت ابوسفیانؓ کے پردادا عبدالشمس بن عبد مناف، سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے پردادا ہاشم بن عبد مناف کے حقیقی بھائی تھے۔ پھر وہ حضورؐ کے خسر بھی تھے۔ اُمّ المومنین حضرت اُمّ حبیبہؓ، حضرت ابوسفیانؓ ہی کی بیٹی تھیں۔

ہرقل : "اس کا دین قبول کرنے والوں کی تعداد بڑھ رہی ہے یا کم ہو رہی ہے ؟"
ابوسفیانؓ : "بڑھ رہی ہے۔"
ہرقل : "کیا کوئی شخص اس کا دین قبول کرنے کے بعد اس سے پھر بھی گیا ہے ؟"
ابوسفیانؓ : "نہیں۔"
ہرقل : "کیا پیغمبری کے دعویٰ سے پہلے کبھی اس کو تم نے جھوٹ بولتے پایا ہے ؟"
ابوسفیانؓ : "نہیں۔"
ہرقل : "اس نے کبھی اپنے عہد و اقرار کی خلاف ورزی بھی کی ہے ؟"
ابوسفیانؓ : "اب تک تو نہیں کی مگر ابھی ہمارا اور اس کا ایک معاہدہ چل رہا ہے[1]۔ دیکھیں وہ اسے نبھاتا ہے یا نہیں۔"
ہرقل : "کبھی اس سے تمہاری لڑائی بھی ہوئی ہے ؟"
ابوسفیانؓ : "ہاں کئی لڑائیاں ہو چکی ہیں۔"
ہرقل : "ان کا انجام کیا رہا ؟"
ابوسفیانؓ : "کبھی وہ جیتا کبھی ہم جیتے۔"
ہرقل : "وہ شخص کیا تعلیم دیتا ہے، اس کی دعوت کیا ہے ؟"
ابوسفیانؓ : "وہ کہتا ہے صرف ایک اللہ کو مانو، کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہراؤ، اپنے باپ دادا کا مذہب چھوڑ دو، نماز پڑھو، بدکاری سے بچو، خیرات کرو، عزیز و اقارب اور اہل تعلق کے ساتھ نیک سلوک کرو۔"

ہرقل حضرت ابوسفیانؓ کی گفتگو سے بہت متاثر ہوا، اس نے برملا حضورؐ کی صداقت کا اعتراف کیا اور آپؐ کی تعریف کی لیکن اپنی رعیت اور مذہبی پیشواؤں کے خوف سے اس کو اسلام کی دعوت قبول کرنے کا حوصلہ نہ پڑا۔ بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت دحیہؓ کی براہِ راست ہرقل

---

[1] اس سے مراد صلحنامۂ حدیبیہ ہے۔

سے ملاقات ہوئی تھی اور انہوں نے حضورؐ کا مکتوب گرامی خود حمص جاکر اس کو پہنچایا تھا۔ ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ ہرقل نے تخلیہ میں حضرت دحیہؓ سے ملاقات کی اور ان سے کہا:

"میں جانتا ہوں کہ رسول عربیؐ اپنے دعوے میں سچے ہیں لیکن میں اپنی جان اور عمائدِ حکومت کے خوف سے علی الاعلان ان کا دین اختیار نہیں کر سکتا۔"

بعض اربابِ سیر نے بیان کیا ہے کہ ہرقل نے حضرت دحیہؓ کو رخصت کرتے وقت کچھ تحائف بھی دیئے تھے۔ لیکن اس سلسلے کی روایات اتنی مستند نہیں ہیں کہ ان کو آنکھیں بند کر کے تسلیم کر لیا جائے تاہم ان کو یکسر مسترد کرنا بھی مناسب نہیں۔ اگر حضرت دحیہؓ کی ہرقل سے براہِ راست ملاقات ہوئی ہوگی تو وہ حاکمِ بصریٰ ہی کی وساطت سے ہوئی ہوگی۔ بہرحال حضرت دحیہؓ کی یہ سفارت ایک حد تک اطمینان بخش رہی۔ چنانچہ غزوۂ تبوک ۹ھ ہجری کے موقع پر حضورؐ نے ہرقل کے پاس ایک اور سفارت بھیجنے کی ضرورت محسوس فرمائی تو اس دفعہ بھی آپؐ نے حضرت دِحیہؓ ہی کو سفیر بنایا اور اپنا ایک اور مکتوبِ گرامی ان کے ہاتھ ہرقل کے پاس بھیجا۔[1]

اہلِ سیر نے تفصیل تو نہیں لکھی لیکن حضرت دِحیہؓ یقیناً ایسے اوصاف و خصائل کے حامل ہوں گے کہ حضرت جبریلِ امینؑ نے اُن کی صورت میں سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آنا پسند کیا۔

ابنِ شہابؒ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"میں نے جس شخص کو سب سے زیادہ جبریلؑ کے مشابہ دیکھا وہ

---

[1] "رسولِ اکرمؐ کی سیاسی زندگی" از ڈاکٹر محمد حمید اللہ بحوالہ صبح الاعشیٰ قلقشندی "التنبیہ والاشراف"، "مسعودی"، "السیرۃ النبویہ دحلان، روض الانف سہیلی"

دحیۃ الکلبیؓ ہیں۔ (طبقات ابن سعد)

عامر الشعبیؒ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا کہ:

"دحیۃ الکلبیؓ جبریلؑ کے مشابہ ہیں۔ عروہؓ بن مسعود ثقفی عیسٰیؑ ابن مریمؑ کے مشابہ ہیں اور عبدالعزیٰ (بن قطن) دجّال کے مشابہ ہے۔"

حضرت دِحیہؓ کے سالِ وفات کے بارے میں کُتُبِ سِیَر خاموش ہیں البتہ حضرت امیر معاویہؓ کے عہدِ خلافت (سا۴ھ تا ۵۹ھ) کے دوران میں ان کے حیات ہونے کا پتہ چلتا ہے۔

حضرت دحیہؓ سے صرف دو حدیثیں مروی ہیں۔ ایک میں انہوں نے اپنی سفارت کے حالات بیان کیے ہیں ان کا خلاصہ اوپر دیا جا چکا ہے۔ دوسری حدیث یہ ہے:

"رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے پاس کچھ قباطی چادریں آئیں (قباطی سفید رنگ کی بڑھیا قسم کی چادریں ہوتی تھیں جو مصر سے آتی تھیں) آپؐ نے اُن میں سے ایک مجھے عنایت فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ اس کے دو ٹکڑے کر لینا ایک ٹکڑے کا تو اپنا کرتہ بنا لینا اور دوسرا ٹکڑا اپنی بیوی کو دے دینا وہ اس کو خمار (اوڑھنی) کے طور پر استعمال کر لے گی ــــــ پھر جب دحیہؓ اٹھ کر جانے لگے تو آپؐ نے ان سے فرمایا کہ اپنی بیوی سے کہہ دیجیو کہ وہ اس کے نیچے ایک اور کپڑا لگا لے تاکہ دکھائی نہ دیں اس کے بال اور جسم وغیرہ۔

(سنن ابی داؤد)

حضرت حکیمؓ بن حزام اسدی

۱

قدرت کے رنگ بھی عجیب ہیں، سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوتِ حق کا آغاز فرمایا تو بعض ایسے لوگ جو بہت سخت دل اور اکھڑ مزاج تھے لپک کر آگے بڑھے اور لوائے توحید کو تھام کر السابقون الاولون کی مقدس جماعت میں شامل ہونے کا شرف حاصل کر لیا لیکن بعض ایسے لوگ جو بڑے شریف، نرم خو، بہادر، فیاض اور ہمدرد خلائق تھے، اپنے آبائی مذہب پر سختی سے قائم رہے اور قبولِ ایمان میں سبقت کے شرف سے محروم رہ گئے۔ حضرت ابو خالد حکیمؓ بن حزام ایسے ہی لوگوں میں سے تھے۔ وہ قریش کی ایک معزز شاخ بنو اسد بن عبدالعزیٰ سے تعلق رکھتے تھے۔ سلسلۂ نسب یہ ہے:

حکیمؓ بن حزام بن خویلد بن اسد بن عبدالعزیٰ بن قصی قرشی۔

قصی پر ان کا سلسلۂ نسب رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سلسلۂ نسب سے مل جاتا ہے۔

والدہ کا نام فاختہ بنت زہیر بن حارث بن اسد بن عبدالعزیٰ تھا۔ ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ بنت خویلد، حضرت حکیمؓ کی حقیقی پھوپھی تھیں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی حضرت صفیہؓ بنت عبدالمطلب، حضرت حکیمؓ کی چچی تھیں اور جلیل القدر صحابی حواریٔ رسول حضرت زبیرؓ بن العوام ان کے چچا زاد بھائی تھے۔

علامہ ابن اثیرؒ نے حضرت حکیمؓ کے والد حزام بن خویلد کو بھی صحابہ میں

شمار کیا ہے لیکن دوسرے اہلِ سیر نے اس کے سلسلے میں وثوق سے کچھ نہیں کہا۔ اگر حزام کو قبولِ اسلام کا شرف حاصل ہوا تو اخیر عمر میں ہوا ہوگا، کیونکہ وہ عہدِ رسالت میں کہیں نظر نہیں آتے اور حضورؐ کی بعثت کے وقت خود حضرت حکیمؓ کی عمر تریپن ۵۳ برس کے قریب تھی۔

ایک حدیث کی روایت ان سے منسوب ہے لیکن بعض علماء نے اس انتساب کو غلط قرار دیا ہے[1]

حضرت حکیمؓ کا شمار قریش کے صاحبِ ثروت شرفا میں ہوتا تھا۔ وہ بڑے حلیم الطبع اور مخیر آدمی تھے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ انھوں نے زمانہ جاہلیت میں سو غلام آزاد کیے تھے اس کے علاوہ وہ نیکی اور بھلائی کے دوسرے کاموں میں بھی پیش پیش رہتے تھے۔ حضرت حکیمؓ واقعہ فیل سے تیرہ سال پہلے پیدا ہوئے تھے[2]

---

[1] حدیث یہ ہے کہ "حضرت حکیمؓ بن حزام کہتے ہیں کہ میرے والد نے مجھ سے بیان کیا، میں نے رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے پوچھا کہ یا رسول اللہؐ کیا میں ہمیشہ روزہ رکھوں۔ آپؐ نے کچھ جواب نہ دیا۔ پھر میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہؐ آپ اجازت دیں تو میں ہمیشہ روزہ رکھوں۔ پھر میں نے تیسری بار عرض کیا کہ میں ہمیشہ روزہ رکھوں؟ آپؐ نے فرمایا، آگاہ رہو تمہاری بی بی کا بھی تم پر حق ہے۔ رمضان کے روزے رکھو اور رمضان کے بعد والے (یعنی عید کے بعد چھ دن) روزے رکھو اور چہار شنبہ اور پنجشنبہ کا روزہ رکھو اس طرح گویا تم نے تمام سال روزے رکھے۔" ابو موسیٰ اصفہانیؒ کہتے ہیں کہ یہ غلط ہے۔ فی الحقیقت یہ حدیث مسلم بن عبید اللہ نے اپنے والد سے روایت کی ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

[2] ابنِ اثیرؒ کا بیان ہے کہ وہ کعبہ کے اندر پیدا ہوئے تھے۔ وہ اس طرح کہ ان کی والدہ کچھ دوسری عورتوں کے ساتھ کعبہ میں گئی تھیں۔ اس وقت وہ حاملہ تھیں وہیں ان کو دردِ زہ ہونے لگا اور وہیں انھوں نے حکیمؓ کو جنم دیا۔

اور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت پختہ عمر (۵۳ سال) کو پہنچ چکے تھے وہ حضورؐ کو بہت محبوب رکھتے تھے لیکن افسوس کہ جب آپؐ نے ان کے سامنے اسلام پیش کیا تو انہوں نے اس کے قبول کرنے میں عذر کیا۔ اس معاملہ میں ان کے بھائی حضرت خالدؓ بن حزام ان پر بازی لے گئے۔ انہوں نے بلا تامل دعوتِ حق پر لبیک کہا اور کفار کی مشقِ ستم کا ہدف بن گئے۔ آخر حضورؐ کے ایماء پر حبش کی طرف ہجرت کر گئے لیکن راستے میں سانپ نے کاٹ لیا اور وہ داصل بحق ہو گئے۔ ابنِ سعدؒ اور ابنِ اثیرؒ کا بیان ہے کہ قرآنِ حکیم کی یہ آیت انہی کے بارے میں نازل ہوئی:۔

وَمَنْ يَّخْرُجْ مِنْۢ بَيْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ۔

(النساء آیت ۱۰۰)

(اور جو اپنے گھر سے اللہ اور رسول کی طرف ہجرت کے لیے نکلے پھر راستہ ہی میں اسے موت آجائے تو اس کا اجر اللہ کے ذمے واجب ہو گیا۔) [1]

حضرت حکیمؓ بن حزامؓ اگرچہ اپنے آبائی مذہب پر قائم رہے لیکن مشرکینِ قریش مسلمانوں کو ستانے کے لیے جو حرکتیں کرتے رہتے تھے انہوں نے ان میں کبھی حصہ نہ لیا بلکہ جب کبھی موقع ملا مظلوم اہلِ حق

---

[1] اس آیت کا اطلاق تو بے شک حضرت خالدؓ بن حزام پر ہوتا ہے لیکن یہ روایت کہ یہ آیت خاص انہی کے بارے میں نازل ہوئی مشکوک ہے۔ کیونکہ سورۃ النساء جس کی یہ آیت ہے مدینہ میں نازل ہوئی جبکہ حضرت خالدؓ ہجرتِ نبوی سے کئی سال پہلے فوت ہوئے۔

سے ہمدردی کا اظہار کیا۔ حضورؐ اُن کے پھوپھا تھے اور وہ آپؐ کو نہایت عزیز جانتے تھے۔ ۷ ؁ بعد بعثت میں مشرکین قریش نے بنو ہاشم اور بنو مُطّلب کا مقاطعہ کیا اور ان کو شعب ابی طالب میں محصور کر دیا۔ تین سال کی یہ زہرہ گداز محصوری تاریخ اسلام کا ایک دردناک باب ہے۔ اس دوران میں حضرت حکیمؓ بن حزام اشرارِ قریش سے چوری چھپے وقتاً فوقتاً کچھ غلہ شعب ابی طالب کے اندر محصورین کے پاس بھیج دیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ کچھ گیہوں اپنے غلام کے ہاتھ اپنی پھوپھی اُمّ المؤمنین حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کے پاس درّہ میں بھیجا۔ اتفاق سے اشرارِ قریش کے سرگروہ ابوجہل کو پتہ چل گیا وہ جھٹ اونٹ پر سوار ہو کر پہنچا اور غلام کا راستہ روک کر کہنے لگا۔

”میں تجھے شعب کے اندر گیہوں نہیں جانے دوں گا اور سارے مکّہ میں تجھے ذلیل کروں گا۔“

غلام بیچارہ سہم کر وہیں کھڑا ہو گیا۔ اتنے میں مکّہ کا ایک نیک دل رئیس ابو البختری بن ہشام وہاں آ گیا، وہ اگرچہ غیر مسلم تھا لیکن شریر النفس نہیں تھا۔ اس نے ابوجہل سے پوچھا: ”ابوالحکم! کیا معاملہ ہے؟“

ابوجہل نے کہا۔ ”حکیم بن حزام کا غلام محصورین کے لیے گیہوں لے کر درّے کے اندر جانا چاہتا ہے اور میں اسے روک رہا ہوں۔“

ابو البختری نے کہا۔ ”حکیم بن حزام کی پھوپھی کا کچھ گیہوں اس کے پاس امانتاً رکھا تھا وہ اس نے منگوایا ہو گا۔ جانے دو ہمارا کیا جاتا ہے۔“

ابوجہل نے کہا: ”ایسا ہرگز نہ ہو گا۔“

ابو البختری نے کہا ”ایک شخص اپنی فاقہ کش پھوپھی کی امانت واپس کرتا ہے۔ تجھے اس میں کیا تکلیف ہے؟“

ابوجہل نے بھی سخت جواب دیا۔ اس پر ابو البختری نے اس کے اونٹ کو بٹھا لیا پھر ابوجہل کو مُنڈی سے پکڑ کر نیچے کھینچ لیا اور اس کے سر پر کسی چیز سے ایسی

ضرب لگائی کہ وہ لہولہان ہو گیا۔ ابوالبختری نے اب بھی اسے نہ چھوڑا اور چوب سے ٹھوکریں لگائیں۔ ابوجہل کی یہ درگت بنتے دیکھ کر غلام گیہوں لے کر وہ تے کے اندر چلا گیا۔ اس واقعہ کے کچھ عرصہ بعد مشرکین قریش کے کچھ رحمدل لوگوں نے اس ظالمانہ مقاطعہ کو ختم کرنے کی تحریک شروع کی (ابوالبختری بھی ان میں شامل تھا) اس کے نتیجے میں ۱۰ سنہ بعد بعثت میں اس مقاطعہ کا خاتمہ ہو گیا اور محصورین اپنے گھروں میں واپس آ گئے۔

(۳)

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم حکیمؓ بن حزام کو کفر و شرک کی بھول بھلیوں میں بھٹکتے دیکھ کر آزردہ ہوتے تھے لیکن وہ اپنی روش پر قائم تھے۔ ایک دفعہ انہوں نے ایک قیمتی حُلّہ حضورؐ کی خدمت میں بطور ہدیہ پیش کیا۔ آپؐ نے اسے لینے سے انکار کر دیا اور فرمایا:

"میں مشرکین سے ہدیہ نہیں لیتا اگر آپ چاہیں تو میں قیمت ادا کر کے یہ حُلّہ لے سکتا ہوں۔"

غزوۂ بدر ۲ سنہ ہجری میں مشرکین حضرت حکیمؓ کو بھی اپنے ساتھ لے گئے۔ جب کفّار کو شکست ہوئی تو حکیمؓ بھاگ کر بچ گئے۔ ابن اثیرؒ کا بیان ہے کہ وہ جب کبھی بہت بڑی قسم کھاتے تھے تو کہتے تھے قسم اس کی جس نے مجھے بدر کے دن بچا دیا۔ (اُسدُ الغابہ)

فتح مکّہ کے موقع پر سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم دس ہزار جاں نثاروں کے ہمراہ مکّہ کے قریب (مرّ الظہران کے مقام تک) پہنچے تو آپ نے بعض صحابہ (ایک روایت کے مطابق حضرت عبداللہ بن عباسؓ) سے فرمایا:

"مجھے حکیم بن حزام کا شرک میں مبتلا رہنا سخت ناگوار ہے میری خواہش ہے کہ وہ مسلمان ہو جائیں۔" (آپؐ نے ان کے ساتھ

تین اور آدمیوں کے نام بھی ہیں)

اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوبؐ کی یہ خواہش پوری کر دی۔ آپؐ ابھی مَرّ الظہران سے آگے نہیں بڑھے تھے کہ حضرت حکیمؓ کے دل سے کفر و شرک کا زنگ دُور ہو گیا۔ وہ سرورِ عالم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے اور کلمۂ شہادت پڑھ کر شرفِ اسلام سے بہرہ ور ہو گئے۔ اس وقت اُن کی آنکھوں سے سیلِ اشک رواں تھا، شاید یہ ندامت کے آنسو تھے یا اسلام لانے کی خوشی کے۔ اس موقع پر رحمتِ عالم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے کمالِ شفقت اور محبت سے ان کا ہاتھ اپنے دستِ مبارک میں پکڑ لیا۔

قبولِ اسلام کے وقت اُن کی عمر چوہتر برس کی تھی۔ اگرچہ بوڑھے ہو چکے تھے لیکن غزوۂ حنین میں حضورؐ کی ہم رکابی کا شرف حاصل کیا۔ آپؐ نے حنین کا مالِ غنیمت تقسیم فرمایا تو حضرت حکیمؓ کو مؤلفۃ القلوب کی جماعت میں رکھا اور ان کو سو اونٹ عطا فرمائے۔ کہا جاتا ہے کہ انہوں نے سو اونٹ اور مانگے۔ حضورؐ نے ان کو سو اونٹ اور مرحمت فرمائے (المشاہد)

حضرت حکیمؓ تاخیر سے اسلام لانے پر بہت افسوس کیا کرتے تھے۔ اور کہا کرتے تھے کہ میں بدر، اُحد، خندق اور دوسرے غزوات میں شرکت کی سعادت سے محروم رہا۔ دوسرے لوگ خوش قسمت تھے کہ مجھ پر بازی لے گئے۔ کوئی غازی بنا اور کوئی شہادت کے رتبے پر فائز ہوا لیکن میں پیچھے رہ گیا۔

ایک دفعہ بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا:

"یا رسول اللہؐ! بتلایئے جو نیک کام میں زمانۂ جاہلیت میں کرتا تھا کیا مجھے ان کا ثواب ملے گا۔"

حضورؐ نے ارشاد فرمایا: "ہاں مسلمان ہو جانے پر تمہیں تمام (اگلی پچھلی) نیکیوں کا ثواب ملے گا۔"

ایک بار حضرت حکیمؓ نے سرورِ عالم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سے کچھ مانگا۔ آپؐ نے عطا فرمایا پھر مانگا پھر دیا پھر مانگا پھر عنایت فرمایا۱ لیکن اس کے ساتھ ہی ارشاد فرمایا:-

"اے حکیم! یہ مال ایک (دل کو لبھانے والی) سبز شیرینی ہے جو شخص اس کو استغنا کے ساتھ لیتا ہے اس کے لیے اس میں برکت دی جاتی ہے اور جو شخص اس کو حرص کے ساتھ لیتا ہے اس کے لیے اس میں برکت نہیں دی جاتی اور وہ مثل اس شخص کے ہو جاتا ہے جو کھائے اور سیر نہ ہو۔ یاد رکھو کہ اوپر والا (یعنی دینے والا) ہاتھ نیچے والے (یعنی لینے والے) ہاتھ سے بہتر ہے۔"

حضورؐ کی یہ نصیحت حضرت حکیمؓ بن حزام کے دل کی گہرائیوں میں اتر گئی۔ انہوں نے عرض کیا:

یا رسول اللہ! قسم اس کی جس نے آپؐ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے کہ آئندہ نہ میں کبھی آپ سے کچھ مانگوں گا اور نہ کسی اور سے کچھ لوں گا۔"

اس کے بعد انہوں نے اس عہد کو اس شدت کے ساتھ پورا کیا کہ تادمِ مرگ نہ کسی سے کچھ مانگا اور نہ کسی سے کچھ لیا۔ حضورؐ کی رحلت کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ خلیفہ ہوئے تو وہ اُن کو وظیفہ دینے کے لیے بلاتے رہے مگر انہوں نے لینے سے انکار کر دیا۔ ان کے بعد حضرت عمرؓ فاروقؓ سریر آرائے خلافت ہوئے تو

---

۱ حضرت حکیمؓ بن حزام کے حالاتِ زندگی پر نظر ڈالیں تو معلوم ہو گا کہ وہ بہت آسودہ حال تھے۔ اللہ نے انہیں بہت کچھ دے رکھا تھا اور ان کا دستِ سخاوت بہت کشادہ تھا۔ معلوم نہیں انہوں نے کن حالات میں حضورؐ سے بار بار مانگا۔ شاید اس زمانے میں ان کے مالی حالات خراب ہو گئے ہوں۔

انہوں نے بھی اپنے زمانۂ خلافت میں بار بار حضرت حکیمؓ کو عطیہ دینا چاہا لیکن وہ برابر اس کے لینے سے انکار کرتے رہے۔ آخر ایک دن حضرت عمرؓ نے لوگوں سے مخاطب ہو کر فرمایا :

"مسلمانو! گواہ رہنا کہ میں حکیم کو ان کا حق (وظیفہ) دینے کے لیے بلاتا ہوں مگر وہ قبول نہیں کرتے۔"

(بخاری کتاب الزکوٰۃ و ترمذی ابواب الزہد)

(۲)

حضرت حکیمؓ بن حزام نے زمانۂ جاہلیت میں سو غلام آزاد کیے تھے۔ زمانۂ اسلام میں بھی انہوں نے سو غلام آزاد کیے اور ان کی آزادی نہایت شان و شوکت سے عمل میں آئی۔ علامہ ابن اثیرؒ کا بیان ہے کہ حضرت حکیمؓ بن حزام نے ایک مرتبہ زمانۂ اسلام میں حج کیا تو ان کے ہمراہ سو اونٹ تھے۔ جن پر حبرہ (یمن کے ایک قیمتی کپڑے) کی جھولیں پڑی ہوئی تھیں۔ ان سب اونٹوں کو انہوں نے ہدی بنایا (یعنی ان کی قربانی کی) جب عرفہ میں انہوں نے وقوف کیا تو ان کے ساتھ سو غلام تھے جن کی گردنوں میں چاندی کی تختیاں لٹکی ہوئی تھیں اور ان پر یہ الفاظ درج تھے :

"عتقاء اللہ عن حکیم بن حزام"

(یعنی یہ خدا کے لیے آزاد کیے گئے ہیں حکیم بن حزام کی طرف سے)

ایک روایت میں ہے کہ جس جس غلام کو حضرت حکیمؓ نے آزاد کیا اس کو ایک ایک اونٹ بھی عطا کیا۔

(الاکمال فی اسماء الرجال)

اس کے علاوہ انہوں نے ایک ہزار بکریوں کی قربانی بھی کی۔

مکہ میں قریش کی دار المشاورت (دار الندوہ) کی عمارت پر حضرت حکیمؓ بن حزام کا قبضہ تھا۔ انہوں نے یہ عمارت حضرت امیر معاویہؓ کے ہاتھ ایک لاکھ درہم

میں بیچ ڈالی۔ ان کے بھتیجے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ (بن عوام بن خویلد) کو یہ سودا ناگوار گزرا۔ انہوں نے حضرت حکیمؓ سے کہا کہ آپ نے ایک ایسی چیز بیچ ڈالی جو قریش کے لیے باعث عزت تھی۔

حضرت حکیمؓ نے جواب دیا کہ اب پرہیزگاری کے سوا اور کوئی چیز عزت کا باعث نہیں ہے۔

پھر انہوں نے اس کی تمام قیمت خیرات کر دی۔ (اُسدُ الغابہ)

نہایت کریم النفس تھے۔ خویش واقارب اور دوسرے حاجت مندوں کی امداد پر ہر وقت کمربستہ رہتے تھے۔ اُن کے ابن عم حضرت زبیرؓ بن العوام نے شہادت پائی تو وہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ سے ملے اور ان سے کہا:

"برادر زادے! میرے بھائی پر کتنا قرض ہے؟"

انہوں نے مخفی رکھا اور ایک لاکھ تبلایا۔ حکیمؓ نے کہا، واللہ میرا گمان ہے کہ تمہاری جائداد سے یہ ادا نہ ہو سکے گا۔ عبداللہؓ نے کہا، ذرا خیال فرمائیے اگر ۲۲ لاکھ ہو تو کیا ہوگا۔ بولے، جہاں تک میرا خیال ہے تم لوگ اس کو برداشت کرنے کی طاقت نہیں رکھتے۔ اگر تم لوگ اس کے کسی حصہ کے ادا کرنے کی قدرت نہ پاؤ تو مجھ سے مدد لے لینا۔ لیکن اس کی ضرورت نہ پڑی اور حضرت عبداللہؓ نے کچھ جائداد بیچ کر سارا قرض بے باق کر دیا۔ (صحیح بخاری)

بعض روایتوں میں ہے کہ حضرت عثمان غنیؓ کی شہادت کے تین دن بعد جن سرفروشوں نے ان کی میت کو دفن کیا حضرت حکیمؓ بھی ان میں شامل تھے —— حضرت حکیمؓ آخری عمر میں نابینا ہو گئے تھے۔ انہوں نے ایک سو بیس سال کی عمر میں ۵۴ھ میں وفات پائی۔

بعض اہل سیر نے کہا ہے کہ حضرت حکیمؓ ساٹھ سال زمانۂ جاہلیت میں اور ساٹھ سال زمانۂ اسلام میں زندہ رہے لیکن ابن اثیرؒ نے اس قول پر تنقید کی ہے اور لکھا ہے کہ ان کا زمانۂ جاہلیت چوہتّر سال پر محیط ہے اور زمانۂ اسلام چھیالیس برس پر۔ (اُسدُ الغابہ)

حضرت حکیمؓ کی اولاد میں چار بیٹوں کے نام معلوم ہیں۔

خالدؓ۔ ہشامؓ۔ عبداللہؓ اور یحییٰؓ
یہ سب اپنے والدِ گرامی کے ساتھ فتح مکّہ کے دن ایمان لائے اور شرفِ صحابیت سے بہرہ ور ہوئے۔

عہدِ رسالت میں حضرت حکیمؓ بن حزام کا زمانۂ اسلام صرف تین برس کا ہے۔ تاہم اس مختصر عرصے میں وہ فیضانِ نبوی سے مقدور بھر بہرہ یاب ہوئے۔ ان سے چالیس احادیث مروی ہیں اور ان کا شمار راویانِ حدیث صحابہ کے طبقۂ چہارم میں ہوتا ہے۔

حضرت حکیمؓ کے راویانِ حدیث میں حضرت سعیدؒ بن مسیبؓ، حضرت عروہؒ، حضرت صفوان بن محرزؒ، حضرت موسیٰ بن طلحہؒ اور حضرت محمد بن سیرینؒ کے نام قابلِ ذکر ہیں۔

حضرت حکیمؓ بن حزام سے مروی چند احادیث

(۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (ایک دفعہ) مجھے ایک دینار قربانی کا جانور خریدنے کے لیے دیا۔ میں نے ایک مینڈھا (یا دُنبہ) ایک دینار پر خریدا اور دو دینار میں بیچ ڈالا۔ پھر ایک جانور ایک دینار میں خریدا اور اس کو مع اس دینار کے جو نفع میں حاصل ہوا تھا لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپؐ نے وہ دینار صدقہ کر دیا اور میرے لیے دعا کی کہ اللہ تمہاری تجارت میں برکت عطا فرمائے۔ (مشکوٰۃ بحوالہ ترمذی و ابوداؤد)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خریدار اور فروخت کرنے والے اختیار رکھتے ہیں جب تک جدا نہ ہوں۔ اگر خریدنے والا اور بیچنے والا دونوں سچ بولیں اور چیز کی حقیقت بیان کر دیں تو ان کی بیع میں برکت دی

جاتی ہے اور اگر چھپائیں اور جھوٹ بولیں تو ان کی بیع سے برکت مٹا دی جاتی ہے۔
(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

۴ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ یا رسول اللہ ایک شخص میرے پاس آتا ہے اور وہ مجھ سے ایک چیز خریدنے کا ارادہ ظاہر کرتا ہے اور وہ چیز میرے پاس موجود نہیں ہے پس وہ چیز میں اس کے لیے بازار سے خریدتا ہوں۔ آپ نے فرمایا، وہ چیز جو تیرے پاس موجود نہیں ہے فروخت نہ کر۔

(مشکوٰۃ بحوالہ ترمذی، ابوداؤد و نسائی)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب صحابی اور منہ بولے بیٹے حضرت زید رضی اللہ عنہ بن حارثہ (جن کا نام قرآن پاک میں آیا ہے) حضرت حکیم رضی اللہ عنہ بن حزام کی وساطت (بالواسطہ) ہی سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچے تھے۔ وہ یوں کہ حضرت زید رضی اللہ عنہ کو بچپن میں بنو قین بن جسر کے کچھ ڈاکو یمن سے اغوا کر کے عکاظ کے بازار میں فروخت کے لیے لائے۔ حضرت حکیم رضی اللہ عنہ بن حزام نے انہیں خرید لیا اور کچھ عرصہ بعد انہیں اپنی پھوپھی حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی نذر کر دیا۔ (یہ حضرت حکیم رضی اللہ عنہ کے قبول اسلام سے مدتوں پہلے کا واقعہ ہے)۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے پسندیدہ اطوار و خصائل کو دیکھ کر انہیں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے مانگ لیا۔ انہوں نے اس تندہی سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کی کہ آپ ان پر بے حد شفقت فرمانے لگے یہاں تک کہ ان کو اپنا منہ بولا بیٹا بنا لیا۔

یہ تمام واقعات تفصیل کے ساتھ حضرت زید رضی اللہ عنہ کے سوانح حیات میں بیان کیے گئے ہیں۔ (دیکھئے ہماری کتاب "تلیس پروانے شمع رسالت کے")

حضرت عوسجہؓ بن حرملہ جُہنی

۱

مشرکین مکہ کی حرماں نصیبی دیکھئے کہ رحمت حق اُن کے گھر میں اتری لیکن انہوں نے اس کی طرف سے آنکھیں پھیر لیں لیکن جن کا بخت یاور تھا انہوں نے سینکڑوں میل دُور رہتے ہوئے بھی دعوتِ توحید کی آواز سنی تو اس پر لبیک کہا۔ ایسے ہی خوش بخت اصحاب میں عوسجہؓ بن حرملہ بھی تھے جو ارض شام کے ایک صحرا نشین تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں فطرتِ سلیم سے نوازا تھا۔ فتح مکہ سے کچھ عرصہ پہلے اُن تک دعوت توحید پہنچی تو انہوں نے اسے فوراً قبول کر لیا اور بڑے ذوق و شوق سے بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت اور بیعت کا شرف حاصل کیا۔ فتح مکہ کے موقع پر وہ اُن دس ہزار نفوس قدسی میں شامل تھے جنہیں رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمرکابی کا شرف حاصل ہوا۔ علامہ ابن سعدؒ کا بیان ہے کہ اس موقع پر سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ایک ہزار مجاہدین کا امیر مقرر فرمایا۔

۲

حضرت عوسجہؓ بن حرملہ کا تعلق بنو جُہینہ سے تھا۔ علامہ ابن اثیرؒ نے ان کا نسب نامہ اس طرح لکھا ہے:

عوسجہؓ بن حرملہ بن جذیمہ بن سبرہ بن خدیج بن مالک بن عمرو بن ذہل بن عمرو بن ثعلبہ بن رفاعہ بن نصر بن مالک بن غطفان

(اُسدُ الغابہ)

لیکن حافظ ابنِ حجر عسقلانیؒ نے "الاصابہ" میں ان کا جو شجرۂ نسب بیان کیا ہے وہ اس سے کچھ مختلف ہے۔ یہ شجرۂ نسب اس طرح ہے:

عوسجہؓ بن حرملہ بن جذیمہ بن سبرہ بن خدیج بن مالک بن حارث بن مازن بن سعد بن مالک بن رفاعہ بن نصر بن مالک بن غطفان بن قیس بن جہینہ۔

خیال ہے کہ وہ ایک بہادر اور معزز آدمی تھے اسی لیے حضورؐ نے فتح مکّہ کے موقع پر انہیں ایک ہزار افراد کا افسر بنایا۔ فتح مکّہ کے بعد غزوۂ حنین پیش آیا۔ اس میں بنو جُہینہ بھی حضورؐ کے ہمرکاب تھے۔ قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عوسجہؓ بھی ان میں شامل تھے۔

حضرت عوسجہؓ کو نماز باجماعت کا بے حد اہتمام تھا۔ ان کی سکونت مروہ (یا شاید ذی المروہ) کے مقام پر تھی۔ وہاں نہ کوئی مسجد تھی اور نہ نماز باجماعت کا انتظام تھا البتہ وہاں سے کافی فاصلے پر "دومہ" نام کی ایک بستی تھی جس میں ایک مسجد تھی اور وہاں پانچوں وقت باجماعت نماز ہوتی تھی۔ حضرت عوسجہؓ پانچوں وقت دومہ جاکر نماز باجماعت ادا کرتے تھے۔ ٹھیک نصف النہار کے وقت جب آسمان آگ برسا رہا ہوتا اور زمین تانبے کی طرح تپ رہی ہوتی وہ اپنے گھر سے طویل فاصلہ طے کرکے دومہ پہنچتے اور مسجد میں جماعت کے ساتھ نماز ادا کرتے۔ دن بھر نماز باجماعت کی خاطر دونوں مقاموں کے درمیان ان کا آنا جانا جاری رہتا تھا۔ ان کی اس مستعدی اور ذوقِ طاعت کو دیکھ کر لوگ حیران ہوتے تھے۔ سرورِ عالم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو نماز باجماعت سے حضرت عوسجہؓ کے شغف اور اس کے لیے ان کی دوڑ دھوپ کا علم ہوا تو آپؐ بہت خوش ہوئے اور انہیں بلا کر کہا:

یا عوسجۃ سلنی اعطک

(یعنی اے عوسجہ جو مانگنا ہو مانگو تمہیں دیا جائے گا)

معلوم نہیں حضرت عوسجہؓ نے کچھ مانگا یا نہیں لیکن حضورؐ نے ایک تحریری فرمان کے ذریعے ان کو ایک وسیع جاگیر عطا فرمائی۔ اس فرمان کا متن یہ ہے:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ھذا ما اعطی محمد ن النبی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عوسجة بن حرملة الجھنی۔

من ذی المروة و ما بین بلکثة الی الظبية الجعلات الی جبل القبلية لا يحاقه فيها احد فمن حاقه فلاحق له وحقه حق۔

(وکتب العلاء بن عقبة)

(ترجمہ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یہ وہ عطیہ ہے جو محمد نبی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عوسجہ بن حرملہ جہنی کو دیا۔ ذی المروہ اور بلکثہ کے درمیان سے لے کر ظبیہ، جعلات اور جبل قبلیہ تک ان کا ہے اس میں ان کے خلاف کوئی اپنا حق نہیں جتائے گا۔ جو حق جتائے اس کا حق نہیں اور حق انہی کا ہے۔

کاتب علاء بن عقبہ[1]

---

[1] اس فرمان میں جن مقامات کے نام آئے ہیں ان کے محلِ وقوع کے بارے میں اہلِ سیر و تاریخ کے بیانات کا خلاصہ یہ ہے

(۱) ذی المروہ — یاقوت حموی کے مطابق یہ وادئ قریٰ کی ایک بستی کا نام ہے علامہ سمہودیؒ کا بیان ہے کہ یہ مدینہ سے ۹۶ میل کے فاصلے پر ہے بغزوۂ تبوک پر جاتے ہوئے حضورؐ نے تین دن ذی المروہ اور اس کے نواح میں قیام فرمایا اور بنی جہینہ کے لوگوں کو زمینیں عطا فرمائیں۔

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

حضرت عوسجہؓ کے سالِ وفات کے بارے میں کُتبِ سِیَر خاموش ہیں۔
رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ)

(۲) بلکثۃ —— ذی المروہ ہی کے قریب ایک مقام تھا۔

(۳) طبیۃ —— بنو جہینہ کے علاقے میں ایک گاؤں تھا۔

(۴) جعلات —— یہ بھی اسی علاقے کا کوئی مقام تھا۔

(۵) جبل القبلیۃ —— مدینہ منورہ سے کافی فاصلے پر ساحل سمندر کے قریب ایک پہاڑ تھا بعض نے اس کو نخلہ اور مدینہ کے درمیان فرع کے نزدیک بتایا ہے۔

(واللہ اعلم)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے جناب نبی کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا، یا رسول اللہؐ! ایک شخص کسی نیک آدمی سے اس کے نیک اعمال کے باعث محبت کرتا ہے مگر خود نیک اعمال اتنے نہیں کرتا جیسے اس نیک آدمی کے اعمال ہیں۔
رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا، کچھ مضائقہ نہیں، آدمی قیامت میں اسی کے ساتھ ہوگا جس کے ساتھ محبّت کرتا ہے۔
(یعنی اس نیک آدمی کی محبت کا اسے صلہ ملے گا)۔

(صحیح بخاری)

حضرت عُظیمؓ بن حارِث محاربی

①

فتح مکہ اور غزوۂ حُنین کے بعد عرب کے بیشتر قبائل آستانۂ اسلام پر جُھک گئے اور انہوں نے ۹ھ اور ۱۰ھ میں اپنے اپنے وفود قبولِ اسلام اور اظہارِ اطاعت کے لیے مدینہ مُنوّرہ بھیجے ـــــ ان میں سے ایک وفد قبیلہ" بنو محارب "کا تھا۔ یہ قبیلہ اضلاعِ نجد میں آباد تھا۔ اس نے جو وفد بھیجا اس میں دس آدمی شامل تھے اور یہ ۱۰ھ ہجری میں حجۃ الوداع سے کچھ دن پہلے مدینہ منورہ پہنچا۔ سرورِ عالم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ان لوگوں کو دارِ رملہؓ بنت الحارث میں ٹھہرایا اور حضرت بلالؓ کو ان کی مہمان داری پر مامور فرمایا۔ وفدِ محارب کے اراکین نے بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر بڑے ذوق وشوق سے اسلام قبول کیا اور حضورؐ کی بیعت کا شرف حاصل کیا۔ ساتھ ہی انہوں نے عرض کیا کہ ہمیں اپنے قبیلے کی طرف سے بھی نائب تصوّر فرمائیے۔ اس موقع پر وفد کے ایک باوقار رُکن جو قبیلے کے سردار معلوم ہوتے تھے۔ ایک گھوڑی کی باگ پکڑے ہوئے آگے بڑھے اور عرض کی:

" یارسول اللہ! یہ میری سواری کی گھوڑی مرتجز ہے جو بڑی خوبیوں کی مالک ہے یہ میں آپ کی نذر کرتا ہوں اسے قبول فرمائیے۔"

حضورؐ نے خندہ پیشانی سے ان کی نذر قبول کرلی اور فرمایا:

" تم بھی میری طرف سے ایک ہدیہ قبول کرو۔ یہ میری فرعا ہے

اسے تم لے لو۔"

ان صاحب نے نہایت مسرت کے ساتھ "فرعا" کی مہار تھام لی۔
یہ صاحب جن کی گھوڑی کا ہدیہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول فرمایا اور اس کے عوض ان کو اپنی اونٹنی "فرعا" عطا فرمائی، حضرت عُظیمؓ بن حارث محاربی تھے۔

حضرت عُظیمؓ بن حارث کا تعلق بنو محارب کی شاخ خصفہ بن عیلان سے تھا اور وہ اپنے قبیلے کے سربرآوردہ لوگوں میں شمار ہوتے تھے۔ بعض روایتوں میں ان کا نام عُصَیم بیان کیا گیا ہے۔ چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے "الاصابہ فی تمییز الصحابہ" میں ان کا سلسلۂ نسب اس طرح درج کیا ہے:

"عُصَیم بن حارث بن ظالم بن حداد بن ذھل بن طریف بن محارب بن خصفة المحاربی۔"

انہوں نے حضرت عُصَیم (عُظَیم) کے صاحبزادے عباسؓ کا یہ بیان بھی نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے والد سے پوچھا تھا کہ تمہارا نام کیا ہے؟ انہوں نے جواب دیا "عُصَیم" اس کے بعد حضورؐ اور حضرت عُصَیم کے درمیان ہدیوں کا تبادلہ ہوا۔ اس سلسلے میں حافظ ابن حجرؒ نے عباس بن عصیمؓ کے یہ اشعار بھی نقل کیے ہیں:

عصیم ابی زار النبی محمدًا	وعمّی سواء قل ھذا التفاخر
حملنا رسول اللہ ثم اثابنا	ابی بخیر یسمولہ کل ناظر
ولما دعی داع لدین محمد	وفدنا فمنا کان ایمن زائر

(۱) میرے والد عصیم اور میرے چچا سواء نے محمدؐ نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی زیارت کی تو یہ فخر کیا کم ہے۔

(۲) ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں سواری پیش کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے والد کو اس سے بہتر عوض عطا فرمایا کہ جس کو دیکھ کر ہر شخص فخر کرتا ہے

(۴) جب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی طرف داعی نے بلایا تو ہم وفد لے کر چل پڑے اور پھر ہم مبارک زیارت کرنے والے تھے۔

لیکن حافظ ذہبیؒ نے "تجرید اسماء الصحابہ" میں اور امام ابوجعفر دیلیؒ نے "مکاتیب النبیؐ" میں ان کا نام عُظَیم بن الحارث لکھا ہے اور یہی صحیح ہے کیونکہ بعض دوسرے ارباب سیر و تاریخ نے بھی اس کی تائید کی ہے۔

اس وفد میں حضرت عُظَیمؓ کے ساتھ ان کے بھائی سوادؓ بن حارث اور بھتیجے خزیمہ بن سواءؓ[1] بھی شامل تھے۔ ایک روایت میں ہے کہ وفد کے قبولِ اسلام کے بعد سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خزیمہ بن سواءؓ کے چہرے پر اپنا دستِ شفقت پھیرا تو اُن کا چہرہ نور سے چمکنے لگا۔

---

[1] طبرانیؒ اور ابن شاہینؒ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ حضرت سواءؓ بن حارث گھوڑے بیچنے کے لیے مدینہ منورہ آئے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے ایک گھوڑے کا سودا کیا اور اس کی قیمت لانے کے لیے خانۂ اقدس کی طرف گئے۔ بعد میں سواءؓ اس سودے سے پھر گئے اور کچھ دوسرے لوگوں سے گھوڑے کا بھاؤ تاؤ کرنے لگے حضورؐ واپس تشریف لائے تو سواء نے آپؐ سے کہا میں نے آپ سے کوئی سودا نہیں کیا، اگر کیا ہے تو کوئی گواہ لائیے۔ اس موقع پر اتفاق سے حضرت خزیمہؓ بن ثابت خطمی انصاری وہاں آ گئے انہوں نے سواءؓ سے مخاطب ہو کر کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ تو نے یہ گھوڑا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ بیچا ہے۔ حضورؐ نے ان سے پوچھا کہ تم تو سودے کے وقت موجود نہ تھے شہادت کیسے دے رہے ہو؟ انہوں نے عرض کیا "یا رسول اللہ میں آپؐ کی بات کی تصدیق کر رہا ہوں (یعنی چونکہ آپؐ جو کچھ فرماتے ہیں حق ہی فرماتے ہیں اس لیے میں نے یہ گواہی دی) حضورؐ نے اُن کا جوشِ ایمان دیکھ کر فرمایا کہ خزیمہ کسی کے مخالف یا موافق گواہی دیں تو بس (صرف ان کی تنہا گواہی کافی ہے یعنی ان کی شہادت دو آدمیوں کی گواہی کے برابر ہے) چنانچہ

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

قاضی محمد سلیمان سلمان منصورپوری نے اپنی کتاب " رحمۃ للعالمین (جلد اول)" میں لکھا ہے کہ ایک دن رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر سے عصر تک کا وقت " وفدِ محارب" کے لیے وقف کر دیا۔ دورانِ گفتگو میں حضور نے ایک شخص کی طرف غور سے دیکھا اور فرمایا:

" میں نے تمہیں پہلے بھی کہیں دیکھا ہے؟"

وہ بولے:

" آپ نے بالکل درست فرمایا، آج سے سالہا سال پہلے آپ بازارِ عکاظ میں تشریف لائے تھے۔ آپ نے مجھے وہاں دیکھا تھا اور مجھ سے بات بھی کی تھی۔ میں نے آپ کو نہایت گستاخانہ جواب دیا تھا۔"

حضور نے فرمایا، " ہاں ٹھیک ہے یاد آ گیا۔"

انہوں نے عرض کیا:

" یا رسول اللہ! اس دن مجھ سے زیادہ بدبخت کوئی نہ تھا میں نے سب سے بڑھ چڑھ کر حضور کی مخالفت کی تھی میرے سب ساتھی تو اپنے آبائی مذہب پر مر گئے۔ خدا کا شکر ہے کہ اس نے مجھے اب تک زندہ رکھا اور ایمان لانے کی توفیق بخشی۔"

حضور نے فرمایا: " سب کے دل اللہ تعالیٰ ہی کے قبضہ

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ)

حضرت خزیمہؓ اسی دن سے " ذوالشہادتین" کے لقب سے مشہور ہو گئے۔ مسندِ احمد، ابوداؤد اور نسائی وغیرہ میں بھی یہ روایت موجود ہے لیکن گھوڑا بیچنے والے کے نام کی تصریح نہیں ہے قیاس یہ ہے کہ یہ واقعہ حضرت سواءؓ کے قبولِ اسلام سے پہلے پیش آیا۔

میں ہیں۔"

انہوں نے عرض کیا: "یا رسول اللہ میری گزشتہ لغزشوں کے لیے معافی کی دعا فرمایئے۔"

حضورؐ نے فرمایا:

"اسلام لاتے ہی وہ سب گناہ معاف ہو جاتے ہیں جو حالتِ کفر میں سرزد ہوئے ہوں۔"

جن صاحب سے یہ گفتگو ہوئی اس روایت میں اُن کے نام کی تصریح نہیں کی گئی، ہو سکتا ہے کہ یہ حضرت عُظیمؓ بن حارث ہوں۔ بہر صورت یہ صاحب وفدِ بنو محارب ہی کے ایک رکن تھے۔

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے معمول کے مطابق اس وفد کو بہت کچھ دے دلا کر رخصت کیا۔ بہت سے اربابِ سِیَر نے لکھا ہے کہ حضورؐ نے حضرت عُظیمؓ کو فخ نامی ایک چشمہ یا تالاب عطا فرمایا اور اس کے لیے ایک وثیقہ لکھوا کر دیا۔ فخ کے علاوہ حضورؐ نے ایک اور فرمان کے ذریعے حضرت عُظیمؓ کو رامس کا چٹیل میدان اور اس کے ریت کے ٹیلے بطور جاگیر عطا فرمائے۔ اس فرمان کا مضمون یہ تھا:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

هذا كتاب من محمد رسول الله (صلی اللہ علیہ وسلم) لعظيم بن الحارث المحاربي ان له الجمعة من رامس لا يحاقه احد۔ (وكتب الارقم)

(یہ تحریر محمد رسول اللہؐ کی طرف سے عُظیم بن الحارث المحاربی کے حق میں ہے کہ رامس کا چٹیل میدان اور اس کے ریت کے ٹیلے ان کے ہیں اس میں کوئی دوسرا اپنا حق نہ جتلائے۔ کاتب ارقمؓ (بن ابی الارقم)

کتبِ سِیَر میں حضرت عُظیمؓ کے مزید حالات نہیں ملتے۔

حضرت ابو شُریح عدوی رض

①

فتح مکہ (رمضان ۸ھ ہجری) سے کچھ عرصہ پہلے کا ذکر ہے کہ ایک بادقار اور بارعب اعرابی بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے۔ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے شادکام ہوئے، ساتھ ہی قبولِ اسلام اور حضورؐ کی بیعت کا شرف حاصل کیا۔ اس موقع پر حضورؐ نے ان سے پوچھا:

"تمہاری کنیت کیا ہے؟"

انہوں نے عرض کیا: "ابوالحکم ـــــ یارسول اللہؐ!"

حضورؐ نے فرمایا: "حَکَم صرف اللہ تعالیٰ ہے اور حُکم اسی کو زیب دیتا ہے!"

انہوں نے عرض کیا: "یارسول اللہ! میری قوم میں جب کسی بات پر اختلاف ہو جاتا تھا تو وہ میرے پاس فیصلہ کے لیے آتے تھے اور میں جو فیصلہ کر دیتا تھا اس پر دونوں فریق راضی ہو جاتے تھے اسی لیے میری کنیت ابوالحکم ہو گئی۔"

یہ سن کر سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "یہ کیسی اچھی بات ہے!"

پھر آپؐ نے ان سے پوچھا: "تمہاری اولاد کیا ہے؟"

انہوں نے عرض کیا: "تین بیٹے ہیں شُریح، مسلم اور عبداللہ۔"

آپؐ نے دریافت فرمایا: "بڑا کون ہے؟"

انہوں نے عرض کیا: "شُریح"

آپؐ نے فرمایا: "تو پھر تمہاری کنیت ابوشُریح ہے۔" (ابوداؤد)

انہوں نے ارشادِ نبویؐ کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیا۔ اُن کی یہ کنیت ایسی مشہور

ہوئی کہ لوگ ان کا اصل نام بھول گئے۔

(۲)

حضرت ابو شُریح رضی اللہ عنہ کے اصل نام میں سخت اختلاف ہے کسی نے خویلد لکھا ہے کسی نے ہانی اور کسی نے کعب۔ تاریخ میں وہ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی عطا کردہ کنیت ابو شُریح ہی سے مشہور ہیں۔ ان کا تعلق بنو خزاعہ کی شاخ بنو عدی سے تھا۔ سلسلۂ نسب یہ ہے:

ابو شُریح رضی اللہ عنہ بن عمرو بن صخر بن عبد العزّیٰ بن معاویہ بن مخرش بن عمرو بن زمانہ بن عدی بن عمرو بن ربیعہ خزاعی۔

فتح مکّہ کے موقع پر وہ دینِ حق کے ان دس ہزار سرفروشوں میں شامل تھے جن کو سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمرکابی کا شرف حاصل ہوا اور جن کے بارے میں سینکڑوں سال پہلے "کتابِ استثناء" میں یوں پیشین گوئی کی گئی تھی۔

"خداوند سیناء سے آیا اور شعیر سے اُن پر طلوع ہوا۔ کوہِ فاران سے وہ جلوہ گر ہوا۔ دس ہزار قدسیوں کے ساتھ آیا اور اس کے ہاتھ میں ایک آتشیں شریعت (یعنی نورانی شریعت) تھی۔"

علامہ ابنِ سعد رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی کعب کا ایک نشان حضرت ابو شُریح رضی اللہ عنہ کو عطا فرمایا۔

حضرت ابو شُریح رضی اللہ عنہ عہدِ رسالت کے دوسرے جن غزوات میں شریک ہوئے اہلِ سِیَر نے ان کی تصریح نہیں کی۔ قیاس یہ ہے کہ فتح مکّہ کے بعد جتنے غزوات پیش آئے (حنین، طائف، تبوک) وہ ان سب میں شریک ہوئے ہوں گے۔

سنہ ۱۰ ہجری میں حضرت ابو شُریح رضی اللہ عنہ کو حجۃ الوداع میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمرکابی کا شرف حاصل ہوا۔ صحیح بخاری میں ان سے روایت ہے کہ:

"فتح مکہ کے دوسرے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ دیا جسے میں نے اپنے کانوں سے سنا ہے اور خوب یاد رکھا ہے اور وہ موقع اب تک میری آنکھوں میں سمایا ہوا ہے۔ خطبہ ختم کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"وَلْيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ"

جو حاضر ہیں وہ ان لوگوں تک پہنچا دیں جو حاضر نہیں ہیں۔"

(۳)

حضرت ابو شریحؓ کا قبیلہ مرالظہران اور اس کے قرب جوار میں آباد تھا، لیکن وہ سعادت اندوز اسلام ہونے کے کچھ عرصہ بعد مدینہ چلے آئے — اور یہیں مستقل اقامت اختیار کرلی —— اپنے قبیلہ میں تو ان کو حکمت و دانش کے اعتبار سے سب سے بڑا آدمی مانا ہی جاتا تھا۔ مدینہ آئے تو اہل مدینہ بھی ان کی اصابتِ رائے اور فراست کے معترف ہو گئے۔

حافظ ابن عبدالبرؒ کا بیان ہے کہ حضرت ابو شریحؓ کا شمار عقلائے مدینہ میں ہوتا تھا۔ (الاستیعاب جلد ۲ ص ۱۶۷)

نہایت نیک دل اور ہمدرد خلائق انسان تھے۔ فرمایا کرتے تھے کہ اگر تم دیکھو کہ میں اپنے ہمسایہ کو اپنے مکان کی دیوار میں کھونٹی گاڑنے سے روکتا ہوں تو مجھے پاگل سمجھو اور داغ کر میرا علاج کرو۔ (اُس زمانے میں جنون کا علاج داغ کر کیا جاتا تھا۔)

انہوں نے لوگوں کو اذنِ عام دے رکھا تھا کہ میرا گھی دودھ بھیڑ بکری سب کے لیے حلال ہے جس کو مل جائے کسی تکلف کے بغیر اس کو کھا پی سکتا ہے۔

نہایت حق گو تھے اور حق بات کہنے میں کسی بڑے سے بڑے حاکم کی پروا نہیں کرتے تھے۔ جس زمانے میں عمرو بن سعید بن العاص، یزید بن معاویہؓ کی طرف

سے مدینہ کا حاکم تھا اور اس کے حکم سے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے خلاف مکہ پر چڑھائی کرنے کے لیے لشکر روانہ کر رہا تھا۔ حضرت ابو شریحؓ اس کے پاس گئے اور فرمایا:

"اے امیر! مجھے اجازت دیجیے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک فرمان بیان کروں جو آپؐ نے فتح مکہ کے اگلے دن ارشاد فرمایا تھا، میں نے اپنے کانوں سے آپ کا وہ فرمان سنا تھا اور میرے ذہن نے اس کو یاد کر لیا تھا اور جس وقت آپؐ وہ فرمان صادر فرما رہے تھے میری آنکھیں آپؐ کو دیکھ رہی تھیں۔ آپؐ نے پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کی اس کے بعد فرمایا تھا کہ مکہ اور اس کے ماحول کو اللہ نے حرم قرار دیا ہے اس کی حرمت کا فیصلہ انسانوں نے نہیں کیا ہے۔ اس لیے جو آدمی اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو اس کے لیے حرام ہے کہ وہ یہاں خونریزی کرے بلکہ یہاں کے درختوں کو کاٹنا بھی منع ہے۔ اور اگر کوئی شخص میرے قتال کو سند بنا کر اپنے لیے اس کا جواز نکالے تو اس سے کہو کہ اللہ نے اپنے رسول کو اجازت دی تھی تجھے اجازت نہیں دی ہے اور مجھے بھی اللہ نے ایک دن کے تھوڑے سے وقت کے لیے عارضی اور وقتی طور پر اجازت دی تھی اور اس وقت کے ختم ہونے کے بعد وہ حرمت لوٹ آئی اور اب قیامت تک کسی کے لیے اس کا جواز نہیں ہے۔ اس کے ساتھ آپؐ نے یہ بھی فرمایا تھا کہ جو لوگ یہاں موجود ہیں اور جنھوں نے میری یہ بات سنی ہے وہ دوسرے لوگوں تک یہ بات پہنچا دیں (اس لیے اے امیر) میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی تعمیل میں آپؐ کا یہ فرمان تم کو پہنچا رہا ہوں۔"

عمرو بن سعید نے کہا: "اے ابو شریح! میں یہ باتیں آپ سے زیادہ جانتا ہوں۔ حرم کسی نافرمان کو یا ایسے آدمی کو جو کسی کا ناحق خون کر کے یا

نقصان کر کے بھاگ گیا ہو پناہ نہیں دیتا۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

عمرو بن سعید کی بات سن کر حضرت ابو شُریح ؓ نے فرمایا:

"فتح مکہ کے (دوسرے) دن جب رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے یہ بات فرمائی تھی میں اس وقت وہاں حاضر اور موجود تھا اور تم وہاں نہیں تھے اور رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ہمیں حکم دیا تھا کہ جو یہاں موجود ہیں وہ میری بات ان لوگوں کو پہنچا دیں جو یہاں حاضر نہیں ہیں۔ میں نے اس حکم نبوی کی تعمیل کر دی اور تم کو آپ کا فرمان پہنچا دیا۔ (مسند احمد) [1]

(۴)

حضرت ابو شُریح نے عبد الملک بن مروان کے عہدِ خلافت میں ۶۸ھ میں وفات پائی۔ ان سے بیس حدیثیں مروی ہیں ان میں سے دو صحیح بخاری اور

---

[1] مولوی شاہ معین الدین احمد ندوی مرحوم نے "سیر الصحابہ" جلد ہفتم میں اُسد الغابہ لابن اثیر کے حوالے سے لکھا ہے کہ اسی قسم کا واقعہ عمرو بن زبیرؓ اور حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ کے اختلافات کے زمانے میں بھی پیش آیا۔ وہ لکھتے ہیں:

"عمرو بن زبیرؓ اور عبد اللہ بن زبیرؓ دونوں بھائیوں کے اختلافات کے زمانہ میں جب عمرو نے مکہ پر چڑھائی کی تو ابو شُریح ؓ نے عمرو کو آنحضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے تحریمِ حرم کے حجۃ الوداع والے خطبہ کا حوالہ دے کر روکا۔ عمرو نے کہا:

"بڑے میاں آپ جائیے میں آپ سے زیادہ حرم کی حرمت سے واقف ہوں۔ حرم خونریزی کرنے والوں، باغیوں اور جزیہ روکنے والوں کو پناہ نہیں دیتا۔" (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

صحیح مسلم دونوں میں موجود ہیں۔ ایک میں بخاریؒ اور ایک میں مسلمؒ منفرد ہیں۔ ان کے رواۃِ حدیث میں ابو سعید مقبریؒ اور نافع بن جبیرؒ وغیرہ شامل ہیں۔ بطور تبرک ہم یہاں تین حدیثیں درج کرتے ہیں جو حضرت ابو شریحؓ سے مروی ہیں:

حضرت ابو شریحؓ سے روایت ہے کہ:

① رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے اللہ تو گواہ رہ کہ میں لوگوں کو بتا چکا ہوں اور اچھی طرح ڈرا چکا ہوں کہ دو کمزور یعنی یتیم اور عورت کے حقوق کو ضائع کرنا سخت گناہ ہے۔ (صحیح بخاری)

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)۔ ابو شریحؓ نے کہا:

"میں تحریمِ حرم کے خطبہ کے وقت موجود تھا اور تم نہ تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ جو لوگ موجود ہیں وہ ان لوگوں کو جو موجود نہیں ہیں، خبر کردیں اس لیے میں نے تم کو خبر کردی آئندہ تمہیں اختیار ہے۔" (اُسُد الغابہ جلد ۵ ص ۲۲۹)

جہاں تک حوالے کا تعلق ہے یہ تو صحیح ہے اور یہ بھی درست ہے کہ عمرو بن زبیرؓ اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے درمیان اختلافات تھے لیکن یہ بات کسی مستند روایت سے ثابت نہیں ہوتی کہ عمرو بن زبیرؓ نے مکہ پر باقاعدہ لشکرکشی کی تھی۔ ہاں انہوں نے بنو اُمیہ کی اطاعت قبول کرلی تھی اور بعض روایات کے مطابق ولید بن عتبہ حاکمِ مدینہ کی طرف سے ایک سفارت لے کر اپنے بڑے بھائی حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے پاس گئے تھے۔ حضرت عبداللہؓ نے ان کو یزید کی اطاعت اور اُن (عبداللہؓ) کے خلاف سازش میں شریک ہونے کے جرم میں پکڑ کر قتل کرا ڈالا تھا۔

معلوم ہوتا ہے ابن اثیرؒ کو کسی وجہ سے التباس ہوا۔ اصل واقعہ وہی ہے جو عمرو بن سعید کی امارتِ مدینہ کے زمانہ میں پیش آیا۔ یہ واقعہ خود حضرت ابو شریحؓ کی زبانی صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں منقول ہے۔

(۲) میں نے اپنے کانوں سے رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا یہ ارشاد سُنا اور جس وقت آپ یہ فرما رہے تھے اس وقت میری آنکھیں آپؐ کو دیکھ رہی تھیں۔ آپ نے فرمایا، جو شخص اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو اس کے لیے لازم ہے کہ اپنے پڑوسی کے ساتھ اکرام کا معاملہ کرے اور جو اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو اسے لازم ہے کہ اپنے مہمان کا اکرام کرے اور جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو اسے لازم ہے کہ اچھی بات بولے یا پھر چپ رہے۔

(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(۳) رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا: قسم اللہ تعالیٰ کی وہ مومن نہیں، قسم اللہ تعالیٰ کی وہ مومن نہیں، قسم اللہ تعالیٰ کی وہ مومن نہیں۔
میں نے کہا، یا رسول اللہ کون مومن نہیں؟
آپؐ نے فرمایا وہ آدمی جس کے پڑوسی اس کی شرارتوں اور آفتوں سے خائف رہتے ہوں۔ (صحیح بخاری)

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت صفوانؓ بن مُعطّل سُلَمی

①

ہجرتِ نبوی کے چند سال بعد کا ذکر ہے کہ سرورِ عالم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے ایک جاں نثار آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا :-

" یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں میں ایک بات آپ سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ آپ اسے جانتے ہیں اور میں اسے نہیں جانتا۔"

حضورؐ نے فرمایا : " پوچھو وہ کیا بات ہے ؟ "

انہوں نے عرض کیا : " کیا دن رات میں کوئی وقت ایسا بھی ہے جس میں نماز مکروہ ہو۔"

ارشاد ہُوا :- " ہاں جب تم فجر کی نماز پڑھ چکو تو نماز ترک کر دو۔ یہاں تک کہ آفتاب نکل آئے (ایک نیزہ تک بلند ہو جائے) پھر (پورے) طلوعِ آفتاب (ٹھیک دوپہر کے وقت) نماز ترک کر دو۔ یہ وہ وقت ہے کہ اس میں جہنم بھڑکائی جاتی ہے .... اور آفتاب جب سمت الراس سے ہٹ جائے تو نماز پڑھو قبول ہوگی۔ یہاں تک کہ عصر کی نماز پڑھ لو اس کے بعد (آفتاب متغیر ہو جانے سے) غروبِ آفتاب تک نماز نہ پڑھو۔"

یہ صاحب رسول جن کو دینی معلومات کی اس قدر تلاش و جستجو رہتی تھی کہ براہِ راست مہبطِ وحی و رسالت صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے مسائل پوچھ لیتے تھے، حضرت صفوانؓ بن مُعطّل تھے۔

۲

سیدنا حضرت صفوانؓ بن مُعَطَّل کا تعلق عرب کے مشہور قبیلے بنو سُلیم سے تھا۔ نسب نامہ یہ ہے :

صفوانؓ بن مُعَطَّل بن ربیضہ بن خزاعی بن محارب بن مرہ بن فالج بن ذکوان بن ثعلبہ بن سُلَیم بن منصور سلمی۔

ان کی کنیت ابو عمر تھی۔

حضرت صفوانؓ کا شمار اُس دَور کے دلاوران صف شکن میں ہوتا تھا وہ اپنے قبیلے کے شرفاء میں سے تھے اور شعر و شاعری میں بھی درک رکھتے تھے۔ شعبان ۵ سنہ ہجری سے کچھ عرصہ پہلے مشرف بہ اسلام ہوئے اور پھر سب سے پہلے غزوۂ بنو مُصطَلِق (یا غزوۂ مُرَیسیع) میں شریک ہوئے۔ حضورؐ نے ان کو فوج کے پچھلے حصے (ساقہ) میں اس خدمت پر مامور فرمایا کہ وہ فوج کے بھولے بھٹکے آدمیوں اور گری پڑی ہوئی چیزوں کو ساتھ لے لیں۔ سفر میں اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی حضورؐ کے ہمراہ تھیں۔ راستے میں ایک جگہ رات کو قافلے نے پڑاؤ ڈالا۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ رفع حاجت کے لیے پڑاؤ سے دور نکل گئیں وہاں ان کے گلے کا ہار جو وہ اپنی بڑی بہن حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مانگ کر لائی تھیں۔ بے خبری کے عالم میں گر گیا۔ واپسی پر پتہ چلا تو بہت مضطرب ہوئیں پھر اسی سمت واپس گئیں۔ خیال تھا کہ قافلے کے چلنے سے پہلے ہار ڈھونڈ کر واپس پہنچ جائیں گی لیکن جب ہار ڈھونڈ کر پڑاؤ پر پہنچیں تو قافلہ کوچ کر چکا تھا بہت گھبرائیں۔ ناتجربہ کاری کی عمر تھی، چادر اوڑھ کر وہیں لیٹ گئیں۔ حضرت صفوانؓ بن مُعَطَّل اپنے فرائض کی انجام دہی کے لیے قافلے سے پیچھے رہ گئے تھے۔ انہوں نے اُمّ المؤمنین سے پیچھے رہ جانے کا سبب پوچھا، (ابھی حکم حجاب نازل نہیں ہوا تھا) جب واقعہ معلوم ہوا تو ہمدردی کا اظہار کیا پھر ان کو اونٹ پر

بٹھا کر عجلت سے قافلے کی طرف روانہ ہوئے اور دوپہر کے وقت قافلہ سے جا ملے۔ رأس المنافقین عبداللہ بن اُبَیّ کو اس واقعہ کا پتہ چلا تو اس نے اُمّ المؤمنینؓ کے متعلق مشہور کر دیا کہ وہ اب باعصمت نہیں رہیں (معاذ اللہ) دوسرے منافقین نے بھی اس کا ساتھ دیا اور چند سادہ لوح مسلمان بھی غلط فہمی میں مبتلا ہو گئے۔ سرورِ عالم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو بھی تشویش پیدا ہوئی۔ بے گناہ اُمّ المؤمنین ناحق کی بدنامی کے صدمے سے بیمار ہو گئیں۔ آخر ایک ماہ بعد غیرتِ الٰہی جوش میں آئی اور یہ آیت نازل ہوئی:

لَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بِاَنْفُسِهِمْ خَيْرًا وَّقَالُوْا هٰذَآ اِفْكٌ مُّبِيْنٌ (سورۂ نور)

یعنی (جب تم نے یہ سنا تو مومن مردوں اور عورتوں کی نسبت نیک گمان کیوں نہیں کیا اور کیوں نہ کہا کہ یہ صریح تہمت ہے)

اللہ تعالیٰ نے حضرت عائشہ صدیقہؓ کی پاک دامنی کی خود تصدیق کی تو سب مؤمنین کو بے حد خوشی ہوئی۔ سرورِ عالم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے اس موقع پر حضرت صفوانؓ بن مُعَطَّل کے بارے میں فرمایا:

"میں ان میں اچھائی کے سوا کچھ نہیں جانتا۔"

جو سچے مسلمان منافقین کی باتوں پر یقین کر بیٹھے تھے ان میں حضرت حسانؓ بن ثابت انصاری (شاعرِ دربارِ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم) بھی تھے۔ چونکہ یہ اُمّ المؤمنینؓ کا معاملہ تھا اس لیے حضرت صفوانؓ بن مُعَطَّل کو اُن کے رویّہ سے سخت اذیت پہنچی۔ چنانچہ آیۂ براءت کے نزول کے بعد جب حضرت حسانؓ بن ثابت ان کے سامنے آئے تو انھوں نے جوشِ حمیت میں یہ شعر پڑھتے ہوئے ان پر تلوار چلا دی۔

تلق ذباب السیف منی فاننی	غلام اذا ھوجیت لست بشاعر
ولکننی احمی حمای واشتفی	من الباھت الرامی البوار الطواھر

یعنی تلوار کی باڑ کا مزہ مجھ سے پاؤ گے جب مجھے ہیجان میں لاؤ گے،

کیونکہ میں ایک نوجوان ہوں، شاعر نہیں ہوں۔ ہاں میں اپنی عزت بچاتا
ہوں اور بہتان باندھنے والے اور پاک صاف لوگوں پر عیب لگانے
والے سے نجات حاصل کرلیتا ہوں۔

حضرت حسانؓ بن ثابت زخمی ہوگئے لیکن ان کی جان بچ گئی۔ انہوں نے بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوکر حضرت صفوانؓ کے خلاف شکایت کی۔ چونکہ حضورؐ غلط فہمی میں مبتلا ہونے والے مسلمانوں پر اجرائے حد کے بعد ان کو معاف فرما چکے تھے۔ اس لیے آپؐ نے حضرت حسانؓ بن ثابت کو تلوار کی ضرب کے بدلے میں کھجور کا ایک باغ عنایت فرمایا (یا دلوایا)۔

(۲)

سنہ ۶ ہجری میں سریہ عرنیین پیش آیا حضرت صفوانؓ بن معطل نے اس میں سرگرم حصہ لیا۔ ہوا یوں کہ بنو عرینہ اور بنو عکل کے آٹھ آدمی مدینہ آئے اور اسلام قبول کرکے مدینہ ہی میں مقیم ہوگئے۔ یہاں کی آب وہوا ان کو موافق نہ آئی اور بقول بعض وہ استسقاء (پیٹ میں پانی بھر جانے) کے مرض میں مبتلا ہوگئے۔ حضورؐ کو خبر ہوئی تو آپؐ نے انہیں قباء کے قریب ایک مقام ذی الجدر جانے کی ہدایت فرمائی جہاں آپؐ کے اونٹ چرا کرتے تھے۔ آپؐ کا مقصد یہ تھا کہ ایک تو ان کی آب وہوا تبدیل ہوجائے گی اور دوسرے وہ اونٹنیوں کا دودھ پی کر توانا ہوجائیں گے۔ اونٹوں کے نگران حضرت حضرت یسار نوبیؓ نے ان نومسلم بدویوں کی بڑی خاطر تواضع کی اور انہیں اونٹنیوں کا دودھ خوب خوب پلایا یہاں تک کہ چند دنوں کے اندر اندر وہ خوب تندرست و توانا ہوگئے۔ یہ لوگ نہایت بدفطرت اور کمینے تھے۔ تندرست ہونے کے بعد انہوں نے شرارت پر کمر باندھی اور حضورؐ کے پندرہ اونٹ لے کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ حضرت یسار نوبیؓ نے ان کا تعاقب کیا۔ ان بدبختوں نے انہیں پکڑ کر ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ ڈالے پھر ان کی

آنکھوں اور زبان میں کانٹے چبھو دیئے۔ اس صدمہ سے وہ شہید ہو گئے۔
سرورِ عالم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو اس سانحہ کا علم ہوا تو آپؐ نے حضرت کرزؓ بن جابر فہری کو بیس سوار دے کر ان ظالموں کے تعاقب میں روانہ کیا۔ ان سواروں میں حضرت صفوانؓ بن معطّل بھی شامل تھے۔ ان اصحاب نے برق رفتاری سے ان غداروں کا پیچھا کیا اور ان سب کو گرفتار کر کے غابہ لے آئے جہاں اس وقت حضورؐ تشریف فرما تھے۔ چونکہ ان لوگوں نے نہایت گھناؤنے جرم کا ارتکاب کیا تھا اس لیے کسی رحم کے مستحق نہ تھے۔ حضورؐ نے حکم دیا کہ جس طرح ان شقی القلب درندوں نے بے گناہ یسارؓ کے ہاتھ پاؤں کاٹے اور ان کی آنکھوں میں کانٹے چبھوئے اسی طرح ان کے ہاتھ پاؤں کاٹے جائیں اور ان کی آنکھوں میں سلائی پھیری جائے۔ حضورؐ کے حکم کی تعمیل کی گئی اور پھر ان کی لاشوں کو حرّہ میں ڈال دیا گیا۔

(۴)

علامہ ابن اثیرؒ نے "اُسدُ الغابہ" میں واقدیؒ کے حوالے سے لکھا ہے کہ غزوۂ بنو مصطلق اور اس کے بعد عہدِ رسالت میں جتنے غزوات پیش آئے حضرت صفوانؓ ان سب میں شریک تھے گویا ان کو غزوہ بنو مصطلق کے علاوہ خندق، خیبر، فتح مکہ، حنین اور تبوک کے غزوات میں بھی سرورِ عالم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی ہمرکابی کا شرف حاصل ہوا اور بیعتِ رضوان کی عظیم سعادت بھی نصیب ہوئی۔
امام مالکؒ نے "موطا" میں لکھا ہے کہ حضرت صفوانؓ کی اہلیہ بڑی نیک بخت خاتون تھیں۔ ان کو بھی شرف صحابیت حاصل تھا اور وہ عبادتِ الٰہی سے بے انتہا شغف رکھتی تھیں۔ ایک دن انہوں نے بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر عرض کی:
"یا رسول اللہ! میرے شوہر صفوان بن معطّل نماز پڑھنے کی بناء

پر مجھ پر سختی کرتے ہیں۔ جب میں روزہ رکھتی ہوں تو میرا روزہ
تڑوا دیتے ہیں اور خود دن چڑھے نماز پڑھتے ہیں۔"

اس وقت مجلسِ نبوی میں حضرت صفوانؓ بھی موجود تھے حضورؐ نے
ان سے حقیقتِ حال دریافت کی تو انہوں نے عرض کیا:

"یا رسول اللہؐ! یہ نماز میں لمبی لمبی سورتیں پڑھتی ہیں اور میں انہیں
اس سے منع کرتا ہوں۔"

حضورؐ نے فرمایا: "ایک سورۃ پڑھنا بھی کافی ہے۔"

حضرت صفوانؓ نے پھر عرض کیا: "یا رسول اللہ یہ کہتی ہیں کہ میں
ان کا روزہ تڑوا دیتا ہوں تو اس کی حقیقت یہ ہے کہ جب یہ نفلی روزے رکھنے
پر آتی ہیں تو رکھے ہی چلی جاتی ہیں۔ میرے لیے یہ بات تکلیف کا باعث بن
جاتی ہے۔"

حضورؐ نے فرمایا: "ہاں کسی عورت کو شوہر کی اجازت کے بغیر اس
طرح نفلی روزے نہیں رکھنے چاہئیں۔"

حضرت صفوانؓ پھر عرض پیرا ہوئے:

"یا رسول اللہؐ! میرے دن چڑھے نماز پڑھنے کی بات درست
ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ ہم محنت مزدوری کرنے والے لوگ
ہیں اور ہمارے خاندان کے لوگوں میں یہ عادت مدت سے چلی آتی
ہے کہ وہ سورج نکلنے سے پہلے نہیں اٹھتے۔"

حضورؐ نے فرمایا: "اچھا صفوان جب اٹھو تو نماز ضرور پڑھ لیا کرو۔"

حضرت صفوانؓ کے سالِ وفات کے بارے میں اربابِ سیر میں سخت
اختلاف ہے۔ بعض نے لکھا ہے کہ وہ حضرت عمر فاروقؓ کے عہدِ خلافت
۱۹ھ ہجری میں آرمینیہ پر فوج کشی کرنے والے لشکر میں شامل تھے اس سلسلے
میں جو معرکہ پیش آیا اسی میں شہید ہو گئے۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ ان کی وفات

ایک جزیرے میں ہوئی جو شمشاط کے قریب ہے اور وہیں، مدفون ہُوئے۔

بعض کا بیان ہے کہ وہ امیر معاویہؓ کے زمانہ تک حیات تھے اور انہوں نے رومیوں کے خلاف متعدد معرکوں میں دادِ شجاعت دی۔ ایسے ہی ایک معرکے میں ان کی ران کی ہڈی ٹوٹ گئی مگر وہ برابر تلوار چلاتے رہے یہاں تک کہ شہید ہو گئے۔ یہ ۵۸ھ ہجری کا واقعہ ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

حضرت صفوانؓ بن مُعطّل کو فضل و کمال کے اعتبار سے بلند مقام حاصل تھا لیکن حدیثیں بیان کرنے میں وہ بے حد محتاط تھے، اس لیے کُتبِ حدیث میں ان سے مروی بہت کم حدیثیں ملتی ہیں۔

علامہ ابن اثیرؒ لکھتے ہیں کہ صفوانؓ بڑے شجاع، نیک اور برگزیدہ آدمی تھے۔ اگرچہ اس زمانے کے اکثر شُرفاء کی طرح وہ شاعر بھی تھے لیکن بالعموم شعر گوئی سے اجتناب کرتے تھے ہاں کسی خاص موقع پر کوئی شعر موزوں ہو جاتا تو پڑھ دیتے تھے۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت عداءؓ بن خالدؓ عامری

۱

غزوۂ حُنین (۸ھ) کے کچھ عرصہ بعد ایک دن ایک بوڑھے آدمی دو نوجوانوں کے ساتھ بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا:

"یا رسول اللہ! میرا نام خالد بن ہوذہ ہے اور یہ دونوں نوجوان میرے بیٹے ہیں ہم تینوں نعمتِ اسلام سے بہرہ یاب ہونے کے لیے حاضر ہوئے ہیں۔"

سرورِ عالم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے ان تینوں کو کلمۂ شہادت پڑھایا اور اپنی بیعت سے سرفراز فرمایا۔ ان اصحاب کے قبولِ اسلام پر آپؐ اس قدر خوش ہوئے کہ "بدیل بسر" کے نام اپنے ایک مکتوبِ گرامی میں بطورِ خاص ان کے قبولِ اسلام کا ذکر اس طرح فرمایا:۔

"حمد و ثنا کے بعد واضح ہو کہ علقمہ بن علاثہ اور ابناء ہوذہ اسلام لے آئے ہیں۔"

یہ خوش بخت اصحاب جن کے اسلام کی شہادت خود سید المرسلین والانبیاء نے تحریری صورت میں دی، حضرت خالدؓ بن ہوذہ اور ان کے دونوں بیٹے عداءؓ بن خالدؓ اور عمروؓ بن خالدؓ تھے ان تینوں میں سے حضرت عداء بن خالدؓ نے بہت طویل عمر پائی اور تاریخ میں خاصی شہرت حاصل کی۔

۲

حضرت عداء بن خالدؓ کا تعلق بنو عامر بن صعصعہ سے تھا سلسلۂ نسب

علامہ ابن اثیرؒ نے اس طرح لکھا ہے:

عداءؓ بن خالدؓ بن ہوزہ بن ربیعہ بن عمرو بن عامر بن صعصعۃ بن معاویہ بن بکر بن ہوازن۔ (اُسد الغابہ)

مگر حافظ ابن حجرؒ نے ابن الکلبی کے حوالہ سے ان کا نسب نامہ اس طرح لکھا ہے:

عداءؓ بن خالدؓ بن ہوزہ بن خالد بن عمرو بن عامر بن صعصعۃ العامری

(الاصابہ)

بیشتر ارباب سیر کا بیان ہے کہ بنو عامر بن صعصعہ کا ایک وفد جو تیرہ آدمیوں پر مشتمل تھا، ۹ھ ہجری میں بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا لیکن حافظ ابن حجرؒ نے "الاصابہ" میں جو روایت درج کی ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت عداءؓ جس وفد میں مدینہ آئے وہ صرف تین آدمیوں پر مشتمل تھا ایک وہ خود دوسرے ان کے والد خالدؓ بن ہوزہ اور تیسرے ان کے بھائی عمرو بن خالدؓ۔ اس وفد کے تینوں ارکان بنو عامر بن صعصعہ کے تیرہ رکنی وفد کی آمد سے پہلے ہی بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر شرف اسلام سے بہرہ ور ہو گئے۔

حضرت عداءؓ غزوۂ حنین میں مشرکین ہوازن کے ساتھ تھے۔ اس سلسلے علامہ ابن اثیرؒ نے ان کا یہ قول نقل کیا ہے:

قَاتَلْنَا رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَوْمَ حُنَیْنٍ فَلَمْ یُظْہِرْنَا اللّٰہُ وَلَمْ یَنْصُرْنَا۔

(حنین کے دن ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے لڑے لیکن اللہ نے نہ ہماری مدد کی اور نہ ہمیں غلبہ عطا کیا۔)

قبول اسلام کے بعد حضرت عداءؓ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک غلام یا لونڈی کا سودا کیا تھا۔ اس سودے میں حضرت عداءؓ مشتری (خریدار) تھے یا بائع (بیچنے والے) اس کے بارے میں اختلاف ہے۔ جمہور محدثین کی رائے یہ

ہے کہ وہ خریدار تھے اور اپنی خریداری کا بڑے فخر سے تذکرہ کیا کرتے تھے۔ اس سلسلے میں رسولِ اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا تحریر کرایا ہوا ایک معاہدہ بھی ان کے پاس موجود تھا۔

حضورؐ نے حضرت عداءؓ کو ایک جاگیر بھی عطا فرمائی تھی اور اس کے لیے ان کو ایک تحریری فرمان مرحمت فرمایا جس کا متن یہ ہے:

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

ھٰذَا مَا اَعْطٰی مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ (صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم) الْعَدَّاءَ بْنَ خَالِدٍ وَبَنُوْ رَبِیْعَۃَ مِنْ عَامِرِ عِکْرِمَۃَ اَعْطَاھُمْ مَا بَیْنَ الْمُضَیَاعَۃِ اِلَی الزَّجِّ وَلَوَاثَۃ (وَکَتَبَ خَالِدُ بْنُ سَعِیْدٍ)

(یہ وہ عطیہ ہے جو محمد رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے عداء بن خالد اور بنو ربیعہ کو جو عامر عکرمہ سے ہیں، آپؐ نے ان کو مضیاعہ[1] سے لے کر زج[2] اور لواثہ تک عطا فرمایا۔ (کاتب خالد بن سعید)

۱۰ سنہ ہجری میں حضرت عداءؓ نے حجۃ الوداع میں سرورِ عالم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی ہمرکابی کا شرف حاصل کیا۔

۳

سرورِ عالم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے وصال کے بعد حضرت عداءؓ طویل عرصہ تک حیات رہے۔ وہ حضورؐ کی عطا کردہ جاگیر ہی میں رہتے تھے۔ جس زمانے میں بہت بوڑھے ہو گئے تھے، عبدالمجید بن وہبؒ (تابعی) اور حجر بن ابو نصرؒ (تابعی)

---

[1] بعض روایتوں میں صباعہ اور مصباعہ مرقوم ہے۔
[2] زج پانی کا ایک چشمہ تھا۔ بعض روایتوں میں اس کا نام زجج اور زخ بھی آیا ہے۔

ان کے علاقے کے قریب سے گزرے تو معلوم ہوا کہ یہاں ایک بزرگ رہتے ہیں جن کو رسول اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا شرف صحبت حاصل ہے۔ دونوں حضرت عداءؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے پوچھا، کیا آپؓ نے رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو دیکھا ہے۔ انہوں نے کہا، ہاں۔ حضورؐ نے پانی کا یہ چشمہ مجھے عطا فرمایا تھا۔ اس کا فرمان میرے پاس موجود ہے۔ چنانچہ انہوں نے دونوں کو حضورؐ کا فرمان دکھایا جو چمڑے پر لکھا ہوا تھا۔ (ابن سعدؒ)

ابن ماجہ اور ترمذی میں عبدالمجید بن الوہبؒ سے روایت ہے کہ عداءؓ بن خالدؓ نے مجھ سے کہا، کیا میں تم کو وہ مکتوب نہ سناؤں جو رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے میرے لیے تحریر کرایا تھا۔ میں نے کہا، ضرور تو انہوں نے ایک مکتوب نکالا جس میں تحریر تھا، یہ وہ سودا ہے جو عداء بن خالد بن ہوذہ نے رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے کیا غلام (یا لونڈی) کی بابت جس میں نہ کوئی مرض ہے نہ کوئی عیب نہ خرابی۔ مسلمان کا سودا مسلمان سے ہے۔

حضرت عداءؓ بن خالدؓ نے سو سال سے زیادہ عمر پا کر ۱۰۱ھ ہجری کے بعد کسی وقت وفات پائی۔

کتب حدیث میں حضرت عداءؓ سے مروی کچھ احادیث موجود ہیں ان کو عبدالمجید بن الوہبؒ، ابو رجاء عطاردیؒ اور عبدالکریم عقیلیؒ وغیرہ نے روایت کیا ہے۔

حضرت زیدؓ بن خالد جُہَنی

①

سیدنا حضرت زیدؓ بن خالد جُہَنی کا شمار سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے نہایت مُخلص جاں نثاروں میں ہوتا ہے۔ ان کا وطن تو مدینہ منوّرہ سے کافی دور تھا اور وہ وہاں ہنسی خوشی زندگی گزار رہے تھے لیکن جب توحید کا پیغام ان تک پہنچا تو انہوں نے اسے بلا تامل قبول کر لیا اور پھر برضا و رغبت اپنا گھر بار چھوڑ کر مدینہ منوّرہ میں مستقل اقامت اختیار کر لی تاکہ ہر وقت رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت اور آپؐ کے فیضان سے بہرہ یاب ہونے کا موقع ملتا رہے۔

اربابِ سِیَر نے ان کا نسب نامہ بیان نہیں کیا صرف ان کے والد کا نام لکھا ہے اور بیان کیا ہے کہ وہ عرب کے مشہور قبیلہ بنو جُہینہ سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کی کنیت باختلافِ روایت ابوعبدالرحمٰن یا ابوذرعہ یا ابوطلحہ تھی۔

اربابِ سِیَر نے ان کے قبولِ اسلام کے زمانہ کی تصریح نہیں کی لیکن اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ وہ صلح حدیبیہ (ذیقعدہ سنہ ۶ ہجری) سے پہلے شرفِ اسلام سے بہرہ ور ہو چکے تھے۔ ہجرتِ نبوی کے وقت ان کی عمر کے بارے میں مختلف روایتیں ہیں۔ ایک روایت کے مطابق اس وقت ان کی عمر ۲۸ برس کی تھی اور دوسری روایتوں کے مطابق وہ اس وقت کم سن (سات آٹھ برس کی عمر کے) تھے۔ اگر ان کو اس وقت کم سن مانا جائے تو پھر یہ قیاس کرنا پڑے گا کہ وہ اپنے والد کے ساتھ مدینہ منوّرہ آئے ہوں گے لیکن حدیث اور سیرۃ کی کسی کتاب میں ان کے والد کا صحابی ہونا مذکور نہیں ہے اس لیے پہلی روایت صحیح معلوم

ہوتی ہے۔

(۲)

حضرت زیدؓ بن خالد کا نام سب سے پہلے صلح حدیبیہ کے موقع پر منظرِ عام پر آتا ہے۔ ذیقعدہ سنہ ہجری میں سرورِ عالم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے چودہ سو جاں نثاروں کے ہمراہ عمرہ کی نیت سے مکہ معظمہ کا عزم فرمایا تو حضرت زیدؓ بن خالد بھی آپؐ کے ہمرکاب تھے۔ راستے میں حضورؐ کو اطلاع ملی کہ مشرکین قریش نے مسلمانوں کو مکہ میں داخل ہونے سے روکنے کا ارادہ کر رکھا ہے اور مسلح سواروں کا ایک دستہ انہوں خالدؓ بن ولید کی سرکردگی میں مسلمانوں کی مزاحمت کے لیے بھیج بھی دیا ہے۔ چونکہ سرورِ عالم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا ارادہ لڑنے کا نہیں تھا اس لیے آپ راستہ بدل کر حدیبیہ پہنچ گئے، اور وہیں پڑاؤ ڈال دیا۔

حضرت زید بن خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ جن دنوں مسلمانوں نے حدیبیہ میں پڑاؤ ڈال رکھا تھا، ایک دن رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ہمیں صبح کی نماز پڑھائی جب کہ رات کو بارش ہو چکی تھی۔ نماز سے فارغ ہونے کے بعد آپؐ ہماری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا:

"تم جانتے ہو تمہارے پروردگار نے اس وقت کیا فرمایا ہے۔"

صحابہؓ نے عرض کیا "اللہ اور اللہ کا رسول خوب جانتے ہیں۔"

رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا:

"اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ میرے بندوں نے آج اس حال میں صبح کی کہ بعض مجھ پر ایمان لائے اور بعض نے کفر (میرا انکار) کیا جس شخص نے یہ کہا کہ ہم پر اللہ کے فضل و کرم سے بارش ہوئی وہ تو مجھ پر ایمان لایا اور ستاروں کے اثر کا منکر ہوا اور جس شخص نے یہ کہا کہ فلاں ستارہ کے طلوع ہونے اور فلاں ستارہ کے غروب ہونے سے بارش ہوئی ہے وہ کافر ہوا (یعنی میرا منکر ہوا اور ستاروں

پر ایمان لایا۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

حضورؐ نے حدیبیہ سے قریش کو پیغام بھیجا کہ ہمارا ارادہ لڑنے کا نہیں ہے ہم صرف بیت اللہ کی زیارت اور عمرہ کرنا چاہتے ہیں۔ لیکن مشرکین قریش اپنی بات پر بضد رہے کہ ہم مسلمانوں کو شہر میں داخل نہیں ہونے دیں گے۔ آخر حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے حضرت عثمان ذوالنّورینؓ کو اپنا سفیر بنا کر کفار سے گفت و شنید کے لیے بھیجا۔ انہوں نے ان کو مکّہ ہی میں روک لیا۔ ادھر مسلمانوں میں ان کی شہادت کی خبر مشہور ہو گئی۔ یہی خبر بیعتِ رضوان کی محرک ہوئی۔ سرورِ عالم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ایک درخت کے نیچے بیٹھ کر سب مسلمانوں سے اس بات پر بیعت لی کہ وہ عثمانؓ کے خون کا بدلہ لیے بغیر یہاں سے نہیں جائیں گے خواہ اس مقصد کے لیے انہیں اپنی جانیں قربان کرنی پڑیں۔ اس بیعت کو بارگاہِ الٰہی میں آتنا پسند کیا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ بیعت کرنے والے تمام مومنوں کو اپنے راضی ہونے کی بشارت دی ــــ حضرت زید بن خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ بھی ان خوش بخت صحابہؓ میں شامل تھے۔

رمضان ۸ھ ہجری میں حضرت زید بن خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کو ان دس ہزار قدوسیوں میں شامل ہونے کا شرف حاصل ہوا جن کے بارے میں سینکڑوں سال پہلے انجیل میں پیشگوئی کی گئی تھی کہ مکّہ میں داخل ہوتے وقت وہ حضورؐ کے ہمرکاب ہوں گے۔ ابن اثیرؒ کا بیان ہے کہ فتح مکّہ کے وقت قبیلہ جہینہ کا عَلَم حضرت زیدؓ بن خالد کے پاس تھا۔

اہلِ سِیَر نے تصریح تو نہیں کی لیکن قیاسِ غالب ہے کہ فتح مکّہ کے بعد حضرت زیدؓ بن خالد حنین، طائف اور تبوک کے غزوات میں بھی شریک ہوئے اور حجۃ الوداع میں بھی حضورؐ کے ہمرکاب تھے۔

حضرت زید بن خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ نے باختلافِ روایت ۵۰ھ یا ۷۲ھ میں وفات پائی۔ علم و فضل کے اعتبار سے ان کا پایہ بہت بلند تھا۔

ان سے ۸۱ حدیثیں مروی ہیں۔ ان کے رواۃِ حدیث میں ان کے دو بیٹوں خالدؒ و ابو حربؒ کے علاوہ حضرت عروہ بن زبیرؓ، حضرت ابو سلمہؒ، حضرت سعید بن مسیبؒ، اور حضرت عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ جیسے اکابر تابعین شامل ہیں۔ حضرت زید بن خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی چند احادیث یہاں درج کی جاتی ہیں:

حضرت زید بن خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ

(۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جس شخص نے کسی جہاد کرنے والے کا سامان درست کر دیا اس نے گویا جہاد ہی کیا اور جو شخص جہاد کرنے والے کے اہل و عیال کا خدمت گزار بنا اس نے گویا جہاد ہی کیا (یعنی ان دونوں کاموں کا ثواب جہاد کے برابر ہے) (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مرغ کو برا نہ کہو اس لیے کہ نماز کے لیے جگاتا ہے۔ (یعنی تہجد اور فجر کی نماز کے لیے)

(ابو داؤد)

(۳) میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو غیر شادی شدہ زانی کے لیے یہ حکم دیتے سنا ہے کہ اس کو سو کوڑے مارے جائیں اور ایک سال کے لیے جلا وطن کیا جائے۔

(۴) دو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لڑتے جھگڑتے آئے۔ ان میں سے ایک نے کہا، ہمارے درمیان کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ فرما دیجیے۔ دوسرے نے کہا، ہاں یا رسول اللہ ﷺ ہمارے درمیان کتاب اللہ کے موافق حکم کیجیے اور مجھ کو واقعہ عرض کرنے کی اجازت دیجیے۔ آپؐ نے فرمایا، بیان کرو۔ اس نے کہا، میرا بیٹا اس شخص کے ہاں مزدوری کرتا تھا اس نے اس کی بیوی سے بدکاری کی۔ لوگوں نے مجھ سے کہا کہ تیرے بیٹے کو سنگسار کیا جائے گا۔ میں نے اس کے بدلے میں سو بکریاں اور ایک لونڈی دے دی۔ پھر میں نے اہل علم سے مسئلہ پوچھا، انہوں نے کہا کہ تیرے بیٹے

کو سَو دُرّے لگائے جائیں گے اور ایک سال کے لیے جلا وطن کیا جائے گا اور سنگساری کی سزا اس عورت کو ملے گی اس لیے کہ وہ شادی شدہ ہے۔
رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے واقعہ سُن کر فرمایا، خبردار قسم ہے اُس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے میں تمہارے درمیان کتاب اللہ کے موافق فیصلہ کروں گا۔ تیری لونڈی اور تیری بکریاں تجھ کو واپس ملیں گی۔ اور تیرے بیٹے کو سَو کوڑوں کی سزا دی جائے گی اور ایک سال کے لیے جلا وطن کیا جائے گا۔ پھر حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا، اے اُنَیس! تو اس کی عورت کے پاس جا اگر وہ جرم کا اعتراف کرے تو اس کو سنگسار کر دے۔ عورت نے اقرار کیا اور انیسؓ نے اس کو سنگسار کر دیا۔
(مشکوٰۃ بحوالہ بخاری و مسلم)

⑤ ایک شخص رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی خدمت میں حاضر ہوا اور لُقطہ کی بابت پوچھا۔ آپؐ نے فرمایا، اس چیز کو جس میں وہ بندھی ہو اچھی طرح شناخت کر کے اور اس کے سربند کو بھی خوب اچھی طرح پہچان لے پھر ایک سال تک تو اس کا اعلان کر اگر اس کا مالک آجائے تو اس کو دے دے اور مالک نہ آئے تو اپنے خرچ میں لا۔ اس شخص نے پوچھا، گمشدہ بکری کے بارے میں کیا ارشاد ہے۔ فرمایا، وہ تیری ہے یا تیرے بھائی کی یا بھیڑیے کی۔ پھر اس نے گمشدہ اونٹ کی بابت پوچھا۔ آپؐ نے فرمایا، اونٹ سے تجھ کو کیا مطلب! اس کا پانی اس کے پاس ہے اور اس کے پاؤں اس کو پانی پر لے جاتے ہیں اور درخت وہ کھا لیتا ہے اور آخر اس کا مالک اس کو پا لیتا ہے۔
(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

⑥ رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا ہے جو شخص گم شدہ چیز کو اٹھا کر گھر میں رکھ لیتا ہے وہ گمراہ ہے جب تک کہ اس کا اعلان نہ کرے۔ (صحیح مسلم)

حضرت عیاض رضؓ بن غنم فہری

(۱)

اپنے مال کو دوسروں کی بھلائی کے لیے بے دریغ خرچ کرنا سخاوت ہے اور قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ جو لوگ ضرورت مندوں کے لیے دل کو تنگ کیے بغیر مال و دولت صَرف کرتے ہیں اور ان کی ضروریات کو اپنی ضروریات پر ترجیح دیتے ہیں وہی کامیاب ہیں۔ ایک حدیث میں ہے کہ جنت سخیوں کا گھر ہے۔ فی الحقیقت سخاوت ایک نہایت اعلیٰ درجہ کی انسانی صفت ہے اور یہ رسول اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی فطرت تھی۔ آپؐ کا سحاب کرم حاجت مندوں اور سائلوں پر ہر آن جھوم جھوم کر برستا رہتا تھا۔ حضورؐ کے صحابۂ کرامؓ کے لیے آپؐ کا اسوۂ حسنہ مشعلِ راہ تھا۔ وہ بھی نہایت فیّاض اور کشادہ دست تھے اور بعض کی سخاوت کی تو کوئی حد و نہایت نہیں تھی۔ ایسے ہی ایک صاحبِ رسولؐ کی یہ کیفیت تھی کہ اپنا توشہ لوگوں کو کھلا دیا کرتے تھے اور جب توشہ ختم ہو جاتا تھا تو اپنا اونٹ ذبح کر کے لوگوں کو کھلا دیتے تھے۔ ان کی اسی سخاوت کی وجہ سے وہ لوگوں میں زاد الرکب کے لقب سے مشہور ہو گئے تھے ـــــــ سیدِ کونین صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے یہ فدائی حضرت عیاضؓ بن غنم تھے۔ عام طور پر ان کا نام اسی طرح ضبطِ تحریر میں لایا جاتا ہے لیکن بعض اربابِ علم نے ان کا نام عیاض بن غُنم بھی تحریر کیا ہے۔ ان کا تعلق قریش کی شاخ بنو فہر سے تھا۔ نسب نامہ یہ ہے:

عیاضؓ بن غنم بن زہیر بن ابی شداد بن ربیعہ بن ہلال بن وہیب (یا اہیب) بن ضبہ بن حارث بن فہر۔

فہر پر ان کا سلسلہ نسب رسولِ اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے نسب نامہ سے مل جاتا ہے۔

ان کی کنیت باختلافِ روایت ابو سعد یا ابو سعید تھی۔

ایک روایت کے مطابق وہ امین الامتہ حضرت ابو عبیدہؓ بن الجرّاح کے سوتیلے بیٹے تھے یعنی ان کی ایک بیوی کے پہلے خاوند غنم کی صُلب سے تھے۔ یوں بھی وہ حضرت ابو عبیدہؓ کے یک جدّی تھے۔ ہلال پر ان کا نسب نامہ حضرت ابو عبیدہؓ کے نسب نامہ سے مل جاتا ہے۔

(۲)

علامہ ابنِ اثیرؒ کا بیان ہے کہ حضرت عیاضؓ بن غنم صلح حدیبیہ (ذیقعدہ سنہ ۶ ہجری) سے پہلے مشرف بہ اسلام ہوئے۔ حدیبیہ میں سرورِ عالم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے ہم رکاب تھے اور بیعتِ رضوان کا عظیم الشان شرف حاصل کرنے والوں میں سے تھے۔

اربابِ سیر نے یہ تصریح نہیں کی کہ حضرت عیاضؓ بن غنم عہدِ رسالت کے کن غزوات میں شریک ہوئے لیکن قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ صلح حدیبیہ کے بعد جو غزوات پیش آئے ان میں وہ ضرور شریک ہوئے ہوں گے۔ سرورِ عالم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے وصال کے بعد ان کا نام عہدِ فاروقی میں نمایاں طور پر منظرِ عام پر آتا ہے —— سیدنا حضرت ابو بکر صدیقؓ نے حضرت ابو عبیدہؓ بن الجرّاح کی قیادت میں ایک لشکر شام روانہ کیا تو حضرت عیاضؓ بن غنم اس لشکر میں شامل ہو کر شام چلے گئے اور رومیوں کے خلاف متعدد معرکوں میں دادِ شجاعت دی۔ حضرت عمرؓ فاروق مسندِ خلافت پر بیٹھے تو انہوں نے حضرت ابو عبیدہؓ کو تمام افواجِ شام کا سپہ سالارِ اعلیٰ و شام کا امیر مقرر کیا۔ بقولِ ابنِ اثیرؒ حضرت عیاضؓ شروع سے اخیر تک

حضرت ابو عبیدہؓ کے ساتھ رہے اور فوج کے ایک بہادر افسر کی حیثیت سے شہرت پائی۔ شام کی فتح کے معاً بعد طاعون عمواس کی وبا پھیلی اور حضرت ابو عبیدہؓ اس میں مبتلا ہوئے تو ایک روایت کے مطابق انہوں نے اپنی وفات سے پہلے حضرت عیاضؓ بن غنم کو اپنا جانشین نامزد کیا۔ امیرالمؤمنین حضرت عمر فاروقؓ نے ان کے نام ایک خط میں بدیں الفاظ ان کے تقرر کی توثیق کر دی۔

"میں تمہیں ان سارے علاقوں کا گورنر بناتا ہوں جو ابو عبیدہؓ کے زیر حکومت تھے۔ اپنے فرائض منصبی خوش اسلوبی سے انجام دیتے رہو۔" (طبقات ابن سعد لائڈن ۱۹۰۵ء جلد ۷ قسم ثانی ص ۱۲۲)

لیکن جمہور ارباب سیر کی رائے ہے کہ حضرت ابو عبیدہؓ نے وفات سے پہلے حضرت معاذؓ بن جبل انصاری کو اپنا جانشین مقرر کیا۔ ان کی وفات کے بعد امیرالمؤمنین حضرت عمر فاروقؓ نے حضرت یزیدؓ بن ابی سفیانؓ کو شام کا امیر مقرر کیا اور حضرت عیاضؓ بن غنم کو جزیرہ کی مہم پر مامور کیا۔ اس سلسلہ میں انہوں نے حضرت عیاضؓ کے نام یہ خط بھیجا:

"عبداللہ عمر امیرالمؤمنین کی طرف سے عیاض بن غنم کو سلام علیک۔ ہم نے تمہیں ہمیشہ مسلمانوں کی فلاح و بہبود اور مہموں کی قیادت میں تندہی سے مصروف عمل پایا ہے اور تم ہمیشہ مسلمانوں کو بھلائی کی طرف بلاتے رہے ہو، تمہارے اسلاف کا بھی یہی طریقہ تھا۔ میں تمہیں دنیا اور آخرت میں انعام الٰہی کی خوشخبری دیتا ہوں۔ تمہارا ظاہر و باطن جب اتنا اچھا ہے تو مجھے قوی امید ہے کہ دین و دنیا میں ہمیشہ کامیاب رہو گے اور تمہارا ذکر خیر باقی رہے گا۔ بزنطیوں نے جزیرہ (میسوپوٹیمیا) میں جو بڑی فوجیں جمع کی ہیں ان کی اطلاع تمہیں ملی ہوگی۔ میں چاہتا ہوں کہ ان کے مقابلہ کے لیے ایک فوج بھیجی جائے جو انہیں منتشر کر دے۔ اس فوج کا سپہ سالار

دلاور، ماہر جنگ، دانا اور خدا ترس آدمی ہونا چاہیے۔ میں نے اس معاملہ پر خوب غور کیا اور اکابر صحابہ سے مشورہ کیا تو سب کی متفقہ رائے یہی ٹھہری کہ اس مہم کو تمہارے سپرد کیا جائے۔ اس کے لیے تم سے بڑھ کر کوئی موزوں آدمی نہیں ــــ اس خط کو پڑھ کر یزید بن ابی سفیانؓ (سپہ سالار عساکر شام) سے جتنی فوج اس مہم کے لیے ضروری ہے، لے لو اور جزیرہ کی طرف روانہ ہو جاؤ۔ خوف خدا کو اپنا شعار بناؤ، اور ہر حال میں اللہ سے ڈرتے رہو جو تمہارے ظاہر اور باطن کو یکساں جانتا ہے۔ تمہارے سامنے جو مسائل پیش کیے جائیں ان کو کتاب اللہ کے مطابق طے کرو اور اگر قرآن حکیم میں کوئی حکم (ان کے بارے میں) نہ ملے تو سنت رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم اور سنت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف رجوع کرو۔ دشمن کی کثرت اور اپنی قلت سے دل چھوٹا مت کرو۔ اہل حق کی تعداد بہت سے معرکوں میں دشمنوں سے کم رہی ہے لیکن بالآخر فتح انہی کو نصیب ہوئی۔ تم نے سنا ہو گا کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے غزوہ احزاب کے موقع پر ہم سے فرمایا تھا کہ وہ دن جلد آنے والا ہے جب اللہ کسریٰ اور قیصر کے ملک تمہارے ہاتھوں فتح کرائے گا اور ان کی دولت تمہارے قبضے میں آئے گی۔ اے عیاض! تم نے دیکھ لیا کہ اللہ نے رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی پیش گوئی سچ کر دکھائی اور ہمیں کسریٰ اور قیصر کے ملکوں پر فتح دی، کفار اسیر و مغلوب ہوئے، ہماری بالادستی منظور کی اور جزیہ دینا قبول کیا۔ ان کا بادشاہ ہرقل شام سے قسطنطنیہ بھاگ گیا ہے۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کا نتیجہ ہے اور ہم پر اس کا شکر ادا کرنا واجب ہے۔ میں نے یزید بن ابی سفیانؓ کو بھی لکھ دیا ہے کہ جتنی فوج تم

مانگو، تمہیں دے دے۔ اللہ کا نام لے کر جزیرہ روانہ ہو جاؤ اور اس مہم کو سر کرنے کی تدبیروں میں مشغول ہو جاؤ۔"

("حضرت عمرؓ فاروق کے سرکاری خطوط" از خورشید احمد فارق)

(بحوالہ ابنِ اعثم صفحہ ۵۶)

(۴)

امیر المومنین کا خط ملتے ہی حضرت عیاضؓ بن غنم پانچ ہزار فوج ساتھ لے کر جزیرہ کی طرف بڑھے، پہلے وہاں کا مشہور شہر رقّہ فتح کیا (اہل شہر نے چنداں مزاحمت نہ کی اور جزیہ دینا منظور کر لیا) اس کے بعد انہوں نے جزیرہ کے ایک دوسرے اہم شہر رُہا پر بھی صلح کے ذریعے قبضہ کیا۔ اسی اثناء میں شام سے بسر بن ابی ارطاۃ دو ہزار سواروں کی کمک لے کر جزیرہ پہنچ گئے۔ انہوں نے حضرت عیاضؓ سے مالِ غنیمت کا حصہ مانگا لیکن حضرت عیاضؓ نے انہیں کچھ دینے سے انکار کر دیا اور کہا کہ تم اس وقت یہاں پہنچے ہو جب رقّہ اور رہا فتح ہو چکے تھے اس لیے مالِ غنیمت میں تمہارا کوئی حق نہیں ہے۔ اس پر بسر بن ابی ارطاۃ ناراض ہو کر واپس شام چلے گئے اور حضرت یزید بن ابی سفیانؓ کو سارا ماجرا بتایا۔ انہوں نے حضرت عمرؓ فاروقؓ کو ایک خط میں اس واقعہ کی تفصیل لکھ بھیجی۔ امیر المومنینؓ کو یہ خط ملا تو انہوں نے حضرت عیاضؓ کو لکھا کہ:

"مجھے معلوم ہوا ہے کہ یزید بن ابی سفیان نے بسر بن ابی ارطاۃ کو ایک فوج دے کر تمہارے پاس بھیجا تھا۔ مقصد یہ تھا کہ تمہاری عسکری قوت میں اضافہ ہو اور جب دشمن کو یہ معلوم ہو جائے کہ تمہارے پاس برابر کمک پہنچ رہی ہے تو اس کے حوصلے پست ہو جائیں۔ میں یہ نہیں سمجھ سکا کہ تم نے یہ کمک واپس

کیوں بھیج دی۔ مجھے تمام حالات تفصیل کے ساتھ لکھو۔"

(حضرت عمر فاروقؓ کے سرکاری خطوط بحوالہ ابن اعثم صفحہ ۵۸)

اس مکتوب کے جواب میں حضرت عیاضؓ نے تمام حالات تفصیل کے ساتھ لکھ بھیجے اور یہ وضاحت بھی کی کہ میں نے بسر سے یہ وعدہ کیا کہ کمکی فوج آنے کے بعد دشمن سے جو معرکے ہوں گے اور ان سے جو مالِ غنیمت ملے گا اس سے اس کو ضرور حصہ دیا جائے گا۔ لیکن بُسر نے اپنی بات پر اصرار جاری رکھا۔ اس سے مجھے ڈر پیدا ہوا کہ کہیں فوج میں پھوٹ نہ پڑ جائے۔ چنانچہ میں نے بُسر کو واپس جانے کا مشورہ دیا۔

امیر المؤمنینؓ حضرت عیاضؓ کا خط پڑھ کر مطمئن ہو گئے اور انہوں نے حضرت عیاضؓ کو ذیل کا خط لکھا:

"تمہارا خط ملا اور ان وجوہ کا علم ہوا جن کی بنا پر تم نے بُسر اور اس کی فوج کو شام لوٹا دیا تھا۔ تمہارا طرزِ عمل درست تھا۔ اللہ تعالیٰ اسلام اور مسلمانوں کی طرف سے تمہیں جزائے خیر دے۔ اللہ سے دعا ہے کہ جب تک عمرؓ زندہ ہے تم اپنے منصب پر قائم رہو اور جب اسے موت آئے تو وہ اپنے جانشین کو وصیت کرے کہ تمہیں اپنے منصب پر برقرار رکھے اور جب تک تم زندہ ہو تمہیں معزول نہ کرے، ہر طرح خوش رہو اور فوجی مہموں کی قیادت خوش اسلوبی سے کرتے رہو۔۔۔ والسلام۔"

(حضرت عمر فاروقؓ کے سرکاری خطوط" بحوالہ ابن اعثم ص ۵۶)

اس خط سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ کے نزدیک حضرت عیاضؓ کی بے حد قدر و منزلت تھی اور وہ ان کو بہت مانتے تھے۔

رقہ اور رہا کی تسخیر کے بعد حضرت عیاضؓ نے حران، نصیبین، میافارقین، آمد، ... شمشاط اور جزیرہ کے دوسرے تمام اہم مقامات بھی چند دنوں

کے اندر اندر فتح کر لیے۔ اس طرح تمام جزیرہ پر اِس سرے سے اُس سرے تک مسلمانوں کا استیلا ہو گیا۔ اب حضرت عمرؓ فاروقؓ نے حضرت عیاضؓ بن غنمؓ کو جزیرہ کا والی (گورنر) مقرر کر دیا[1]

(۴)

علامہ شبلی نعمانیؒ نے "الفاروق" میں "کتاب الخراج" کے حوالے سے حضرت عیاضؓ بن غنمؓ کی امارت مصر کے زمانے کا ایک عجیب واقعہ بیان کیا ہے وہ لکھتے ہیں کہ کسی نے حضرت عمرؓ فاروقؓ کو بتایا کہ عیاضؓ بن غنمؓ باریک کپڑے پہنتے ہیں اور ان کے دروازے پر دربان مقرر ہے۔ حضرت عمرؓ نے محمدؓ بن مسلمہؓ[2] کو بلایا

---

[1] علامہ شبلی نعمانیؒ نے "الفاروق" میں لکھا ہے کہ جزیرہ ۱۸ہجری میں حضرت عیاضؓ بن غنم کے ہاتھ پر فتح ہوا لیکن وہ کہتے ہیں کہ حضرت عیاضؓ بن غنم کو امیر المؤمنین حضرت عمرؓ فاروقؓ کے حکم کے مطابق حضرت سعدؓ بن ابی وقاص نے پانچ ہزار فوج دے کر کوفہ سے جزیرہ بھیجا تھا۔ علامہ شبلیؒ کے بیان کا ماخذ تاریخ طبری ہے لیکن ابن اثیرؒ، ابن سعدؒ، ابن اعثمؒ اور ابن عساکرؒ کی تحریروں سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت عیاضؓ بن غنم کو حضرت یزیدؓ بن ابی سفیانؓ نے فوج دے کر شام سے جزیرہ کی تسخیر کے لیے روانہ کیا تھا۔

قرائن سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ جزیرہ کی تسخیر سے پہلے حضرت عیاضؓ بن غنم شام میں مقیم تھے۔ اسی لیے ہم نے مؤخر الذکر مؤرخین کے بیانات کو ترجیح دی ہے اصل میں فتوحاتِ عراق کے سلسلے میں مؤرخین کے بیانات میں خاصا اختلاف پایا جاتا ہے۔ بہرصورت یہ تمام فتوحات اپنی جگہ "حقیقت" کی حیثیت رکھتی ہیں۔ واقعات کی ترتیب اور ان کے سالہائے وقوع پر بحث کرنا ہماری کتاب کے موضوع سے خارج ہے۔

[2] حضرت محمدؓ بن مسلمہ انصاری کا شمار نہایت جلیل القدر صحابہ میں ہوتا ہے۔ حضرت عمرؓ فاروقؓ نے اپنے عہد خلافت میں انہیں محتسب مقرر کیا تھا۔

اور کہا کہ عیاضؓ کو جس حالت میں پاؤ ساتھ لے آؤ۔ محمدؓ بن مسلمہ نے وہاں پہنچ کر دیکھا تو واقعی دروازے پر دربان تھا اور عیاضؓ باریک کپڑے کا کرتہ پہنے بیٹھے تھے۔ اسی ہیئت اور لباس میں ساتھ لے کر مدینہ آئے۔ حضرت عمرؓ نے وہ کرتہ اتروا کر بالوں کا ایک کرتہ پہنوایا اور بکریوں کا ایک گلّہ منگوا کر حکم دیا کہ جنگل میں لے جا کر چراؤ۔ عیاضؓ کو انکار کی مجال نہ تھی مگر بار بار کہتے تھے کہ اس سے مر جانا بہتر ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا، تجھ کو اس سے عار کیوں ہے۔ تیرے باپ کا نام غنم اسی وجہ سے پڑا تھا کہ وہ بکریاں چرایا کرتا تھا۔ عیاضؓ نے دل سے توبہ کی اور جب تک زندہ رہے اپنے فرائض کو نہایت خوبی سے انجام دیتے رہے۔

یہ واقعہ ہم نے نقل تو کر دیا ہے لیکن پورے وثوق کے ساتھ یہ نہیں کہہ سکتے کہ یہ من وعن صحیح ہے یا حضرت عیاضؓ بن غنم ہی سے متعلق ہے کیونکہ "الفاروق" کا جو نسخہ ہمارے سامنے ہے اس میں حضرت عیاضؓ کو "مصر" کا عامل بتایا گیا ہے حالانکہ وہ مصر کے عامل کبھی نہیں رہے۔ دوسرے یہ کہ حضرت عیاضؓ بڑے سادہ مزاج اور پرہیزگار بزرگ تھے۔ یہ بات عجیب معلوم ہوتی ہے کہ عمر کے آخری دَور میں یا ولایت کے منصب پر فائز ہونے کے بعد انہوں نے باریک کپڑے پہننے شروع کر دیئے (ازراہِ تعیش)۔ ہمارا خیال ہے کہ یہ واقعہ کسی دوسری شخصیت سے متعلق ہے اور غلط فہمی کی بنا پر حضرت عیاضؓ بن غنم سے منسوب ہو گیا۔

ایک دفعہ حضرت عیاضؓ بن غنم نے جزیرہ کے ایک سربرآوردہ آدمی کو گرفتار کر کے کوڑے لگوائے۔ اتفاق سے مشہور صحابی حضرت ہشامؓ بن حکیمؓ بن حزام کا ادھر سے گزر ہوا انہوں نے بھرے مجمع میں حضرت عیاضؓ سے مخاطب ہو کر کہا:

"مخلوقِ خدا کو اس طرح اذیت دینا روا نہیں۔ ایسا مت کرو ورنہ

آخرت میں پکڑے جاؤ گے۔"

حضرت عیاضؓ کو ان کا اس طرح علانیہ تنبیہ کرنا سخت ناگوار گزرا۔ حضرت ہشامؓ نے بھی ان کی ناگواری محسوس کرلی۔ چونکہ اس تنبیہ میں ان کی کوئی ذاتی غرض پنہاں نہ تھی اس لیے دو تین دن کے بعد حضرت عیاضؓ کے پاس جاکر معذرت کی اور کہا کہ میں نے رسول اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے سنا ہے کہ

"قیامت کے دن سب سے زیادہ عذاب اس شخص کو دیا جائے گا جو دنیا میں لوگوں کو عذاب دینے (اذیت پہنچانے) میں سب سے زیادہ دلیر تھا۔"

اسی لیے میں نے اس شخص کو کوڑے مارنے سے منع کیا تھا۔

حضرت عیاضؓ نے فرمایا — "تم نے رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے جو ارشادات سنے اور جو افعال دیکھے وہ میں نے بھی سنے اور دیکھے لیکن تم رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا یہ ارشاد بھول گئے کہ جو شخص کسی صاحب حکومت کو کسی بات کی نصیحت کرنا چاہے تو اس کو چاہیے کہ علانیہ (دوسروں کے سامنے) نصیحت نہ کرے بلکہ اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر تنہائی میں اپنی بات اس کے سامنے رکھے پھر اگر وہ اس کو قبول کرلے اور مان لے تو فبہا (یعنی مقصد حاصل ہوگیا) اور اگر اس نے نصیحت قبول نہیں کی تو اس نصیحت کرنے والے نے اپنا فرض ادا کردیا۔ (مُسنَد احمد)

ابن عساکرؒ کا بیان ہے کہ جزیرہ پر مسلمانوں کی لشکر کشی کے نتیجہ میں بہت سی زمینوں میں فصل کی کاشت بر وقت نہ ہوسکی اس لیے لگان کے تعین اور فراہمی میں دیر ہوگئی۔ اس پر امیر المؤمنین حضرت عمر فاروقؓ نے انہیں یہ خط لکھا :-

"تم نے خراج بھیجنے میں دیر کردی حالانکہ تمہیں معلوم ہے کہ خراج کی مسلمانوں کے لیے کیا اہمیت ہے۔ یہی ان کا ذریعۂ معاش ہے

اور اسی سے کام لے کر وہ اپنے دشمنوں سے لڑتے ہیں۔ تمہیں میری اور یہاں کے مسلمانوں کی مالی ضرورتوں کا علم بھی ہے لہٰذا خراج وصول کرنے میں چستی اور تیزی سے کام لو البتہ کسی پر بے جا سختی نہ کرو اور نہ ضرورت سے زیادہ نرمی۔"

(۵)

حضرت عیاضؓ بن غنمؓ نے جزیرہ کا انتظام ایسی خوش اسلوبی سے چلایا کہ ہر طرف خوشحالی کی لہر دوڑ گئی لیکن تھوڑے ہی عرصہ کے بعد شام میں حالات نے کچھ ایسی صورت اختیار کی کہ امیر المؤمنین حضرت عمر فاروقؓ نے وہاں ان کی موجودگی ضروری سمجھی چنانچہ انہوں نے حضرت عیاضؓ کو یہ خط لکھا:

"عبداللہ عمر امیر المؤمنین کی طرف سے عیاض بن غنمؓ کو سلام علیک۔
اس خدا کا شکر ادا کرتا ہوں جس نے جزیرہ کا صوبہ مسلمانوں کے ہاتھ پر فتح کرایا اور ان کی بدحالی کو خوشحالی سے بدلا اور روزی کے دروازے ان پر فراخ کیے۔ مجھے اب ان کی تنگ دستی یا مفلسی کا خوف نہیں ہے بلکہ اس بات کا ڈر ہے کہ دولت کی کثرت سے مغرور ہو کر وہ کہیں تباہ نہ ہو جائیں۔ تم نے جزیرہ کی مہم جس عمدہ طریقے سے سر کی اور جس حسن وخوبی سے وہاں کا نظم ونسق چلایا، اللہ تعالیٰ اس پر تمہیں اسلام اور مسلمانوں کی طرف سے جزائے خیر دے گا۔ اس خط کو پڑھ کر فوج کے ایک بڑے افسر کو جس پر تمہیں پورا اعتماد ہو، جزیرہ کا گورنر مقرر کر دو اور خود شام واپس چلے جاؤ۔ یزید بن ابی سفیانؓ علیل ہیں اور تمہارے وہاں پہنچنے سے پہلے اگر ان کا انتقال ہو گیا تو وہ ملک ضائع ہو جائے گا اور مسلمانوں کا شیرازہ بکھر جائے گا اس لیے جتنی جلد ممکن ہو سکے، جزیرہ سے چل دو۔
والسلام"

(حضرت عمر فاروقؓ کے سرکاری خطوط بحوالہ ابن خثم)

حضرت عیاضؓ نے یہ خط ملتے ہی امیرالمؤمنینؓ کے حکم کی تعمیل کی اور جزیرہ سے شام کی طرف روانہ ہو گئے۔ حمص پہنچے تو سخت بیمار ہو گئے اور چند دن کے اندر اندر وفات پا گئے۔ بقول ابن اثیر یہ ۲۰ھ ہجری کا واقعہ ہے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ وہ ۲۵ھ ہجری میں بعمر ساٹھ سال فوت ہوئے۔

ارباب سیر کا بیان ہے کہ حضرت عیاضؓ بن غنم نہایت سلیم الطبع بزرگ اور سخی آدمی تھے۔ ابن اثیرؒ نے زبیر بن بکار کے حوالے سے لکھا ہے کہ عیاضؓ پہلے شخص ہیں جنہوں نے زرہ کو رواج دیا ——— معلوم نہیں زبیر کے اس قول کا کیا مطلب ہے کیونکہ زرہ کا رواج عربوں میں عیاضؓ سے پہلے بھی موجود تھا۔ ہو سکتا ہے کہ ان کے قبیلے بنو فہر میں زرہ پہننے کا رواج نہ ہو اور حضرت عیاضؓ نے انہیں لڑائی کے وقت زرہ پہننے کی ترغیب دی ہو۔

حضرت عیاضؓ بن غنم سے کچھ حدیثیں بھی مروی ہیں، ایک حدیث اوپر نقل کی جا چکی ہے۔ تین اور حدیثیں ملاحظہ فرمائیے۔

حضرت عیاضؓ بن غنم کہتے ہیں کہ:

(۱) "میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپؐ فرماتے تھے کہ جو شخص شراب پیتا ہے اس کی نماز چالیس دن تک قبول نہیں ہوتی اور اگر وہ مرتا ہے تو دوزخ میں جاتا ہے اور اگر توبہ کرتا ہے تو توبہ قبول ہوتی ہے۔ پھر اگر تیسری مرتبہ یا چوتھی مرتبہ پیتا ہے تو اللہ کو حق ہے کہ اس کو دوزخیوں کی پیپ پلائے۔"

(اُسد الغابہ)

(۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا، اے عیاض! دو قسم کی عورتوں سے نکاح نہ کرنا کیونکہ ان دونوں سے اولاد نہیں ہوتی اور میں چاہتا ہوں کہ میری امت کی تعداد دوسرے انبیاء علیہم السلام کی امتوں کے مقابلے میں بہت زیادہ ہو۔ اوّل وہ

بڑھیا جو زیادہ عمر کی وجہ سے اولاد کے قابل نہ ہو۔ دوسری وہ عورت جو بانجھ پن وغیرہ کی وجہ سے اولاد کے قابل نہ ہو۔

(الاصابہ ج ۳)

(۳) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے صحابہ کی عزت کیا کرو۔ ان میں کچھ میرے خسر اور کچھ میرے داماد ہیں اور سب کے سب اسلام کے معاملے میں میرے مددگار ہیں۔ سائل نے دریافت کیا، یا رسول اللہ مجھے کوئی ایسا عمل بتایئے جس کے ذریعے میں جنتی ہو جاؤں۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا، ماں باپ کی خدمت اور مخلوق کے لیے پانی کا انتظام کرنا جنت میں پہنچنے کا بہترین ذریعہ ہے۔

(الاصابہ ج ۳)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:—

"مسلمانوں کے گھرانوں میں بہترین وہ گھرانا ہے جس میں کوئی یتیم ہو اور اس کے ساتھ اچھا سلوک کیا جاتا ہو اور مسلمانوں کے گھروں میں بدترین گھر وہ ہے جس میں کوئی یتیم ہو اور اس کے ساتھ برا سلوک کیا جائے۔

(سنن ابن ماجہ)

حضرت زید الخیرؓ بن مہلہل طائی

حضرت زید الخیرؓ کا اصل نام زید الخیل تھا اور ابو مکنف کنیت تھی۔ ان کا تعلق یمن کے مشہور قبیلے "بنو طے" سے تھا۔ علامہ ابن اثیرؒ کا بیان ہے کہ وہ ایک نغز گو شاعر اور فصیح البیان خطیب تھے۔ (اسدالغابہ جلد ۲)
ایک اور روایت کے مطابق وہ اس زمانے کے مروجہ علوم میں بھی کمال رکھتے تھے۔ (سیرالصحابہ جلد ہفتم)

نسب نامہ یہ ہے:
زید الخیلؓ بن مہلہل بن زید بن منہب بن عبد رضا بن مختلس بن ثوب بن کنانہ بن مالک بن نائل بن نبہان بن عمرو بن غوث الطائی۔
زید الخیلؓ کا شمار اپنے قبیلے کے بہت نیک لوگوں میں ہوتا تھا کیونکہ وہ بھلائی کے ہر کام میں پیش پیش رہتے تھے۔ ۹ھ ہجری (عام الوفود) میں اپنے قبیلے کے وفد کے ساتھ مدینہ منورہ آئے اور بارگاہِ رسالتؐ میں حاضر ہو کر عرض کیا:

"اے اللہ کے رسول! میں ۹ دن کے پرصعوبت سفر کے بعد یہاں پہنچا ہوں۔ اس سفر نے میری سواری کو تھکا دیا۔ میری راتیں جاگتے ہوئے گزریں اور دن میں نے تشنہ لبی کی حالت میں گزارے۔ یہ ساری صعوبتیں میں نے اس لیے برداشت کیں کہ (اسلام کی سعادت حاصل کرنے کے علاوہ) آپ سے دو باتیں پوچھوں۔"

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا: ——
"تمہارا نام کیا ہے؟"
انہوں نے عرض کیا: —— "زید الخیل"

حضورؐ نے فرمایا: ــــ "نہیں تم زید الخیر ہو ــــ جو کچھ تم پوچھنا چاہتے ہو بے جھجک پوچھو!"

عرض کی: ــــ "جو شخص اللہ تعالیٰ سے محبت کرتا ہے اور جو نہیں کرتا دونوں کی کیا علامت ہے؟"

آپؐ نے پوچھا: ــــ "تم اپنی زندگی کیسے گزارتے تھے۔"

حضرت زید الخیرؓ نے عرض کی: ــــ "نیکی اور بھلائی کو پسند کرتا تھا اور نیکی کرنے والوں کو دوست رکھتا تھا۔ اگر خود کوئی کارِ خیر کرتا تو دل کو اس خیال سے راحت اور خوشی ہوتی کہ اس کا اچھا اجر ملے گا۔ اگر کارِ خیر کرنے سے قاصر رہتا تو پشیمان اور رنجیدہ ہوتا۔"

حضورؐ نے فرمایا: ــــ

"جو خدا سے محبت کرتا ہے (اس کی خوشنودی چاہتا ہے) اور جو خدا کو نہیں چاہتا اس کی یہی علامت ہے کہ ایک نیک کام کرتا ہے اور دوسرا نیک کاموں سے دور رہتا ہے۔

اگر اللہ تعالیٰ اس کے خلاف تمہارے لیے کچھ چاہتا تو تم کو اس کے لیے تیار کرتا اور پھر اس کو اس کی پروا نہ ہوتی کہ تم کس وادی میں ہلاک ہو گئے۔"

حضورؐ کے ارشادات سُن کر حضرت زید الخیرؓ کا دل ایمان اور یقین کے نور سے معمور ہو گیا۔ انہوں نے بڑے ذوق و شوق سے اسلام قبول کیا اور رحمتِ عالم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی بیعت کا شَرَف حاصل کیا۔

ایک روایت میں ہے کہ حضورؐ نے حضرت زیدؓ کو اس موقع پر کچھ سونا عطا فرمایا۔ یہ سونا (مٹی سمیت) حضرت علیؓ نے یمن سے (جہاں وہ آپؐ کے حکم پر تبلیغِ اسلام کے لیے تشریف لے گئے تھے) حضورؐ کی خدمت میں بھیجا تھ

مدینہ منورہ میں چند دن قیام کے بعد حضرت زید الخیرؓ عازم وطن ہوئے تو راستے میں بخار آگیا۔ جوں توں کر کے گھر پہنچے اور پہنچتے ہی داعئی اجل کو لبیک کہا۔ یوں وہ بارگاہِ الٰہی میں اس طرح حاضر ہوئے کہ ان کا دامن دنیا کی آلودگی سے بالکل پاک تھا۔

جمہور اہلِ سیر نے ان کی وفات کا حال اسی طرح لکھا ہے لیکن حافظ ابن عبدالبرؒ کا بیان ہے کہ حضرت زید الخیرؓ نے امیرالمومنین حضرت عمرِ فاروقؓ کے عہدِ خلافت میں وفات پائی۔

(الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب" جلد اوّل)

حضرت زید الخیرؓ نے اپنے پیچھے دو سعادت مند بیٹے چھوڑے، مکنفؓ اور حریثؓ۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ کے عہدِ خلافت میں فتنۂ ردّہ نے زور پکڑا تو یہ دونوں حضرت خالدؓ بن ولید کے لشکر میں شامل ہو گئے اور اس فتنے کے استیصال میں بھرپور حصہ لیا۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہم

حضرت عوفؓ بن مالک اشجعی

۱

سیدنا حضرت عوفؓ بن مالک اشجعی کا شمار سید المرسلین والانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے اُن جاں نثاروں میں ہوتا ہے جو نہ صرف شجاعت و بسالت کے اعتبار سے ایک دلاور صف شکن تھے بلکہ علم و فضل کے لحاظ سے بھی آسمانِ ہدایت کے نہایت درخشندہ ستارے تھے۔ ان کا تعلق عرب کے مشہور قبیلہ بنو اشجع سے تھا۔ علامہ ابن اثیرؒ کا بیان ہے کہ ان کی کنیت ابو عبدالرحمٰن یا ابو حماد تھی اور بقولِ بعض ابو عمر۔ بعض روایتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کے والد مالک بن ابی عوف اشجعی کو بھی شرفِ صحابیت حاصل تھا۔

اربابِ سیر نے یہ تصریح نہیں کی کہ حضرت عوفؓ نے قبولِ اسلام کا شرف کب حاصل کیا البتہ اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ وہ غزوۂ خیبر (اوائل ۷ ہجری) میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب تھے۔

بعض اہلِ سیر نے لکھا ہے کہ ۵ ہجری میں بنو اشجع کا ایک وفد بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوا۔ اس میں سو یا اس سے کچھ زیادہ آدمی شامل تھے۔ ان لوگوں نے پہلے حضورؐ کیساتھ حضورؐ صلح و امن کا معاہدہ کیا لیکن جب یہ معاہدہ معرضِ تحریر میں آیا تو وہ قبولِ اسلام پر آمادہ ہو گئے۔ چنانچہ سب دولتِ اسلام سے بہرہ یاب ہو کر گھروں کو لوٹے۔ قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عوفؓ اسی وفد میں شامل تھے۔ گویا انہوں نے ۵ ہجری میں اسلام قبول کر لیا تھا۔

عام طور پر خیال کیا جاتا ہے کہ غزوۂ خیبر میں وہ سب صحابہ شریک تھے جن کو ذیقعدہ ۶ ہجری میں حدیبیہ میں بیعتِ رضوان کا مہتم بالشان

شرف حاصل ہوا تھا اس لیے یہ بات بعید از قیاس نہیں کہ حضرت عوفؓ بن مالک کو بھی یہ شرف حاصل ہوا ہو۔ غزوہ خیبر کے بعد حضرت عوفؓ غزوہ مُوتہ میں جانبازانہ شریک ہوئے۔ اس سلسلے میں امام احمدؒ بن حنبلؒ نے اپنی مُسند میں خود حضرت عوفؓ کا یہ بیان نقل کیا ہے:-

"میں اس لشکر میں شامل تھا جو حضرت زیدؓ بن حارثہ کی قیادت میں غزوۂ مُوتہ کے لیے گیا۔ میرا ایک یمنی معاون بھی میرے ساتھ ہو لیا۔ اس کے پاس ایک تلوار کے سوا اور کوئی ہتھیار نہ تھا۔ مسلمانو میں سے ایک آدمی نے اپنا ایک اونٹ ذبح کیا۔ اس سے میرے معاون نے اونٹ کی کھال کا ایک ٹکڑا مانگا۔ اس آدمی نے کھال کا ایک ٹکڑا میرے معاون کو دے دیا۔ اس نے اسے لے کر ڈھال کی طرح بنا لیا پھر ہم لوگ چل پڑے اور رومیوں کے لشکر کے قریب پہنچ گئے اور اس سے لڑائی چھیڑ دی۔ رومیوں میں ایک آدمی اپنے سرخ گھوڑے پر سوار تھا جس کی سنہری زین تھی اور اس رومی کے پاس سنہرے ہتھیار تھے۔ وہ رومی مسلمانوں پر بڑھ بڑھ کر حملے کر رہا تھا اور ان کی صفوں کو درہم برہم کر رہا تھا۔ میرا یہ معاون اس کی گھات میں ایک چٹان کے پیچھے بیٹھ گیا۔ جب وہ رومی اس کے پاس سے گزرا تو اس نے گھوڑے کی کونچیں کاٹ دیں۔ رومی گھوڑے سے گر پڑا یہ اس کے سینے پر چڑھ بیٹھا اور اسے قتل کر دیا۔ پھر اس کے گھوڑے اور ہتھیاروں پر قبضہ کر لیا۔ جب مسلمانوں نے رومیوں کو پسپا کر دیا تو حضرت خالدؓ بن ولید نے میرے معاون کے پاس ایک آدمی بھیجا کہ وہ اس سے مالِ غنیمت (جس پر اس نے قبضہ کیا تھا) لے لے۔

میں حضرت خالدؓ کے پاس گیا اور ان سے کہا، اے خالد کیا آپ کو معلوم نہیں کہ رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے مقتول کے سامان

کا فیصلہ قاتل کے لیے کیا ہے؟ حضرت خالدؓ نے کہا، بے شک مجھے یاد ہے لیکن میں اس معاون کے لیے اس مال کو بہت کثیر سمجھتا ہوں۔ (غالباً وہ بہت قیمتی تھا) میں نے کہا، یا تو آپ اس مال کو اسے واپس دے دیجیے ورنہ میں یہ معاملہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ضرور پیش کروں گا۔ حضرت خالدؓ نے یہ مال واپس کرنے سے انکار کر دیا۔ پھر (مدینہ آکر) میں اور خالدؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ میں نے اس معاون کا قصہ اور جو کچھ حضرت خالدؓ نے کیا تھا آپؐ کے سامنے رکھ دیا۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا، اے خالد تمہیں کس چیز نے ایسا کرنے پر آمادہ کیا؟ حضرت خالدؓ نے عرض کیا، یا رسول اللہ! میں نے اس مال کو کثیر جانا تھا۔ آپؐ نے فرمایا، اے خالد جو کچھ تم نے اس سے لیا ہے اسے واپس کر دو۔ اس پر میں نے حضرت خالدؓ سے مخاطب ہو کر کہا، اے خالد کیا میں نے تمہیں جبھی ملامت نہیں کی تھی؟ حضورؐ نے فرمایا، کیا بات ہے؟ میں نے خالدؓ سے اپنے سوال جواب کی ساری تفصیل کہہ سنائی۔ اس پر حضورؐ کو غصہ آ گیا اور آپؐ نے فرمایا، اے خالد! اسے سامان واپس نہ کرو۔ پھر ہم سے مخاطب ہو کر فرمایا، کیا تم لوگ میرے امیروں کو اس حالت میں کرنا چاہتے ہو کہ ان کے امر سے ہر صاف ستھرا تو تمہارے لیے ہو اور اس کام کی ساری گندگی امراء پر ہو؟"

۲

رمضان ۸ھ ہجری میں حضرت عوفؓ بن مالک کو اُن دس ہزار قدسیوں میں شامل ہونے کا شرف حاصل ہوا جو فتح مکہ کے موقع پر سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب تھے اور جن کے بارے میں سینکڑوں سال پہلے کتاب "استثناء" میں یوں

پیشین گوئی کی گئی تھی۔

"خداوند سینا سے آیا اور شعیر سے اُن پر طلوع ہوا۔ کوہِ فاران سے وہ جلوہ گر ہوا۔ دس ہزار قدوسیوں کے ساتھ آیا اور اس کے ہاتھ میں ایک آتشیں (یعنی نورانی) شریعت تھی۔"

اس تاریخ ساز موقع پر حضرت عوفؓ کو یہ امتیاز بھی حاصل ہوا کہ بنو اشجع کا جھنڈا ان کے ہاتھ میں تھا۔

فتح مکّہ کے بعد انہوں نے غزوۂ حنین میں دادِ شجاعت دی۔ ۹ ہجری میں غزوۂ تبوک کے پُرصعوبت سفر میں بھی سرورِ عالم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے ہمرکاب تھے۔ صحیح بخاری میں ان سے روایت ہے کہ میں غزوۂ تبوک میں نبی صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے پاس گیا جبکہ آپ چمڑے کے ایک خیمے میں تشریف فرما تھے۔ آپؐ نے مجھ سے فرمایا، چھ باتیں قیامت سے پہلے ہوں گی، ان کو یاد کر لو۔ میری موت، پھر فتح بیت المقدس، پھر وبا جو تم میں اس طرح پھیلے گی جیسے بکریوں کی بیماری قعاص، پھر مال کا بکثرت ہونا یہاں تک کہ اگر کسی شخص کو سَو اشرفیاں دی جائیں گی تو بھی وہ خوش نہ ہوگا۔ پھر ایک فتنہ برپا ہوگا کہ عرب کا کوئی گھر ایسا نہ بچے گا جس میں وہ داخل نہ ہو۔ پھر ایک صلح تمہارے اور رومیوں کے درمیان ہوگی اور وہ بے وفائی کریں گے اور اسّی جھنڈوں کے ساتھ تمہارے مقابلے پر آئیں گے اور ہر جھنڈے کے ساتھ بارہ ہزار آدمی ہوں گے۔"

مسندِ احمد اور "البدایہ والنّہایہ" میں حضرت عوفؓ بن مالک کے حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہونے کا واقعہ ان کی اپنی زبانی اس طرح بیان کیا گیا ہے:

"میں حضورؐ کی خدمت میں غزوۂ تبوک میں حاضر ہوا۔ آپ چمڑے کے ایک چھوٹے سے قبّہ میں تھے۔ میں نے آپؐ کو سلام کیا۔ آپؐ نے میرے سلام کا جواب دیا اور فرمایا، اندر آجاؤ۔ میں نے عرض کیا، کیا میں سارا ہی اندر آجاؤں یا رسول اللہؐ! آپؐ نے فرمایا،

ہاں تم سارے ہی اندر آجاؤ۔ پس میں داخل ہو گیا۔"

ولید بن عثمان بن ابی العالیہؓ کہتے ہیں کہ حضرت عوفؓ نے جو یوں "کیا میں کُل کا کُل داخل ہو جاؤں؟" یہ قبّہ کے چھوٹا ہونے کی وجہ سے کہا تھا۔

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ سرورِ عالم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نہایت شگفتہ مزاج تھے اور اپنے صحابہ سے خوش طبعی یا پاکیزہ مزاح کی کوئی بات سن کر ناراض نہیں ہوتے تھے۔ یہ روایت حضرت عوفؓ کے شگفتہ مزاج ہونے پر بھی دلالت کرتی ہے۔

۳

ایک دفعہ رسول اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے حضرت عوفؓ بن مالک کو ایک سریّہ پر روانہ فرمایا۔ اس کا حال وہ خود اس طرح بیان کرتے ہیں:

"مجھے حضورؐ نے ایک سریّہ پر روانہ فرمایا۔ ایک آدمی نے کہا کہ میں تمہارے ساتھ اس شرط پر چلتا ہوں کہ تم میرے لیے ایک حصہ مالِ غنیمت میں سے دو۔ پھر کہنے لگا، خدا کی قسم مجھے کیا علم کہ تم لوگوں کو مالِ غنیمت ملے یا نہ ملے تم تو میرے لیے ایک معیّن حصہ مقرر کر دو۔ میں نے اس کے لیے تین اشرفیاں مقرر کیں پھر ہم لوگوں نے جہاد کیا اور مالِ غنیمت حاصل کیا۔ میں نے حضورؐ سے اس آدمی کے بارے میں دریافت کیا، آپؐ نے فرمایا، میں اس کے لیے دنیا و آخرت میں سوائے ان تین اشرفیوں کے جو اس نے لی ہیں اور کچھ نہیں پاتا۔ (طبرانی و ہیثمی)

بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ عہدِ رسالت میں ایک دفعہ حضرت عوفؓ بن مالک اپنے دشمنوں کے ہاتھ گرفتار ہو گئے۔ انہوں نے تانتوں سے

باندھ کر محبوس کر دیا۔ ان کے والد مالک بن ابی عوف اشجعی رسول اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا، میرے بیٹے عوف کو دشمنوں نے گرفتار کر لیا ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ کسی آدمی کے ذریعے عوف کو کہلا دو کہ رسول اللہؐ نے تجھے حکم دیا ہے کہ تو کثرت کے ساتھ لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ پڑھ ——— ابی عوف مالکؓ نے ایک آدمی کے ذریعے حضرت عوفؓ تک حضورؐ کا یہ حکم پہنچا دیا۔ انہوں نے تعمیل ارشاد کی تو جن تانتوں سے دشمنوں نے ان کو باندھ رکھا تھا وہ ٹوٹ کر گر گئیں اور عوفؓ قید خانے سے باہر نکل آئے۔ ان کی نظر دشمنوں کی ایک اونٹنی پر پڑی جو قریب ہی تھی۔ اس پر سوار ہو کر گھر کی طرف روانہ ہوئے۔ راستے میں دشمنوں کی چراگاہ تھی اس میں ان کے سب جانور چر رہے تھے۔ انہوں نے ان جانوروں کو (ایک خاص انداز میں) پکارا تو وہ سب کے سب ان کی سواری (اونٹنی) کے پیچھے چل پڑے۔ عوفؓ گھر پہنچے تو ان کے ماں باپ بہت خوش ہوئے۔ والد اور خادم نے باہر نکل کر دیکھا تو سارے میدان کو اونٹوں سے بھرا پایا۔ حضرت عوفؓ نے والد کو اپنا اور اونٹوں کا سارا قصہ سنایا۔ وہ بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے اور حضورؐ کو یہ واقعہ سنایا۔ آپؐ نے فرمایا، ان اونٹوں کے ساتھ جو جی چاہے کرو میں اس معاملہ میں دخل نہ دوں گا۔ اس پر یہ آیت اتری:

وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ۝ وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ۭ وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ ۭ

یعنی جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے اللہ اس کے لیے مضرتوں سے نجات کی صورت پیدا کر دیتا ہے اور ایسی جگہ سے رزق پہنچاتا ہے جہاں اس کا گمان بھی نہیں ہوتا اور جو شخص اللہ پر توکل کرے گا تو اللہ اس کے لیے کافی ہے [1]

---

[1] حیاۃ الصحابہ جلد سوم بحوالہ تفسیر آدم بن ابی ایاس (محمد بن اسحاق) والترغیب ج ۳ صفحہ ۱۰۵ ابن ابی حاتم و تفسیر ابن کثیر ج ۴ صفحہ ۳۸۰

ایک روایت میں ہے کہ حضرت عوفؓ کی قید کے دوران میں ان کے والد گاہے گاہے سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوتے، بیٹے کی مصیبت کا حال بیان کرتے اور حضورؐ سے درخواست کرتے کہ عوفؓ کے لیے اس ابتلا سے نکلنے کی دعا کریں۔ حضورؐ ان کو صبر کی تلقین فرماتے اور تسلّی دیتے کہ اللہ تعالیٰ جلد ہی اس کی رہائی کی سبیل پیدا کرے گا۔[1]

(۴)

حضرت عوفؓ کو تحصیلِ علم کا بہت شوق تھا وہ اکثر بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوتے اور فیضانِ نبوی سے خوب بہرہ یاب ہوتے۔ جلد ہی ان کو قرآن اور حدیث میں درجۂ تبحر حاصل ہو گیا اور وہ خود لوگوں کو قرآن کی تعلیم دینے لگے۔ ایک دفعہ انہوں نے کسی شخص کو قرآن کی تعلیم دی تو اس نے انہیں ایک کمان ہدیہ کے طور پر دی۔ انہوں نے اس کا تذکرہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کیا تو آپؐ نے فرمایا:

"اے عوف کیا تیرا یہ ارادہ ہے کہ تو اللہ پاک سے اس حال میں ملے کہ تیرے دونوں بازوؤں کے درمیان جہنم کی چنگاری ہو۔"

(کنز العمال ج ۱ ص ۲۳۲)

گویا آپؐ نے قرآن پڑھانے کے عوض کسی چیز کے لینے کو ناپسند فرمایا۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عوفؓ بن مالک کو اکثر سفر میں بھی حضورؐ کی ہمرکابی کا شرف حاصل ہوتا تھا۔ حضورؐ کے ایک سفر کا واقعہ وہ اس طرح بیان کرتے ہیں:

"ایک دفعہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر کر رہے تھے۔ آپؐ نے اخیر رات میں ایک جگہ پڑاؤ ڈالا۔ ہم میں سے ہر

---

[1] تفسیر ابن جریر طبریؒ ج ۲۸ صفحہ ۸۹

شخص نے اپنے کجاوہ کی ہتی پر ٹیک لگالی۔ میری آنکھ رات کے کسی حصے میں کھُل گئی تو میں نے حضورؐ کو آپؐ کے کجاوے کے پاس نہ دیکھا۔ مجھ پر گھبراہٹ طاری ہو گئی اور میں حضورؐ کی تلاش میں چل پڑا۔ میں نے حضرت معاذ بن جبل اور حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کو دیکھا کہ وہ بھی حضورؐ کی گمشدگی کی وجہ سے پریشان ہیں اور آپؐ کی تلاش میں سرگرداں ہیں۔ ہم اسی حال میں تھے کہ اچانک ہم نے وادی کے اوپر کی جانب سے اس قسم کی آواز سُنی جیسی چکی کے پھرنے کی ہوتی ہے، ہم اس طرف گئے تو وہاں حضورؐ کو (بارگاہِ رب العزت میں گریہ وزاری کرتے ہوئے) پایا۔ ہم نے آپ کو اپنی پریشانی کا حال سُنایا تو آپؐ نے فرمایا کہ آج رات میرے رَبّ عَزَّوَجَلَّ کی طرف سے ایک آنے والا آیا اور کہا کہ میرے رَبّ نے آپ کو اختیار دیا ہے کہ یا تو اپنی ساری اُمّت کے لیے شفاعت کرنے کا اختیار لے لیں یا آدھی اُمّت کو جنّت میں داخل کرا لیں سو میں نے شفاعت کرنے کو پسند کیا۔ (حضرت عوفؓ کہتے ہیں کہ) میں نے عرض کیا، اے اللہ کے نبی آپ کو اللہ کی قسم اور ہم سب کی صحبت کی قسم! کیا آپؐ نے ہمیں بھی اُن لوگوں میں شامل کیا ہے جن کی آپ شفاعت کریں گے؟ آپؐ نے فرمایا، بے شک تم سب ان لوگوں میں سے ہو جن کی میں شفاعت کروں گا۔ اس کے بعد ہم حضورؐ کی معیت میں پڑاؤ کی طرف چلے یہاں تک کہ دوسرے اصحاب کے پاس پہنچ گئے۔ دیکھا کہ سب حضورؐ کی گمشدگی سے پریشان اور گھبرائے ہوئے تھے۔ آپؐ نے فرمایا کہ میرے رَبّ کی طرف سے ایک آنے والا آیا اور کہا کہ شفاعت میں اور اس بات میں اللہ نے تجھے اختیار دیا ہے کہ اپنی اُمّت کا آدھا جنّت میں داخل کراؤں میں نے شفاعت

کرنے کو اختیار کر لیا۔ لوگوں نے عرض کیا ہم آپ کو اللہ اور صحبت کی قسم دیتے ہیں ہمیں بتائیں کس لیے آپ نے ہم لوگوں کو ان میں شامل کیا جن کی آپ شفاعت کریں گے؟ پس جب لوگوں نے اس بارے میں بہت اصرار کیا تو آپؐ نے فرمایا، میں حاضرین کو گواہ بناتا ہوں کہ میری شفاعت اُمّت کے ہر اس فرد کے لیے ہوگی جو اس حالت میں وفات پا گیا ہو کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس نے کچھ شرک نہ کیا ہو۔"

(کنز العمال ج ۷، ص ۲۷۱)

۵

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہدِ خلافت میں شام میں رومیوں کے خلاف جہاد کا آغاز ہوا یہاں تک کہ حضرت عمر فاروقؓ کے عہدِ خلافت میں متعدد خونریز معرکوں کے بعد پورے شام پر مسلمانوں کا مکمل استیلا ہو گیا۔ حضرت عوفؓ بن مالک بھی شام جانے والے کسی لشکر میں شامل ہو گئے تھے۔ شام میں انھوں نے رومیوں کے خلاف کئی لڑائیوں میں دادِ شجاعت دی۔ ان کے قیامِ شام کے زمانے میں ایک دفعہ امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ شام تشریف لے گئے۔ ایک دن ایک شامی یہودی امیر المومنین کی خدمت میں اس حالت میں حاضر ہوا کہ اس کا سر پھٹا ہوا تھا اور جسم پر جگہ جگہ چوٹوں کے نشانات تھے۔ اس نے فریاد کی کہ اے مسلمانوں کے امیر ایک مسلمان نے ناحق میرے ساتھ یہ سلوک کیا جو آپ دیکھ رہے ہیں۔

حضرت عمرؓ اس کی فریاد سن کر غضب ناک ہو گئے اور حضرت صہیبؓ سے فرمایا، جاؤ اور دیکھو کہ کس شخص نے اس کے ساتھ یہ سلوک کیا ہے پھر اس کو میرے پاس لے آؤ۔

حضرت صہیبؓ نے جا کر تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ حضرت عوفؓ بن مالک

نے اس یہودی کو (فلاں وجہ سے) زدوکوب کیا ہے۔ حضرت صہیبؓ نے ان سے کہا کہ امیر المؤمنین تم پر سخت خفا ہیں تم حضرت معاذؓ بن جبل کے پاس جاؤ اور ان کو ساتھ لے جا کر امیر المؤمنین کے سامنے سارا قصہ بیان کرو انہوں نے ایسا ہی کیا۔ حضرت عمرؓ نے نماز سے فارغ ہو کر حضرت صہیبؓ سے دریافت کیا، کیا تم اس آدمی کو لے آئے؟ حضرت صہیبؓ نے کہا، جی ہاں، اس یہودی کو مارنے والے عوفؓ بن مالک اشجعی ہیں جو یہاں موجود ہیں۔ امیر المؤمنینؓ ابھی کچھ کہہ نہیں پائے تھے کہ حضرت معاذؓ بن جبل کھڑے ہو گئے اور کہا:

"اے امیر المؤمنین! عوف بن مالک یہ میرے پاس بیٹھے ہیں ان کی پہلے سُنیے اور ان کو سزا دینے میں جلدی نہ کیجیے۔"

حضرت عمرؓ نے حضرت عوفؓ سے پوچھا ـــــ تیرا اور اس آدمی کا کیا قصہ ہے؟

حضرت عوفؓ نے بیان کیا:۔

"اے امیر المؤمنین! یہ مُدّعی (یہودی) گدھے پر ایک مسلمان عورت کو ہنکا کر لے جا رہا تھا۔ پھر اس نے اس عورت کو کچوکا دیا تاکہ وہ گدھے سے گر پڑے۔ جب وہ نہ گری تو اس نے اسے دھکا دیا وہ نیچے جا پڑی تو اس شخص نے اس کی بے حرمتی کی، اس پر میں نے اس کو یہ سزا دی۔"

حضرت عمرؓ نے حضرت عوفؓ سے فرمایا، تم اس عورت کو لاؤ تاکہ وہ تمہارے بیان کی تصدیق کرے۔ چنانچہ حضرت عوفؓ اس عورت کے گھر پہنچے اور اس کے شوہر اور والد سے کہا کہ اس خاتون کو امیر المؤمنین بُلاتے ہیں۔ وہ دونوں اس کو بھیجنے پر راضی نہ ہوئے اور کہا کہ اس سے ہماری رسوائی ہو گی لیکن اس خاتون نے کہا ـــــ "خدا کی قسم میں امیر المؤمنین کے پاس ضرور جاؤں گی۔"
اب اس کے شوہر اور والد نے کہا کہ ہم جاتے ہیں اور تیری طرف سے ساری بات

کہہ آئیں گے۔ چنانچہ ان دونوں نے حضرت عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر بالکل اسی قسم کا بیان دیا جیسا حضرت عوفؓ نے دیا تھا۔ اس پر حضرت عمرؓ نے حکم دیا کہ اس یہودی کو سولی دی جائے۔ ساتھ ہی فرمایا کہ ہم نے تم لوگوں سے اس بات پر صلح نہیں کی کہ تم اس قسم کی حرکتیں کرتے پھرو۔ اس کے بعد فرمایا، اے لوگو! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذمہ داری میں اللہ سے ڈرو۔ جو شخص بھی اہلِ ذمہ میں سے ایسا کام کرے گا اس کی ہمارے اوپر کوئی ذمہ داری نہیں۔

(کنز العمال ج۔۲، ص ۲۹۹)

علامہ ابن سعدؒ نے مکحولؒ کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ ایک دفعہ حضرت عوفؓ بن مالک سونے کی انگوٹھی پہنے ہوئے حضرت عمر فاروقؓ کے پاس آئے۔ انہوں نے حضرت عوفؓ کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ مارا اور فرمایا، کیا تم سونا پہنتے ہو؟ حضرت عوفؓ نے طلائی انگوٹھی اتار کر پھینک دی۔ دوسرے دن وہ لوہے کی انگوٹھی پہنے ہوئے آئے۔ حضرت عمرؓ نے اسے بھی ناپسند فرمایا۔ تیسرے دن وہ چاندی کی انگوٹھی پہن کر آئے تو حضرت عمر فاروقؓ خاموش رہے اور ان سے کوئی تعرض نہ فرمایا۔

فتح شام کے بعد حضرت عوفؓ بن مالک نے دمشق میں مستقل سکونت اختیار کر لی تھی۔ ابنِ اثیرؒ کا بیان ہے کہ وہ مصر بھی گئے تھے۔ شاید مصر کی تسخیر کے لیے جانے والے لشکر میں شامل ہو گئے ہوں لیکن پھر دمشق واپس آ گئے اور وہیں ۷۳ھ ہجری میں وفات پائی۔

حضرت عوفؓ کا شمار فضلاء صحابہ میں ہوتا ہے ان سے ۶۷ احادیث مروی ہیں۔ ان کے رواۃِ حدیث میں حضرت ابوہریرہؓ، حضرت ابوایوب انصاریؓ، اور حضرت مقدامؓ بن معدی کرب جیسے عظیم المرتبت صحابہ اور حضرت ابومسلمؒ، حضرت ابوادریس خولانیؒ اور حضرت جبیر بن نفیرؒ جیسے جلیل القدر تابعین شامل ہیں۔ ان سے مروی کچھ احادیث اوپر بیان ہو چکی ہیں تین اور یہاں درج کی جاتی ہیں۔

حضرت عوفؓ بن مالک اشجعی سے روایت ہے کہ :

(۱) رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ایک میت کے جنازہ کی نماز پڑھی (اس میں آپؐ نے میت کے لیے جو دعا کی) اس دُعا کے یہ الفاظ مجھے یاد ہیں ——— اے اللہ! تو اس بندہ کی مغفرت فرما، اس پر رحمت فرما، اس کو عافیت دے، اس کو معاف فرما دے، اس کی باعزت مہمانی فرما، اس کی قبر کو نہایت وسیع کر دے (دوزخ کی آگ اور اس کی تپش کے بجائے) پانی سے، برف سے اور اولوں سے اس کو نہلا دے۔ اور گناہوں کی گندگی سے اس کو صاف فرما دے جس طرح اُجلے سفید کپڑے کو تو نے مَیل سے صاف فرما دیا ہے اور اس کو دنیا کے گھر کے بدلے میں آخرت کا اچھا گھر اور گھر والوں کے بدلہ میں اچھے گھر والے اور رفیقِ حیات کے بدلے میں اچھا رفیقِ حیات عطا فرما دے اور اس کو جنت میں پہنچا دے اور عذابِ قبر اور عذابِ دوزخ سے اس کو پناہ دے۔ ——— آپؐ کی یہ دعا سن کر میرے دل میں آرزو پیدا ہوئی کہ کاش یہ میت میں ہوتا۔
(صحیح مسلم)

(۲) رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس اُمت پر دو تلواریں جمع نہ کرے گا۔ ایک تلوار اس اُمت کی اور دوسری تلوار ان کے دشمنوں کی۔ (مشکوٰۃ بحوالہ ابوداؤد)
(یعنی ایسا نہ ہوگا کہ سچے مسلمان آپس میں لڑیں جبکہ ان کے دشمن نے ان پر تلوار کھینچ رکھی ہو۔)

(۳) ایک رات میں رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے ساتھ تھا۔ حضورؐ خوابِ استراحت سے بیدار ہوئے۔ مسواک کی اور وضو کر کے نماز کے لیے کھڑے ہو گئے۔ میں بھی آپؐ کے ساتھ نماز کے لیے کھڑا ہو گیا۔ پھر آپؐ نے سورہ بقرہ کی تلاوت شروع فرمائی تو کوئی رحمت والی آیت ایسی

نہ گزری جس میں حضورؐ نے توقف کر کے اللہ سے رحمت کی درخواست نہ کی ہو اور ایسی کوئی عذاب والی آیت نہ گزری جس میں آپؐ نے توقف کر کے عذاب سے پناہ نہ مانگی ہو۔ (نفلی نمازوں میں اس طرح رک کر دعا کرنا جائز ہے بشرطیکہ عربی میں ہو) پھر آپؐ نے قیام کے برابر طویل رکوع فرمایا اور یہ پڑھا:

سُبْحَانَ ذِی الْجَبَرُوْتِ وَالْمَلَكُوْتِ وَالْعَظَمَةِ وَالْكِبْرِيَاءِ

پھر رکوع سے سر مبارک اٹھا کر اتنا ہی قیام فرمایا اور اس میں بھی یہی کلمات پڑھے۔ اس کے بعد سجدہ کیا اور اس میں بھی یہی کلمات پڑھے۔ پھر دونوں سجدوں کے درمیان جلوس فرمایا اور اس میں بھی اسی کی مانند کلمات ادا فرمائے۔ اس کے بعد باقی رکعتوں میں سورہ آل عمران، سورہ النساء اور سورہ المائدہ تلاوت فرمائی۔ (شمائل ترمذی)

○○

(۲) اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی کھانا کھانے کا ارادہ کرے تو اسے چاہیے کہ اللہ کا نام لے (یعنی پہلے بسم اللہ پڑھے) اور اگر شروع میں بسم اللہ پڑھنا بھول جائے تو بعد میں کہے "بِسْمِ اللهِ اَوَّلَهٗ وَآخِرَهٗ"

(سنن ابوداؤد و جامع ترمذی)

حضرت راشدؓ بن عبدِ ربّ سُلمیٰ

(۱)

فتح مکہ (رمضان ۸ھ) سے کچھ پہلے بنو سُلیم کے نو سَو (یا بروایتِ دیگر ایک ہزار) افراد پر مشتمل ایک وفد بارگاہِ رسالتؐ میں حاضر ہوا۔ ان میں سے بعض لوگ پہلے ہی نعمتِ اسلام سے بہرہ ور تھے اور جو ابھی تک اپنے آبائی مذہب پر قائم تھے انہوں نے بھی اب قبولِ اسلام اور سرورِ عالم صَلَّی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کا شرف حاصل کیا۔ اس وفد کے ایک معزز اور باوقار رکن حضورؐ کی خدمتِ اقدس میں پیش ہوئے تو آپؐ نے ان سے پوچھا:

"تمہارا نام کیا ہے؟"

انہوں نے عرض کیا: "غاوی بن ظالم"

آپؐ نے ارشاد فرمایا:— "نہیں تم تو راشد بن عبدِ ربّ ہو۔"[1]

انہوں نے کہا، "بسر وچشم یا رسول اللہؐ"

اس دن کے بعد ان صاحب کا نام راشدؓ بن عبدِ ربّ مشہور

---

[1] "غاوی" عربی زبان میں شریر اور گمراہ کو کہتے ہیں۔ سرورِ عالم صَلَّی اللہ عَلَیہِ وسلم کی عادتِ مبارکہ تھی کہ لوگوں کے ناپسندیدہ ناموں کو اچھے ناموں سے بدل دیا کرتے تھے۔ اسی لیے آپؐ نے نہ صرف "غاوی" کو راشد (سیدھے راستے پر چلنے والا۔ ہدایت یافتہ) سے بدل دیا بلکہ ان کے والد کے نام ظالم کو عبدِ ربّ (اللہ کا بندہ) سے بدل دیا۔ بعض روایتوں میں ان کا نام راشد بن عبد ربہ یا راشد بن عبداللہ بھی آتا ہے۔

ہو گیا۔

۲

حضرت راشدؓ بن عبد ربّ کا تعلق عرب کے مشہور قبیلے بنو سُلیم سے تھا۔ ان کے قبولِ اسلام کی ایک روایت تو وہ ہے جو اوپر بیان ہوئی۔ دوسری روایت یہ ہے کہ وہ زمانۂ جاہلیت میں بنو سُلیم کے بُت "سواع" کے پجاری تھے۔ ایک دن وہ اپنے بت خانے میں بیٹھے ہوئے تھے کہ دو لومڑیاں اندر گھس آئیں اور اپنی ٹانگیں اٹھا کر بُت کے سر پر مُوتنا شروع کر دیا۔ یہ دیکھ کر ان کے دل میں خیال آیا کہ جو بُت کسی کو اپنے سر پر موتنے سے نہیں روک سکتا وہ دوسرے کو کیا فائدہ پہنچا سکتا ہے؟ یہ خیال آتے ہی ان کو بُت پرستی سے نفرت ہو گئی۔ شعر و شاعری میں بھی درک رکھتے تھے اُسی وقت زبان پر یہ شعر جاری ہو گیا۔

أَرَبٌّ يَبُولُ الثُّعْلُبَانُ بِرَأْسِهِ
لَقَدْ ذَلَّ مَنْ بَالَتْ عَلَيْهِ الثَّعَالِبُ

کیا وہ چیز ربّ ہو سکتی ہے جس کے سر پر دو لومڑیاں پیشاب کریں بیشک وہ ذلیل ہوا جس پر لومڑیوں نے پیشاب کیا۔

(طبقات ابن سعد ج ۱ ص ۳۰۸)

اس کے بعد "سواع" کے بُت کو توڑ ڈالا اور سرورِ عالم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی خدمتِ اقدس میں پہنچ کر سعادت اندوزِ اسلام ہو گئے۔ ان میں سے جو روایت بھی درست ہو یہ بات ثابت ہے کہ وہ فتح مکہ سے پہلے نعمتِ اسلام سے بہرہ یاب ہو گئے اور قبولِ اسلام کے وقت حضورؐ نے ان کا نام تبدیل کر دیا۔

۳

حضرت راشدؓ بن عبد ربّ کو سب سے پہلے فتح مکہ میں سرورِ کونین صلی اللّٰہ علیہ وسلم

کی ہمرکابی کا شرف حاصل ہُوا۔ اس طرح وہ ان دس ہزار مقدس اصحاب میں شامل ہو گئے جن کے بارے میں سینکڑوں سال پہلے کتاب استثنا میں پیشین گوئی کی گئی تھی کہ وہ نبیٔ آخر الزماں صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے ہمرکاب ہوں گے۔

فتح مکہ کے بعد سرورِ عالم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کعبہ میں داخل ہوئے تو وہاں رکھے ہوئے تمام چھوٹے بڑے بتوں کو توڑ ڈالا اور اس طرح اللہ تعالیٰ کے پاک گھر کو ان جھوٹے اور بے جان "خداؤں" کی آلائش سے پاک کر دیا۔ اس موقع پر حضرت راشدؓ نے جوشِ مسرت میں یہ شعر کہے:

۱) قَالَتْ هَلُمَّ إِلَى الْحَدِيثِ فَقُلْتُ لَا
یَأْبَى عَلَيْكَ اللّٰهُ وَالْإِسْلَامُ

(۲) لَوْ مَا شَهِدْتَ مُحَمَّدًا وَقَبِيلَهُ
بِالْفَتْحِ حِيْنَ تُكَسَّرُ الْأَصْنَامُ

(۳) أَرَأَيْتَ نُوْرَ اللّٰهِ أَضْحَىٰ سَاطِعًا
وَالشِّرْكَ يَغْشَىٰ وَجْهَهُ الْإِظْلَامُ

(ترجمہ)

① محبوبہ نے کہا آؤ مل کر باتیں کریں میں نے کہا نہیں، تو اللہ اور اسلام تیرے پاس آنے سے روکتے ہیں۔

② اگر تو فتح (مکہ) کے وقت جب کہ بتوں کو توڑا جا رہا تھا، محمد (صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم) اور آپ کے قبیلے کو دیکھتی

③ تو دیکھتی کہ اللہ کے نور سے ہر طرف اجالا پھیل گیا ہے اور شرک کے چہرے پر سیاہی چھا رہی ہے۔ (اُسُد الغابہ لابن اثیرؒ)

فتح مکہ کے بعد حضرت راشدؓ کو غزوۂ حنین اور غزوۂ طائف میں شریک ہونے کی سعادت حاصل ہوئی۔

قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت راشدؓ گاہے گاہے بارگاہِ رسالتؐ

میں حاضر ہوتے رہتے تھے اور ان میں کچھ ایسے اوصاف و محاسن تھے کہ سرکارِ دو عالم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے موردِ الطاف بن گئے تھے چنانچہ ایک موقع پر حضورؐ نے ارشاد فرمایا:

" خیر قری عربیۃ خیبر و خیر بنی سُلَیم راشد "
(عرب کی بستیوں میں بہترین بستی خیبر کی ہے اور بنی سُلیم میں بہترین آدمی راشد ہیں)

رحمت عالم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے حضرت راشدؓ کو ایک جاگیر عطا فرمائی۔ عطائے جاگیر کے فرمان (وثیقہ) کی عبارت یہ تھی:

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

هٰذَا مَا اعطی مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ رَاشِد بن عبد رَبّ السُّلَمِیّ اعطاه غلوتین بسہم و غلوۃ بحجر برھاط فمن حاقه فلا حق له وحقه حق

وکتب خالد بن سعید

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

ترجمہ:- یہ وہ عطیہ ہے جو محمدؐ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے راشد بن عبد ربّ السلمی کو دیا۔ آپ نے ان کو رہاط میں دو تیر کی زد کے برابر طول میں اور ایک پتھر کی زد کے برابر (عرض میں) زمین عطا فرمائی پس جو شخص بھی اپنا حق جتائے گا اس کا حق تسلیم نہیں کیا جائے گا اور اصل حق انہیں کا ہے۔ کاتب خالد بن سعید

(البدایہ و النہایہ لابن کثیرؒ)

رہاط کا مقام جہاں حضرت راشدؓ کی جاگیر تھی مکہ معظمہ کے قریب مدینہ کے راستہ پر واقع تھا۔ حضرت راشدؓ بن عبد ربّ کے سالِ وفات کے بارے میں تمام کتبِ سیر خاموش ہیں۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت جابرؓ بن سمُرہ عامری

①

امیرالمؤمنین حضرت عمرؓ فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کے عہدِ خلافت میں کوفہ آباد ہوا تو بہت سے اصحاب رسولؐ نے اس میں مستقل سکونت اختیار کرلی ان میں سے بعض نے اپنے علم وفضل اور دوسرے اوصاف ومحاسن کی بدولت شہرت عام اور بقائے دوام کے دربار میں نمایاں جگہ پائی۔ سیدنا حضرت جابر بن سمُرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کا شمار ایسے ہی اصحاب رسولؐ میں ہوتا ہے۔ ان کا تعلق بنی عامر بن صعصعہ سے تھا اور وہ قریش کے خاندان بنو زہرہ کے حلیف تھے۔ سلسلۂ نسب یہ ہے:

جابرؓ بن سمُرہ بن جنادہ بن جندب بن حجیرہ بن رباب بن حبیب بن سواءۃ بن عامر بن صعصعہ۔

بعض نے ان کے دادا کا نام جنادہ کے بجائے عمرو لکھا ہے۔

عامر بن صعصعہ کی نسبت سے ان کو عامری کہا جاتا ہے اور سواءۃ بن عامر کی نسبت سے سوائی بھی۔

والدہ کا نام خالدہؓ بنت ابی وقاص تھا جو جلیل القدر صحابی (یکے از اصحاب عشرہ مبشرہ) حضرت سعد بن ابی وقاص فاتح عراقِ عرب کی حقیقی بہن تھیں اور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ماموں زاد بہن (ابی وقاص حضورؐ کی والدہ حضرت آمنہ کے چچا زاد بھائی تھے۔ اس رشتہ سے حضرت جابرؓ بن سمُرہ حضور کے بھانجے ہوتے تھے)

حضرت جابرؓ نے ہوش کی آنکھیں کھولیں تو اپنے گھرانے پر اسلام کے

ابرِ رحمت کو سایہ فگن پایا اس لیے وہ پیدائشی مسلمان ہیں۔ بچپن ہی سے نماز سے شغف تھا۔ ایک حدیث میں اپنے بچپن کا ایک واقعہ اس طرح بیان کرتے ہیں:۔

"میں نے رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے پیچھے نماز پڑھی۔ جب آپؐ نماز سے فارغ ہو کر اپنے گھر کی طرف روانہ ہوئے تو میں بھی ساتھ ہو لیا۔ اُدھر سے چند بچے آ رہے تھے۔ آپؐ نے سب کو پیار کیا اور مجھے بھی پیار کیا۔"

(۲)

حضرت جابرؓ بن سَمُرہ کو سرورِ عالم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے انتہا درجے کی عقیدت اور محبت تھی۔ اکثر بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوتے اور فیضانِ نبوی سے خوب بہرہ یاب ہوتے۔ حضورؐ کا حلیۂ مبارک بیان کرتے وقت ان کا ذوق و شوق دیدنی ہوتا تھا۔ ایک مرتبہ لوگوں کو بتا رہے تھے کہ رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے سرِ اقدس اور ریش مبارک کے اگلے حصہ کے کچھ بال سفید ہو گئے تھے۔ جب آپؐ بالوں میں تیل لگاتے تو یہ سفیدی ظاہر نہ ہوتی اور جس وقت آپؐ کے بال پریشان ہوتے تو یہ سفیدی ظاہر ہو جاتی تھی اور حضورؐ کی ریش مبارک میں زیادہ بال تھے (یعنی آپؐ کی ریش مبارک گھنی تھی)

جب حضرت جابرؓ یہ بیان کر رہے تھے تو ایک شخص نے کہا کہ آپؐ کا چہرۂ مبارک تلوار کی مانند تھا (یعنی چمک دمک میں لیکن اس تشبیہ سے یہ بھی ظاہر ہوتا تھا کہ آپؐ کا چہرۂ مبارک لمبا ہو اس لیے) حضرت جابرؓ نے (فوراً) کہا بلکہ آپؐ کا چہرۂ مبارک سورج اور چاند کی مانند تھا اور گول تھا اور میں نے آپ کی مہرِ نبوّت کو شانہ کے قریب دیکھا جو کبوتر کے انڈے

کی مانند تھی اور رنگ اس کا آپؐ کے جسم مبارک کے رنگ جیسا تھا۔

(صحیح مسلم)

ایک اور موقع پر انہوں نے لوگوں کو بتایا کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی پنڈلیاں سُبک اور نازک تھیں۔ آپؐ کبھی (قہقہہ لگا کر) نہ ہنستے بلکہ مسکرایا کرتے تھے۔ جب میں آپؐ کی طرف دیکھتا تو اپنے دل میں کہتا کہ آپ سرمہ لگائے ہوئے ہیں حالانکہ آپؐ سرمہ لگائے نہ ہوتے تھے۔

(ترمذی)

ایک دفعہ فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو چاندنی رات میں دیکھا۔ کبھی میں آپؐ کی طرف دیکھتا اور کبھی چاند کی طرف آپؐ اس وقت سرخ لباس پہنے ہوئے تھے اور میرے نزدیک آپؐ کا حسن و جمال چاند سے بہتر تھا۔ (مشکوٰۃ بحوالہ ترمذی و دارمی)

حضرت جابرؓ بن سمُرہ کو اکثر رسول اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی اقتداء میں نماز پڑھنے کی سعادت نصیب ہوتی تھی اس کی کیفیت وہ بڑے لطف و انبساط کے ساتھ لوگوں کو سنایا کرتے تھے۔ اس سلسلے میں اُن سے مروی کچھ احادیث ہم یہاں درج کرتے ہیں۔

① رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم فجر کی نماز میں قٓ وَ الْقُرْآنِ الْمَجِیْد اور اسی کی مثل پڑھا کرتے تھے اور اس کے بعد کی نماز میں اس سے کم پڑھتے۔ (صحیح مسلم)

② نبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم جمعہ کے دن مغرب کی نماز میں قُلْ یٰاَیُّهَا الْکٰفِرُوْنَ اور قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ پڑھا کرتے تھے۔

(مشکوٰۃ بحوالہ شرح السنۃ)

③ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم (ایک دن) ہمارے پاس تشریف لائے اور ہم کو حلقہ بنائے بیٹھے دیکھا۔ آپؐ نے فرمایا، تم کو کیا ہوا کہ میں

تم کو علیحدہ علیحدہ جماعتوں میں دیکھتا ہوں۔ اس واقعہ کے بعد آپؐ پھر ایک روز تشریف لائے اور فرمایا، تم نماز میں ایسی صفیں کیوں نہیں بناتے جیسی کہ فرشتے اپنے پروردگار کے سامنے بناتے ہیں۔ ہم نے عرض کیا، یا رسول اللہ فرشتے اپنے رب کے حضور کس طرح صفیں قائم کرتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا، پہلے صفوں کو پورا کرتے ہیں اور صفوں میں مل کر کھڑے ہوتے ہیں۔ (صحیح مسلم)

- رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم دو خطبے پڑھتے تھے اور ان کے درمیان بیٹھتے تھے اور دونوں خطبوں میں قرآن پڑھتے اور نصیحت کرتے تھے اور آپ کی نماز اوسط درجے کی ہوتی تھی اور خطبہ بھی اوسط درجہ کا ہوتا تھا (یعنی نہ بہت طویل نہ بہت مختصر) (صحیح مسلم)

- میں نے رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے ساتھ دونوں عیدوں کی نماز پڑھی ہے۔ ایک دو مرتبہ نہیں بہت دفعہ۔ ان نمازوں میں نہ تو اذان کہی جاتی تھی نہ اقامت۔ (صحیح مسلم)

- رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا معمول تھا کہ فجر کی نماز جس جگہ پڑھتے تھے آفتاب طلوع ہونے تک وہاں سے نہیں اٹھتے تھے۔ پھر جب آفتاب طلوع ہو جاتا تو کھڑے ہو جاتے اور (اس دوران میں) آپؐ کے صحابہ زمانۂ جاہلیت کی باتیں کیا کرتے اور اس سلسلے میں خوب ہنستے اور رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم بس مسکراتے رہتے۔[1] (صحیح مسلم)

---

[1] معارف الحدیث جلد ۶ میں مولانا محمد منظور نعمانی صاحب نے اس حدیث کی تشریح یوں کی ہے:

"اس حدیث سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرامؓ کبھی کبھی مسجد نبوی میں اور رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی مجلس مبارک میں بھی زمانۂ جاہلیت کی ایسی لغویات

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ

(۲)

ارباب سیر نے حضرت جابرؓ بن سمُرہ کی غزوات میں شرکت کے بارے میں کچھ نہیں لکھا۔ علامہ ابن اثیرؒ نے "اُسد الغابہ" میں لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ فاروق کے عہد خلافت میں حضرت جابرؓ نے کوفہ میں مستقل سکونت اختیار کر لی تھی اور وہاں ایک مکان بھی بنالیا تھا۔ صحیح بخاری کی ایک حدیث میں حضرت جابرؓ نے اپنے قیام کوفہ کے زمانے کا ایک واقعہ اس طرح بیان کیا ہے:

"اہل کوفہ نے حضرت عمرؓ سے حضرت سعدؓ (بن ابی وقاص) کی شکایت کی تو حضرت عمرؓ نے حضرت سعدؓ کو (کوفہ کی امارت سے) معزول کر دیا اور عمارؓ (بن یاسرؓ) کو ان لوگوں کا حاکم بنایا۔ ان لوگوں نے سعدؓ کی بہت سی شکایتیں کیں، یہاں تک بیان کیا کہ وہ تو نماز بھی اچھی طرح نہیں پڑھاتے۔ اس پر حضرت عمرؓ نے ان کو بلا بھیجا اور

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

اور خرافات کا تذکرہ بھی کیا کرتے جن پر خوب ہنسی آتی تھی اور جامع ترمذی کی اسی حدیث کی روایت میں یہ الفاظ مزید ہیں وَيَتَنَاشَدُوْنَ الشِّعْرَ (یعنی اس سلسلہ گفتگو میں اشعار بھی پڑھے اور سنائے جاتے اور رسول اللہ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم یہ سب کچھ سنتے اور تبسم فرماتے تھے۔

ناچیز راقم سطور عرض کرتا ہے کہ اگر آنحضرت صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم اپنے اصحاب کرامؓ کے ساتھ اس طرح بے تکلفی کا برتاؤ نہ کرتے تو ان حضرات پر آپ کا ایسا رعب چھایا رہتا جو استفادہ میں رکاوٹ بنتا۔"

(جب وہ آئے تو) ان سے کہا، اے ابو اسحاق! یہ لوگ کہتے ہیں کہ تم نماز اچھی طرح نہیں پڑھاتے۔ انہوں نے جواب دیا، سنئے! میں ان کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کی مانند پڑھتا تھا۔ پہلی دو رکعتوں میں زیادہ دیر لگاتا اور اخیر کی دو رکعتوں میں تخفیف کرتا تھا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا، "اے ابو اسحاق! تمہاری نسبت میرا ایسا ہی خیال تھا" پھر حضرت عمرؓ نے ایک شخص یا چند اشخاص کو سعدؓ کے ہمراہ کوفہ بھیجا تاکہ وہ حضرت سعدؓ کے خلاف اہل کوفہ کی شکایات کی تحقیق کریں۔ (چنانچہ وہ گئے) اور انہوں نے کوئی مسجد نہ چھوڑی کہ جس میں حضرت سعدؓ کی کیفیت نہ پوچھی ہو سب لوگوں نے ان کی بہت تعریف کی۔ یہاں تک کہ وہ بنی عبس کی مسجد میں گئے تو وہاں ایک شخص کھڑا ہو گیا جس کو اسامہ بن قتادہ کہتے تھے اور کنیت اس کی ابو سعدہ تھی اس نے کہا، سنو جب تم نے ہمیں قسم دلائی ہے تو میں کہتا ہوں کہ سعدؓ لشکر کے ہمراہ (جہاد کے لیے خود) نہ جاتے تھے اور غنیمت کی تقسیم برابر نہ کرتے تھے اور مقدمات میں بھی انصاف نہ کرتے تھے۔

حضرت سعدؓ یہ سن کر کہنے لگے، ہاں خدا کی قسم میں تین چیزوں کی دعا کرتا ہوں، اے اللہ اگر تیرا یہ بندہ جھوٹا ہے اور محض دکھاوے (ریا) کے لیے اس وقت کھڑا ہوا ہے تو اس کی عمر دراز کر، اس کی فقیری بڑھا دے اور اس کو فتنوں کا نشانہ بنا (چنانچہ ایسا ہی ہوا) اس کے بعد جب اس سے اس کا حال پوچھا جاتا تو کہتا تھا میں بہت ضعیف العمر ہوں اور فتنوں میں مبتلا ہوں، مجھ پر سعد کی بددعا پڑ گئی ہے[1]"

---

[1] اسامہ بن قتادہ نے حضرت سعدؓ پر جو الزامات عائد کیے وہ بالکل بے بنیاد

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

حضرت جابرؓ بن سمرہ نے باختلافِ روایت ۶۵ھ یا ۶۶ھ میں کوفہ میں وفات پائی۔ ان سے ۱۴۶ احادیث مروی ہیں اور وہ فضلائے صحابہ میں شمار ہوتے ہیں :

حضرت جابرؓ سے مروی کچھ احادیث اوپر نقل کی جاچکی ہیں ان کی کچھ مزید حدیثیں یہاں درج کی جاتی ہیں :

(۱) میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مدینہ کا نام طابہ رکھا ہے۔ (صحیح مسلم)

(۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ تم میں سے کسی کو مال عطا فرمائے تو اس کو چاہیے کہ پہلے اپنی ذات پر خرچ کرے اور پھر اپنے گھر والوں پر (یعنی بیوی بچوں پر)۔ (صحیح مسلم)

(۳) میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ اپنی امت کے لیے میں تین باتوں سے ڈرتا ہوں (کہ کہیں ان کی وجہ سے وہ گمراہی میں نہ پڑ جائیں) ایک تو چاند کی منازل کے حساب سے بارش کا طلب

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

اور لغو تھے اس لیے حضرت سعدؓ کو اسامہ کی الزام تراشی پر بڑا دکھ ہوا اور انہوں نے اسامہ کے لیے بددعا کی۔ چونکہ وہ مستجاب الدعوات تھے ان کی بددعا اسامہ کے حق میں پوری ہوئی اور اس کی عمر اتنی طویل ہوئی کہ کبر سنی کی وجہ سے بھوئیں آنکھوں پر لٹک آئے تھے اور اس کو راستے میں لڑکیاں چھیڑا کرتی تھیں۔ تحقیق کے بعد امیر المؤمنین حضرت عمر فاروقؓ نے حضرت سعدؓ کو تمام الزامات سے بری قرار دیا۔ رہی ان کی منصب امارت سے سبکدوشی تو یہ ملکی مصالح کی بناء پر تھی نہ کہ کسی خیانت یا فرائض سے ادائیگی میں کوتاہی کی بناء پر۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت سعدؓ کی بریت یوں کی کہ ان پر بہتان باندھنے والے کی عمر بہت طویل کردی اور اسے فتنوں میں مبتلا کر دیا۔

کرنا، دوسرے بادشاہ کا ظلم کرنا اور تیسرے تقدیر کا جھٹلانا۔

(مشکوٰۃ بحوالہ مسند احمد)

④ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا کہ آدمی کا اپنی اولاد کو ادب سکھانا ایک صاع (ایک پیمانہ وزن) خیرات کرنے سے بہتر ہے۔ (ترمذی)

⑤ ایک شخص نے رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے دریافت کیا کہ کیا ہم بکری کا گوشت کھانے کے بعد وضو کریں۔ آپؐ نے فرمایا، تیرا جی چاہے تو وضو کر اور جی نہ چاہے تو نہ کر۔ پھر اس نے پوچھا، کیا اونٹ کا گوشت کھا کر وضو کروں؟ آپؐ نے فرمایا، ہاں اونٹ کا گوشت کھانے کے بعد وضو کر۔ پھر اس نے سوال کیا، کیا میں بکریوں کے رہنے کی جگہ میں نماز پڑھ لوں۔ آپؐ نے فرمایا، ہاں۔ پھر اس نے پوچھا کیا اونٹوں کے بندھنے کی جگہ نماز پڑھ لوں۔ آپؐ نے فرمایا، نہیں۔

(صحیح مسلم)

⑥ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا ہے، یہ دین ہمیشہ قائم رہے گا اور مسلمانوں کی ایک جماعت کہیں نہ کہیں ہمیشہ جہاد کرتی رہے گی یہاں تک کہ قیامت قائم ہو۔ (صحیح مسلم)

حضرت عبداللہ بن بُسرؓ

(۱)

سیدنا حضرت عبداللہ بن بُسر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا تعلق قبیلہ مازن بن منصور بن عکرمہ بن خصفہ بن قیس عیلان کے ایک ایسے گھرانے سے تھا جس پر حقیقی معنوں میں "ایں خانہ ہمہ آفتاب است" کا اطلاق ہوتا تھا۔ کیونکہ وہ اپنے والدین، بھائی اور بہن کے ہمراہ بیک وقت بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوکر سعادت اندوزِ اسلام ہوئے اور شرف صحابیت حاصل کیا۔ اہلِ سیر نے اُن کے قبول اسلام کا زمانہ متعین نہیں کیا لیکن ابن اثیرؒ کا بیان ہے کہ حضرت عبداللہ بن بُسرؓ نے بیت المقدس اور کعبہ دونوں کی طرف منہ کرکے نماز پڑھی ہے۔ جمہور محدثین اور مؤرخین کا بیان ہے کہ شروع میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بیت المقدس کی طرف منہ کرکے نماز پڑھا کرتے تھے یہاں تک کہ مدینے میں تشریف لانے کے بعد بھی تقریباً سولہ مہینے تک آپؐ نے بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی۔ پندرہ رجب ۲ ہجری کو دوشنبہ کے دن یہ آیت اتری اور دفعتہً قبلہ بدل گیا۔

فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ (سورۂ بقرہ)

(اے نبیؐ! تم اپنا منہ مسجد الحرام کی طرف پھیر دو اور اے مسلمانو! تم جہاں کہیں رہو اُسی طرف منہ پھیر دو)

اس حکم کے نازل ہونے کے بعد حضورؐ نے مسجد نبوی اور مسجد قبا کے رخ کو کعبہ کی طرف بدل دیا اور کعبۃ اللہ ہی مسلمانوں کا مستقل قبلہ قرار پایا۔ چونکہ حضرت عبداللہ بن بسرؓ نے بیت المقدس کی طرف بھی منہ کر کے نماز پڑھی تھی اس لیے صاف ظاہر ہے کہ وہ تحویل قبلہ (رجب سنہ ۲ ہجری) سے پہلے شرف اسلام سے بہرہ ور ہو چکے تھے۔

حضرت عبداللہؓ کی کنیت ابو بسر اور بقول بعض ابو صفوان تھی۔

ابن ماکولاؒ کا بیان ہے کہ حضرت عبداللہ بن بسر کا تعلق بنو سلیم سے تھا، جو بنو مازن کی ایک شاخ ہے۔ ابن مندہؒ نے بھی حضرت عبداللہ بن بسر کو سلمی اور مازنی دونوں لکھا ہے لیکن علامہ ابن اثیرؒ نے اس کی تردید کی ہے اور لکھا ہے کہ سلیم مازن کے بھائی تھے اور بنو سلیم اور بنو مازن دونوں الگ الگ قبیلے ہیں۔

(۲)

علامہ ابن اثیرؒ نے "اسد الغابہ" میں لکھا ہے کہ (قبول اسلام کے وقت) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دست مبارک حضرت عبداللہ بن بسرؓ کے سر پر پھیرا اور ان کے لیے دعا کی۔ ان کے والد بسرؓ بن ابی بسر، والدہ، بھائی عطیہؓ اور بہن صماءؓ بھی سب ان کے ساتھ اسلام لائے۔ حضرت صماءؓ کا شمار مشہور صحابیات میں ہوتا ہے۔ حضرت عطیہؓ بن بسرؓ کا شمار ان صحابہ میں ہوتا ہے جنہوں نے شام میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ ان سے یہ حدیث مروی ہے کہ حضرت عکافؓ بن وداعہ ہلالی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضورؐ نے ان سے پوچھا، اے عکاف تمہاری بیوی ہے؟ انہوں نے عرض کیا، نہیں۔ آپؐ نے پوچھا، لونڈی ہے؟ انہوں نے عرض کیا، نہیں۔ پھر آپؐ نے پوچھا، تم تندرست اور مالدار ہو؟ انہوں

نے کہا، جی ہاں خدا کا شکر ہے۔ آپؐ نے فرمایا تو تم شیطان کے بھائیوں میں سے ہو یا تو تم عیسائی راہبوں میں شامل ہو جاؤ کیونکہ تم ان کے مثل ہو اور اگر ہم میں رہنا چاہتے ہو تو جو کچھ ہم کر رہے ہیں وہی کرو، نکاح ہماری سُنّت ہے۔ تم میں بدتر لوگ وہی ہیں جو مجرد ہیں تم میں خراب موت ان لوگوں کی ہے جو مجرد ہیں۔ خرابی تمہاری اے عکاف نکاح کرو۔ عکافؓ نے عرض کیا، یا رسول اللہؐ آپ جس سے چاہیں میرا نکاح کر دیں میں راضی ہوں۔ پس رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا، اچھا خدا کا نام لے کر میں نے کریمہ بنت کلثوم حمیری سے تمہارا نکاح کر دیا۔

اس سارے خاندان کو رسولِ اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے بڑی عقیدت اور محبت تھی لیکن اربابِ سِیَر نے یہ تصریح نہیں کی کہ حضرت عبداللہؓ، حضرت بُسرؓ اور حضرت عطیہؓ نے کن کن غزوات میں شرکت کی البتہ قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عبداللہؓ اور حضرت عطیہؓ نے شام میں رومیوں کے خلاف جہاد میں حصہ لیا اور فتح شام کے بعد وہیں مستقل سکونت اختیار کر لی۔

حضرت بُسرؓ کو ایک دفعہ رسول اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی میزبانی کا شرف حاصل ہوا۔ یہ ایمان افروز واقعہ حضرت عبداللہؓ نے اس طرح بیان کیا ہے:

"رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم ایک دفعہ میرے والد کے پاس تشریف لائے۔ آپؐ اپنی سواری (خچر) سے اترے تو میرے والد نے آپؐ کی خدمت میں کھانا اور وطبہ (ایک قسم کا مالیدہ جو گھی اور کھجور یا پنیر وغیرہ ملا کر تیار کیا جاتا ہے) پیش کیا۔ آپؐ نے اس میں سے تناول فرمایا۔ پھر آپؐ کی خدمت میں کھجوریں پیش کی گئیں آپؐ ان کو کھاتے تھے اور کلمہ والی انگلی اور درمیانی انگلی دونوں کو

ملاکر کھجور کی گٹھلیاں ان میں سے لے کر پھینکتے جاتے تھے۔ پھر آپ کی خدمت میں پینے کے لیے کوئی مشروب پیش کیا گیا تو آپ نے اس کو نوش فرمایا اور اس کے بعد اپنے دائیں جانب والے کے حوالے کیا اور جب آپ اپنی سواری پر سوار ہوئے تو میرے والد کھڑے ہوئے اور آپ کی سواری (خچر) کی لگام تھام کر عرض کیا، یا رسول اللہ ہمارے لیے اللہ سے دعا کیجیے تو آپ نے دعا فرمائی:

اَللّٰھُمَّ بَارِكْ لَھُمْ فِیْمَا رَزَقْتَھُمْ وَاغْفِرْ لَھُمْ وَارْحَمْھُمْ

(اے اللہ ان کے لیے ان کی روزی میں برکت عطا فرما اور ان کی مغفرت فرما اور ان پر رحم فرما) (صحیح مسلم)

"مستدرکِ حاکم" میں یہ روایت اس طرح ہے کہ:

"میرے والد نے میری والدہ سے کہا کہ اگر تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے کھانا تیار کر لو تو کیا اچھا ہو چنانچہ انہوں نے ثرید تیار کر دیا۔ میرے والد گئے اور حضور کو بلا لائے۔ آپ نے اپنا دست مبارک کھانے کی چوٹی پر رکھا اور فرمایا، اللہ کا نام لے کر شروع کرو۔ سب نے اس کے کنارے سے کھانا شروع کیا۔ جب کھا چکے تو حضور نے فرمایا:

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لَھُمْ وَارْحَمْھُمْ وَبَارِكْ لَھُمْ فِیْ رِزْقِھِمْ

(اے اللہ ان کی مغفرت فرما اور ان کو اپنی رحمت سے نواز اور ان کے رزق میں برکت عطا فرما)

علامہ ابن اثیرؒ نے "اُسد الغابہ" میں لکھا ہے کہ:

"حضرت عبداللہ بن بُسرؓ کی وفات ۸۸ھ ہجری میں ہوئی۔ اس وقت ان کی عمر چورانوے سال کی تھی اور بعض لوگوں نے

بیان کیا ہے کہ ان کی وفات بمقام حمص (شام) ۹۶ھ میں سلیمان بن عبدالملک کے زمانے میں ہوئی اور اس وقت ان کی عمر سو سال کی تھی۔ ملک شام میں سب صحابہ کے اخیر میں انہیں کی وفات ہوئی۔"

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ہجرتِ نبوی کے وقت حضرت عبداللہ بن بُسرؓ کمسن تھے اور عہدِ رسالت میں کسی غزوہ میں شریک ہونے کے قابل نہیں ہوئے تھے۔

(۳)

حضرت عبداللہ بن بُسرؓ کو اکثر بارگاہِ نبویؐ میں حاضر ہونے کا اتفاق ہوتا تھا اس طرح وہ نبوت کے سرچشمۂ علوم و معارف سے خوب سیراب ہوئے اور عمر بھر تبلیغ و ہدایت کا فریضہ انجام دیتے رہے۔ بیہقیؒ اور ابنِ عساکرؒ نے ان کے کچھ مواعظ نقل کیے ہیں۔ ایک وعظ کے چند جملے ملاحظہ ہوں:۔

"لوگو! تمہارے سردار متقی لوگ ہیں اور تمہارے قائد علماء ہیں ان کے پاس بیٹھنا عبادت کا درجہ رکھتا ہے بلکہ یہ افضل عبادت ہے اور تم لیل و نہار کے گزرنے سے ایسی مدت میں ہو جو کم ہوتی جا رہی ہے اور ایسے اعمال میں ہو جو محفوظ ہو رہے ہیں۔ آخرت کے لیے توشہ تیار کر لو۔ بے شک تم جلد ہی اللہ کی طرف لوٹنے والے ہو گویا کہ تم معاد میں ہو۔" (کنز العمال ج ۸ صفحہ ۲۳۴)

حدیث کی مختلف کتابوں میں حضرت عبداللہ بن بُسرؓ سے بہت سی حدیثیں مروی ہیں۔ ان میں سے کچھ حدیثیں یہ ہیں:

حضرت عبداللہؓ بن بُسرؓ سے روایت ہے کہ:

① ایک اعرابی (دیہاتی آدمی) رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور پوچھا کہ یا رسول اللہ! آدمیوں میں کون بہتر ہے؟ آپؐ نے فرمایا، وہ لوگ جن کی عمر زیادہ ہو اور عمل اچھے ہوں۔ پھر انہوں نے پوچھا کہ یا رسول اللہ! اعمال میں کونسا عمل افضل ہے؟ آپؐ نے فرمایا، یہ کہ جب تم دنیا کو خیرباد کہو تو اس وقت تمہاری زبان اللہ کے ذکر سے تر ہو۔ (مُسْنَدِ احمد و جامع ترمذی)

② رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا کہ خوشی ہو اور مبارک ہو اس بندے کو جو اپنے اعمالنامہ میں بہت زیادہ استغفار پائے۔ (یعنی آخرت میں جب اس کو اپنا اعمالنامہ ملے تو وہ دیکھے کہ اس میں استغفار بکثرت درج ہیں) (سنن نسائی و سنن ابن ماجہ)

③ ایک شخص نے رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی خدمت میں عرض کیا کہ یا رسول اللہ نیکی کے کام بہت ہیں اور یہ بات میری طاقت سے باہر ہے کہ میں ان سب کو بجالاؤں۔ لہٰذا آپ مجھے کوئی ایسی بات بتا دیجئے جس کو مضبوطی سے تھام لوں اور اس پر کاربند ہو جاؤں (اور وہی میرے لیے کافی ہو جائے) ساتھ ہی میری یہ درخواست بھی ہے کہ جو کچھ آپ بتائیں وہ بہت زیادہ بھی نہ ہو کیونکہ ڈر ہے کہ میں اس کو یاد بھی نہ رکھ سکوں۔
آپؐ نے فرمایا، یوں کرو کہ ہمیشہ اپنی زبان کو اللہ کے ذکر سے تر رکھو۔ (ترمذی)

④ رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے پاس لکڑی کا ایک بڑا پیالہ تھا۔ اس کو چار آدمی مل کر اٹھاتے تھے اس کا نام غرا تھا۔ ایک دفعہ لوگ عید کی نماز پڑھ کر آئے تو وہ پیالہ لایا گیا اس میں شوربہ

میں روٹیاں بھگوئی ہوئی تھیں۔ لوگ اس کے ارد گرد بیٹھ گئے جب لوگ زیادہ ہو گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (بجائے کھل کر بیٹھنے کے) گھٹنوں کے بل بیٹھ گئے۔ ایک اعرابی نے کہا کہ یہ بیٹھنے کی طرز کیسی ہے ؟

آپؐ نے فرمایا، اللہ تعالیٰ نے مجھے صاحب اخلاق بندہ بنایا ہے سرکش اور متکبر نہیں بنایا ـــــ پھر آپؐ نے فرمایا:

"اس کے کناروں سے کھانا شروع کرو، درمیانی حصہ بعد میں کھانا اس میں اللہ برکت دے گا۔"

(ابو داؤد)

حضرت ابو اُسید ساعدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، سے روایت ہے کہ ایک وقت جب ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے

ـــــ کہ ـــــ

بنی سلمہ میں کے ایک شخص آئے اور انہوں نے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ! کیا میرے ماں باپ کے مجھ پر کچھ ایسے بھی حق ہیں جو ان کے مرنے کے بعد مجھے ادا کرنے چاہئیں۔ آپؐ نے فرمایا:

"ہاں! ان کے لیے خیر و برکت کی دعا کرتے رہنا، ان کے واسطے اللہ سے خیر و بخشش مانگنا، اُن کا اگر کوئی عہد معاہدہ کسی سے ہو تو اس کو پورا کرنا، ان کے تعلق سے جو رشتے ہوں ان کا لحاظ رکھنا اور ان کا حق ادا کرنا اور ان کے دوستوں کا احترام و اکرام کرنا۔

(سنن ابی داؤد، سنن ابنِ ماجہ)

حضرت عرباض رضؓ بن ساریہ سُلمی

۱

ہجرتِ نبویؐ کے بعد عرب کے مختلف علاقوں سے سعید الفطرت لوگ حق کی تلاش میں مدینہ منورہ پہنچنے لگے۔ یہ لوگ راہِ حق میں بیوی بچوں سے منہ موڑ لیتے تھے اور اپنے وطنِ عزیز کو خیر باد کہہ کر اپنی جانوں کو خدمت اسلام کے لیے وقف کر دیتے تھے۔ سفر کی صعوبتیں اور غریب الوطنی کی تکلیفیں خندہ پیشانی سے برداشت کرتے تھے۔ فقر و فاقہ اور عسرت و افلاس کی زندگی انہوں نے محض رضائے الٰہی کی خاطر اختیار کی تھی۔ حالتِ امن میں وہ خدا کے مسکین ترین بندے، قاری اور طالبِ علم تھے لیکن حالتِ جہاد میں وہ سر بکف غازی بن جاتے تھے جب ان درویشانِ اسلام کی تعداد میں اضافہ ہونے لگا تو سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے مستقل قیام کے لیے مسجدِ نبوی سے جانب مشرق ایک مسقف چبوترہ بنوا دیا۔ چونکہ عربی زبان میں سائبان یا مسقف دالان کو صُفّہ کہا جاتا ہے اس لیے یہ مردانِ حق آگاہ بھی اصحابِ صُفّہ کہلانے لگے۔ ان کو اضیاف الاسلام (اسلام کے مہمان) یا اضیاف اللہ (اللہ کے مہمان) بھی کہا جاتا تھا۔ سیدنا حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ اصحابِ صُفّہ ہی کی مقدس جماعت کے ایک فرد تھے۔ اہلِ سِیَر نے اُن کے حسب و نسب کے بارے میں صرف اتنا لکھا ہے کہ وہ عرب کے مشہور قبیلہ بنو سُلیم سے تعلق رکھتے تھے اور ان کی کنیت ابو نجیح تھی۔ انہوں نے اسلام کب قبول کیا، مدینہ کب آئے اور کن کن غزوات میں شریک ہوئے؟ کتبِ سِیَر سے ان سوالوں کا کوئی واضح جواب نہیں ملتا۔ البتہ کتبِ حدیث میں اُن سے مروی بہت سی احادیث ملتی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے

ہے کہ انہیں فیضانِ نبوی سے بہرہ یاب ہونے کا خوب موقع ملا۔ وہ اُس درسگاہ کے طالب علم تھے جو سرورِ عالم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے ہجرت کے بعد اصحاب صُفّہ کے لیے قائم فرمائی تھی۔ اِس درسگاہ سے تحصیلِ علم کے بعد وہ علم و فضل کا بحرِ زخّار بن گئے تھے۔ ان کی کتاب سیرت کا سب سے روشن باب تبلیغ و ہدایت کا مقدس کام ہے جو انہوں نے سرورِ عالم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کے ارشادات لوگوں تک پہنچا کر انجام دیا۔ ان پر حضورؐ کی خاص نظرِ شفقت تھی۔ خود بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے ایک مرتبہ رمضان میں مجھ کو سحری کھانے کے لیے طلب کیا اور فرمایا آؤ بابرکت کھانے کی طرف۔ (ابو داؤد۔ نسائی)

حضرت عرباضؓ سفر اور حضر میں اکثر بارگاہِ رسالت میں حاضر رہتے تھے۔ غزوہ تبوک (سنہ ۹ ھ) میں بھی حضورؐ کے ہم رکاب تھے۔ ایک دن وہ کسی ضرورت سے لشکرگاہ سے باہر گئے۔ واپس آئے تو حضورؐ اور آپؐ کے صحابہؓ رات کا کھانا کھا چکے تھے۔ حضرت عرباضؓ کو خوب بھوک لگ رہی تھی، اتنے میں حضرت جعالؓ بن سراقہ اور حضرت عبداللہؓ بن مغفّل مزنی بھی وہاں آ گئے تھے، وہ بھی بھوکے تھے۔ حضورؐ نے حضرت بلالؓ سے سات کھجوریں لے کر ان تینوں کو دیں۔ اللہ نے ان کھجوروں میں اتنی برکت دی کہ تینوں سیر ہو گئے۔

(ابنِ عساکر)

علّامہ ابنِ اثیرؒ کا بیان ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ کے عہدِ خلافت میں شام فتح ہوا تو حضرت عرباضؓ نے شام میں مستقل سکونت اختیار کر لی (قیاس یہ ہے کہ انہوں نے جہادِ شام میں بھی شرکت کی ہوگی) وہیں انہوں نے سنہ ۷۵ ہجری میں وفات پائی۔

(۲)

حضرت عرباضؓ بن ساریہ سے مروی چند احادیث یہاں درج کی جاتی ہیں۔

حضرت عرباضؓ بن ساریہ کہتے ہیں کہ:

(۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جو مومن بندہ فرض نماز پڑھے (اور اس کے بعد دل سے دعا کرے) تو اس کی دعا قبول ہوگی۔ اسی طرح جو آدمی قرآن مجید ختم کرے (اور دعا کرے) تو اس کی دعا بھی قبول ہوگی۔ (معجم کبیر طبرانی)

(۲) ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے ساتھ نماز پڑھی پھر آپ ہماری طرف منہ کر کے بیٹھ گئے اور ہم کو نہایت مؤثر الفاظ میں نصیحت کی یہاں تک کہ ہماری آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور دلوں میں (اللہ کا) خوف پیدا ہو گیا۔ پھر ہم میں سے ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ! (شاید) یہ آخری وصیت ہے۔ پس آپ ہم کو کچھ اور نصیحت فرمایئے۔ آپ نے فرمایا، میں تم کو وصیت کرتا ہوں کہ تم اللہ سے ڈرتے رہو اور نصیحت کرتا ہوں تم کو سننے اور اطاعت کرنے کی اگرچہ تم کو حبشی غلام کی اطاعت کرنی پڑے۔ پس تم میں سے جو شخص میرے بعد زندہ رہے گا وہ اختلاف کثیر کو دیکھے گا۔ ایسی حالت میں تم پر لازم ہے کہ میرے اور ہدایت یافتہ خلفاء راشدین کے طریقہ کو مضبوط پکڑے رہو۔ اسی (طریقہ) پر بھروسہ رکھو اور اس کو دانتوں سے مضبوط پکڑے رہو اور بچو تم دین میں نئی باتیں پیدا کرنے سے اس لیے کہ ہر نئی بات بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔ (مشکوٰۃ بحوالہ احمد و داؤد)

(۳) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (ایک دن خطبہ کے لیے) کھڑے ہوئے اور فرمایا، کیا تم میں سے کوئی شخص اپنی مسند پر تکیہ لگائے یہ سمجھے بیٹھا ہے کہ اللہ نے کوئی چیز حرام نہیں کی سوائے ان چیزوں کے جو قرآن میں بیان کر دی گئی ہیں۔ خبردار رہو، خدا کی قسم میں نے جن باتوں کا حکم دیا ہے اور جو نصیحتیں کی ہیں اور جن کاموں سے منع کیا ہے وہ بھی قرآن ہی کی طرح ہیں بلکہ کچھ زیادہ۔ اللہ نے تمہارے لیے ہرگز یہ حلال نہیں کیا ہے کہ اہل کتاب

کے گھروں میں اجازت کیے بغیر گھس جاؤ یا اُن کی عورتوں کو مارو پیٹو یا اُن کے پھل کھا جاؤ جبکہ وہ اپنے واجبات ادا کر چکے ہیں۔
(ابوداؤد)

۴) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں میں اسی وقت سے خاتم النبیین لکھا ہوا ہوں جب کہ آدم اپنی گندھی ہوئی مٹی میں پڑے تھے (یعنی آدم کا پُتلا ابھی تیار نہیں ہوا تھا) اور میں تم کو بتاؤں میرا پہلا امر (یعنی میری نبوّت کا پہلا اظہار) (حضرت) ابراہیم (علیہ السلام) کی دعا تھی اور پھر (حضرت) عیسٰی (علیہ السلام) کی بشارت اور پھر میری ماں کا خواب جو انہوں نے میری ولادت کے وقت دیکھا تھا اور میری ماں کے سامنے ایک نور ظاہر ہوا جس سے شام کے محل ان کو نظر آئے۔
(مشکوٰۃ بحوالہ شرح السنۃ)

۵) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شہداء اور وہ لوگ جو اپنے بستروں پر مرے ہیں ان لوگوں کے معاملہ میں اللہ عزّ وجلّ کے سامنے جھگڑا کریں گے جو طاعون میں مرے ہیں۔ شہید لوگ کہیں گے کہ یہ ہمارے بھائی ہیں (یعنی ہمارے مشابہ ہیں کہ طاعون کے زخموں سے مرے ہیں) اور جو لوگ اپنے بستروں پر مرے ہیں وہ کہیں گے کہ یہ ہمارے بھائی ہیں (یعنی ہمارے مشابہ ہیں کہ اپنے بستروں پر مرے ہیں) اللہ تعالیٰ اس جھگڑے کو سُن کر فرمائے گا اچھا ان کے زخموں کو دیکھو اگر ان کے زخم شہیدوں کے زخموں کی طرح ہیں تو وہ شہیدوں میں سے ہیں اور ان کے ثواب کے مستحق ہیں۔ چنانچہ دیکھا جائے گا تو ان کے زخم شہیدوں کے زخموں کے مانند ہوں گے۔ (مشکوٰۃ بحوالہ احمد۔ نسائی)

حضرت ہبارؓ بن اسود اسدی قرشی

(۱)

فتح مکہ، غزوۂ حنین اور غزوۂ طائف کے بعد سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم مراجعت فرمائے مدینہ ہوئے تو راستے میں جعرانہ کے مقام پر قیام فرمایا (ارباب سِیَر کا بیان ہے کہ آپؐ وہاں حنین کے مالِ غنیمت کی تقسیم کے لیے ٹھہرے) وہاں کے اثنائے قیام میں ایک دن حضورؐ اپنے جاں نثاروں کے درمیان تشریف فرما تھے کہ یکایک ایک پریشان حال شخص نمودار ہوئے وہ اپنی وضع قطع سے قرشی معلوم ہوتے تھے اور ان کے چہرے پر خوف اور ندامت کے ملے جلے آثار تھے۔ صحابۂ کرامؓ ان کو پکڑنے کے لیے تڑپ کر اٹھے لیکن حضورؐ نے ان کو روک دیا اور فرمایا، تم لوگ اپنی جگہ بیٹھے رہو اور اسے میرے پاس آنے دو۔

ان صاحب نے قریب آکر باآوازِ بلند کہا:

"اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا نَبِیَّ اللّٰہِ! اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ۔"

یارسول اللہ! اپنے واجب القتل ہونے کی خبر سن کر میں نے چاہا کہ اپنے وطن کو چھوڑ کر عجم کے کسی علاقے میں چلا جاؤں اور وہیں بودوباش اختیار کر لوں لیکن جب یاد آیا کہ آپ اپنے دشمنوں کے ساتھ بھی رافت و رحمت سے پیش آتے ہیں تو ترکِ وطن کے بجائے خود کو آپ کے قدموں پر گرا دینا بہتر سمجھا۔ یا نبی اللہ ہم لوگ شرک میں مبتلا تھے اللہ تعالیٰ نے آپ کی بدولت ہمیں ہدایت نصیب کی۔ میں سخت مجرم اور گناہگار ہوں اور اپنے گناہوں پر شرمسار ہوں۔"

رحمت دو عالم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے اپنا سرِ اقدس جھکا لیا اور پھر فرمایا:

"میں تمہیں معاف کرتا ہوں۔ تم نے اسلام قبول کر لیا ہے۔ اللہ تمہارے ساتھ بہتر سلوک کرے۔ اسلام پچھلے گناہوں کو ختم کر دیتا ہے۔"

حضورؐ کا ارشاد سن کر ان صاحب کی جان میں جان آئی اور ان کی زبان پر بے اختیار تحمید و تہلیل جاری ہو گئی۔

یہ واجب القتل مجرم جن کے گھناؤنے جرائم کو رحمتِ عالم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے نہ صرف یکسر معاف فرما دیا بلکہ ان کے لیے اللہ سے بہتر سلوک کی دعا بھی کی، حضرت ہبارؓ بن اسود تھے۔

(۲)

حضرت ہبارؓ بن اسود کا تعلق قریش کی شاخ "بنو اسد" سے تھا۔ (اُمّ المؤمنین حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ بھی اسی خاندان سے تھیں اور حضرت ہبارؓ کے والد اسود کی چچا زاد بہن تھیں) سلسلۂ نسب یہ ہے:

ہبارؓ بن اسود بن مُطَّلِب بن اسد بن عبدالعزیٰ بن قُصَیّ

ہبارؓ کو اپنے آبائی مذہب سے جنون کی حد تک لگاؤ تھا بسرورِ عالم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے دعوتِ حق کا آغاز فرمایا تو ہبارؓ آپؐ کے سخت دشمن بن گئے۔ انہوں نے دوسرے اشرارِ قریش کے ساتھ مل کر اہلِ حق کو ستانے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی یہاں تک کہ پہلے حضورؐ کے صحابہؓ اور پھر آپؐ خود مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ تشریف لے گئے۔ غزوۂ بدر میں حضورؐ کے داماد حضرت ابو العاصؓ گرفتار ہوئے تو آپؐ نے انہیں اس شرط پر رہا کر دیا کہ مکہ جا کر حضرت زینبؓ بنت رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو مدینہ بھیج دیں گے۔ (حضرت ابو العاصؓ نے اس وقت تک اسلام قبول نہیں کیا تھا) انہوں نے مکہ پہنچ کر وعدہ کے مطابق

حضرت زینبؓ کو اونٹ پر بٹھا کر اپنے چھوٹے بھائی کنانہ بن ربیع کے ساتھ مدینہ روانہ کر دیا۔ مشرکین قریش کو علم ہوا تو ان کے ایک گروہ نے حضرت زینبؓ اور کنانہ کا تعاقب کیا اور مقام ذی طویٰ میں ان کو جا گھیرا۔ تعاقب کرنے والوں میں ہبار بن اسود بھی شامل تھے۔ انہوں نے اونٹ کی کونچیں کاٹ دیں اور اپنا نیزہ ہودج پر مارا جس سے حضرت زینبؓ گر پڑیں، وہ اس وقت حاملہ تھیں صدمہ سے حمل ساقط ہو گیا اس پر کنانہ نے ترکش سے تیر نکالے اور للکار کر کہا کہ اب اگر کوئی ہمارے نزدیک آیا تو میں اسے تیروں سے چھید دوں گا۔ آخر ابوسفیان کے سمجھانے بجھانے پر اس وقت تو کنانہ حضرت زینبؓ کو واپس مکہ لے آئے البتہ چند دن بعد پھر انہیں لے کر مدینہ کی جانب روانہ ہوئے۔ وادیٔ ناجح میں پہنچے تو وہاں حضرت زیدؓ بن حارثہ اور حضرت سلمہؓ بن اسلم انصاری کو موجود پایا جو حضرت زینبؓ کو لینے آئے تھے چنانچہ سیدہؓ انہی کے ساتھ مدینہ پہنچیں۔

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہبار کی اس حرکت کا علم ہوا تو آپ کو سخت دکھ ہوا اور آپؐ نے صحابہؓ سے فرمایا، ہبار بن اسود جہاں ملے اسے آگ میں ڈال دو، پھر آپؐ نے فرمایا، تم لوگ ایسا نہ کرو کیونکہ آگ کا عذاب دینا اللہ تعالیٰ کا حق ہے۔ تاہم فتح مکہ کے موقع پر آپؐ نے ہبار کو مباح الدم (واجب القتل) قرار دیا، اس پر وہ روپوش ہو گئے اور کچھ عرصہ بعد مقام جعرّانہ میں بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر مشرف بہ اسلام ہو گئے۔

(۴)

ہبارؓ اسلام لانے کے بعد کچھ دن مکہ میں رہے پھر مدینے چلے آئے۔ یہاں بعض صحابہؓ ان کو پچھلی حرکتوں پر ملامت کرنے لگے انہوں نے بارگاہِ رسالت میں شکایت کی تو حضورؐ نے صحابہؓ کو ملامت کرنے سے منع فرما دیا اور ہبارؓ

مدینہ میں خوشگوار زندگی بسر کرنے لگے۔

ایک دفعہ رسولِ اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم ہبارؓ بن اسود کے مکان کی طرف سے گزرے تو اندر سے دَف کے ساتھ گانے کی آواز آئی۔ آپؐ نے دریافت فرمایا کہ یہ دَف اور گانا کیسا ہے؟ معلوم ہوا کہ ہبارؓ کی بیٹی کی شادی ہے (شاید گانا کچھ اس قسم کا تھا کہ) حضورؐ نے اسے ناپسند فرمایا۔

"الاصابہ" کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ بعد میں حضرت ہبارؓ شام چلے گئے تھے اور وہیں مستقل اقامت اختیار کر لی تھی۔ (الاصابہ جلد ۳ ص ۵۹۶ طبع مصر)

مؤطا امام مالکؒ میں ہے کہ حضرت عمرؓ کے دورِ خلافت میں ایک دفعہ حضرت ہبارؓ اور حضرت ابوایوب انصاریؓ ایامِ حج میں یوم نحر کو مکہ پہنچے تو امیرالمؤمنینؓ نے ان سے فرمایا کہ وہ اس سال عمرہ کر لیں اور آئندہ سال آکر حج کریں۔

حضرت ہبارؓ شعر و شاعری میں بھی درک رکھتے تھے۔ اہل سیر نے ان کے سالِ وفات کی تصریح نہیں کی لیکن قرائن سے معلوم ہوتا کہ انہوں نے ۱۵ھ کے بعد کسی وقت وفات پائی۔ ان کی اولاد میں سے تین لڑکوں نے بہت شہرت پائی۔ علی، اسمٰعیل اور عبدالرحمٰن۔

عبدالرحمٰن بن ہبارؓ کے پڑپوتے عمر بن عبدالعزیز بن منذر (بن عبدالرحمٰن بن ہبار) نے ۲۴۷ھ میں سندھ میں ایک خودمختار اور آزاد حکومت کی بنیاد رکھی اور منصورہ کو اپنا پایۂ تخت بنا کر پورے سندھ کی حکومت سنبھالی۔

ہباری خاندان نے سندھ پر ایک سو ستر سال (۱۷۰) (۲۴۷ھ سے ۴۱۶ھ تک) حکومت کی۔

ابن اثیرؒ نے "تاریخ الکامل" میں لکھا ہے کہ دولتِ ہباریہ کا آخری فرمانروا مرتد ہو گیا اس پر سلطان محمود غزنویؒ نے فتح سومنات کے بعد

منصورہ پر حملہ کر کے اس حکومت کو ختم کر دیا۔

دولتِ ہباریہ (منصورہ) کے خاتمہ کے تقریباً دو سو سال بعد ہباری خاندان ہی کے ایک سرو درویش نے ملتان میں رُشد و ہدایت اور علم و فضل کی مَسنَد بچھائی اور اپنے فیوض و برکات سے ایک عَالَم کو مستفیض کیا ـــ یہ تھے شیخ الاسلام خواجہ بہاؤالدین زکریا ملتانی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۶۶۶ھ)۔

حضرت عبداللہ بن مُغَفَّل رضی اللہ تعالیٰ عنہ، سے روایت ہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا،

اللہ سے ڈرو، اللہ سے ڈرو۔ میرے صحابہ کے بارے میں اللہ سے ڈرو۔ اللہ سے ڈرو میرے صحابہ کے بارے میں۔

میرے بعد

ان کو (سب و شتم) کا نشانہ نہ بنانا۔ جو شخص ان کو دوست رکھتا ہے وہ میری مُحبّت کی وجہ سے ان کو دوست رکھتا ہے اور جو اُن سے بُغض رکھتا ہے وہ میرے ساتھ بُغض رکھنے کی وجہ سے ان سے بُغض رکھتا ہے اور جس نے اُن کو ایذا دی اس نے مجھ کو ایذا دی اور جس نے مجھ کو ایذا دی اس نے اللہ کو ایذا دی اور جس نے اللہ کو ایذا دی، قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو پکڑ لے۔

(مشکوٰۃ شریف)

حضرت مُجاشعؓ بن مسعود سُلمی

(۱)

فتح مکہ (رمضان ۸ ہجری) کے کچھ عرصہ بعد کا ذکر ہے کہ قبیلہ بنو سُلیم کے دو بھائی بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا:

"یارسول اللہ! ہم آپ سے ہجرت پر بیعت کرنا چاہتے ہیں۔"

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ہجرت کا دور تو گزر چکا ہے۔"

دونوں بھائیوں نے عرض کیا: "تو پھر اے اللہ کے رسولؐ ہم کس بات پر بیعت کریں؟"

حضورؐ نے فرمایا: "علی الاسلام والجہاد فی سبیل اللہ (یعنی اسلام اور جہاد فی سبیل اللہ پر بیعت کرو)"

چنانچہ دونوں بھائیوں نے اسی بات پر رحمتِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی اور پھر زندگی بھر جہاد فی سبیل اللہ کو اپنی زندگی کا شعار بنائے رکھا۔ یہ دونوں بھائی حضرت مُجاشعؓ بن مسعود اور حضرت مجالدؓ بن مسعود تھے۔ ان میں سے حضرت مجاشعؓ بن مسعود نے تاریخ میں بڑی شہرت پائی۔

(۲)

حضرت مُجاشعؓ بن مسعود نامور جاہلی شاعر امراء القیس کے اخلاف میں سے تھے۔ (یہ وہی امراء القیس ہے جس کا ایک قصیدہ سبعہ معلقات میں شامل تھا۔)

ان کا سلسلہ نسب یہ ہے :۔

مجاشعؓ بن مسعود بن ثعلبہ بن وہیب بن عائذ بن ربیعہ بن یربوع بن سمال بن عوف بن امرأ القیس بن بہثہ بن سُلیم ۔

انہوں نے ایک دفعہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی بیعت کا واقعہ اپنے شاگرد ابو عثمان نہدیؒ کو سنایا۔ انہوں نے ان کے بھائی حضرت مجالدؓ کے سامنے اس کا ذکر کیا تو انہوں نے فرمایا: "صدق مجاشع" (تم سے مجاشعؓ نے صحیح کہا)۔

حضرت مجاشعؓ کو کچھ عرصہ فیضانِ نبویؐ سے بہرہ یاب ہونے کا موقع بھی ملا۔ چنانچہ ان سے مروی چند احادیث صحیحین اور دوسری کتبِ حدیث میں موجود ہیں عہدِ رسالت کے غزوات میں حضرت مجاشعؓ کا ذکر نہیں آتا البتہ عہدِ فاروقی اور عہدِ عثمانی میں وہ نمایاں ہو کر سامنے آتے ہیں۔ جہادِ ایران میں انہوں نے فوج کے ایک افسر کی حیثیت سے کئی معرکوں میں بھرپور حصہ لیا اور اپنی شجاعت کی دھاک بٹھا دی۔ ایران کے ایک مشہور شہر "توّج" کو انہوں نے ہی فتح کیا۔

علامہ شبلیؒ نے "الفاروق" میں لکھا ہے کہ جب حضرت عمر فاروقؓ کے عہدِ خلافت میں ایران پر عام لشکر کشی ہوئی تو امیر المومنین نے سابور اور اردشیر کی تسخیر پر حضرت مجاشعؓ بن مسعود کو مقرر کیا۔ انہوں نے یہ مہم کامیابی سے سرانجام دی۔ حضرت عمر فاروقؓ نے ان کو اہواز کے بعض اضلاع کا عامل بھی مقرر کیا تھا۔

ایک دفعہ امیر المومنینؓ کو اطلاع ملی کہ حضرت مجاشعؓ بن مسعود کی اہلیہ نے اپنے گھر کو پردوں سے مزین کیا ہے اس پر انہوں نے حضرت مجاشعؓ کو یہ خط لکھا :۔

" مجھے خبر ملی ہے کہ خضیراء[1] نے اپنا گھر پردوں سے آراستہ کیا ہے

---

[1] بعض روایتوں میں حضرت مجاشعؓ کی اہلیہ کا نام شمیلہ (بنت ابی جنادہ بن ابی ازہر دوسی) (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

جس طرح خانۂ کعبہ میں پردے لٹکائے جاتے ہیں۔ تمہیں قسم ہے کہ میرا خط ملتے ہی سب پردے پھاڑ ڈالو۔

(کنز العمال، شعب الایمان، بیہقی)

علامہ بلاذریؒ نے "انساب الاشراف" میں لکھا ہے کہ پردوں کے بارے میں امیر المؤمنین حضرت عمر فاروقؓ نے حضرت مجاشعؓ بن مسعود کو نہیں بلکہ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ والیٔ بصرہ کو یہ حکم بھیجا تھا کہ:

"مجھے معلوم ہوا ہے کہ بصرہ کی ایک عورت نے اپنے گھر میں پردے لٹکائے ہیں جس طرح خانۂ کعبہ میں لٹکائے جاتے ہیں۔ تمہیں تاکید کی جاتی ہے کہ میرا خط پڑھتے ہی کسی کو اس عورت کے گھر بھیج کر پردے پھٹوا دو۔"

امیر المؤمنین حضرت عثمان ذوالنورینؓ کے عہدِ خلافت میں حضرت مجاشعؓ بن مسعود

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ)۔ بیان کیا گیا ہے اور بعض میں شمیلہ (بنت الوحید بن ازہیر دوسی)۔

"خلافتِ راشدہ اور ہندوستان" میں قاضی اطہر مبارکپوری نے لکھا ہے کہ حضرت مجاشعؓ کی شہادت کے بعد سیدنا حضرت عبداللہؓ بن عباسؓ نے شمیلہ سے نکاح کر لیا تھا۔

ایک روایت میں یہ بھی آتا ہے کہ امیر المؤمنین حضرت عمر فاروقؓ نے شمیلہ (یا خضیراء) کو براہِ راست خط لکھ کر حکم دیا تھا کہ تم نے جو پردے اپنے گھر میں لٹکائے ہیں ان کو پھاڑ ڈالو —— اس خط سے معلوم ہوتا ہے کہ جس زمانے میں یہ واقعہ پیش آیا، حضرت مجاشعؓ بصرہ میں مقیم تھے۔

نے نہایت عظیم الشان کارنامے سرانجام دیئے۔ علامہ ابن اثیرؒ کا بیان ہے کہ حضرت عثمانؓ نے ۲۹ھ ہجری میں حضرت عبداللہؓ بن عامر کو تمام مشرقی ممالک کا حاکم اعلیٰ (گورنر) مقرر کیا۔ حضرت عبداللہؓ بن عامر نے بصرہ پہنچ کر اپنے عہدے کی ذمہ داریاں سنبھالیں تو انہیں معلوم ہوا کہ اکثر مفتوحہ ممالک باغیوں کے قبضے میں ہیں۔ چنانچہ انہوں نے مختلف افسروں کو باغیوں کی سرکوبی پر مامور کیا ان افسروں میں حضرت مجاشعؓ بن مسعود بھی تھے۔ ان کو کرمان کی مہم پر مامور کیا گیا۔ کرمان حضرت عمرؓ فاروقؓ کے عہد خلافت (۲۳ھ ہجری) میں فتح ہو چکا تھا لیکن وہاں کے باشندے آئے دن فتنہ وفساد برپا کرتے رہتے تھے اور جس وقت بھی موقع ملتا علم بغاوت بلند کر دیتے تھے۔ حضرت مجاشعؓ بن مسعود طوفان برق و باد کی طرح کرمان کی طرف بڑھے اور سب سے پہلے وہاں کے ایک بڑے شہر ہمید (یا ہمیند) کو مسخر کیا۔ اس شہر میں انہوں نے کچھ عرصہ قیام کیا اور اپنے اثنائے قیام میں وہاں ایک عظیم الشان قصر یا قلعہ تعمیر کرایا۔ اس کے بعد انہوں نے آگے بڑھ کر بردخرہ پر پرچم اسلام بلند کیا پھر کرمان کے سب سے بڑے شہر سیرجان کو فتح کیا اور وہاں سے باغیوں کے سرغنہ اور فساد برپا کرنے والے شر پسندوں کو جلا وطن کر دیا۔ اگرچہ بار بار بغاوت کرنے کی وجہ سے وہ قتل کے مستحق تھے لیکن حضرت مجاشعؓ نے نرمی سے کام لیا، عوام کو تو بالکل معاف کر دیا اور صرف ان کے سرغنہ اور مفسدہ پرداز عمائد کو جلا وطنی کی سزا دینے پر اکتفا کیا کہ شاید کسی وقت ان لوگوں کی اصلاح ہو جائے۔

سیرجان کی تسخیر کے بعد حضرت مجاشعؓ بم اور اندغار کو مطیع کرتے ہوئے جیرفت پہنچے جو کرمان کا تجارتی مرکز تھا۔ حضرت مجاشعؓ نے اس شہر پر بھی پرچم اسلام بلند کر دیا[1] اور پھر قفص (موجودہ پاکستانی بلوچستان) کی طرف بڑھے۔

---

[1] بعض روایتوں میں سیرجان اور جیرفت کو سیستان کے شہر بتایا گیا ہے۔——

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

علامہ بلاذریؒ کا بیان قدرے مختلف ہے وہ لکھتے ہیں کہ ۳۱ھ ہجری میں حضرت مجاشعؓ بن مسعود خراسان اور سجستان کو فتح کرتے ہوئے کرمان پہنچے اور اسے فتح کرنے کے بعد قفص (پاکستانی بلوچستان)[1] آئے تو ہرموز کے مقام پر کرمان وغیرہ سے بھاگے ہوئے عجمیوں اور ایرانیوں کے ایک لشکر نے مقابلہ کیا۔ ان کے ساتھ مقامی باشندے بھی یقیناً مل گئے ہوں گے۔ حضرت مجاشعؓ بن مسعود نے ان سے خونریز جنگ کر کے فتح حاصل کی۔ بلاذریؒ اور ابنِ اثیرؒ کے الفاظ یہ ہیں:

فقاتلهم فظفر بهم وظهر عليهم

یعنی (مجاشعؓ نے اہل قفص سے) جنگ کر کے ان پر فتح حاصل کی اور غلبہ پایا۔

(فتوح البُلدان، ص ۴۳۸۔ الکامل ج ۳)

بہت سے شکست خوردہ دشمنوں نے بحری راستے سے راہِ فرار اختیار کی۔ کچھ تو

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ) ——— سیستان کا صوبہ کرمان کے صوبے سے متصل تھا۔ ہو سکتا ہے کہ ان صوبوں کے حدود میں ردوبدل ہوتا رہا ہو۔ علامہ شبلی نعمانیؒ نے "الفاروق" میں سیرجان اور جیرفت کو کرمان ہی کے شہر قرار دیا ہے۔

[1] مولانا سید ابوظفر ندوی نے اپنی کتاب "تاریخِ سندھ" میں یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ قفص بظاہر قبچ کا معرّب معلوم ہوتا ہے۔ غالباً اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو قبچاق (ترکستان) کے باشندے تھے اور ہجرت کر کے یا (فاتحانہ) کسی زمانے میں ہندوستان کے مغربی پہاڑوں میں آ بسے تھے غالباً انہی کو آج پٹھان اور بلوچی کہتے ہیں۔

قاضی اطہر مبارکپوری صاحب اپنی کتاب "خلافتِ راشدہ اور ہندوستان" میں لکھتے ہیں کہ بلوچستان (پاکستان) کے وسطی پہاڑوں کو عربوں نے جبالِ قفص لکھا ہے جن کو آج کل ساراوان اور جھالاوان کی پہاڑیاں کہتے ہیں اور قفص یا قفس وہی قوم ہے جسے بلوص یا بلوج یعنی بلوچ کہتے ہیں۔

جنوب میں مکران میں جاکر پناہ گزیں ہوئے اور کچھ شمال میں سجستان چلے گئے۔ ان کے بھاگ جانے کے بعد حضرت مجاشع رضؓ نے کچھ عرب خاندان وہاں آباد کیے۔ انہوں نے بھگوڑوں کے کھیتوں اور مکانوں پر قبضہ کر لیا اور کھیتی باڑی شروع کر دی۔ اس کے عشر کی رقم انہوں نے دربارِ خلافت کو روانہ کی۔

حضرت مجاشعؓ نے کرمان اور قفص (ساراداں اور جھالاواں کے پہاڑی علاقوں) کو دشمنوں سے پاک کر کے چار پانچ سال تک اطمینان سے حکومت کی۔

اپنے دورِ حکومت میں انہوں نے رفاہِ عام کے بہت سے کام کیے۔ مختلف آبادیوں کے درمیان آمد و رفت کے لیے سڑکیں بنوائیں۔ سرائیں تعمیر کرائیں آبپاشی اور پینے کے پانی کے لیے کنوئیں کھدوائے اور مسافروں کے لیے سہولتیں بہم پہنچانے کا انتظام کیا۔

بعض مؤرخین نے بیان کیا ہے کہ حضرت مجاشعؓ بن مسعود نے کسی وقت قفص سے نکل کر کابل پر حملہ کیا اور اسے مسخر کیا۔ دراصل کابل اس سے کئی سال پہلے مجاہدینِ اسلام فتح کر چکے تھے لیکن وہاں کے باشندے بہت سرکش تھے۔ موقع پاکر فوراً باغی ہو جاتے تھے ان کو مطیع کرنے کے لیے وقتاً فوقتاً لشکر کشی کی ضرورت پڑتی رہتی تھی۔ عہدِ عثمانی میں کابل کو مسخر کرنے والے جرنیلوں میں حضرت عبداللہؓ بن عامر اور حضرت عبدالرحمٰنؓ بن سمرہ کے نام خصوصیت سے لیے جاتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کسی وقت حضرت مجاشعؓ بن مسعود نے بھی باغیوں کی سرکوبی کے لیے کابل پر حملہ کیا ہو۔ حافظ ابنِ حجرؒ نے "الاصابہ فی تمییز الصحابہ" میں دولابی کے حوالہ سے لکھا ہے:

انہ غزا کابل من بلاد الھند فصالحہ الامیھد فدخل مجاشع بیت الاصنام فاخذ جوھرۃ من عین الصنم، وقال: لم اخذھا الا لتعلموا انہ لا یضر ولا ینفع

یعنی مجاشع بن مسعود نے بلادِ ہند سے کابل میں جہاد کیا اور صلح کے بعد بت خانہ

میں سے ایک بُت کو اپنے ہاتھ سے پکڑ کر اٹھا لیا اور بُت پرست کابلیوں سے کہا کہ میں نے اس بُت کو اس لیے اپنے ہاتھ میں پکڑا ہے کہ تمھیں معلوم ہو جائے کہ یہ بُت نہ کسی کو نفع پہنچا سکتے ہیں اور نہ نقصان۔

حضرت مجاشعؓ ایک ماہر شہسوار تھے اور ان کو گھوڑے پالنے کا بہت شوق تھا۔ ان کے پاس "دبساء" نام کا ایک مشہور گھوڑا تھا جس کی دوڑ سے انعام حاصل کیا کرتے تھے چنانچہ ایک دفعہ دوڑ میں اس کے جیتنے پر پچاس ہزار درہم کا انعام حاصل کیا۔ ("خلافت راشدہ اور ہندوستان"۔ قاضی اطہر مبارکپوری)

چند سال بعد قوا میں اضمحلال آ جانے کے باعث حضرت مجاشعؓ عسکری سرگرمیوں سے الگ ہو کر بصرہ آ گئے اور وہیں مستقل سکونت اختیار کر لی۔ حضرت عثمان ذوالنورینؓ مظلومانہ شہید ہوئے تو ان کو سخت صدمہ پہنچا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کے دورِ خلافت کی ابتدا میں قصاصِ عثمانؓ کے سلسلے میں جنگ جمل پیش آئی تو حضرت مجاشعؓ اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کے لشکر میں شامل ہو گئے۔ اُمّ المومنینؓ نے انھیں بنو قیس کا کماندار مقرر کیا۔ اسی لڑائی میں انھوں نے بڑی بہادری سے لڑتے ہوئے شہادت پائی۔ (۳۶ھ)

حضرت مجاشعؓ کے رواۃِ حدیث میں ابو عثمان نہدیؒ، کلیب بن شہابؒ، عبدالملک بن عمیرؒ اور یحییٰ بن اسحاقؒ وغیرہ شامل ہیں۔

قربانی سے متعلق حضرت مُجاشعؓ بن مسعود نے یہ مشہور حدیث روایت کی ہے کہ:

"رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم فرمایا کرتے تھے کہ جذع (یعنی وہ دنبہ یا بھیڑ جو چھ ماہ سے زیادہ کی ہو) کافی ہے اس چیز سے کہ کفایت کرے اس کو ثنی (یعنی سال بھر سے زیادہ کا دنبہ یا بکری)"۔

یعنی چھ ماہ (یا اس سے کچھ زیادہ) کا دنبہ بھی قربانی کے لیے اسی طرح کافی ہے جس طرح سال بھر سے زیادہ کا جانور (دنبہ یا بکری)

(مشکوٰۃ بحوالہ ابوداؤد، نسائی، ابنِ ماجہ)

رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ

حضرت تمیمؓ بن اُسید عدوی

①

فتح مکہ (رمضان ۸ھ) کے کچھ عرصہ بعد کا ذکر ہے کہ ایک صاحب مدینہ منورہ میں اس حال میں وارد ہوئے کہ ان کا لباس گرد آلود تھا اور چہرے پر تھکن کے آثار تھے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ دُور کی مسافت طے کر کے آئے ہیں۔ اُس وقت سرورِ عالم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم مسجدِ نبوی میں خطبہ دے رہے تھے۔ وہ صاحب سیدھے مسجدِ نبوی میں پہنچے اور حضورؐ کے قریب جا کر عرض کیا:-

"یا رسول اللہ! مسافر ہوں اور اپنے دین کی باتیں پوچھنے حاضر ہوا ہوں میں نہیں جانتا کہ میرے دین میں کیا باتیں ہیں۔"

ان کی بات سن کر سرورِ عالم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے خطبہ چھوڑ دیا اور ان کی طرف متوجہ ہوئے۔ آپؐ کے لیے کھجور کی چھال سے بنی ہوئی ایک کرسی لائی گئی جس کے پائے لوہے کے تھے۔ آپؐ اس پر تشریف فرما ہوئے اور ان صاحب کو سامنے بُلا کر دیر تک دین کی ضروری باتوں کی تعلیم دیتے رہے ——— یہ خوش بخت صاحب رسول جن کو دین کی تعلیم دینے کی خاطر سید المرسلین والانبیاء صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے خطبہ روک دیا، حضرت تمیمؓ بن اُسید عدوی تھے۔

②

سیدنا حضرت تمیمؓ بن اُسید تاریخ میں اپنی کنیت "ابو رفاعہ"

سے مشہور ہیں۔ ان کے والد کے نام میں بہت اختلاف ہے کسی نے اُرسید لکھا ہے اور کسی نے اُسید۔ بعض نے نُذیر بھی لکھا ہے اور کچھ اَسد اور ایاس بھی بتاتے ہیں۔ ان کا تعلق بنو مضر کی شاخ عدی بن عبد مناۃ سے تھا۔

نسب نامہ یہ ہے:

تمیم بن اسید بن عدی بن مالک بن تمیم بن دؤل بن جبل بن عدی بن عبد مناۃ بن ادس طانجہ بن الیاس بن مضر۔

عام طور پر بیان کیا جاتا ہے کہ وہ فتح مکہ کے بعد مشرف بہ اسلام ہوئے۔ اوپر جو واقعہ بیان کیا گیا ہے یہ خود ان سے مروی ہے۔ اس کے الفاظ سے یہ قیاس بھی کیا جا سکتا ہے کہ وہ دربارِ رسالت میں حاضر ہونے سے پہلے ہی ایمان لا چکے تھے البتہ اس موقع پر ان کو حضورؐ کی زیارت اور آپؐ سے براہِ راست تعلیمِ دین حاصل کرنے کا شرف حاصل ہُوا۔

اس واقعہ کے بعد انہوں نے کچھ عرصہ مدینہ منوّرہ میں قیام کیا اور اس عرصے میں سرورِ عالم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے سورۂ بقرہ اور متعدد دوسری سورتیں (لسانِ رسالت سے براہِ راست) سُنیں اور حفظ کر لیں۔ ان کے علاوہ انہوں نے حضورؐ کے بہت سے ارشادات کو بھی اپنے ذہن میں محفوظ کر لیا۔

مدینہ منوّرہ میں ورود اور قیام کے بعد ۴۴ ہجری تک حضرت ابو رفاعہؓ کے لیل و نہار کا سوائے اس کے اور کچھ پتہ نہیں چلتا کہ نہایت متّقی اور عبادت گزار تھے۔ وقت کا بیشتر حصہ عبادتِ الٰہی اور تلاوتِ قرآن میں گزارتے تھے۔ نمازِ تہجد کبھی ناغہ نہ کرتے تھے۔ خود بیان کرتے تھے کہ جب سے میں نے رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے سورۂ بقرہ اور دوسری آیاتِ قرآنی سیکھی ہیں۔ اس وقت سے نہ سورۂ بقرہ کی تلاوت مجھ سے چھوٹی اور نہ قیامِ لیل میں مجھ سے تغافل یا تساہل ہوا۔ (طبقات ابن سعد)

ان کے دل میں ہر وقت شہادت کی تمنا موج زن رہتی تھی۔ علامہ ابن سعد

کا بیان ہے کہ وہ اکثر بارگاہِ الٰہی میں عرض پیرا ہوا کرتے تھے کہ اے اللہ مجھے ایسی طاہر اور پاکیزہ موت دے جس پر دوسرے مسلمان رشک کریں اور وہ موت تیری راہ میں ہو ــــــ ان کی یہ دعا ۴۴ھ ہجری میں درِ اجابت پر جا پہنچی۔

(۴)

حضرت امیر معاویہؓ نے اپنے عہدِ خلافت کی ابتدا میں حضرت عبداللہؓ بن عامر کو بصرہ کا گورنر مقرر کیا (۴۱ھ)۔ انہوں نے اپنی طرف سے ۴۲ھ میں حضرت عبدالرحمٰنؓ بن سمرہ[1] کو سیستان (سجستان) کا والی بنایا۔ وہاں ہر طرف بغاوت پھیلی ہوئی تھی۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ ۴۴ھ میں سیستان پہنچے۔ ان کے لشکر میں حضرت ابو رفاعہؓ بھی شامل تھے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ

---

[1] حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہ کا شمار تاریخِ اسلام کے نامور جرنیلوں میں ہوتا ہے۔ وہ فتح مکہ کے دن ایمان لائے اور شرفِ صحابیت سے بہرہ ور ہوئے۔ جاہلی نام عبدالکعبہ تھا حضورؐ نے بدل کر "عبدالرحمٰن" رکھا۔ ۹ھ میں حضورؐ کے ساتھ غزوۂ تبوک میں شریک ہوئے اس کے بعد عہدِ عثمانی میں منظرِ عام پر آتے ہیں جب ۳۲ھ میں انہیں سجستان کی تسخیر پر مامور کیا گیا۔ انہوں نے سجستان، خراسان اور کابل میں شاندار فتوحات حاصل کیں اور بلوچستان کے ایک حصے پر بھی قابض ہو گئے۔ ۳۶ھ میں سجستان سے واپس آ گئے۔ ۴۲ھ میں انہیں دوبارہ سجستان کا والی بنایا گیا اس بار بھی انہوں نے زبردست فتوحات حاصل کیں۔ بڑے متواضع بزرگ تھے۔ جس دن بارش ہوتی خود پھاوڑا لے کر راستے کی صفائی کیا کرتے تھے۔ آخری عمر میں بصرہ میں مستقل سکونت اختیار کر لی تھی وہیں ۵۰ھ میں سفرِ آخرت اختیار کیا۔ اپنے پیچھے ایک فرزند عبیداللہ نام اپنی یادگار چھوڑے۔ ان سے کئی احادیث مروی ہیں ان میں سے یہ حدیث بہت مشہور ہے کہ ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا، اے عبدالرحمٰن بن سمرہ خود کبھی امارت کی خواہش نہ کرنا اگر تمہاری طلب پر ملے گی تو اس کی ذمہ داری تنہا تمہارے کندھوں پر ہو گی اور

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

جب وہ گھر سے چلنے لگے تو ان کے ایک عزیز ابو قتادہ عدوی نے روکا کہ تمہارے اہل و عیال بالکل تنہا ہیں اس لیے غزوے پر نہ جاؤ۔ لیکن وہ جذبہ شہادت سے سرشار تھے۔ بولے میں جہاد پر جانے کا پختہ ارادہ کر چکا ہوں۔ اب اسے ہرگز تبدیل نہ کروں گا۔ چنانچہ حضرت عبدالرحمٰنؓ کے لشکر میں شامل ہو گئے۔ سیستان پہنچنے کے بعد کئی معرکوں میں دادِ شجاعت دی۔ جب اسلامی لشکر نے کابل کا رُخ کیا تو راستے میں دشمن کا ایک قلعہ حائل ہو گیا۔ مجاہدین رات بھر اس کے گرد چکر لگاتے رہے اور حضرت ابو رفاعہؓ شہادت کی تیاری میں ساری رات عبادت میں مصروف رہے۔ رات کے آخری حصے میں نیند کا غلبہ ہوا تو ڈھال کا تکیہ لگا کر سو گئے۔ صبح کو اسلامی لشکر دشمن کے ارادوں اور سرگرمیوں کی ٹوہ لگانے میں ایسا مشغول ہوا کہ ابو رفاعہؓ کا خیال نہ رہا اور انہیں سوتا چھوڑ کر دوسری طرف چلا گیا۔ اتفاق سے دشمن کے تین آدمیوں نے انہیں دیکھ لیا وہ لپک کر وہاں پہنچے اور حضرت ابو رفاعہؓ کو نیند کی حالت میں شہید کر دیا۔ اسی اثناء میں مسلمانوں کو ان کا خیال آیا اور ان کی تلاش میں نکلے دیکھا تو وہ خاک و خون میں غلطاں پڑے ہیں اور تین کافر ان کے کپڑے اتار رہے ہیں۔ انہوں نے جونہی مسلمانوں کو آتے دیکھا بھاگ گئے اور مسلمان اس شہید راہِ حق کی لاش کو اپنے ساتھ لے آئے۔

حضرت ابو رفاعہؓ کو رسالت کے مقدس دور کی صرف دو تین بہاریں دیکھنے کا موقع ملا لیکن انہوں نے اپنی ذہانت اور اخلاص کی بدولت دین کا اتنا علم حاصل کر لیا کہ فضلائے صحابہ میں شمار ہونے لگے۔ (الاستیعاب لابن عبدالبرؒ)

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ

بغیر سوال و طلب کے ملے گی تو خدا تمہاری مدد کرے گا اور اگر تم کسی بات پر قسم کھا لو لیکن بعد میں کسی دوسری چیز کو اس سے بہتر سمجھو تو اس بہتر کام کو کر دو اور اپنی قسم کا کفارہ دے دو۔

(طبقات ابن سعد و اسد الغابہ)

حضرت عُتبہ رضؓ بن فرقد سُلَمی

①

رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک جاں نثار ایک دفعہ پتی کے مرض میں مبتلا ہو گئے (اسے چھپاکی بھی کہتے ہیں) وہ بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا:

"یا رسول اللہؐ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں مجھے پتی کے مرض نے سخت پریشان کر رکھا ہے۔"

حضورؐ نے انہیں اپنے سامنے بٹھا لیا اور حکم دیا کہ قمیص اتار دو۔ انہوں نے تعمیل ارشاد کی۔ آپؐ نے اپنا لعاب دہن اپنے دونوں ہاتھوں میں لے کر ان کی پیٹھ اور پیٹ پر مل دیا۔ اس مقدس لعاب دہن میں کچھ ایسی تاثیر تھی کہ ان صاحب کی بیماری آناً فاناً دور ہو گئی اور ان کے بدن میں ایسی خوشبو پیدا ہو گئی کہ جس راستے سے گزر جاتے تھے وہ راستہ مہک جاتا تھا۔ یہ خوشبو ان کے جسم میں ساری عمر رہی۔ کسی ناآشنا مجلس میں بھی پہنچ جاتے تو اپنی خوشبو کی وجہ سے فوراً پہچان لیے جاتے تھے۔ یہ خوشبو اتنی دلآویز اور مسحور کن ہوتی تھی کہ کسی عمدہ سے عمدہ عطر کی خوشبو بھی اس کے سامنے ہیچ تھی۔ یہ خوش بخت صاحب رسولؐ جن کے بدن میں سیدالمرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے لعاب دہن کی برکت کے سبب عمر بھر کے لیے خوشبو پیدا ہو گئی حضرت عتبہؓ بن فرقد سلمی تھے۔

(اُسدُالغابہ - الاستیعاب)

سیدنا ابو عبداللہ عتبہؓ بن فرقد کا تعلق عرب کے مشہور قبیلہ بنو سُلیم سے تھا۔ نسب نامہ یہ ہے :-

عتبہؓ بن فرقد بن یربوع بن حبیب بن مالک بن اسعد بن رفاعہ بن ربیعہ بن حارث بن بہثہ بن سُلیم۔ (اُسدُ الغابہ)

ابن مندہؒ نے لکھا ہے کہ عتبہؓ بن فرقد بنو مازن سے تھے لیکن دوسرے ارباب سِیَر نے اس کو تسلیم نہیں کیا اور انھوں نے ان کو سُلمی ہی بتایا ہے۔ بعض نے لکھا ہے کہ فرقد ہی کا دوسرا نام یربوع تھا اور عتبہؓ حبیب کے پوتے تھے۔ واللہ اعلم۔

حضرت عتبہؓ کی والدہ "اُمِّ عتبہ" عباد بن علقمہ بن عباد بن مطلب بن عبدِ مناف کی بیٹی تھیں۔

اہلِ سِیَر نے حضرت عتبہؓ کے قبولِ اسلام کے سال کی تصریح نہیں کی البتہ اتنا پتہ ضرور چلتا ہے کہ حضرت عتبہؓ عہدِ رسالت کے دو غزووں میں شریک ہوئے جن میں سے ایک غزوۂ خیبر (محرم ۷ھ) تھا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ غزوۂ خیبر سے پہلے مشرف بہ اسلام ہو چکے تھے۔ فتح خیبر کے بعد رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کی کچھ زمین حضرت عتبہؓ کو عطا فرمائی۔ انھوں نے اس کی پیداوار ایک سال کے لیے اپنے ماموں کے لیے اور ایک سال کے لیے اپنے چچا کی اولاد کے لیے وقف کر دی۔ چنانچہ ایک سال ان کے ماموں خیبر آتے تھے اور اپنا حصہ وصول کرتے تھے اور دوسرے سال بنو سُلیم سے تعلق رکھنے والے ان کے جدّی رشتہ دار آتے تھے اور اپنا حصہ وصول کرتے تھے۔

(۲)

امیر المؤمنین حضرت عمرؓ فاروق کے عہد خلافت میں حضرت عتبہؓ بن فرقد ایک سرفروش مجاہد اور بہادر سپہ سالار کی حیثیت سے سامنے آتے ہیں۔ انہوں نے ایران میں مجوسیوں کے خلاف کئی معرکوں میں داد شجاعت دی۔ ۱۷ھ میں حضرت عیاضؓ بن غنم نے جزیرہ (میسوپوٹیمیا۔ عراق) فتح کیا تو حضرت عتبہؓ بن فرقد بھی ان کے ساتھ تھے۔ ایک روایت کے مطابق موصل انہی کے ہاتھ پر فتح ہوا۔ دوسری روایت کے مطابق موصل کو حضرت عیاضؓ بن غنم نے فتح کیا اور اس کے ایک حصے کا امیر حضرت عتبہؓ بن فرقد کو مقرر کیا وہاں انہوں نے ایک گھر بنایا اور ایک مسجد تعمیر کرائی۔

۲۱ ہجری میں حضرت عمرؓ فاروق نے ایران پر عام لشکر کشی کا حکم دیا تو حضرت عتبہؓ بن فرقد اور حضرت بکیرؓ بن عبداللہ کو آذربائیجان[1] (آذربیجان) کی تسخیر پر مامور کیا اور جن سمتوں سے ان کو پیش قدمی کرنی تھی، وہ بھی متعین کر دیں۔ چنانچہ حضرت بکیرؓ حلوان کی طرف سے اور حضرت عتبہؓ موصل کی جانب سے آذربائیجان کی طرف بڑھے۔ یہاں پر

---

[1] آذربائیجان (آذربیجان) ایران کا شمال مغربی صوبہ ہے۔ اس کے جنوب مشرق میں گیلان اور جنوب مغرب میں کردستان کے صوبے ہیں۔ مغرب کی طرف اس کی سرحدیں ترکی اور عراق سے ملتی ہیں۔ شمال میں کاکیشیا (روس) اور مشرق میں بحیرہ کیسپین ہے۔ زمانہ سابق میں اس کا صدر مقام مراغہ تھا آج کل تبریز ہے۔ علامہ شبلیؒ نے "الفاروق" میں لکھا ہے کہ آذربائیجان کی وجہ تسمیہ میں دو روایتیں ہیں ایک یہ کہ موبد آذر نے ایک آتش کدہ بنایا تھا جس کا نام آذر آبادگان تھا اور دوسری روایت یہ ہے کہ لغ[illegible]ری میں آذر کے معنی (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

دو بھائیوں اسفندیار اور بہرام کی حکومت تھی۔ انہوں نے مقابلہ کیا لیکن شکست کھائی اور جزیہ دینا منظور کر کے طوقِ اطاعت گلے میں پہن لیا۔ اس کے بعد حضرت عمرِ فاروقؓ نے حضرت عتبہؓ بن فرقد کو سارے صوبہ آذربائیجان کا گورنر مقرر کر دیا۔

دوسرے مؤرخین کے برعکس علامہ بلاذریؒ نے "فتوح البلدان" میں لکھا ہے کہ آذربائیجان کی تسخیر پر حضرت حذیفہ بن الیمانؓ مامور ہوئے تھے۔ انہوں نے اردبیل، میانج، سبز، سراہ، میمند اور موقان وغیرہ کئی اہم مقامات فتح کر لیے۔ بالآخر اہلِ آذربائیجان نے آٹھ لاکھ سالانہ خراج پر مسلمانوں سے صلح کر لی۔ اسی اثناء میں حضرت عمرِ فاروقؓ نے حضرت حذیفہؓ کی جگہ حضرت عتبہؓ بن فرقد کو آذربائیجان کا والی مقرر کیا۔ ان کے پہنچتے پہنچتے آذربائیجان کے تمام اطراف میں بغاوت کے شعلے بھڑک اٹھے۔ حضرت عتبہؓ نے باغیوں کو شکست دے کر دوبارہ تمام مقامات کو فتح کیا اور پھر حکومت کے نظم و نسق کو نئی بنیادوں پر استوار کرنے میں مشغول ہو گئے۔ اسی زمانے میں امیر المومنینؓ نے انہیں ایک خط بھیجا جس میں لکھا کہ:

"اے عتبہ بن فرقد! عیش و آرام کی زندگی سے اجتناب کرو۔ غیر مسلموں کا لباس اور ریشم نہ پہنو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ریشم پہننے سے منع کیا ہے اِلّا یہ کہ وہ اتنا ہو یہ ارشاد فرما

لقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ

آتش کدہ کے ہیں اور بائیگان کے معنی ہیں محافظ کے یعنی نگاہدارندۂ آتش۔ چونکہ [illegible] آتش کدوں کی کثرت تھی اس وجہ سے یہی نام ہو گیا جس کو عربوں نے اپنے [illegible]ربیجان کر لیا —— آج کل اس کو بالعموم آذربائیجان (AZARBAIJAN) کہا جاتا ہے۔

ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دو انگلیاں اٹھا دیں۔"   (ابن جوزی)

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ نے حضرت عتبہؓ بن فرقد کے نام ایک اور خط میں مسلمانوں کے لیے یہ عمومی ہدایات بھی تحریر کیں :-

"نشانہ بازی کی مشق کرو، اپنے لڑکوں کو تیراکی کی مشق کراؤ۔ گھوڑے کی پیٹھ پر کود کر بیٹھا کرو، دھوپ میں رہا کرو کہ یہ عربوں کا حمام ہے، بات چیت عربی میں کرو، سادہ زندگی اختیار کرو، موٹا پہنو اور موٹا کھاؤ۔ مشقت اور تکلیف کی عادت ڈالو، بھائی بھائی بن کر اتفاق سے رہو، عیش و آرام کی زندگی سے پرہیز کرو۔"

ایک دفعہ حضرت عتبہؓ نے بارگاہِ خلافت میں چالیس ہزار درہم بطور محصولِ شراب بھیجے۔ حضرت عمرؓ نے اسے پسند نہ کیا اور حضرت عتبہؓ کو ایک سخت خط لکھا جس میں ان کو اس قسم کی رقم بھیجنے کی ممانعت کی۔

ایک مرتبہ حضرت عتبہؓ رمضان المبارک کے مہینے میں صحرائی بستیوں کے دورے پر گئے۔ وہاں کے مسلمانوں نے بعدِ عصر ہلال دیکھا اور یہ سمجھ کر کہ چاند کل کا ہے روزہ توڑ دیا۔ حضرت عمر فاروقؓ کو اس واقعہ کی خبر ہوئی تو انہوں نے حضرت عتبہؓ کو لکھا :

"اگر چاند صبح کو نظر آئے تو روزہ توڑ دو کیونکہ یہ اس بات کی علامت ہے کہ چاند کل کا ہے اور اگر چاند دن کے آخری حصے میں نظر آئے تو اس دن کا روزہ پورا کرو کیونکہ یہ اس بات کی علامت ہے کہ وہ آنے والے "کل" کا ہے۔"

(کنز العمال ۴/۳۲۵)

(۴)

آذربائیجان میں کھجوروں اور گھی کو ملا کر ایک لذیذ حلوا تیار کیا جاتا تھا، جسے "خبیص" کہا جاتا تھا۔ ایک دفعہ حضرت عتبہؓ بن فرقد نے کافی مقدار میں "خبیص" تیار کرایا اور اسے دو پٹاریوں میں بند کر کے دو آدمیوں کے ہاتھ حضرت عمر فاروقؓ کی خدمت میں بطور تحفہ بھیجا۔ امیر المومنینؓ سمجھے کہ پٹاریوں میں سرکاری روپیہ آیا ہے۔ لانے والوں کے بتانے پر پتہ چلا کہ ان میں خبیص ہے، انہوں نے ایک پٹاری کھلوا کر اسے چکھا تو بہت لذیذ پایا۔ حضرت عمرؓ نے لانے والوں سے پوچھا:

"کیا عتبہ کی فوج کے سب لوگ یہ حلوا سیر ہو کر کھاتے ہیں؟"

انہوں نے نفی میں جواب دیا تو حضرت عمرؓ نے فرمایا "یہ حلوا واپس لے جاؤ۔ جو چیز سارے مسلمانوں کو میسر نہیں میرے لیے اس کا کھانا کیسے جائز ہو سکتا ہے۔"

پھر انہوں نے حضرت عتبہؓ کو یہ پُرعتاب خط لکھا:۔

"واضح ہو کہ یہ خبیص نہ تو تمہاری کوشش سے حاصل ہوا نہ تمہارے والد کی کوشش سے تم کو ملا اور نہ تمہاری والدہ کی کوشش سے تم تک پہنچا۔ میں تمہیں تاکید کرتا ہوں کہ وہی غذا کھاؤ جو سب مسلمانوں کو آسانی سے مل سکتی ہو۔ ایسی چیز استعمال نہ کرو جو عام مسلمانوں کو میسر نہیں۔"

(ابن اثیرؒ۔ بلاذریؒ)

بعض روایتوں میں ہے کہ اسی واقعہ کے بعد حضرت عمرؓ نے حضرت عتبہؓ کو ایک سخت خط لکھ کر عیش و آرام کی زندگی سے پرہیز کرنے کی تاکید کی۔

اپنی امارتِ آذربائیجان کے زمانے میں ایک مرتبہ حضرت عتبہؓ بن فرقد

امیرالمومنین حضرت عمرؓ فاروقؓ سے ملنے مدینہ منورہ آئے۔ امیرالمومنین کے گھر کے باہر پہنچ کر اپنے آنے کی اطلاع دی تو انہوں نے اندر بلا بھیجا۔ اس وقت وہ کھانا کھا رہے تھے۔ حضرت عتبہؓ کو بھی اپنے ساتھ شریک ہونے کی دعوت دی۔ وہ بھی دسترخوان پر بیٹھ گئے لیکن چند لقمے اٹھا کر کھانے سے ہاتھ کھینچ لیا۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا، کیا بات ہے تم کھانا کیوں نہیں کھا رہے ہے؟

انہوں نے عرض کیا: "امیرالمومنین اس کو کھانا میرے بس کی بات نہیں۔ میں حیران ہوں کہ آپ اس بن چھنے آٹے کی روٹی اور زیتون کے تیل سے کیسے گزارہ کرتے ہیں۔"

امیرالمومنینؓ نے فرمایا، "ہاں بھئی کرنا ہی پڑتا ہے۔"

حضرت عتبہؓ نے عرض کیا: "لیکن اگر آپ کم از کم آٹا چھنوا لیا کریں اور تیل کی کوئی اچھی قسم استعمال کیا کریں تو کیا ہی اچھا ہو۔"

امیرالمومنینؓ نے پوچھا: "مگر اے عتبہ مجھے یہ تو بتاؤ کہ تمام مسلمان چھنے ہوئے آٹے کی روٹی اور اچھا تیل استعمال کر سکتے ہیں؟"

حضرت عتبہؓ نے عرض کیا: "نہیں یہ تو ممکن نہیں۔"

امیرالمومنین نے فرمایا: "تو پھر ایسی چیز جو عام مسلمانوں کو میسر نہ ہو میرے لئے کیسے جائز ہو سکتی ہے کیا میں یہ پسند کروں کہ میری تمام نیکیاں اس زندگی میں ختم ہو جائیں اور آخرت کے لیے میرے پاس کچھ بھی باقی نہ رہے۔"

حضرت عتبہؓ یہ سن کر خاموش ہو گئے۔ (اُسد الغابہ)

جب وہ امیرالمومنینؓ سے رخصت ہوئے تو ان کی آنکھوں میں آنسو تیر رہے تھے۔

حضرت عتبہؓ بن فرقد کے سالِ وفات کے بارے میں کتب تاریخ و سیر خاموش ہیں۔ قیاس یہ ہے کہ انہوں نے حضرت عثمان ذوالنورینؓ کے عہدِ خلافت میں (۲۴ھ تا ۳۵ھ کے درمیان) کسی وقت وفات پائی۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت ربیع رضؓ بن زیاد حارثی مذحجی

①

امیرالمومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک دفعہ لوگوں سے فرمایا :—— " تم لوگ مجھے کوئی ایسا آدمی بتاؤ جو منصبِ امامت پر فائز ہو لیکن عام لوگوں میں اس طرح گھلا ملا رہے کہ اس کا امیر (حاکم) ہونا معلوم ہی نہ ہو اور جب وہ منصبِ امارت پر فائز نہ ہو تو (اپنے اندازِ زیست اور رکھ رکھاؤ کی بنا پر) یوں معلوم ہو جیسے امیر (حاکم) ہو۔"

لوگوں نے بالاتفاق کہا کہ ہمارے علم میں تو ان اوصاف کا حامل ربیعؓ بن زیاد کے علاوہ اور کوئی شخص نہیں ہے۔

حضرت عمر فاروقؓ نے فرمایا " تم نے ٹھیک کہا۔"

یہ ربیعؓ بن زیاد جن کے اوصاف و محاسن اور غیر معمولی صلاحیتوں کا سیدنا حضرت عمر فاروقؓ جیسے مردم شناس عبقری کو بھی اعتراف تھا، عرب (یمن) کے مشہور قبیلہ مذحج کی شاخ بنی حارث بن کعب کے چشم و چراغ تھے۔ اُن کو شرفِ صحابیت حاصل تھا اور وہ اپنی قوم کے نہایت دانا، معزز اور بہادر آدمیوں میں شمار ہوتے تھے۔ ابن اثیرؒ نے ان کا نسب نامہ اس طرح بیان کیا ہے:

ربیعؓ بن زیاد بن ربیع بن زیاد بن انس بن یزید الدیان بن قطن بن زیاد بن حارث بن مالک بن ربیعہ بن کعب بن حارث بن کعب بن مذحج۔

اربابِ سیر نے حضرت ربیعؓ بن زیاد کے قبولِ اسلام کے زمانہ کی تصریح نہیں کی لیکن قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے فتحِ مکہ کے بعد اسلام قبول کیا

اور اواخرِ عہدِ رسالت میں اپنے قبیلے کے چند آدمیوں کے ساتھ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر شرفِ صحابیت سے سرفراز ہوئے۔

حضرت ربیعؓ چھریرے بدن کے گورے چٹے دراز قامت آدمی تھے بظاہر کمزور معلوم ہوتے تھے لیکن میدانِ جنگ میں بڑے بڑے دلاورانِ صف شکن ان کے سامنے پانی بھرتے تھے۔ سیرت نگاروں نے اُن کی نرم خوئی، تواضع، انکسار، شجاعت و بسالت اور تدبیر و فراست کی بہت تعریف کی ہے۔ ابنِ قتیبہؒ نے ان کے بارے میں لکھا ہے وَكَانَ مُتَوَاضِعًا خَيِّرًا۔

۲

حضرت عمرِ فاروقؓ کے عہدِ خلافت میں حضرت ربیعؓ نے جہادِ ایران میں بھرپور حصہ لیا اور ایرانیوں کے خلاف کئی معرکوں میں اپنی شجاعت کے جوہر دکھائے۔ ۱۷ھ ہجری میں بصرہ کے گورنر حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے خوزستان پر چڑھائی کی[1] تو حضرت ربیعؓ بن زیاد اور ان کے بھائی مہاجرؓ بن زیاد بھی حضرت ابو موسیٰؓ کے ساتھ تھے۔ اسلامی فوج نے خوزستان میں داخل ہو کر "مناذر" کا محاصرہ کر لیا۔ یہ شہر متعدد سڑکوں کا مقامِ اتصال تھا اور کئی طرف سے دریا اور نہریں اسے گھیرے ہوئے تھیں۔ اس کے علاوہ اس کے گرد ایک مضبوط شہر پناہ بھی تھی۔ اہلِ شہر نے مقابلے کی زبردست تیاری کر رکھی تھی۔ انھوں نے شہر کے دروازے بند کر لیے اور مقابلے پر ڈٹ گئے۔ مسلمانوں نے کئی بار

---

[1] خوزستان اس علاقے کا نام ہے جو عراق اور فارس کے درمیان واقع ہے۔ اس کے جنوب میں خلیج فارس ہے اور اپنے محلِ وقوع کے اعتبار سے یہ صوبہ بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ خلافتِ راشدہ کے دور میں اہواز، شوستر، مناذر، سوس وغیرہ مشہور شہر تھے۔ خوزستان پر لشکر کشی کا سبب یہ تھا کہ اہواز کا حاکم خلافتِ اسلامیہ کی اطاعت سے منحرف ہو گیا تھا اور اس نے علانیہ بغاوت کا اظہار کیا تھا۔

شہر پر دھاوا بولا لیکن ایرانیوں کی سخت مزاحمت کے باعث وہ اس میں داخل ہونے میں کامیاب نہ ہوئے۔ ایسے ہی ایک معرکے میں حضرت ربیعؓ کے بھائی مہاجرؓ بن زیاد مردانہ وار لڑتے ہوئے شہید ہو گئے۔ شہر والوں نے ان کا سر کاٹ کر برج کے کنگرہ پر لٹکا دیا۔ اس سے ان کا مقصد مسلمانوں کو مرعوب کرنا تھا لیکن مرعوب ہونے کے بجائے مسلمانوں کو اس قدر جوش آیا کہ انہوں نے ہر قیمت پر مناذر کو جلد از جلد فتح کرنے اور مہاجرؓ کے قتل کا بدلہ لینے کا تہیہ کر لیا۔ اسی اثناء میں حضرت ابوموسیٰؓ کو اطلاع ملی کہ اہلِ سوس مسلمانوں پر حملہ کرنے کے لیے پر تول رہے ہیں۔ انہوں نے مناذر کی تسخیر حضرت ربیعؓ بن زیاد کے سپرد کی اور خود فوج کے ایک حصے کے ساتھ سوس کی طرف روانہ ہو گئے۔ حضرت ربیعؓ نے جلد ہی اہلِ مناذر کی مزاحمت کو کچل دیا اور فاتحانہ شہر میں داخل ہو گئے۔ اسی زمانے میں امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ نے حضرت ربیعؓ کو حضرت ابوموسیٰؓ کی ماتحتی میں کرمان اور مکران پر فوج کشی کے لیے امیر مقرر کیا۔

ایک روایت کے مطابق حضرت ربیعؓ نے مکران پر قبضہ کر لیا لیکن اس مہم کا مقصد مکران پر مستقل قبضہ کرنا نہ تھا اس لیے مجاہدین جلد ہی وہاں سے واپس آ گئے۔ (تاریخِ سندھ از ابوظفر ندوی)

صاحب "چچ نامہ" کا بیان ہے کہ

"وہم در خلافت عمرؓ بن الخطاب رضی اللہ عنہ، ابوموسیٰ اشعریؓ بعراق نامزد شدہ بود، و ربیعؓ بن زیاد حارثی را در خیل او بہ کرمان و مکران نصب کردند و بجانب ابوموسیٰ اشعریؓ از دار الخلافہ نوشتند کہ از حال ہند و کرمان و عراق اعلام دہ، چوں حال ابن ابی العاصی معلوم شد کہ ہند و سند را رائے پیدا آمدہ کہ تمرد و تعندی کند و طریقۂ عصیاں در دل دارد، ابوموسیٰ اشعریؓ آں حال را بہ امیر المومنین عمرؓ نوشت و اعلام داد۔ او را از غزوۂ ہند منع بلیغ فرمودند۔"

کرمان اور مکران پر منظم فوج کشی سنہ ۲۳ھ میں ہوئی۔ کرمان کو حضرت سہیلؓ بن عدی نے اور مکران کو حضرت حکمؓ بن عمرو غفاری نے فتح کیا لیکن پھر حضرت عمرؓ نے ان کو آگے بڑھنے سے روک دیا۔

(۳)

حضرت عثمانؓ ذوالنورین کے عہدِ خلافت میں حضرت عبداللہؓ بن عامر سنہ ۲۹ھ میں بصرہ کے گورنر مقرر ہوئے تو انہوں نے دیکھا کہ کابل، کرمان اور سیستان وغیرہ اکثر مفتوحہ ممالک باغیوں کے ہاتھ میں ہیں۔ انہوں نے باغیوں کی سرکوبی کے لیے مختلف افسر مقرر کیے۔ اس سلسلے میں حضرت ربیعؓ بن زیاد کو سجستان (سیستان) کی مہم پر امیر بنا کر روانہ کیا گیا۔

حضرت ربیعؓ بصرہ سے چل کر فہرجؔ[1] آئے اور اسے فتح کر کے بحشر ذریخ کا صحرا عبور کیا اور سیستان کے مشہور قلعہ زالق پر حملہ آور ہوئے۔ وہاں کے حاکم نے سونے چاندی کی صورت میں کثیر زرِ فدیہ دے کر اطاعت قبول کر لی۔ اس کے بعد حضرت ربیعؓ راشت کے شہر کی طرف بڑھے۔ وہاں کے باشندوں نے سخت مقابلہ کیا لیکن مسلمانوں نے ان کو شکست دے کر مطیع و منقاد بنایا۔ پھر وہ کئی دوسرے شہروں کو مسخر کرتے ہوئے زرنج پہنچے۔ زرنج کے حاکم نے

---

[1] قاضی اطہر مبارکپوری نے اپنی کتاب "خلافتِ راشدہ اور ہندوستان" میں لکھا ہے کہ:
"فہرج یا بہرج سندھ کے مشہور شہروں میں سجستان کی طرف جبال پایہ کے حدود میں واقع تھا۔ چونکہ یہ مکران اور سندھ کی شمالی حدود میں سجستان سے متصل تھا اس لیے اس کا شمار سندھ اور مکران دونوں میں ہوا ہے۔ ہمارے خیال میں فہرج، بہرج اور بہرہ تینوں نام "کوہ پایہ" کی تعریب ہیں اور اس سے مراد پایہ کے پہاڑی علاقے ہیں جو سجستان سے مکران اور سندھ کی طرف آتے ہوئے پڑتے ہیں۔"

کچھ دن تو مسلمانوں کا مقابلہ کیا لیکن پھر قلعہ بند ہو کر بیٹھ گیا۔ جب محاصرہ کی سختی سے تنگ آ گیا تو حضرت ربیعؓ کو صلح کا پیغام بھیجا اور خواہش ظاہر کی کہ میں خود آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر اظہارِ اطاعت کرنا چاہتا ہوں ۔۔۔ حضرت ربیعؓ اس سے ملاقات کرنے پر رضامند ہو گئے لیکن اس کو مرعوب کرنے کے لیے انہوں نے عجیب طریقہ اختیار کیا۔ لشکر گاہ کے سپاہیوں کو ایسی وردیاں پہنا دیں کہ ان کو دیکھ کر دہشت طاری ہو جاتی تھی۔ پھر حاکم زرنج کے آنے سے پہلے ایک لاش پر بیٹھ گئے اور ایک لاش کو پیچھے رکھ کر اس کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھ گئے۔ حاکم زرنج یہ نظارہ دیکھ کر اس قدر دہشت زدہ ہوا کہ اس کے جسم پر لرزہ طاری ہو گیا۔ اس نے مسلمانوں کی تمام شرائط قبول کر کے شہر کے دروازے کھول دیئے اور زرنج پر پرچم اسلام بلند ہو گیا۔

زرنج کی تسخیر کے بعد حضرت ربیعؓ نے دریائے ہند مند (یاسنا زور) پار کیا اور نوق، دشت، اصطیل رستم وغیرہ متعدد مقامات فتح کیے اور پھر واپس زرنج آ گئے۔ وہ ان فتوحات میں متواتر دو سال تک سرگرم رہے جبکہ سیستان میں ان کی کل مدت ولایت اڑھائی سال ہے۔ اس دوران میں انہوں نے فہرج کے علاوہ مکران اور سندھ کے کئی اور علاقے بھی مسخر کیے۔ یہ سب ۳۰ھ ہجری کے واقعات ہیں۔ اسی زمانے میں مشہور مجاہد اور شاعر عمروؓ بن معدیکرب نے حضرت ربیعؓ بن زیاد کے کارناموں کے بارے میں ایک زوردار رزمیہ قصیدہ کہا جس کے کچھ اشعار یہ ہیں:

والقادسية حيث زاحم رستم	قادسیہ میں جب رستم نے سخت مقابلہ کیا
كنا الحماة بهن كالاشطان	تو ہم رسیوں کی طرح عورتوں کے محافظ تھے
الضاربين بكل ابيض مخذم	ہم تیز دھار والی چمکتی ہوئی تلواروں سے دشمنوں کو
والطاعنين مجامع الاضغان	مار رہے تھے اور پُرکینہ سینوں پر نیزوں کا مینہ برسا رہے تھے
ومضىٰ ربيعٌ بالجنود مُشَرِّقًا	اور ربیع فوجوں کو لے کر بڑھتے چلے جاتے تھے

ینوی الجہاد وطاعۃ الرحمٰن	ان کی نیت جہاد اور رحمٰن کی اطاعت تھی
حتیٰ استباح قریٰ سواد فارس	یہاں تک کہ انہوں نے سوادِ عراق کے دیہات اور فارس کو اور
والسہل والاجبال من مکران	مکران کی نرم زمینوں اور دشوار گزار پہاڑوں کو فتح کر لیا۔

امارت سیستان کے زمانے میں حضرت ربیعؓ بن زیاد کے میر منشی حضرت خواجہ حسن بصریؒ تھے۔

مؤرخین نے لکھا ہے کہ سجستان کی فتوحات میں حضرت ربیعؓ کو چالیس ہزار جنگی قیدی ہاتھ آئے۔

اڑھائی سال کے بعد حضرت عبداللہؓ بن عامر والیٔ بصرہ نے حضرت ربیعؓ بن زیاد کو سیستان سے واپس بلا لیا اور ان کی جگہ بنو حارث بن کعب کے ایک آدمی کو سیستان کا امیر بنایا (ایک روایت یہ بھی ہے کہ حضرت ربیعؓ خود ایک نائب سیستان میں چھوڑ کر حضرت عبداللہؓ بن عامر کے پاس چلے گئے) حضرت ربیعؓ کے سیستان سے آنے کے بعد وہاں پھر بغاوت ہو گئی۔ اس کے بعد جو واقعات پیش آئے ان کے بارے میں مؤرخین میں اختلاف ہے۔ قاضی اطہر مبارکپوری صاحب نے "خلافتِ راشدہ اور ہندوستان" میں لکھا ہے کہ:

> "(ربیعؓ بن زیاد کے سیستان سے آنے کے بعد) کابل کے راجہ نے طاقت جمع کر کے وہاں سے تمام مسلمانوں کو نکال دیا، دوسری طرف راجہ رتبیل نے زابلستان اور رخج پر قبضہ کر کے بست تک کا تمام علاقہ اپنے قبضے میں کر لیا۔ اس صورتِ حال سے نپٹنے کے لیے پھر حضرت ربیعؓ بن زیاد کے عزم و تدبر کی ضرورت پڑی۔ چنانچہ ۳۶ھ میں آپ ان سرکش راجوں کے مقابلہ کے لیے نکلے اور بست میں آتے ہی راجہ رتبیل سے مقابلہ کر کے اس کو شکست دی وہ رخج کی طرف بھاگا۔ آپ نے اس کا تعاقب کر کے پھر شکست دی۔ اسی زمانہ میں حضرت ربیعؓ بن زیاد نے بلادِ داور کو بھی فتح کیا۔ اس کے بعد

زیاد بن ابی سفیان نے ان کی جگہ عبید اللہ بن ابوبکرہ کو سجستان کا حاکم بنایا۔“

لیکن جمہور مؤرخین کے بیان کے مطابق سیستان، زابلستان کابل وغیرہ کی بغاوت کو حضرت عبدالرحمٰنؓ بن سمرہ نے فرو کیا۔ ان کے واپس آنے کے بعد سیستان میں پھر بغاوت ہوئی تو اصحاب جمل میں سے حسکہ بن عتاب حبطی نے وہاں پہنچ کر پہلے باغیوں کو مطیع کیا اور پھر اپنی خود مختار حکومت قائم کر لی۔ یہ حضرت علیؓ کا دورِ خلافت تھا اور ان کی طرف حضرت عبداللہ بن عباسؓ بصرہ کے گورنر تھے۔ انہوں نے ربعی بن کاس عنبری کو چار ہزار فوج دے کر سیستان بھیجا۔ ربعی نے حسکہ بن عتاب کو شکست دے کر سیستان پر خلافت کا اقتدار بحال کر دیا۔

ربعی اس علاقے میں زیادہ دیر تک امن قائم نہ رکھ سکے۔ اس پر حضرت علیؓ نے ۳۹ھ میں زیاد کو خراسان (بشمول سیستان و کابل وغیرہ) کا والی بنا دیا۔ اس نے وہاں پہنچ کر ان ممالک کا بہترین انتظام کیا۔ ہو سکتا ہے کہ ربیعؓ بن زیاد کے جن کارناموں کا ذکر قاضی اطہر مبارکپوری نے کیا ہے وہ انہوں نے ۳۶ھ میں نہیں بلکہ ۳۹ھ میں (زیاد کی ماتحتی میں) سرانجام دیئے ہوں۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی ابتدائے خلافت میں جمل کی افسوسناک جنگ پیش آئی۔ اس لڑائی میں حضرت ربیعؓ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کے پرجوش حامی تھے۔ انہوں نے ام المومنینؓ کی فوج کے ایک دستے کی قیادت بھی کی۔

حضرت امیر معاویہؓ نے اپنے دورِ خلافت میں حضرت ربیعؓ بن زیاد کو پہلے سجستان اور پھر خراسان کا حاکم بنایا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ ۵۱ھ میں حضرت ربیعؓ خراسان کی امارت پر آئے تو ان کے ساتھ کوفہ اور بصرہ کے

تقریباً پچاس ہزار آدمی اپنے اہل وعیال سمیت خراسان آگئے اور وہیں مستقل اقامت اختیار کرلی۔ حضرت ربیعؓ اگرچہ گورنر عراق زیاد بن ابوسفیان کے ماتحت امیر تھے لیکن جہاں تک ہو سکتا تھا، اس کو خط نہ لکھتے تھے۔ انہوں نے ۵۳ھ یا اس کے کچھ بعد وفات پائی۔

ابن اثیرؒ کا بیان ہے کہ حضرت حجرؓ بن عدی کو حضرت معاویہؓ کے حکم سے قتل کیا گیا تو حضرت ربیعؓ کو سخت صدمہ پہنچا۔ انہوں نے یہ خبر سن کر دعا کی کہ اے اللہ ربیعؓ کے لیے تیرے یہاں کچھ بھلائی ہو تو اسے اس دنیا سے اٹھا لے۔ یہ دعا مانگ کر وہ اپنی نشست سے اٹھنے نہیں پائے تھے کہ ان کی وفات ہو گئی۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت زیادؓ بن حارث الصُدائیؓ

①

حضرت زیادؓ بن حارث الصُدائیؓ کا شمار ان اصحاب رسولؐ میں ہوتا ہے جن کے حالات زندگی تو بہت کم معلوم ہیں لیکن ان کا ایک دو بار ہی بارگاہِ رسالت میں حاضر ہونا تاریخ اسلام کا ایک ایمان افروز اور ناقابل فراموش باب بن گیا۔ حضرت زیادؓ بن حارث کا تعلق بنو صُدا سے تھا جو یمن کا ایک قبیلہ ہے۔ ابن اثیرؒ کا بیان ہے کہ وہ بنی حارث بن کعب بن مذحج کے حلیف تھے بعض نے حضرت زیادؓ کے والد کا نام حرث لکھا ہے۔ علامہ مخدوم محمد ہاشم سندھیؒ نے اپنی کتاب "بذل القوۃ" میں بیان کیا ہے کہ ۸ھ ہجری میں بنو صُدا کا ایک وفد بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوا۔ یہ وفد پندرہ آدمیوں پر مشتمل تھا جن میں حضرت زیادؓ بن حارث بھی شامل تھے۔

ایک روایت کے مطابق حضورؐ نے ان لوگوں کی خاطر تواضع کے لیے رئیس الخزرج حضرت سعدؓ بن عبادہ انصاری کو مامور فرمایا۔ یہ حضرات بیعت اسلام سے مشرف ہو کر وطن واپس لوٹے اور اُن کی دعوت کے نتیجے میں ان کے یہاں اسلام کثرت سے پھیلا۔ چنانچہ حجۃ الوداع کے موقع پر اُن کے ایک سَو آدمی بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے۔

②

حضرت زیادؓ بن حارث نے بارگاہِ رسالت میں اپنی حاضری اور کئی دوسرے واقعات خود ایک حدیث میں تفصیل کے ساتھ بیان کیے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ:

"میں رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا

قبولِ اسلام کا شرف حاصل کیا اور آپؐ کے دست مبارک پر بیعت کی۔ (اسی دوران میں) مجھے معلوم ہُوا کہ رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے میرے قبیلے کی طرف ایک لشکر بھیجا ہے۔ میں نے حضورؐ کی خدمت میں عرض کیا کہ یا رسول اللہؐ آپ اس لشکر کو واپس آنے کا حکم دیں میں اپنے قبیلے کی طرف سے ان کے قبولِ اسلام اور ان کی اطاعت کا ضامن ہوں۔

آپؐ نے فرمایا، بہت اچھا، تم جاؤ اور لشکر کو واپس لے آؤ۔ میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہؐ! میری سواری تھک چکی ہے کسی اور شخص کو اس کام پر مامور فرمائیں۔ حضورؐ نے میری درخواست قبول فرمالی اور ایک اور شخص کو لشکر واپس لانے کا حکم دیا۔ میں نے اپنی قوم کے نام ایک خط لکھ کر اس آدمی کے ہاتھ بھیجا (کہ اسلام قبول کرو اور رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے حلقۂ اطاعت میں داخل ہو جاؤ) وہ شخص لشکر کو واپس لے آیا۔ ساتھ ہی میرے قبیلے کا ایک وفد بھی قبولِ اسلام اور اظہارِ اطاعت کے لیے بارگاہِ رسالت میں حاضر ہُوا۔

رسول اللہ صَلَّی اللہُ علیہ وسلم نے مجھ سے مخاطب ہو کر فرمایا،

اے صُدائی بھائی تیری قوم تیرے پیچھے چلتی ہے؟ میں نے عرض کیا، جی ہاں، وہ لوگ میری بات مانتے ہیں لیکن جہاں تک ان کے قبولِ اسلام کا تعلق ہے، ان کو اس کی طرف اللہ تعالیٰ ہی نے ہدایت دی ہے۔

پھر حضورؐ نے مجھ سے فرمایا، کیا میں تمہیں تمہارے قبیلے پر امیر نہ مقرر کر دوں؟ میں نے عرض کیا، بہت بہتر۔ اس پر آپؐ نے مجھے میری امارت کا فرمان لکھ دیا۔ میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میرے قبیلے کی زکوٰۃ میں میرا حصہ بھی مقرر فرما دیں۔ اس پر آپؐ نے ایک اور پروانہ لکھوا دیا جس میں زکوٰۃ میں میرے حصہ کے بارے میں

ہدایت تھی۔ یہ واقعات ایک سفر کے دوران میں پیش آئے جبکہ حضورؐ وہ سفر فرما رہے تھے۔ اسی سفر میں حضورؐ نے آگے چل کر ایک (اور) مقام پر پڑاؤ ڈالا۔ اس علاقے کے لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آپؐ کے عامل کی شکایت لے کر آئے اور عرض کی کہ یا رسول اللہ آپؐ کے بھیجے ہوئے عامل نے اُن باتوں کی وجہ سے مواخذہ کیا ہے جو اس کے اور ہمارے درمیان زمانۂ جاہلیت میں باعثِ نزاع تھیں۔ اس پر آپؐ نے فرمایا، کیا اس نے واقعی ایسا کیا ہے؟ ان لوگوں نے عرض کیا، ہاں یا رسول اللہؐ اس نے واقعی ایسا کیا ہے۔ اس پر حضورؐ نے اپنے صحابہؓ کی طرف ملتفت ہو کر فرمایا، مردِ مومن کے لیے امیر بننے میں کوئی بھلائی نہیں ہوتی۔ آپؐ کا یہ ارشاد میرے دل پر نقش ہو گیا۔ پھر ایک دوسرا شخص آپؐ کی خدمت میں حاضر ہُوا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! مجھے کچھ عنایت فرمائیں۔ اس کی بات سُن کر آپؐ نے فرمایا، جو غنی ہو کر دوسروں سے مانگے تو اس کی یہ حرکت اس کے لیے دردِ سر بن جائے گی۔ اور جو مال وہ اس طرح جمع کرے گا وہ اس کو ہضم نہیں ہو گا۔ اس پر سائل نے عرض کیا کہ مجھے زکوٰۃ میں سے کچھ دیں۔ آپؐ نے فرمایا، اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ کی تقسیم کے لیے جو قاعدے مقرر کیے ہیں اور ان قاعدوں کے مقرر کرنے میں وہ کسی کا بھی، نبی ہو یا غیر نبی، پابند نہیں اور اللہ نے زکوٰۃ کی تقسیم کے لیے آٹھ شقیں مقرر کی ہیں، اگر ان میں سے کسی شق کا تجھ پر اطلاق ہوتا ہے تو ہم تجھے ضرور تیرا حق دیں گے۔ (زیاد کہتے ہیں) حضورؐ کی یہ بات بھی میرے دل پر نقش ہو گئی کیونکہ میں نے غنی ہوتے ہوئے بھی زکوٰۃ میں سے مانگا تھا۔"

(۳)

اسی حدیث میں حضرت زیادؓ آگے چل کر کہتے ہیں کہ

"پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اوّل رات میں کوچ کیا اور میں آپؐ کے ساتھ ساتھ رہا کیونکہ میں خوب توانا اور قوی تھا جبکہ آپؐ کے دوسرے صحابہؓ ایک ایک کرکے آپؐ سے الگ ہوتے رہے اور پیچھے رہ گئے یہاں تک کہ ایک ایسا وقت بھی آیا کہ صرف میں ہی آپؐ کی خدمت میں رہ گیا۔ فجر کی نماز کا وقت ہوا تو حضورؐ نے مجھے اذان دینے کا حکم دیا۔ اذان کے بعد میں حضورؐ سے بار بار عرض کرتا رہا کہ اگر آپ کا حکم ہو تو اقامت کہوں لیکن حضورؐ ہر بار مشرق کی طرف دیکھتے اور فرماتے، ابھی نہیں، یہاں تک کہ فجر اچھی طرح ظاہر ہوگئی تب حضورؐ سواری سے اترے۔ رفع حاجت کے لیے ایک طرف نکل گئے۔ پھر فارغ ہوکر میرے پاس تشریف لائے۔ اسی اثنا میں دوسرے صحابہ بھی پہنچ گئے۔ آپؐ نے مجھ سے مخاطب ہوکر فرمایا، صُدائی بھائی کیا پانی ہے؟ میں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ بہت ہی تھوڑا سا پانی ہے۔ شاید آپؐ کے (وضو) کے لیے بھی کافی نہ ہو۔ آپؐ نے فرمایا، اس کو کسی (بڑے) برتن میں ڈال کر میرے پاس لے آؤ۔ میں نے ایسا ہی کیا۔ آپؐ نے اپنا دستِ مبارک پانی میں ڈال دیا اور میں نے دیکھا کہ آپؐ کی ہر دو انگلیوں کے درمیان پانی کا ایک چشمہ پھوٹ نکلا۔ حضورؐ نے مجھ سے فرمایا، اے برادرِ صُدائی اگر ایسا نہ ہوتا کہ میں ایسے معجزے دکھاتے ہوئے اپنے رَبّ سے شرم محسوس کرتا تو ہم اسی طرح پانی پیتے پلاتے۔ لوگوں میں منادی کردو کہ جس کو پانی کی ضرورت ہو وہ آکر پوری کرلے۔

میں نے منادی کی اور پھر جس نے چاہا حضورؐ سے پانی لے گیا۔ (لوگ وضو کر چکے تو) بلالؓ آگے بڑھے کہ اقامت کہیں تو رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا، صُدائی بھائی نے اذان دی ہے اور جو اذان دے وہی اقامت کہے گا۔ چنانچہ میں نے اقامت کہی جب حضورؐ نماز پڑھا کر فارغ ہوئے تو میں آپؐ کے دونوں فرمان لے کر آپؐ کے پاس گیا اور عرض کیا کہ یارسول اللہؐ میری استدعا ہے کہ ان میں جو کچھ آپؐ نے میرے حق میں لکھا ہے وہ واپس لے لیں۔ آپؐ نے فرمایا، کیا بات ہے اب کیا ہو گیا؟ میں نے عرض کیا کہ یارسول اللہؐ! میں نے آپؐ کو یہ فرماتے سُنا کہ ایک مردِ مومن کے لیے امارت میں کوئی بھلائی نہیں اور میں اللہ اور اللہ کے رسولؐ پر ایمان لاتا ہوں اور میں نے ایک شخص کے سوال پر آپؐ کو فرماتے سنا کہ جو غنی ہو کر مانگے تو اس کا یہ مانگنا اس کے لیے دردِ سر بن جائے گا اور جو مال وہ حاصل کرے گا اس کو ہضم نہیں ہو گا اور میں نے غنی ہوتے ہوئے آپؐ سے مانگا تھا۔

اس پر آپؐ نے فرمایا، بات تو ایسے ہی ہے اب مرضی ہے تو یہ امارت اور مال قبول کر لو۔ اگر چاہو تو اسے چھوڑ دو۔

میں نے عرض کیا کہ یارسول اللہؐ میں اسے چھوڑتا ہوں۔ پھر حضورؐ نے مجھ سے فرمایا کہ کوئی آدمی بتاؤ جس کو میں تمہارے قبیلے پر امیر مقرر کر دوں۔ اس پر میں نے حضورؐ کے سامنے ایک آدمی کا نام لیا جو میرے قبیلے کے وفد میں شامل ہو کر آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوا تھا۔ حضورؐ نے اس کو ہمارا امیر مقرر فرما دیا۔ پھر میں نے رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی خدمت میں عرض کیا کہ یارسول اللہؐ! ہمارے ہاں (ایک ہی) کنواں ہے جب سردی کا موسم آتا ہے

تو اس کا پانی بڑھ جاتا ہے اور ہمارے قبیلے کے لوگ اس کنوئیں کے آس پاس ڈیرے لگا لیتے ہیں لیکن جب گرمی کا موسم آتا ہے تو اس کنوئیں کا پانی کم ہو جاتا ہے۔ اور ہم منتشر ہو کر ادھر ادھر کے دوسرے کنوؤں کی طرف کوچ کر جاتے ہیں۔ اب ہم اسلام لے آئے ہیں اس بنا پر اردگرد کے سب قبیلے ہمارے دشمن ہو جائیں گے پس آپ ہمارے کنوئیں کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ اس کا پانی زیادہ ہو جائے اور ہم اس کے گرد ہی جمع رہیں اور منتشر نہ ہوں۔ میری درخواست سن کر حضورؐ نے کچھ کنکریاں منگوائیں اور انہیں اپنے دستِ مبارک میں لے کر ملا اور ان پر دعا کی پھر فرمایا، ان کنکریوں کو لے جاؤ اور جب کنوئیں پر پہنچو تو ایک ایک کنکری پر اللہ کا نام لے کر اس کو کنوئیں میں ڈالتے جاؤ۔ چنانچہ جس طرح حضورؐ نے فرمایا تھا ہم نے اسی طرح کیا اور اس دن کے بعد سے ہمارے لیے کبھی ممکن نہ ہوا کہ ہم اس کنوئیں کی تہہ دیکھ سکیں"۔ (یعنی اس کا پانی اتنا بڑھ گیا کہ کسی موسم میں کم نہ ہوتا تھا)

(بیہقی فی سنن کبریٰ و مزی فی تہذیب الکمال)

ارباب سیر نے حضرت زیادؓ بن حارث کے سالِ وفات کی تصریح نہیں کی البتہ ان کو بصرہ کے اصحاب رسولؐ میں شمار کیا جاتا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ حضرت عمر فاروقؓ کے عہدِ خلافت میں حیات تھے اور جب بصرہ آباد ہوا تو وہاں کی سکونت اختیار کر لی تھی۔

حضرت حکم بن عمرو ثعلبی غفاری رضؓ

(۱)

ایک دن شمع رسالتؐ کے دو پروانے بارگاہِ نبویؐ میں حاضر تھے کہ سیدِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے مخاطب ہو کر فرمایا:

اَنْتُمَا عَیْنَانِ لِاَھْلِ الْمَشْرِقِ

(تم دونوں اہلِ مشرق کے لیے دو آنکھیں ہو)

یہ خوش بخت اصحاب جن کو سید المرسلین والانبیا صلی اللہ علیہ وسلم نے اہلِ مشرق کے لیے بمنزلہ آنکھوں کے قرار دیا، حضرت بریدہ بن الحصیب اسلمی[۱] اور حضرت حکم بن عمرو ثعلبی غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہما تھے۔

---

[۱] سیدنا حضرت بریدہ بن الحصیب اسلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کا شمار نہایت جلیل القدر صحابہ میں ہوتا ہے وہ غمیم کے مقام پر بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر اس وقت مشرف بہ اسلام ہوئے جب حضورؐ مکہ سے ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لے جا رہے تھے۔ اس کے بعد وہ سب سے پہلے صلح حدیبیہ میں شریک ہوئے اور بیعت رضوان کا شرف حاصل کیا اس کے بعد خیبر، فتح مکہ اور عہدِ رسالت کے دوسرے تمام غزوات میں شریک ہوئے۔ حضرت عمر فاروقؓ کے عہدِ خلافت میں بصرہ آباد ہوا تو انہوں نے بصرہ میں مستقل اقامت اختیار کر لی۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کے دورِ خلافت میں خراسان پر فوج کشی ہوئی تو حضرت بریدہؓ لشکرِ اسلام میں شامل ہو گئے اور سرزمین مشرق میں نمایاں کارنامے سرانجام دیئے۔ انہوں نے اپنا دامن مسلمانوں کی باہمی خانہ جنگی سے ہمیشہ بچائے رکھا۔ یزید کے عہدِ حکومت (۶۳ھ) ہجری میں وفات پائی۔

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

سیدنا حضرت حَکَم بن عمرو ثعلبی غِفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا شمار اسلام کے ان سرفروش فرزندوں میں ہوتا ہے جنہوں نے ایک طرف تو اپنی نوکِ شمشیر سے تاریخ اسلام کا ایک زرّیں باب رقم کیا اور دوسری طرف اپنی صالحیت اور حق گوئی کے ایسے نقوش صفحۂ تاریخ پر ثبت کیے جو اُمتِ مسلمہ کے لیے ابدالآباد تک مشعلِ راہ بنے رہیں گے۔

حضرت حکم بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نسب نامہ یہ ہے:

حَکَمؓ بن عمرو بن مجدع بن حزیم بن حارث بن ثعلبہ ثعلیہ بن ملیک بن ضمرہ بن بکیر بن عبد مناۃ بن کنانہ۔

ثعلبہ ثعلیہ کی نسبت سے اُن کو ثعلبی کہا جاتا ہے۔ بعض کتابوں میں ان کی نسبت "ثعلبی" لکھی ہے لیکن یہ غلط ہے۔

غِفاری انہیں اس لیے کہا جاتا ہے کہ ان کے اجداد میں سے ثعلبہ ثعلیہ بن ملیک، غفار بن ملیک کے بھائی تھے اس لیے حضرت حکمؓ حقیقی معنوں میں غِفاری نہیں تھے۔ البتہ بنو غفار کے یک جدّی ضرور تھے۔

حضرت حکم بن عمرو شرفِ اسلام سے کب بہرہ ور ہوئے؟ کتبِ سیر

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ)

حضرت بریدہؓ کو بارگاہِ نبویؐ میں درجۂ تقرب حاصل تھا۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کبھی ان کے ہاتھ میں ہاتھ دیئے ہوئے نکلتے تھے۔ علم و فضل کے اعتبار سے وہ بڑے بلند مقام پر فائز تھے۔ ان سے ایک سو چونسٹھ احادیث مروی ہیں۔ ان میں سے ایک متفق علیہ ہے اور ۲ میں بخاری اور ۱۱ میں مسلم منفرد ہیں۔ ان کی بیشتر روایات مرفوع ہیں۔ ان کے شاگردوں میں دو صاحبزادوں عبداللہؒ اور سلیمانؒ کے علاوہ یلیح بن اسامہؒ، عبداللہ بن اوس خزاعیؒ اور امام شعبیؒ کے اسمار قابلِ ذکر ہیں۔

میں اس سوال کا کوئی جواب نہیں ملتا، البتہ علامہ ابن سعدؒ اور علامہ ابن اثیرؒ نے لکھا ہے کہ وہ قبولِ اسلام کے بعد سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے دامنِ اقدس سے وابستہ ہو گئے اور ہمیشہ آپؐ کی خدمت میں رہے، یہاں تک کہ آفتابِ رسالت اللہ تعالیٰ کی شفقِ رحمت میں غروب ہو گیا۔

(۲)

حضرت عمرؓ فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہدِ خلافت میں بصرہ آباد ہوا تو حضرت حکمؓ بن عمرو مدینہ سے بصرہ چلے گئے اور وہیں بود و باش اختیار کر لی۔ سنہ ۲۳ ہجری میں حضرت عمرؓ فاروق نے حضرت حکمؓ بن عمرو کو مکران کی تسخیر پر مامور فرمایا (اس زمانے میں مکران وسیع ملک تھا۔ آج کل اس کا نصف حصہ بلوچستان کہلاتا ہے)۔ حضرت حکمؓ بن عمرو بصرہ سے فوج لے کر مکران کی جانب روانہ ہوئے۔ مکران میں داخل ہوئے تو امیر المومنین کے حکم سے حضرت شہابؓ بن مخارق مازنی، حضرت سہیلؓ بن عدی انصاری اور عبداللہؓ بن عبداللہ بن عتبان بھی اپنی اپنی فوجیں لے کر ان کے ساتھ آن ملے۔ مکران اس زمانے میں سندھ کے راجہ راسل کی حکومت میں شامل تھا[1]۔ راجہ راسل ایک لشکرِ جرار (جس میں بہت سے ہاتھی بھی شامل تھے) لے کر سندھ سے مکران آ پہنچا۔ حضرت حکمؓ بن عمرو نے دریائے سندھ کے اُس پار تھوڑے سے فاصلے پر پڑاؤ ڈالا۔ فریقین نے لڑائی کے لیے پوری تیاری کر رکھی تھی چنانچہ دونوں میں

---

[1] بعض روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ مکران حکومت فارس (ایران) کے ماتحت تھا۔ سندھ کا ملک اس سے متصل تھا۔ اہلِ مکران نے اطراف و جوانب سے پوری طاقت جمع کر لی۔ سندھ کے راجہ راسل نے اس جنگ کو اپنی جنگ سمجھا اور ایک لشکرِ جرار لے کر مسلمانوں کے مقابلے کے لیے مکران آ گیا۔ یہاں اس نے سندھیوں اور کلدانیوں کے متحدہ لشکر کی کمان سنبھال لی۔ چنانچہ مکران کی جنگ دراصل مسلمانوں اور راجہ راسل ہی کے درمیان ہوئی۔

گھمسان کا رن پڑا۔ سندھیوں اور مکرانیوں نے جم کر مقابلہ کیا لیکن مسلمانوں کے بے پناہ جوش اور جذبۂ ایمان کے سامنے ان کی کچھ پیش نہ چلی۔ اب انہوں نے جنگی ہاتھیوں کو آگے بڑھایا۔ ان کا خیال تھا کہ عرب میں ہاتھی نہیں ہوتے اس لیے مسلمانوں کے عربی گھوڑے ہاتھیوں کو دیکھ کر بدک جائیں گے لیکن مجاہدینِ اسلام کو ایران کی لڑائیوں میں ہاتھیوں سے مقابلہ کرنے کا تجربہ ہو چکا تھا اس لیے راجہ راسل کی یہ ترکیب بھی کامیاب نہ ہوئی اور مسلمانوں نے اس کو شکست فاش دی۔ اس کے لشکر کی بہت بڑی تعداد میدانِ جنگ میں کام آئی اور بے شمار مالِ غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ آیا جس میں بہت سے ہاتھی بھی تھے۔ اس فتح کی بدولت سارے مکران پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔

حضرت حکمؓ بن عمرو نے نامۂ فتح کے ساتھ مالِ غنیمت کا پانچواں حصہ حضرت صحارؓ بن عباس عبدی کے ہاتھ مدینہ منورہ روانہ کیا اور امیرالمومنینؓ حضرت عمرؓ سے یہ بھی پوچھ بھیجا کہ مالِ غنیمت میں جو ہاتھی ہاتھ آئے ہیں ان کا کیا کیا جائے؟[1] حضرت صحارؓ امیرالمومنینؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان کو فتح کی خوشخبری سنائی تو وہ بہت خوش ہوئے اللہ کا شکر ادا کیا اور پھر حضرت صحارؓ سے مکران کے حالات دریافت کیے۔ انہوں نے جواب دیا:

> "اے امیرالمومنین! مکران ایسی سرزمین ہے کہ اس کی مٹی پہاڑ (پتھریلی) ہے۔ پانی ردی ہے۔ پھل خراب ہے۔ دشمن بے باک اور دلیر ہے۔ برائی زیادہ ہے اور اچھائی کم۔ زیادہ فوج وہاں بھیجی جائے تو وہ بھوکوں مرے اور کم بھیجی جائے تو وہ ضائع ہو جائے اور اس کے پیچھے کا علاقہ اور بھی برا ہے۔"

---

[1] ایک روایت یہ بھی ہے کہ حضرت حکمؓ بن عمروؓ نے مالِ غنیمت میں ہاتھ آنے والے ہاتھی حضرت صحار عبدیؓ کے ساتھ مدینہ منورہ بھیج دیئے۔ (الفاروق)

حضرت صحارؓ نے یہ حالات ایسے مسجع اور مقفّع پیرائے میں بیان کیے کہ حضرت عُمرِ فاروقؓ نے فرمایا:— "صحار! تم شاعری کر رہے ہو یا مکران کے حالات بیان کر رہے ہو۔"

حضرت صحارؓ نے عرض کیا: "امیر المؤمنین! میں شاعری نہیں کر رہا بلکہ فی الواقع وہاں کے حالات ایسے ہی ہیں جن کو میں بلاکم و کاست بیان کر رہا ہوں۔"

اس پر حضرت عُمرِ فاروقؓ نے حضرت حَکَم بن عمرو اور دوسرے سپہ سالاروں کو حکم بھیجا کہ وہ مکران کے آگے ہندوستان کی طرف نہ بڑھیں۔ غنیمت کے ہاتھیوں کے بارے میں انہوں نے حکم دیا کہ ان کو مسلمانوں کے علاقے میں فروخت کر کے ان کی قیمت مجاہدین میں بقدرِ حصہ تقسیم کر دی جائے۔

(۳)

حضرت حَکَمؓ بن عمرو شعر و شاعری میں بھی درک رکھتے تھے اور مناسب موقعوں پر نہایت عمدہ شعر کہہ لیتے تھے۔ فتح مکران کے موقع پر انہوں نے اپنے دلی جذبات کا اظہار ان اشعار میں کیا:

لقد شبع الارامل غیر فخر — بفیء جاءَ من مکران

(یہ کوئی فخر کی بات نہیں ہے کہ مکران سے آئے ہوئے مالِ غنیمت سے بیوائیں شکم سیر ہوئیں۔)

اتاھم بعد مسغبة وجهد — وقد صفر الشتاء من الدخان

(یہ مالِ غنیمت ایسے حال میں آیا کہ سخت بھوک اور تکلیف تھی اور گھروں میں آگ نہ جلنے کی وجہ سے موسم سرما دھوئیں سے خالی تھا۔)

فانی لایذم الجیش فعلی — ولا سیفی یذم ولا سنانی

(اس لیے میرے اس کارنامہ کو نہ میرا لشکر برا مانتا ہے اور نہ میری تلوار اور میرا نیزہ اس کی برائی کرتا ہے)

غداۃ ادفع الاوباش دفعا　　الی السند العریضۃ والمدانی

(وہ صبح یاد رہے گی جب میں فوجی دستوں کو سندھ کے دور اور نزدیک علاقوں میں آگے لیے جارہا تھا)

ومھرانُ لنا فی ما اردنا　　مطیعٌ غیر مسترخی العنان

اور دریائے سندھ ہمارے مقصد کی کامیابی کے لیے پوری مستعدی کے ساتھ ہمارا مطیع اور فرمانبردار رہا۔)

فلولا ما نھی عنہ امیری　　قطعناہ الی البُدّادِ الزّوانی

اگر امیر المؤمنین نے آگے بڑھنے سے روکا نہ ہوتا تو ہم اپنی فوج کو بدکار عورتوں کے بُت خانہ تک پہنچا دیتے۔[1]

(تاریخ طبری جلد ۴ ص ۱۸۱ تا ۱۸۳)

(۴)

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے عہدِ خلافت میں امیر المؤمنینؓ اور امیر معاویہؓ والیٔ شام

---

[1] قاضی اطہر مبارکپوری صاحب نے اپنی کتاب "خلافتِ راشدہ اور ہندوستان" میں لکھا ہے کہ اس قصیدہ کے آخری شعر میں جس بُت خانہ کا ذکر ہے اس سے مراد غالباً سندھ میں بھیروا کا بُت خانہ ہے جس پر زنا کار عورتوں کی آمدنی وقف تھی اور اس کے پجاریوں اور سادھوؤں کی معیشت کا دارومدار اسی کی آمدنی پر تھا۔ مقدسی بشاریؒ نے لکھا ہے کہ بھیروا کے بت خانہ کے خدام زانیہ عورتوں کی آمدنی کھاتے پیتے ہیں اور اس کے لیے بڑے بڑے اوقاف ہیں۔ جو شخص اپنی لڑکی کو بہت ہی عزیز سمجھتا ہے اسے اس بُت خانہ پر وقف کر دیتا ہے جو اپنے پیشہ کی آمدنی بت خانہ کو ادا کرتی ہے اس لیے یہ بُت خانہ بڑے فتنہ کی جگہ ہے۔ ("خلافتِ راشدہ اور ہندوستان" ص ۱۱۰ بحوالہ احسن التقاسیم ص ۴۸۳)

کے درمیان اختلافات کا آغاز ہوا اور ان اختلافات نے بڑھتے بڑھتے جنگ جدل کی صورت اختیار کر لی تو حضرت حکمؓ بن عمرو گوشہ نشین ہو گئے اور کسی فریق کا ساتھ نہ دیا۔ جس زمانے میں حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کے درمیان جنگ صفین ہو رہی تھی، حضرت علیؓ نے ان کے پاس ایک قاصد بھیجا جس نے انہیں حضرت علیؓ کا یہ پیغام دیا کہ اس لڑائی میں آپ پر ہماری اعانت کا زیادہ حق ہے۔ حضرت حکمؓ بن عمرو نے اس پیغام کے جواب میں کہلا بھیجا کہ میں نے اپنے خلیل اور آپ کے ابن عمّ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) سے سنا ہے کہ جب اس قسم کا کوئی معاملہ پیش آئے تو لکڑی کی تلوار بنا لینا، چنانچہ میں نے لکڑی کی تلوار بنا لی ہے۔ (مستدرک حاکم۔ طبرانی و ہیثمی)

"تاریخ یعقوبی" میں ہے کہ امیر معاویہؓ نے اپنے دورِ خلافت میں مشرقی ممالک کے گورنر زیاد بن ابو سفیانؓ کو لکھا کہ تمہارے یہاں حکمؓ بن عمرو نام کے ایک صحابی ہیں تم اُن کو خراسان کا حاکم بناؤ۔ چنانچہ زیاد نے ان کو خراسان کا امیر بنا دیا۔

علامہ بلاذریؒ نے یہ واقعہ اور پیرائے میں بیان کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ زیاد بن ابی سفیانؓ نے اپنے دربان خیل کو حکم دیا کہ حکم کو بلا لاؤ ——— وہ حکمؓ بن ابو العاص ثقفی کو بلانا چاہتا تھا لیکن خیل دربان حکمؓ بن عمرو غفاری کو بلا لایا۔ زیاد ان کو دیکھ کر بہت خوش ہوا اور کہا، یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نہایت نیک صحابی ہیں اور ان سے خیر و برکت کی امید ہے۔ پھر اس نے ان کو خراسان کی گورنری پیش کی جو انہوں نے قبول کر لی۔

علامہ ابن اثیرؒ کا بیان ان دونوں سے مختلف ہے، وہ لکھتے ہیں کہ زیاد نے اپنا ایک آدمی حکم (یعنی کسی فیصلہ کرنے والے) کی تلاش میں بھیجا۔ وہ حضرت حکمؓ کو بلا کر لے گیا۔ اس نے ان کی آمد کو نیک فال سمجھا اور ان کو خراسان کا گورنر مقرر کر دیا۔ (اُسد الغابہ)

حضرت حکمؓ بن عمرو کو خراسان کا گورنر مقرر کرنے سے پہلے زیاد یہ عہدہ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پیش کر چکا تھا لیکن انہوں نے اس کو قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ جب انہوں نے سنا کہ حضرت حکمؓ نے یہ عہدہ قبول کر لیا ہے تو ان کے پاس تشریف لے گئے یا بروایتِ دیگر ان کو بُلا کر کہا کہ مسلمانوں کی بہت بڑی ذمہ داری تمہارے سپرد کی گئی ہے۔ پھر انہیں بہت سی نصیحتیں کیں اور رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی یہ حدیث سنائی کہ اللہ تعالیٰ کی معصیت میں کسی بندہ کی اطاعت نہیں کرنی چاہیئے۔

(مُسندِ احمد ج ۵ ص ۶۶)

علامہ ابن اثیرؒ نے "اُسد الغابہ" میں لکھا ہے کہ حضرت حکمؓ بن عمرو اپنے عہدے پر فائز ہو گئے تو حضرت عمرانؓ بن حصین ان کے پاس تشریف لے گئے اور دار الامارۃ میں لوگوں کے مجمع میں ان سے مل کر کہا کہ تم جانتے ہو میں تمہارے پاس کیوں آیا ہوں؟ (سنو اس لیے آیا ہوں) کیا تمہیں یاد ہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو جب یہ خبر ملی کہ آپؐ کے (مقرر کیے ہوئے) ایک حاکم نے ایک شخص سے کہا تھا کہ اٹھ اور آگ میں کود پڑ۔ وہ شخص آگ میں کودنے کے لیے تیار ہو گیا لیکن لوگوں نے اس کو پکڑ لیا (اور آگ میں کودنے سے روک دیا) رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو اس واقعہ کی خبر ہوئی تو آپؐ نے فرمایا، اگر وہ آگ میں کود پڑتا تو دوزخ میں جاتا۔ پھر آپؐ نے فرمایا خالق کی نافرمانی میں کسی مخلوق کی اطاعت جائز نہیں۔ حضرت حکمؓ نے کہا، ہاں (مجھے یہ حدیث یاد ہے)

حضرت عمرانؓ بن حصین نے کہا کہ میرا یہی مقصود تھا کہ میں تم کو یہ حدیث یاد دلا دوں۔ (تاکہ تم اپنی حکومت کے زمانے میں اس کا لحاظ رکھو)

حضرت حکمؓ بن عمروؓ خراسان کی گورنری پر ۴۴ھ ہجری میں مامور ہوئے۔ یہ عہدہ سنبھالتے ہی انہوں نے جہاد کی تیاری شروع کر دی اور اپنے

دورِ امارت میں ہرات، جوزجان اور خراسان کے اور بہت سے مقامات اور علاقے فتح کیے اور وہاں سے بہت زیادہ مالِ غنیمت حاصل کیا۔ ماوراء النہر اور مرو وغیرہ کے علاقے بھی ان کے ہاتھ پر فتح ہوئے۔ کہا جاتا ہے کہ وہ پہلے مسلمان ہیں جنہوں نے ماوراء النہر میں سب سے پہلے نماز ادا کی ہے۔ ابنِ اثیرؒ کا بیان ہے کہ ۴۷ھ ہجری میں غور کے باشندوں نے مرتد ہو کر بغاوت برپا کر دی۔ حضرت حکمؓ بن عمرو نے باغیوں کو کچل دیا اور بہت سا مالِ غنیمت حاصل کیا۔

علامہ طبریؒ نے لکھا ہے کہ اسی زمانے میں حضرت حکمؓ بن عمرو نے ایک نہر کھدوائی لیکن بعض وجوہ کی بناء پر اس کا افتتاح نہ ہو سکا۔

۵

حضرت حکمؓ بن عمرو اپنے فرائضِ مفوضہ ہمیشہ نہایت ایمان داری اور سچائی کے ساتھ انجام دیتے رہے۔ وہ بڑے خدا ترس اور پرہیزگار آدمی تھے۔ اگر کبھی حکومت کی طرف سے کوئی ایسا حکم موصول ہوتا جس کو وہ شریعتِ اسلامیہ کی روح کے منافی سمجھتے تو اس کی تعمیل کرنے سے صاف انکار کر دیتے۔ ایک دفعہ انہیں کسی جنگ میں کثیر مالِ غنیمت ہاتھ آیا۔ زیاد کو معلوم ہوا تو اس نے انہیں لکھا کہ امیر المومنین کا فرمان آیا ہے کہ مالِ غنیمت میں حاصل ہونے والا سونا چاندی تقسیم نہ کیا جائے بلکہ اسے دار الخلافہ (دمشق) بھیج دیا جائے۔

حضرت حکمؓ بن عمرو نے اس خط کے جواب میں زیاد کو لکھا کہ:

"تم لکھتے ہو کہ امیر المومنین نے ایسا لکھا ہے اور میں امیر المومنین کے تحریری حکمنامہ سے پہلے خدا کی کتاب پا چکا ہوں۔ خدا کی قسم اگر ساتوں آسمان اور زمین کسی بندہ کے اوپر بند ہو جائیں اور

وہ بندہ اللہ سے ڈرتا ہو تو اللہ تعالیٰ اس کی رہائی کا ضرور کوئی نہ کوئی سامان کر دے گا (یعنی اس عدول حکمی پر جو خدا کے حکم کے مطابق ہے تم مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے)"

یہ جواب بھیج کر انہوں نے تمام لشکر میں منادی کرا دی کہ سب مجاہدین آکر مالِ غنیمت میں سے اپنا اپنا حصہ لے لیں۔ یہ ابن سعدؒ کا بیان ہے۔ حافظ ابنِ عبد البرؒ نے "الاستیعاب" میں اور علامہ ابنِ اثیرؒ نے "اُسد الغابہ" میں لکھا ہے کہ حضرت حکمؓ نے مالِ غنیمت (سونے چاندی سمیت) اہلِ لشکر میں تقسیم کر دیا اور پھر دعا کی :-

"الٰہی اگر تیرے پاس میرے لیے بھلائی ہو تو مجھے اپنی طرف اٹھا لے۔"

چنانچہ وہ مرو (MERV) کے مقام پر ۵۰ھ ہجری میں وفات پا گئے۔ حافظ ابنِ حجرؒ نے "الاصابہ" میں لکھا ہے کہ جب ان کے پاس زیاد کی دھمکی کا خط آیا اس وقت انہوں نے یہ دعا کی تھی اور اس کے بعد وہ فوت ہو گئے۔

امام حاکمؒ نے اپنی "مستدرک" میں لکھا ہے کہ حضرت حکمؓ بن عمرو زمانہ کے بدلتے ہوئے حالات سے ہمیشہ نالاں رہتے اور دعا کرتے رہتے کہ الٰہی اگر تیرے یہاں میرے لیے بھلائی ہے تو مجھ کو اپنے پاس بلا لے۔ ایک مرتبہ دعا کر رہے تھے کہ اے طاعون مجھ کو اٹھا لے۔ کسی نے کہا، آپ ایسی دعا کیوں کرتے ہیں جبکہ رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے ارشاد فرمایا ہے کہ ہم لوگوں کو کسی مصیبت کی وجہ سے موت کی تمنا نہیں کرنی چاہیے۔

حضرت حکمؓ نے فرمایا :

"جو کچھ تم نے سنا ہے وہ میں نے بھی سنا ہے لیکن میری تمنا ہے کہ چھ چیزیں دل کے دیکھنے سے پہلے ہی دنیا سے اٹھ جاؤں ——

(۱) حکم (فیصلہ) کی تجارت۔

② پولیس کی کثرت۔
③ نوعمر لڑکوں کی حکومت۔
④ خونریزی (قتل وغارت)
⑤ قطع رحمی
اور ⑥ ایسی نسل جو قرآن کو مزامیر بنائے گی۔

اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول کی اور وہ ایسا وقت آنے سے پہلے ہی ۵۰ سنہ ہجری میں وفات پا گئے۔ وفات کے وقت انہوں نے انس بن اناس کو اپنا قائم مقام بنایا۔

مسند احمد بن حنبل میں ہے کہ آخری عمر میں حضرت حکم بن عمرو کے بال پک گئے تھے اور وہ مہندی کا خضاب لگاتے تھے۔

حضرت حکمؓ بن عمرو سے چند احادیث بھی مروی ہیں۔ ان میں سے ایک حدیث یہ ہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے عورت کے وضو سے بچے ہوئے پانی سے وضو کرنے سے منع فرمایا ہے[1] (ترمذی)۔

ان سے مروی ایک حدیث صحیح بخاری میں بھی موجود ہے۔ ان کے رواۃ حدیث میں ابو حاجب سوادہ بن عاصمؒ، ابو الشعثاءؒ، دلجہ بن قبیحؒ، جابرؓ بن زید ازدی اور عبداللہ بن صامتؒ شامل ہیں۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

---

[1] یہ ممانعت صرف کراہت کے لیے ہے نہ کہ حرمت کے لیے۔

حضرت یزیدؓ بن شجرہ رہاوی

(۱)

حضرت یزیدؓ بن شجرہ رہاوی کا شمار قرنِ اوّل کے ان جانبازوں میں ہوتا ہے جنہوں نے بحر و بر میں اپنی شجاعت و بسالت کے جھنڈے گاڑ دیئے اور نخلِ اسلام کی اپنے خون سے آبیاری کی یہاں تک کہ وہ ایک تناور درخت بن گیا۔ حضرت یزیدؓ بن شجرہ کا تعلق بنو مذحج سے تھا۔ ان کے جدِ اعلیٰ کا نام "رہا" تھا اسی کی نسبت سے وہ رہاوی مشہور ہوئے۔ "رہا" سے اوپر ان کا نسب نامہ یہ ہے:

رہا بن یزید بن عتبہ بن حرب بن مالک بن آذر شامی

اہلِ سِیَر نے یہ تصریح نہیں کی کہ حضرت یزیدؓ شرفِ اسلام سے کب بہرہ ور ہوئے، البتہ ان کے صحابی ہونے پر سب کا اتفاق ہے قیاس یہ ہے کہ وہ اواخرِ عہدِ رسالت میں قبولِ اسلام اور صحابیت کے شرف سے سرفراز ہوئے۔ وثوق سے نہیں کہا جا سکتا کہ انہوں نے عہدِ رسالت کے کسی غزوے میں شرکت کی یا نہیں۔ اگر کی تھی تو کوئی نمایاں کارنامہ انجام نہ دے سکے۔ اگر نہیں کی تو اس کی وجہ ان کی کم عمری بھی ہو سکتی ہے اور اسلام لانے میں تاخیر بھی۔ البتہ خلفائے راشدینؓ کے زمانے میں انہوں نے دشمنانِ اسلام کے خلاف متعدد لڑائیوں میں اپنی شجاعت کے جوہر دکھائے یہاں تک کہ ان کی سرفروشی اور مہارتِ جنگ کا چرچا دُور دُور تک پھیل گیا۔ صرف یہی نہیں بلکہ وہ صالحیت اور زہد و عبادت کے اعتبار سے بھی ایک مثالی شخصیت سمجھے جانے لگے۔ ان کی سکونت

شام میں تھی اور شام کے والی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کو بہت مانتے تھے۔ ۳۹ھ ہجری میں انہوں نے حضرت یزیدؓ بن شجرہ کو اپنی جانب سے امیر الحج بنا کر مکہ معظمہ بھیجا۔ اس وقت حضرت قثم بن عباسؓ حضرت علیؓ کی طرف سے مکہ کے حاکم تھے[1] اس لیے امارتِ حج

---

[1] حضرت قثم بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی تھے۔ حضورؐ ان سے بہت محبت کرتے تھے۔ بچپن میں ایک دن وہ اپنے بھائیوں جعفرؓ اور عبداللہؓ کے ساتھ کھیل رہے تھے کہ حضورؐ کی سواری ادھر سے گزری۔ آپؐ نے حضرت جعفرؓ اور حضرت قثمؓ کو ازراہِ محبت اپنے ساتھ بٹھا لیا۔

حضرت قثمؓ حضورؐ کے وصال کے وقت سنِ شعور کو پہنچ چکے تھے۔ چنانچہ آپؐ کے غسلِ میت اور تجہیز و تکفین میں شریک ہوئے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے قول کے مطابق حضورؐ کے جسمِ اطہر کو قبرِ مبارک میں اتارنے کے بعد وہ سب سے آخر میں قبر سے نکلے۔ (الاستیعاب)

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اپنے عہدِ خلافت میں انہیں مکہ کا حاکم مقرر فرمایا۔ (ایک روایت میں ہے کہ مدینہ کا حاکم مقرر فرمایا۔ اس صورت میں وہ مدینہ سے امیر الحج مقرر ہو کر مکہ آئے ہوں گے)

امیر معاویہؓ کے دورِ خلافت میں، وہ خراسان کی فوج کشی میں شریک ہوئے۔ اسلامی لشکر پیش قدمی کرتا ہوا سمرقند تک جا پہنچا وہاں دشمنوں سے سخت معرکہ پیش آیا۔ انہوں نے اسی معرکے میں شہادت پائی۔ نہایت خوبصورت تھے اور صورۃً سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے مشابہت رکھتے تھے۔

کے بارے میں اختلاف پیدا ہو گیا۔ جلیل القدر صحابی حضرت ابو سعید خدریؓ نے فریقین سے گفت و شنید کی تو انہوں نے ان کو حکم مقرر کیا۔ انہوں نے فیصلہ کیا کہ حضرت شیبہؓ بن عثمان (جو غیر جانب دار تھے) جمیع مسلمانوں کے لیے امارتِ حج کے فرائض انجام دیں۔ اس فیصلے کو فریقین نے تسلیم کر لیا اور سب لوگ کسی بدمزگی کے بغیر حج کی سعادت حاصل کر کے گھروں کو لوٹے۔

(۲)

حضرت یزیدؓ بن شجرہ کو جہاد فی سبیل اللہ کا بے پناہ شوق تھا اور وہ دشمنانِ حق سے نبرد آزما ہونے کے لیے ہر وقت کمربستہ رہتے تھے۔ چنانچہ ۴۱ھ ہجری میں سیدنا حضرت حسنؓ کے خلافت سے دست بردار ہونے کے بعد جب امیر معاویہؓ سارے عالمِ اسلام کے بلا شرکتِ غیرے حکمران بنے تو انہوں نے یزیدؓ بن شجرہ کو اپنی فوج میں ایک اہم عہدے پر فائز کر دیا اور وقتاً فوقتاً مختلف مہموں کی قیادت سونپنے لگے۔ خلافتِ اسلامیہ کی سرحدیں رومی سلطنت کی سرحدوں سے ملتی تھیں اس لیے اسلامی فوجوں اور رومی فوجوں کے درمیان اکثر معرکہ آرائی ہوتی رہتی تھی[1]
علامہ بلاذریؒ نے "فتوح البلدان" میں لکھا ہے کہ امیر معاویہؓ رومیوں کے مقابلے میں اکثر مہمیں حضرت یزیدؓ بن شجرہ کی قیادت میں بھیجا کرتے تھے۔ وہ بڑے جوش اور جذبہ کے ساتھ رومیوں سے نبرد آزما ہوتے اور ان کو

---

[1] مؤرخین نے لکھا ہے کہ امیر معاویہؓ کے زمانے (۴۱ھ تا ۶۰ھ) میں کوئی سال رومیوں کے ساتھ نبرد آزمائی سے خالی نہ گیا۔ ہر موسمِ گرما میں جب موسم اعتدال پر ہوتا تھا مسلمان کبھی ایشیا اور کبھی یورپ میں ان سے مقابلہ کرتے تھے۔ ان کے عہد میں بحیرۂ روم کے متعدد جزیروں پر پرچمِ اسلام بلند ہوا۔

لوہے کے چنے چبوا دیتے۔ ۴۹ھ ہجری میں انہوں نے رومیوں کے خلاف ایک بحری مہم کی قیادت بھی کی اس کا مقصد رومیوں کو دھمکانا اور اپنا دفاع کرنا تھا۔

حضرت یزیدؓ بن شجرہ کو دیکھنے والوں کا بیان ہے کہ وہ اُن صحابہ میں سے تھے جن کے قول کی تصدیق اُن کا عمل کرتا تھا۔ ان کے سینے میں ہر وقت جذبۂ جہاد کا شعلہ فروزاں رہتا تھا، جونہی کوئی موقع آتا وہ سربکف ہو کر میدانِ جہاد میں پہنچ جاتے۔ وہ کوشش کرتے تھے کہ اُن کے ساتھیوں میں بھی ہمیشہ جہاد کی روح بیدار رہے۔ اس مقصد کے لیے وہ ان کے سامنے بڑے ولولہ انگیز خطبے دیا کرتے تھے جن میں جہاد کے فضائل بڑے بلیغ پیرائے میں بیان کیا کرتے تھے۔ ان کا ایک اس قسم کا خطبہ جو بہت سے اربابِ سیر نے اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے ملاحظہ ہو:

"لوگو! اللہ کی اس نعمت کو یاد کرو جو تمہارے اوپر ہے اور یہ نعمت کیسی اچھی ہے۔ کاش تمہیں بھی سیاہ، سفید، سرخ، پیلے اور سبز رنگوں (کے لباسوں میں جو مجاہدوں کے زیبِ تن ہیں) اور فوجوں کے کوچ میں وہ کچھ نظر آتا جو میں دیکھ رہا ہوں۔ جب لوگ نماز کے لیے صف بناتے ہیں یا جہاد کے لیے صف بستہ ہوتے ہیں تو جنت جہنم اور آسمانوں کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں۔ حوریں مزین کر دی جاتی ہیں۔ وہ جھانکتی ہیں اور ہر اُس مجاہد کے لیے جو میدانِ رزم میں قدم رکھتا ہے دعا کرتی ہیں' اے اللہ! اس کو ثابت قدم رکھ اور اس کی مدد فرما اور جب کوئی شخص میدانِ جنگ سے پیٹھ پھیرتا ہے تو اس سے پردہ کر لیتی ہیں اور کہتی ہیں اے میرے اللہ اس کو بخش دے اور اس پر رحم کر ——— اے میرے بھائیو! تم پر میرے ماں باپ

قربان ہوں اس طرح جہاد کرو کہ ان کافروں کے چہرے بگڑ جائیں۔ جب تم میں سے کوئی میدانِ جہاد میں اترتا ہے اور شہید ہو جاتا ہے تو اس کے خون کا پہلا قطرہ ہی اس کی تمام خطاؤں کا کفارہ بن جاتا ہے اور اس کے گناہ اس طرح جھڑ جاتے ہیں جیسے خزاں رسیدہ درخت کے پتے جھڑ جاتے ہیں اور اس مجاہد کی طرف دو حورِ عین اترتی ہیں وہ اس کے چہرے سے خون اور غبار پونچھتی ہیں اور اس سے کہتی ہیں کہ ہم دونوں تیرے لیے ہیں پھر اس شہید کو سو جوڑے پہناتی ہیں جو جنت کے بنے ہوئے ہوتے ہیں اگر یہ سو جوڑے دو انگلیوں کے بیچ میں رکھ دیئے جائیں تو اتنی ہی جگہ میں سما جائیں گے بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہارے نام اور نشانات وغیرہ لکھ لیے ہیں اور (جنت میں) تمہارے اترنے کی جگہیں بھی متعین کر دی ہیں۔ پس جب قیامت کا دن ہوگا تو کہا جائے گا اے فلاں یہ تیرا نور ہے ـــ (اور جن لوگوں نے جہاد سے گریز اور فرار کی راہ اختیار کی ہے یا جنہوں نے مسلمانوں کو ستایا ہے) ان سے کہا جائے گا، اے فلاں اے فلاں تیرے لیے نور نہیں ہے، جہنم کی آگ ہے پس ان کو جہنم کے ایک گوشے میں پھینکا جائے گا جس میں کیڑے مکوڑے سانپ اور بچھو ان کو نوچ کھائیں گے۔ پھر وہ اللہ سے فریاد کریں گے تو ان کو جہنم (خاص) کی طرف جانے کا حکم ہوگا۔ وہ بھاگ کر وہاں جائیں گے تو ان پر خارش مسلط کر دی جائے گی۔ ہر ایک اپنی کھال کو اتنا کھجلائے گا کہ ہڈی ظاہر ہو جائے گی پھر وہ ایک دوسرے سے کہیں گے یہ عذاب تمہیں اس لیے ہو رہا ہے کہ تو مومنین کو ستایا کرتا تھا۔ (مستدرک حاکم ج ۳ ص ۴۹۴)

حضرت یزیدؓ بن شجرہ ۵۵ھ ہجری میں رومیوں کے خلاف ایک مہم پر گئے اور وہیں ان سے لڑتے ہوئے رتبۂ شہادت پر فائز ہو گئے۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت مسورؓ بن مخرمہؓ زہری

۱

سیدنا حضرت حسین (شہید کربلا) رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے حضرت علی (زین العابدین)ؒ نہایت صالح، حلیم الطبع اور مرنجاں مرنج نوجوان تھے۔ وہ اپنے وقت کا بیشتر حصہ عبادت الٰہی میں گزارا کرتے تھے۔ کربلا کے سانحۂ الیمہ کے بعد جب وہ مدینہ واپس آئے تو سخت مغموم اور دلفگار تھے۔ ایک دن ایک معمر صاحب رسولؐ ان کے پاس تشریف لائے اور کہا:۔ "اے ابن رسول اللہؐ! اگر کوئی خدمت میرے لائق ہو تو فرمائیے میں دل و جان سے اس کو بجا لاؤں گا۔"

حضرت زین العابدینؒ نے ان کا شکریہ ادا کیا اور فرمایا۔ "کوئی ایسی ضرورت نہیں ہے جس کے لیے آپ کو تکلیف دوں۔"

بزرگ صاحب رسولؐ نے فرمایا۔ "مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک تلوار ہے۔ کیا یہ مقدس تلوار آپ مجھے مرحمت فرما سکتے ہیں۔ مجھے ڈر ہے کہ یہ آپ کے ہاتھوں سے نکل جائے گی اور اگر میرے پاس ہوئی تو میرے جیتے جی اس کو کوئی ہاتھ نہیں لگا سکتا میں اپنی جان سے بڑھ کر اس کی حفاظت کروں گا۔"

یہ صاحب رسول جن کو سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس قدر محبت تھی کہ آپؐ کی یادگار تلوار کو بھی اپنی جان سے بڑھ کر سمجھتے تھے۔۔۔ حضرت مسورؓ بن مخرمہؓ تھے۔

(۲)

سیدنا حضرت ابوعبدالرحمٰن مِسوَر بن مَخرَمہؓ کا تعلق قریش کے خاندان بنو زہرہ سے تھا۔ نسب نامہ یہ ہے:

مِسوَرؓ بن مَخرَمہؓ بن نوفل بن اہیب بن زہرہ بن کلاب بن مُرہ بن کعب بن لؤیّ قرشی۔

والدہ کا نام عاتکہؓ بنت عوف تھا۔ وہ حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف (یکے از اصحاب عشرہ مبشرہ) کی بہن تھیں اور دعوت حق کے اوائل ہی میں قبول ایمان اور صحابیت کے شرف سے بہرہ ور ہو گئی تھیں۔

حضرت مِسوَرؓ ۲ ہجری میں مکہ میں پیدا ہوئے۔ اگرچہ وہ عہد رسالتؐ میں کم سن تھے لیکن صغار صحابہ میں ان کو بہت اونچا درجہ حاصل ہے۔ حضرت مِسوَرؓ کے والد مخرمہؓ بن نوفل فتح مکہ تک اپنے آبائی مذہب پر قائم رہے لیکن ان کی والدہ قدیم الاسلام تھیں۔ وہ حضرت مِسوَرؓ کی ولادت کے کچھ عرصہ بعد (فتح مکہ سے پہلے) ہجرت کر کے مدینہ چلی گئیں۔ شوہر نے ان کو اپنا بیٹا ساتھ لے جانے کی اجازت نہ دی اور ننھے مِسوَرؓ کو اپنے پاس ہی رکھ لیا۔ فتح مکہ کے بعد وہ سعادت اندوز اسلام ہوئے تو حضرت مِسوَرؓ کو ساتھ لے کر مدینہ آ گئے۔ اس وقت حضرت مِسوَرؓ کی عمر چھ برس کی تھی۔ انہوں نے ۸ھ سے ۱۱ھ تک تین سال کا زمانہ سیدالکونین صلی اللہ علیہ وسلم کے زیر عاطفت گزارا۔ حضورؐ صحابہ کے بچوں پر بے انتہا شفقت فرمایا کرتے تھے (بلکہ غیر مسلموں کے بچے بھی آپ کی شفقت سے محروم نہ تھے) اس لیے بچے آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے اور آپؐ کے فیضان سے بہرہ یاب ہوتے تھے۔ حضرت مِسوَرؓ بھی اکثر بارگاہِ نبوی میں حاضر ہوتے تھے۔ حضورؐ ان کو پیار کرتے اور تعلیم دیتے تھے۔ حضرت مِسوَرؓ

اپنے آقا و مولا صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی محبت اور شفقت کے واقعات بڑے لطف و انبساط کے ساتھ لوگوں کو سنایا کرتے تھے۔ صحیح مسلم میں ان سے روایت ہے کہ میں (ایک دن) ایک بھاری پتھر اٹھائے ہوئے چلا آرہا تھا کہ میرا کپڑا (چادر یا تہبند) کھل کر گر پڑا اور میں پتھر کے بوجھ کی وجہ سے اسے نہ اٹھا سکا۔ رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے مجھ کو برہنہ دیکھا تو فرمایا، پہلے کپڑا باندھ لو اور ننگے نہ چلو۔

اپنے بچپن کا ایک اور واقعہ اس طرح بیان کرتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم وضو فرما رہے تھے ــــ میں آپؐ کے قریب پشت مبارک کی جانب کھڑا ہو گیا۔ اتفاقاً آپؐ کی پشت مبارک سے چادر ہٹ گئی اور مجھ کو خاتمِ نبوت کی زیارت حاصل ہو گئی۔ اتنے میں ایک یہودی قریب سے ہو کر گزرا اور مجھے اشارہ کیا کہ میں مہرِ نبوت سے کپڑا اٹھا دوں میں نے کپڑا ہٹانا چاہا تو رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے اپنے دستِ مبارک میں پانی کا ایک چلو بھر کر میرے چہرے پر پھینکا اور میں کپڑا ہٹانے سے رک گیا۔ (الاصابہ)

صحیح بخاری میں حضرت مسورؓ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے کچھ قبائیں تقسیم فرمائیں مگر (ان کے والد) مخرمہؓ کو کوئی قبا نہ دی۔ جس پر مخرمہؓ نے کہا، اے میرے بیٹے! مجھے رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی خدمت میں لے چلو۔ چنانچہ میں ان کو ساتھ لے کر رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے کاشانۂ اقدس پر پہنچا۔ انہوں نے کہا اندر جا کر حضورؐ کو بلا لاؤ۔ پس میں آپؐ کو بلا لایا۔ آپؐ باہر تشریف لائے تو ان قباؤں میں سے ایک قبا آپ کے پاس تھی۔ آپؐ نے فرمایا۔ "یہ ہم نے تمہارے لیے بچا رکھی ہے۔" اس کو دیکھ کر (حضرت) مخرمہؓ خوش ہو گئے۔

ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت مخرمہؓ نے حضورؐ کے کاشانۂ اقدس

کے باہر پہنچ کر حضرت مسورؓ سے کہا: "حضورؐ کو آواز دے کر بلاؤ"۔ انہوں نے کہا "ابا جان میری کیا حیثیت ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آواز دوں"۔ حضرت مخرمہؓ نے کہا۔ "بیٹے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جبار نہیں ہیں"۔ اس پر حضرت مسورؓ نے جرأت کر کے آواز دی۔ حضورؐ فوراً باہر تشریف لے آئے اور حضرت مخرمہؓ کو ایک قبا عطا فرمائی۔

۱۰ھ ہجری میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم حجۃ الوداع کے لیے تشریف لے گئے۔ حضرت مسورؓ اس وقت آٹھ سال کے تھے لیکن وہ اس مقدس سفر پر بڑے ذوق و شوق سے حضورؐ کے ہمراہ گئے (اغلباً والدین بھی ان کے ساتھ ہوں گے۔) حضرت مسورؓ نے حجۃ الوداع کے موقع پر جو واقعات دیکھے ان کو اپنے ذہن میں محفوظ کر لیا چنانچہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سر منڈانے سے پہلے قربانی کی اور صحابہ کو حکم دیا کہ وہ بھی سر منڈانے سے پہلے قربانی کریں۔ (صحیح بخاری)

ایک اور حدیث میں کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عرفات میں خطبہ دیا، پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کی اور پھر فرمایا، بت پرست اور مشرکین یہاں سے اس وقت جاتے تھے جب سورج پہاڑ کے اوپر ہوتا تھا لیکن ہم سورج غروب ہونے کے بعد جائیں گے۔

اور لوگ مشعرِ حرام اس وقت جاتے تھے جب دھوپ خوب پھیلی ہوتی تھی۔
(مستدرک حاکم ج ۲)

۳

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد حضرت مسورؓ مدینہ میں رہے اور حضرت عمر فاروقؓ کے عہدِ خلافت میں پورے جوان ہو گئے۔ ۲۳ھ ہجری کے آخر میں انہوں نے امیر المومنین حضرت عمرؓ کا واقعۂ شہادت اپنی آنکھوں سے دیکھا

کہ روایت کرتے ہیں کہ :۔

"جب حضرت عمرؓ کو زخمی کیا گیا تو انہوں نے سخت کرب والم کا اظہار کیا۔ یہ دیکھ کر حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے کہا، اے امیر المؤمنین یہ دُکھ اور مصیبت کا اظہار کیسا ؟ آپ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی صحبت میں رہے اور آپ کی صحبت نہایت اچھی رہی ہے۔ پھر جب رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم آپ سے رخصت ہوئے تو حضورؐ آپ سے بہت خوش اور راضی تھے۔ پھر آپ ابوبکرؓ کی صحبت میں رہے ان کے ساتھ بھی آپ کی رفاقت بہت اچھی رہی، پھر جب انہوں نے آپ سے مفارقت کی تو وہ بھی آپ سے خوش اور راضی تھے۔ پھر آپ (اپنے ایام خلافت میں) مسلمانوں کی صحبت میں رہے اور ان کے ساتھ بھی آپ کی رفاقت بہت اچھی رہی۔ اب اگر آپ مسلمانوں سے جدا ہوں گے تو اس حالت میں کہ مسلمان آپ سے راضی اور خوش ہوں گے۔ حضرت عمرؓ نے یہ سن کر کہا، تم نے رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی صحبت کا ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ آپؐ مجھ سے راضی اور خوش رخصت ہوئے تو یہ اللہ تعالیٰ کا احسان ہے جو اس نے مجھ پر کیا ہے۔ پھر ابوبکرؓ کی صحبت اور خوشنودی کا تم نے جو ذکر کیا ہے وہ بھی مجھ پر اللہ کا احسان ہے اور اب جو تم مجھ کو روتے ہوئے دیکھ رہے ہو وہ تمہارے اور تمہارے ساتھیوں کے سبب سے ہے (یعنی اس خوف سے کہ میرے بعد تم کہیں فتنہ میں نہ مبتلا ہو جاؤ) خدا کی قسم اگر میرے پاس زمین بھر سونا ہوتا تو عذاب الٰہی کے بدلے میں اس کو قربان کر دیتا اس سے پہلے کہ میں اللہ کے عذاب کو دیکھوں۔"

(صحیح بخاری)

حضرت عمر فاروقؓ کو جب یقین ہو گیا کہ اب جانبری کی کوئی [illegible] نہ رہی تو انہوں نے حضرت عثمان ذوالنورینؓ، حضرت علیؓ، حضرت زبیر بن العوامؓ

حضرت سعدؓ بن ابی وقاص، حضرت طلحہؓ بن عبید اللہ اور حضرت عبد الرحمٰنؓ بن عوف پر مشتمل مجلسِ شوریٰ نامزد کی اور ان سے فرمایا کہ میرے بعد آپ لوگ اپنے میں سے کسی کو خلیفہ منتخب کرلیں۔ جب حضرت عمرؓ فاروقؓ فوت ہوگئے اور ان کی تدفین ہو چکی تو ان کے جانشین کے انتخاب کے سلسلہ میں جو واقعات پیش آئے، حضرت مسورؓ بن مخرمہ نے ان کو اس طرح بیان کیا ہے:

"وہ جماعت جس کو (حضرت) عمرؓ نے انتخاب خلیفہ کا کام سونپا تھا جمع ہوئی اور مشورہ شروع ہوا، (حضرت) عبد الرحمٰنؓ بن عوف نے کہا، میں آپ لوگوں سے امرِ خلافت میں منافست (ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش برابری یا معارضہ) نہیں کروں گا البتہ اگر آپ چاہیں تو آپ میں سے ایک شخص کو انتخاب کردوں ——— سب نے یہ کام عبد الرحمٰن کے سپرد کر دیا۔ اب تمام لوگ جو اس جماعت کے پیچھے پیچھے پھرتے تھے۔ عبد الرحمٰن کی طرف جھکے اور ان راتوں میں ان کو مشورہ دیتے رہے جس رات کی صبح کو (حضرت) عثمانؓ کی بیعت ہوئی، جب وہ آئی تو کچھ رات گئے حضرت عبد الرحمٰنؓ میرے (مسورؓ) کے مکان پر آئے اور اس زور سے دروازہ کھٹکھٹایا کہ میں جاگ اٹھا، بولے، شاید تم سو رہے تھے۔ خدا کی قسم تین راتیں گزری ہیں اور مجھ کو کم سونا نصیب ہوا ہے۔ جاؤ اور زبیرؓ و سعدؓ کو بلا لاؤ۔ میں بلا لایا۔ عبد الرحمٰنؓ نے دونوں سے مشورہ کیا پھر مجھ کو بلایا اور کہا، علیؓ کو بلا لاؤ، میں بلا لایا۔ انہوں نے علیؓ سے آدھی رات تک گفتگو کی۔ علیؓ جب ان کے پاس سے اٹھے تو ——— عبد الرحمٰنؓ نے کہا، عثمانؓ کو بلا لاؤ۔ میں بلا لایا۔ ان سے اذانِ فجر تک گفتگو ہوتی رہی۔ جب لوگوں نے نمازِ فجر پڑھ لی اور وہ جماعت (اہلِ شوریٰ) منبر کے پاس جمع ہوگئی تو انہوں (عبد الرحمٰنؓ) نے مہاجرینؓ انصار

اور امرا اجناد کو جو حج میں حضرت عمرؓ کے ساتھ شریک ہوئے تھے اور اس وقت (مدینہ میں) موجود تھے بلا بھیجا۔ جب سب جمع ہو گئے تو عبدالرحمٰنؓ نے تشہد پڑھا پھر کہا، اما بعد اے علی میں نے لوگوں کے امر میں غور کیا تو جہاں تک میں خیال کرتا ہوں وہ عثمانؓ کے برابر کسی کو نہیں سمجھتے اس لیے تم اپنے نفس پر کوئی راستہ نہ نکالنا۔ پھر (عثمانؓ سے) کہا، میں تم سے اللہ اور رسول کی سنت اور خلفاء مابعد کی سنت پر بیعت کرتا ہوں۔ اس کے بعد عبدالرحمٰن نے بیعت کی۔ پھر تمام مہاجرین، انصار، امراء لشکر اور مسلمانوں نے بیعت کی۔"

(صحیح بخاری کتاب الاحکام باب کیف یبایع الامام الناس)

حضرت عثمان ذوالنورینؓ کے عہد خلافت میں ایک مرتبہ لوگوں کو یہ شکایت پیدا ہوئی کہ کوفہ کے گورنر ولید بن عقبہ نے شراب پی اور اسی حالت میں لوگوں کو صبح کی نماز پڑھائی۔ حضرت عثمانؓ تک یہ شکایت پہنچی تو انہوں نے ولید پر حد جاری کرنے میں تاخیر کی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ جو لوگ ولید کے خلاف شہادت دے رہے تھے ان کا حال امیرالمؤمنین کو اچھی طرح معلوم نہ تھا۔ بعض لوگوں نے سمجھا کہ شاید حضرت عثمانؓ ولید کی رعایت کر رہے ہیں اس لیے کہ وہ ان کا رشتہ دار ہے۔ چنانچہ وہ اس بارے میں چہ میگوئیاں کرنے لگے۔ آخر حضرت مسورؓ اور عبدالرحمٰن بن اسود نے حضرت عثمانؓ کے بھانجے عبیداللہ بن عدی بن خیار سے کہا کہ تم جا کر اپنے ماموں صاحب سے گفتگو کرو اور ان کو بتاؤ کہ آپ کے بھائی ولید بن عقبہ کے معاملہ میں لوگ اس طرح چہ میگوئیاں کر رہے ہیں۔

عبیداللہ نے جا کر حضرت عثمانؓ کو اس معاملہ کی طرف توجہ دلائی تو انہوں نے وعدہ کیا کہ وہ بہت جلد اس معاملہ میں حق کے مطابق فیصلہ کریں گے۔ چنانچہ صحابہ کے مجمع عام میں ولید بن عقبہ پر مقدمہ قائم کیا گیا اور جب چند معتبر گواہوں نے ان کے خلاف شہادت دی تو حضرت عثمانؓ نے حضرت علیؓ کو حکم دیا کہ ولید

پر حد قائم کریں۔ حضرت علیؓ نے یہ کام حضرت عبداللہ بن جعفرؓ کے سپرد کیا۔ انہوں نے ولید کو چالیس کوڑے لگائے۔

(صحیح بخاری کتاب المناقب باب مناقب عثمان بن عفانؓ)

(۴)

حضرت مِسوَرؓ کو فقہی مسائل پر بڑا عبور حاصل تھا۔ اس معاملے میں ان کو اپنے اوپر اتنا اعتماد تھا کہ بعض اوقات ایسے صحابہ سے بھی اختلافِ رائے ہو جاتا تھا جن کی فقاہت اور تبحرِ علمی سب کے نزدیک مسّلم تھا۔ ایک مرتبہ حبر الامۃ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے اس مسئلہ میں اختلاف ہو گیا کہ محرم حالتِ جنابت میں غسل کرتے وقت سر ہاتھ سے مل سکتا ہے یا نہیں۔ حضرت مِسوَرؓ کا خیال تھا کہ سر دھونا جائز نہیں لیکن حضرت عبداللہ بن عباسؓ کہتے تھے کہ سر دھونا جائز ہے۔ دونوں بزرگوں نے فیصلہ کے لیے بزرگ صحابی حضرت ابوایوب انصاریؓ کی طرف رجوع کیا اور ان کی رائے معلوم کرنے کے لیے عبداللہ بن حنین کو ان کی خدمت میں بھیجا۔ اتفاق سے حضرت ابوایوب انصاریؓ اس وقت غسل ہی کر رہے تھے۔ عبداللہ بن حنین نے باہر کھڑے کھڑے مسئلہ دریافت کیا تو انہوں نے اپنا سر آڑ سے باہر نکال کر ہاتھ سے ملنا شروع کر دیا اور فرمایا:

"دیکھو رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اسی طرح غسل کیا کرتے تھے۔"

عبداللہ نے واپس جا کر دونوں بزرگوں کو یہ بات بتائی تو حضرت مِسوَرؓ نے اپنی رائے سے رجوع کر لیا۔

اپنے علم و فضل اور اخلاقِ حمیدہ کی وجہ سے حضرت مِسوَرؓ لوگوں میں نہایت عزت و احترام کی نظر سے دیکھے جاتے تھے۔ اُمّہات المؤمنینؓ اور ہمعصر صحابہ بھی ان کو بہت مانتے تھے۔ اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ حضرت مِسوَرؓ کے ہمعصر صحابی حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی خالہ تھیں۔ حضرت

عبداللہؓ ان کی باقاعدگی سے مالی خدمت کیا کرتے تھے۔ اُمّ المؤمنینؓ کا دست سخاوت نہایت کشادہ تھا جو کچھ ہاتھ آتا سب خرچ کر ڈالتیں۔ ایک دفعہ حضرت عبداللہؓ کے منہ سے نکل گیا کہ اگر خالہ جان اپنا ہاتھ نہ روکیں گی تو میں آئندہ انہیں کچھ نہ دوں گا۔ اُمّ المؤمنینؓ کو خبر ہوئی تو وہ ابنِ زبیرؓ سے ناراض ہو گئیں اور عہد کر لیا کہ اب میں نہ ان سے کچھ لوں گی اور نہ ان سے بولوں گی۔ اس عہد پر انہوں نے عرصہ تک سختی سے عمل کیا۔ اس پر حضرت عبداللہ بن زبیرؓ سخت پشیمان ہوئے اور بہت سے اصحاب کو درمیان میں ڈال کر خالہ جان کو منانے کی کوشش کی لیکن وہ نہ مانیں۔ تھک ہار کر حضرت عبداللہؓ نے حضرت مسورؓ سے کہا کہ تم مجھے کسی طرح خالہ کے پاس پہنچا دو۔ چنانچہ وہ ان کو اپنے ساتھ لے گئے۔ حضرت ابنِ زبیرؓ نے بڑی لجاجت کے ساتھ معافی مانگی لیکن اُمّ المؤمنینؓ کسی طرح راضی نہ ہوتی تھیں۔ آخر حضرت مسورؓ نے بڑی مشکلوں کے ساتھ ان کا قصور معاف کرایا۔ اس کے بعد حضرت عبداللہؓ نے کبھی اُمّ المؤمنینؓ کو شکایت کا موقع نہ دیا۔ اُمّ المؤمنینؓ نے بھی اپنی قسم توڑنے کا کفارہ ادا کر دیا۔

(صحیح بخاری)

حق گوئی اور بے باکی بھی حضرت مسورؓ کا نمایاں وصف تھا۔ حافظ ابنِ عبدالبرؒ نے "الاستیعاب" میں بیان کیا ہے کہ ایک دفعہ حضرت مسورؓ مروان بن الحکم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ دورانِ گفتگو میں انہوں نے مروان کی کسی غلطی پر اسے متنبہ کیا۔ مروان کو ان کی تنبیہ بہت ناگوار گزری اور اس نے زمین پر زور سے پاؤں مار کر اپنی ناگواری کا اظہار کیا۔ دوسرے دن اس کی حضرت مسورؓ سے ملاقات ہوئی تو اس کا رویہ معذرت خواہانہ تھا۔ کہنے لگا —— "گزشتہ شب میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک غیبی آواز مجھ سے کہہ رہی ہے:

مَا لَكَ وَ لِلْمِسْوَرِ كُلٌّ يَعْمَلُ عَلٰى شَاكِلَتِهٖ فَرَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَنْ هُوَ اَهْدٰى سَبِيْلًا"

(یعنی تو مسور سے کیوں الجھتا ہے ہر ایک انسان طبیعت کے تقاضے سے کچھ نہ کچھ کرتا رہتا ہے صرف تمہارا رب ہی جانتا ہے کہ سیدھی راہ پر کون ہے) اے مسور مجھے خواب میں ڈانٹا گیا۔

حضرت مسورؓ نے فرمایا، تجھے خواہ کوئی خواب میں ڈانٹے یا بیداری میں تو کج روی سے رکنے والا نہیں۔ (الاستیعاب ج ۳ ص ۲۹۸)

ایک دفعہ حضرت حسن بن حسنؓ بن علیؓ نے حضرت مسورؓ کی بیٹی سے نکاح کرنا چاہا۔ ان کا پیام ملا تو حضرت مسور خود ان کے پاس تشریف لے گئے اور کہا:

"خدا کی قسم کوئی نسب کوئی رشتہ اور کوئی تعلق میرے نزدیک آپ کے نسب، تعلق اور آپ کے ساتھ رشتہ مصاہرت قائم کرنے سے بڑھ کر نہیں ہے لیکن رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا ہے کہ "فاطمہ میرے گوشت کا ٹکڑا ہے جس نے اس کو ناراض کیا اس نے مجھ کو ناراض کیا اور جس نے اس کو خوش رکھا اس نے مجھ کو خوش رکھا اور قیامت کے دن میرے نسبی اور سسرالی رشتہ اور تعلق کے سوا باقی تمام رشتے اور تعلق ٹوٹ جائیں گے۔" آپ سے رشتہ قائم کرنا میرے لیے عزت اور فخر کا باعث ہے لیکن فاطمہؓ (بنت رسول اللہؐ) کی لڑکی (پوتی) آپ کی زوجیت میں ہے اس لیے میں اپنی بیٹی کا نکاح آپ سے کر کے فاطمہؓ کی پوتی کو دکھ اور رنج نہیں پہنچا سکتا۔ (مسند احمد ج ۴ ص ۳۲۳)

(۵)

شیخینؓ اور حضرت عثمان ذوالنورینؓ کے پورے دور میں حضرت مسورؓ مدینہ منورہ میں رہے۔ سیدنا حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد وہ مکہ چلے گئے اور وہیں مستقل اقامت اختیار کر لی۔ یزید اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے اختلافات کے زمانے

میں دوسرے اہل حجاز کی طرح انہوں نے بھی حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی بیعت کر لی تھی۔ ۶۴ھ میں شامی فوج نے حصین بن نمیر کی قیادت میں مکہ معظمہ کا محاصرہ کر لیا اور کوہ بوقبیس پر منجنیق نصب کر کے خانہ کعبہ پر آتشباری اور سنگباری شروع کر دی۔ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے اس محاصرہ کے دوران میں کمال استقامت دکھائی اور ذرہ برابر بھی ہراساں نہ ہوئے۔ ان کی بے خوفی کا یہ عالم تھا کہ مسجد حرام میں خیمہ نصب کر رکھا تھا۔ نہ آتش باری کی پروا تھی اور نہ سنگباری کی۔ خیمے سے اس طرح نکلتے جیسے شیر جھاڑی سے نکلتا ہے اور حطیم میں جا کر نہایت سکون سے نماز میں مشغول ہو جاتے۔ حضرت مسورؓ بن مخرمہ بھی ابن زبیرؓ کی طرح نہایت دلیر اور نڈر بزرگ تھے، وہ بھی ان کے ساتھ مل کر پتھروں اور آگ کی بارش میں نماز پڑھا کرتے تھے۔ ایک دن اسی طرح حطیم میں نماز پڑھ رہے تھے کہ ایک پتھر ان کے سر پر لگا اور وہ شدید زخمی ہو گئے۔ اسی صدمہ سے پانچویں دن وفات پا گئے۔ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے نماز جنازہ پڑھائی اور رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے اس شیدائی کو خاک مکہ کے سپرد کر دیا۔

امام حاکم نیشاپوریؒ نے اپنی "مستدرک" میں لکھا ہے کہ وفات کے وقت حضرت مسورؓ کی عمر ۶۸ برس کی تھی۔ اگر حضرت مسورؓ کی ولادت ۲ سنہ ہجری میں مانی جائے اور وفات ۶۴ھ میں تو ان کی عمر ۶۲ برس بنتی ہے۔ اگر یہ تصور کیا جائے کہ ان کی وفات ۷۳ھ کے محاصرۂ مکہ کے دوران میں ہوئی تو ان کی عمر ۷۱ برس بنتی ہے۔ مولوی شاہ معین الدین احمد ندوی مرحوم نے سیر الصحابہ حصہ ہفتم میں اس فرق کی یہ توجیہ کی ہے کہ :

"یہ (مکہ کا) محاصرہ ۷۳ھ تک جاری رہا تھا۔ ۶۴ھ سے لے کر ۷۳ھ تک کسی وقت میں مسورؓ کی شہادت ہوئی۔"

"سیر الصحابہ" کے فاضل مؤلف کو تسامح ہوا ہے۔ ۶۴ھ میں مکہ کا جو محاصرہ ہوا وہ صرف چونسٹھ دن جاری رہا۔ (اس مدت میں دو چار دن

کی کمی بیشی ہو سکتی ہے)۔ تمام مؤرخین اس پر متفق ہیں۔ اس کے بعد دوسری مرتبہ حجاج بن یوسف ثقفی نے ۷۳ھ میں (بعہدِ خلافت عبدالملک بن مروان) مکہ کا محاصرہ کیا۔ اسی محاصرے میں حضرت عبداللہ بن زبیرؓ شہید ہوئے اور مکہ معظمہ پر شامی فوج کا قبضہ ہو گیا۔ یہ کہنا بالکل خلاف واقعہ اور بعید از قیاس ہے کہ مکہ کا محاصرہ ۶۴ھ سے ۷۳ھ تک (پورے نو سال) جاری رہا اور اسی دوران میں حضرت مِسوَرؓ نے شہادت پائی۔ ایسی تاویل کرنے کے بجائے کیوں نہ یہ سمجھا جائے کہ امام حاکمؒ سہواً حضرت مِسوَرؓ کی عمر ۶۲ سال کے بجائے ۶۸ سال لکھ گئے یا یہ کہ حافظ ابنِ حجرؒ ان کا سالِ ولادت ۱۱ھ بعدِ بعثت کے بجائے ۲ھ ہجری لکھ گئے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

حضرت مِسوَرؓ بن مخرمہ سے بائیس حدیثیں مروی ہیں۔ ان میں مرفوع روایات بہت کم ہیں (مرفوع احادیث وہ ہوتی ہیں جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی قول یا فعل کا ذکر ہو) ان کی مرویات میں دو متفق علیہ ہیں۔ ۴ میں امام بخاریؒ اور ایک میں امام مسلمؒ منفرد ہیں۔ بعض محدثین نے ان کے سماعِ حدیث سے اس بناء پر انکار کیا ہے کہ وہ صغیر السن تھے لیکن امام حاکمؒ کے نزدیک ان کا سماع ثابت ہے۔ (دیکھیے مستدرک حاکم ج ۳ ص ۵۲۴) فی الحقیقت صغیر سنی کی بناء پر سماع کا انکار نہیں کیا جا سکتا، متعدد دوسرے صغار صحابہ سے بکثرت روایات کتبِ حدیث میں ملتی ہیں۔

حضرت مِسوَرؓ سے مروی کچھ احادیث اوپر ان کے حالات میں نقل کی جا چکی ہیں۔ تین مزید حدیثیں یہاں نقل کی جاتی ہیں۔ یہ تینوں حدیثیں صحیح بخاری سے لی گئی ہیں۔

حضرت مِسوَرؓ بن مخرمہ سے روایت ہے کہ:

(۱) میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ آپؐ نے قبیلہ بنی عبدشمس سے اپنے ایک داماد کا ذکر کیا اور دامادی میں ان کی تعریف عمدہ اوصاف

سے فرمائی کہ انہوں نے جو بات مجھ سے کہی سچ کہی اور جو وعدہ مجھ سے کیا پورا کیا۔

(یہ سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے شوہر حضرت ابوالعاص رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ ہے)

(۲) حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ نے جب ابوجہل کی بیٹی سے منگنی کی تو حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی سن کر رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے پاس گئیں اور کہا کہ آپ کی قوم کا خیال ہے کہ آپ اپنی بیٹیوں کی حمایت میں غصہ نہیں کرتے اور (اسی وجہ سے) علی رضی اللہ عنہ ابوجہل کی بیٹی سے نکاح کرنا چاہتے ہیں۔ میں سن رہا تھا، جب آپؐ نے تشہد کے بعد فرمایا میں نے ابوالعاص بن ربیع سے اپنی ایک بیٹی کا نکاح کر دیا۔ تو ابوالعاص نے جو بات مجھ سے کہی سچ کہی اور بے شک فاطمہ میرا پارۂ گوشت ہے اور میں اس بات کو گوارا نہیں کرتا کہ اسے رنج پہنچے۔ خدا کی قسم رسول اللہ کی بیٹی اور اللہ کے دشمن کی بیٹی ایک شخص کے پاس نہیں رہ سکتیں۔ پس علی رضی اللہ عنہ نے یہ منگنی چھوڑ دی۔

(۳) رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے پاس جب قبیلہ ہوازن کے لوگ (غزوۂ حنین) کے بعد مسلمان ہو کر آئے تو آپؐ کھڑے ہو گئے۔ انہوں نے آپ سے درخواست کی کہ آپ ان کے مال اور قیدی واپس کر دیں۔ آپؐ نے فرمایا، مجھے وہ بات پسند ہے جو سچی ہو پس تم ایک بات اختیار کر لو، قیدیوں کو واپس لے لو یا مال کو اور میں نے تو (تمہارے انتظار میں) مالِ غنیمت کی تقسیم میں بھی دیر کر دی اور بے شک رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے کچھ اوپر دس دن ان کا انتظار کیا جبکہ آپؐ طائف سے لوٹے تھے۔ پس جب انہیں معلوم ہو گیا کہ رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم انہیں ایک ہی چیز واپس دیں گے تو انہوں نے کہا، ہم اپنے قیدی لیتے ہیں جس پر رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم مسلمانوں کی جماعت میں کھڑے ہو گئے اور

اللہ کی اس کے لائق تعریف کرنے کے بعد فرمایا، تمہارے یہ بھائی ہمارے پاس توبہ کرکے آئے ہیں اور میں یہ مناسب سمجھتا ہوں کہ ان کے قیدی واپس دے دوں لہٰذا تم میں سے جو شخص تبرعاً ایسا کرے وہ دے دے اور جو شخص تم میں سے یہ چاہے کہ وہ اپنے حصہ پر قائم رہے یہاں تک کہ ہم سب سے پہلے غنیمت سے اسے اس کا معاوضہ دے دیں، تو وہ اسی شرط پر دے دے۔ لوگوں نے عرض کی: یارسول اللہ ہم بلا معاوضہ اسے منظور کرتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا، میں نہیں جانتا کہ تم میں سے کس نے منظور کیا اور کس نے نامنظور، لہٰذا تم لوگ لوٹ جاؤ اور تمہارے سردار تمہارا پیغام میرے پاس لائیں چنانچہ سب لوگ لوٹ گئے اور ان سے ان کے سرداروں نے گفتگو کی۔ اس کے بعد وہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کے پاس آئے اور آپؐ سے بیان کیا کہ وہ لوگ بخوشی منظور کرتے ہیں۔

حضرت صحار رضؓ بن عباس عبدی

①

ہجرتِ نبوی کے چند سال بعد کا ذکر ہے کہ بحرین سے چند شرفاء کا ایک وفد بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوا۔ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں سے پوچھا، یہ وفد کس قبیلہ کا ہے؟ جواب ملا "قبیلہ ربیعہ کا" (ربیعہ کا دوسرا نام عبدالقیس تھا گویا یہ وفد بنو ربیعہ یا بنو عبدالقیس کا تھا)۔

حضورؐ نے فرمایا:

"مرحبا (تم لوگ خوشی سے اسلام قبول کر کے آئے ہو اس لیے) تم نہ دنیا میں رسوا ہو گے نہ آخرت میں۔"

اہلِ وفد حضورؐ کا ارشادِ گرامی سن کر فرطِ مسرت سے بے خود ہو گئے۔ ان میں سے سرخ رنگ اور کرنجی (ازرق) آنکھوں والے ایک صاحب نے آگے بڑھ کر عرض کیا:

"یا رسول اللہ! ہم لوگ پھلوں سے شراب تیار کرتے ہیں اس کے بارے میں آپؐ کا کیا ارشاد ہے؟"

انہوں نے تین بار یہ سوال کیا اور ہر بار رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے روئے انور دوسری طرف پھیر لیا اور اس وقت کوئی جواب نہیں دیا۔ پھر نماز کا وقت ہو گیا۔ آپؐ نے نماز سے فارغ ہونے کے بعد دریافت فرمایا کہ کس نے مجھ سے شراب کے بارے میں سوال کیا تھا۔ نشہ آور شے کے متعلق مجھ سے پوچھتے ہو؟ تم نہ خود پیو اور نہ اپنے کسی بھائی کو پلاؤ۔ خدا کی قسم جو شخص اسے مستی اور لذت کے لیے استعمال کرے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کا مواخذہ کرے گا اور اس کو شراب پینے پلانے کا عذاب دے گا ــــــ یہ صاحب جن کو دینی مسائل جاننے

کا اس قدر اشتیاق تھا اور جنہوں نے ہادیٔ اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے ایک ایسا مسئلہ دریافت کیا تھا جس کا ان کی معاشرت اور معیشت سے گہرا تعلق تھا، حضرت صحار ابن عباس عبدی تھے ۔ یہ سوال پوچھنے سے ان کا مقصد صرف یہ تھا کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم جو حکم دیں وہ اسی کے مطابق عمل کریں۔ یہ بیان ابن سعدؒ کا ہے۔

مسندِ احمد بن حنبلؒ میں ہے کہ وفدِ عبدالقیس بارگاہِ نبوی میں حاضر ہوا تو حضورؐ نے انصار سے مخاطب ہو کر فرمایا، اپنے بھائیوں کی خاطر مدارات کرو کیونکہ وہ شکل و صورت اور وضع قطع میں تم سے مشابہت رکھتے ہیں اور بلا جبر و اکراہ اسلام لائے ہیں۔

انصار نے اپنے آقا و مولا صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا ارشادِ گرامی سن کر ان لوگوں کو ہاتھوں ہاتھ لیا اور ان کی خوب خاطر تواضع کی۔ صبح کے وقت اہلِ وفد حاضر ہوئے تو آپؐ نے ان سے پوچھا "تمہارے بھائیوں نے تمہاری خاطر مدارات کیسی کی؟" انہوں نے عرض کیا:

"یا رسول اللہؐ یہ بہت اچھے لوگ ہیں انہوں نے ہمارے لیے نرم بچھونے بچھائے، عمدہ کھانے کھلائے اور رات بھر ہمیں کتاب و سنت کی تعلیم دیتے رہے۔"

حضورؐ یہ سُن کر بہت خوش ہوئے اور ہر ایک نے جو کچھ پڑھا تھا اس سے سنا۔[۱]

---

[۱] قبیلہ عبدالقیس کے لوگ بہت نیک فطرت تھے اور فتح مکہ سے بہت پہلے دعوتِ اسلام پر لبیک کہہ چکے تھے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ مسجدِ نبوی کے بعد سب سے پہلا جمعہ عبدالقیس ہی کی مسجد میں قائم ہوا جو انہوں نے بحرین کے مقام جواثٰی میں تعمیر کی تھی۔ اس قبیلے کے نمائندے احکامِ دین سیکھنے کے لیے دو مرتبہ بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے۔ پہلی مرتبہ ۵ھ ہجری کے قریبی زمانے میں اور دوسری مرتبہ ۹ھ یا ۱۰ھ میں۔ پہلی مرتبہ

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

(۲)

سیدنا حضرت صحارؓ بن عبدی کا تعلق بنو عبد القیس کی شاخ بنو ظفر بن دیل سے تھا۔ نسب نامہ یہ ہے :

صحارؓ بن عبّاس بن شراحیل بن منقذ بن حارثہ عبدی دیلی۔

والد کا نام عبّاس کے بجائے صخر اور عیاش بھی بتایا جاتا ہے۔ ان کی کنیت عبدالرحمٰن تھی۔

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ)

ان کے وفد میں تیرہ[۱] آدمی تھے اور دوسری مرتبہ بیس[۲] (بقول ابن سعدؒ) یا چالیس[۳] (بقول حافظ ابن حجرؒ اور قسطلانیؒ) ان کے پہلی مرتبہ ورودِ مدینہ کے بارے میں زرقانیؒ نے "شرح مواہب" میں بیہقیؒ سے نقل کیا ہے کہ ایک دن حضورؐ نے صحابہؓ سے فرمایا کہ ابھی تمہارے پاس کچھ لوگ آ رہے ہیں جو اہلِ مشرق میں سب سے بہتر ہیں۔ حضرت عمرِ فاروقؓ نے حضورؐ کا ارشاد سنا تو فرطِ اشتیاق سے ان لوگوں کو دیکھنے کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے۔ مجلسِ نبوی سے باہر نکلے تو انہیں تیرہ آدمیوں کا ایک قافلہ ملا۔ انہوں نے اہلِ قافلہ کو حضورؐ کے ارشاد سے آگاہ کیا اور پھر انہیں ساتھ لے کر دربارِ رسالت کی طرف روانہ ہوئے۔ ان لوگوں نے دور سے سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو اپنا سامان چھوڑ چھاڑ دیوانہ وار آپ کی طرف دوڑ پڑے اور آپؐ کے دستِ مبارک چومنے لگے۔ حضورؐ نے ان لوگوں کو رملہؓ بنت حارث کے مکان پر ٹھہرایا اور دس دن تک مہمان رکھا۔ دوسری مرتبہ عبد القیس کا وفد حضورؐ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا تو اس کی درخواست پر آپؐ نے ان کو یہ ہدایات دیں کہ تمہیں چار باتوں کا حکم دیتا ہوں اور چار باتوں سے منع کرتا ہوں۔

امر کی چار باتیں یہ ہیں :

(۱) خدائے واحد پر سچے دل سے ایمان لانا۔

حضرت صحارؓ بڑے بہادر آدمی تھے اور اپنے قبیلے کے نامور شہسواروں میں شمار ہوتے تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت صحارؓ کے والدین نے بچپن میں ان کی تعلیم و تربیت کا خاص اہتمام کیا تھا۔ چنانچہ وہ بڑے ہو کر علم و فن کے کے اعتبار سے بڑے بلند مقام پر فائز ہوئے۔ اہلِ سِیَر کا بیان ہے کہ وہ بڑے عالم و فاضل آدمی تھے۔ کئی لسانی اور ادبی علوم و فنون کے ماہر تھے۔ فنِ خطابت فصاحت و بلاغت اور حاضر جوابی میں سارے عرب میں مشہور تھے۔ علم الانساب

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

(۲) نماز پڑھنا اور زکوٰۃ ادا کرنا۔

(۳) ماہِ رمضان کے روزے رکھنا

(۴) مالِ غنیمت میں سے پانچواں حصہ بیت المال میں جمع کرنا۔

اور جن چیزوں سے تمہیں بچنا چاہیے وہ یہ ہیں:

(۱) دُبا (تونبی) (۲) حنتم (روغنی)

(۳) نقیر (کاٹھ کا بنا ہوا) (۴) مزفت (رال سے لیا ہوا) قسم کے برتنوں کو ترک کرنا ہوگا۔

(ان برتنوں میں عرب شراب ڈال کر پیا کرتے تھے چونکہ بنو عبدالقیس شراب پینے کے سخت عادی تھے اور شراب کا ذخیرہ انہی برتنوں میں رکھتے تھے اس لیے حضورؐ نے ان کے استعمال سے منع فرمایا)

انہوں نے سوال کیا، "یا رسول اللہ آپ جانتے ہیں کہ نقیر کسے کہتے ہیں؟"

آپؐ نے فرمایا: "ہاں جانتا ہوں کھجور کی موٹی لکڑی، لکڑی کو اندر سے کھود کر تم اس میں کھجوریں رکھتے ہو اور ان پر کھجور کے درخت کا رس ڈال دیتے ہو پھر اس میں پانی ملاتے ہو۔ رس اور پانی مل کر جوش کھاتا ہے ٹھنڈا ہو جانے کے بعد تم اسے پیتے ہو اور نشہ میں چور ہو کر اپنے ہی بھائی پر تلوار چلاتے ہو۔"

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

میں بھی مہارت کامل رکھتے تھے اور بڑے زبان آور خطیب اور مقرر تھے۔
ابنِ قتیبہؒ نے ان کے بارے میں لکھا ہے وَکَانَ خَیْرًا فَاضِلًا عَابِدً
یعنی وہ نہایت نیک فاضل اور عبادت گزار آدمی تھے۔
ابنِ ندیم نے "کتاب الفہرست" میں ان کی ایک کتاب کا ذکر کیا ہے جس کا نام "کتاب الامثال" تھا۔
۲۳ھ ہجری میں حضرت عمرؓ فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت حکم بن عمرو غفاریؓ کو مکران کی تسخیر پر مامور کیا تو حضرت صحارؓ بھی ان کے لشکر میں شامل ہو گئے۔
(اس سے پہلے وہ ایران میں مصروفِ جہاد رہے تھے) مکران کے بادشاہ نے مسلمانوں کا زبردست مقابلہ کیا لیکن شکست کھائی اور مکران پر مسلمانوں کا استیلا ہو گیا۔ حضرت حکمؓ بن عمرو نے حضرت صحارؓ کو نامۂ فتح دے کر دربارِ خلافت میں بھیجا۔ ان کے ساتھ چند ہاتھی بھی تھے جو مالِ غنیمت میں ہاتھ آئے تھے۔
حضرت صحارؓ بارگاہِ خلافت میں پہنچے تو امیر المؤمنین حضرت عمرؓ فاروقؓ نے ان سے مکران کا حال پوچھا، انہوں نے عرض کیا:

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

حضورؐ کا ارشاد سن کر اہلِ وفد ہنس پڑے۔ آپؐ نے ان سے ہنسی کا سبب پوچھا، تو انہوں نے کہا عرض کیا، "یا رسول اللہؐ ہمارے ہاں ایسا ایک حادثہ رونما ہو چکا ہے ہم میں یہ صاحب موجود ہیں جن کو ان کے حقیقی بھائی نے نشہ میں چور ہو کر زخمی کر دیا تھا"
پھر انہوں نے پوچھا:

"یا رسول اللہؐ! ہمارے لیے کون سے برتنوں کا استعمال جائز ہے۔"
ارشاد ہوا ——— "چمڑے کے ڈول، مشکیزے اور کپّے وغیرہ"
چند دن بعد رخصت کے وقت سب اراکین وفد انعام سے سرفراز ہوئے۔ قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت صحارؓ اسی وفد میں شامل تھے۔

یا امیرالمؤمنین! ارض سهلها جبل وماؤها وشل وثمرها دقل وعدوها بطل وخیرها قلیل وشرها طویل، ان کان بها الکثیر جاعوا وان کان بها القلیل ضاعوا وما وراءها شر منها۔

(یعنی اے امیرالمؤمنین وہاں کی زمین پتھریلی دشوار گزار، وہاں کا پانی ردی، وہاں کا پھل (یا کھجور) خراب اور چور دلیر ہیں۔ بھلائی کم ہے اور خرابی زیادہ۔ اگر وہاں فوج زیادہ ہو تو بھوکی رہے اور اگر کم ہو تو ضائع ہو جائے اور اس کے پیچھے کے علاقہ کے حالات اس سے بھی بُرے ہیں۔)

حضرت عمرؓ نے فرمایا: "صحارؓ تم شاعری کر رہے ہو یا خبر دے رہے ہو۔"

انہوں نے کہا: "خبر دے رہا ہوں۔"

اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا، "خدا کی قسم جب تک میری اطاعت کی جائے گی میری فوج وہاں جہاد نہیں کرے گی۔"

حافظ ابن کثیرؒ نے لکھا ہے کہ عہدِ فاروقی میں حضرت احنف بن قیسؒ نے ہرات فتح کیا تو حضرت صحارؓ عبدی کو اپنا نائب بنا کر وہاں چھوڑا اور مرو شاہجہان کا رُخ کیا۔ یہ ۲۲ھ یا ۲۳ھ کا واقعہ ہے۔ اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت صحارؓ نے ایرانیوں کے خلاف جہاد میں بھرپور حصہ لیا۔

حضرت صحارؓ مشاجراتِ صحابہ میں قصاصِ عثمانؓ کے علمبردار تھے چنانچہ جنگِ صفین میں وہ حضرت امیر معاویہؓ رضی اللہ تعالیٰ کے ساتھ تھے۔ حضرت صحارؓ کے سالِ وفات کے بارے میں کتبِ سیر خاموش ہیں لیکن ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ امیر معاویہؓ کے دورِ خلافت میں موجود تھے۔

یہ روایت ان کی ذہانت اور حاضر جوابی پر بھی دلالت کرتی ہے۔ روایت یہ ہے کہ ایک مرتبہ حضرت معاویہؓ نے ان کو ازراہِ تفنن ازرق کہہ کر پکارا تو انہوں نے فوراً جواب دیا کہ ازرق باز ہوتا ہے جو پرندوں پر جھپٹتا ہے۔ پھر حضرت امیر معاویہؓ نے احمر کہہ کر پکارا تو انہوں نے جواب دیا کہ احمر سونا ہوتا ہے۔ ایک اور موقع پر امیر معاویہؓ نے ان سے فصاحت و بلاغت کی حقیقت و ماہیت دریافت کی تو فی البدیہہ اس کا نہایت جامع و مانع جواب دیا۔

(خلافت راشدہ اور ہندوستان از قاضی اطہر مبارکپوری)

حافظ ابن عبدالبرؒ اور ابن اثیرؒ نے لکھا ہے کہ حضرت صحارؓ سے دو تین مرفوع حدیثیں بھی مروی ہیں۔ انہیں ان کے دونوں صاحبزادوں عبدالرحمٰنؒ اور جعفرؒ کے علاوہ منصور بن ابی منصورؒ نے روایت کیا ہے۔ ان میں سے ایک حدیث ابن اثیرؒ نے "اسد الغابہ" میں اس طرح نقل کی ہے:

"میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ قیامت قائم نہ ہوگی یہاں تک کہ چند قبیلے فلاں فلاں زمین میں دھنس جائیں گے۔ میں سمجھ گیا کہ یہ لوگ عرب کے ہیں کیونکہ اہل عجم میں قبیلے نہیں ہوتے بلکہ وہ اپنی بستیوں کے نام سے مشہور ہوتے ہیں۔"

رضی اللہ تعالیٰ عنہ
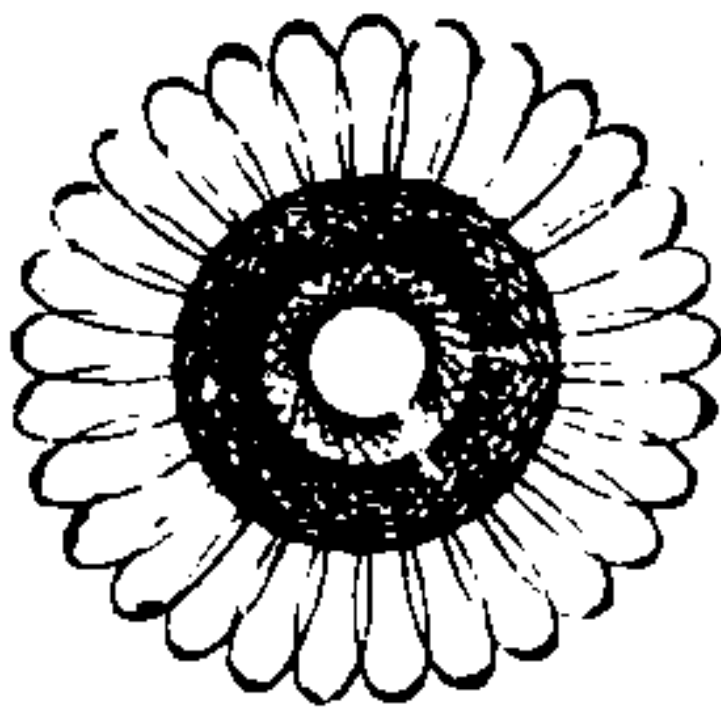
حضرت سائبؓ بن اقرع ثقفی

①

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن اپنے چند جاں نثاروں کے درمیان رونق افروز تھے کہ ایک خاتون ایک لڑکے کا ہاتھ پکڑے ہوئے آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا:

"یارسول اللہ! میں شرفِ ایمان سے بہرہ ور ہو چکی ہوں۔ یہ میرا فرزند ہے میں نے اسے بھی مسلمان بنا لیا ہے۔ اور اس کو اسلام پر ثابت قدم رہنے کی تلقین کرتی رہتی ہوں۔ اس کے لیے خیر و برکت کی دعا کیجیے۔"

حضورؐ نے بچے کو اپنے قریب بلایا، اُن کے سر پر دستِ شفقت پھیرا اور ان کے لیے دُعائے خیر و برکت کی۔

یہ خوش بخت نونہال جن کے سر پر سید المرسلین والانبیاءؐ نے اپنا دستِ مبارک پھیرا اور جن کو حضورؐ سے دعا لینے کی سعادت نصیب ہوئی، حضرت سائبؓ بن اقرع تھے۔ جو خاتون ان کو اپنے ساتھ بارگاہِ نبویؐ میں لائی تھیں وہ اُن کی والدہ حضرت ملیکہؓ تھیں۔

②

سیدنا حضرت سائبؓ بن اقرع طائف کے رہنے والے تھے اور ان کا تعلق بنو ثقیف سے تھا۔ نسب نامہ یہ ہے:

سائبؓ بن اقرع بن عوف بن جابر بن سفیان بن عبد یالیل بن سالم

بن مالک بن حطیط بن جشم بن ثقیف۔

بقول ابن مندہؒ اور حافظ ابو نعیمؒ حضرت سائبؓ مشہور صحابی حضرت عثمانؓ بن ابی العاص کے ابن عم تھے۔ لیکن ابن اثیرؒ نے وضاحت کی ہے کہ وہ حضرت عثمانؓ بن العاص کے حقیقی چچازاد بھائی نہیں تھے بلکہ ہم جد تھے۔ ان کا سلسلۂ نسب کہیں آٹھویں پشت میں جاکر مالک بن حطیط پر حضرت عثمانؓ کے سلسلۂ نسب سے ملتا ہے۔ (اُسد الغابہ)

حضرت سائبؓ عہد رسالت میں لڑائی کی عمر کو نہیں پہنچے تھے اس لیے اس عہد کے غزوات میں انہیں حصہ لینے کا موقع نہ ملا۔ ان کی قابلیت کے جوہر حضرت عمرؓ فاروق کے عہد خلافت میں کھلے۔

مختلف مؤرخین کے بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت سائبؓ عراق اور ایران میں جہاد کرنے والے مجاہدوں میں شریک ہو گئے تھے اور انہوں نے مجوسیوں کے خلاف کئی معرکوں میں دادِ شجاعت دی۔ ۱۷ھ ہجری میں بصرہ کے گورنر حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے خوزستان پر لشکر کشی کی تو حضرت سائبؓ بن اقرع بھی ان کے ساتھ تھے۔ مجاہدین اسلام اہواز، مناذر، اور رامہرمز کو فتح کرتے ہوئے شوستر (تستر) کے سامنے جا پہنچے جو خوزستان کا صدر مقام تھا۔ اس شہر کی حفاظت پر ایران کا ایک نامی جرنیل ہرمزان مامور تھا۔ اس کے پاس بے شمار فوج تھی اور سامانِ حرب وضرب کی بھی کوئی انتہا نہ تھی۔ حضرت عمرؓ فاروق کے حکم کے مطابق حضرت عبداللہؓ بن مسعود نعمانؓ بن مقرن اور جریرؓ بن عبداللہ البجلی امدادی فوجیں لے کر حضرت ابو موسیٰؓ کے پاس پہنچ گئے۔ ہرمزان اپنی طاقت کے گھمنڈ میں شہر سے باہر نکل کر مسلمانوں پر حملہ آور ہوا۔ فریقین میں خونریز لڑائی ہوئی جو دیر تک جاری رہی۔ اس معرکے میں جلیل القدر صحابی حضرت براء بن مالک (خادم رسول اللہ حضرت انسؓ بن مالک کے بھائی) اور ایک اور مسلمان افسر ہرمزان کے ہاتھ سے

شہید ہو گئے۔ تاہم میدان مسلمانوں کے ہاتھ رہا۔ اب ہرمزان قلعہ بند ہو کر بیٹھ گیا۔ مسلمانوں نے بھی شہر کا سختی سے محاصرہ کر لیا۔ خوش قسمتی سے ایک آدمی نے مسلمانوں کو ایک خفیہ راستے سے آگاہ کر دیا جس کے ذریعے وہ شہر میں داخل ہو گئے۔ ہرمزان نے اس شرط پر اپنے آپ کو مسلمانوں کے حوالے کر دیا کہ اسے خلیفۃ المسلمین کے پاس مدینہ بھیج دیا جائے گا[1] چنانچہ حضرت ابو موسیٰؓ نے ہرمزان کو حضرت انسؓ بن مالک کی نگرانی میں مدینہ روانہ کر دیا اور شہر پر قبضہ کر لیا۔ اس کے بعد انہوں نے سوس کی طرف پیشقدمی کی اور اس کو فتح کر لیا۔ پھر انہوں نے منجوف بن ثور اور حضرت سائبؓ بن اقرع کو ایک اہم شہر مہرجان قذق کی طرف روانہ کیا۔ انہوں نے اس پر پرچم اسلام بلند کر دیا۔ اس شہر سے ایک میل کے فاصلے پر ہرمزان کا محل تھا حضرت سائبؓ

---

[1] ہرمزان بڑی شان و شوکت کے ساتھ مدینہ پہنچا۔ دربارِ خلافت میں حاضر ہوا تو حضرت عمرؓ نے حضرت مغیرہؓ بن شعبہ کے ذریعے (جو کسی قدر فارسی زبان جانتے تھے) اس سے گفتگو کا آغاز کیا۔ ہرمزان نے امیر المومنین سے مخاطب ہو کر کہا، عمر جب تک خدا ہمارے ساتھ تھا تم ہمارے غلام تھے اب خدا تمہارے ساتھ ہے اور ہم تمہارے غلام ہیں۔ یہ کہہ کر پینے کے لیے پانی مانگا۔ پانی آیا تو پیالہ ہاتھ میں لے کر کہا، جب تک پانی نہ پی لوں، آپ مجھے قتل نہ کریں گے۔ حضرت عمرؓ نے وعدہ کیا کہ ایسا ہی ہوگا۔ اس نے فوراً پیالہ ہاتھ سے رکھ دیا اور کہا میں پانی نہیں پیتا آپ مجھے اپنے عہد کے مطابق قتل نہیں کر سکتے۔ حضرت عمرؓ اس کی چالاکی دیکھ کر حیران رہ گئے ورنہ ان کا ارادہ تھا کہ اسے ضرور قتل کریں گے کیونکہ دو مسلمان افسر اس کے ہاتھ سے شہید ہوئے تھے۔ اب ہرمزان نے فوراً کلمۂ توحید پڑھ کر اسلام قبول کر لیا۔ اس پر حضرت عمرؓ نے اسے امان دے دی اور مدینہ میں رہنے کی اجازت دے دی، ساتھ ہی اس کا دو ہزار سالانہ وظیفہ مقرر کر دیا۔ محرم ۲۴ھ میں حضرت عمرؓ کی شہادت کے بعد ان کے فرزند عبید اللہ نے ہرمزان کو اس شبہ میں قتل کر ڈالا کہ حضرت عمرؓ کو شہید کرنے کی سازش میں وہ بھی شریک تھا۔

نے اس کا رُخ کیا جب اس کے قریب پہنچے تو سورج غروب ہو رہا تھا۔ بہرحال وہ محل کے اندر داخل ہو گئے۔ وہاں انہوں نے ایک کمرے کی دیوار پر ایک تمثال (مورت) دیکھی جو اپنی انگلی تانے زمین کی طرف اشارہ کر رہی تھی۔ حضرت سائبؓ نے سوچا کہ تمثال اس جگہ کی جانب بلا سبب اشارہ نہیں کر رہی۔ چنانچہ انہوں نے وہ جگہ کھودی تو وہاں سے ایک سنگاردان برآمد ہوا جو ہرمزان کی ملکیت تھا اور موتیوں سے بھرا ہوا تھا۔ حضرت سائبؓ نے اس میں سے انگوٹھی کا ایک نگینہ اپنے پاس رکھ لیا اور باقی موتی حضرت ابو موسیٰؓ کے پاس بھیج دیئے۔ ساتھ ہی انہوں نے حضرت ابو موسیٰؓ کو لکھ بھیجا کہ ایک نگینہ میں نے رکھ لیا ہے وہ مجھے عطا کر دیا جائے۔ حضرت ابو موسیٰؓ نے یہ درخواست قبول کر لی اور پھر وہ سنگاردان موتیوں سمیت حضرت عمرؓ کی خدمت میں بھیج دیا اور حضرت سائب کے نگینہ رکھنے کا ذکر بھی لکھ بھیجا۔ اس وقت حضرت عمرؓ ہرمزان کو امان دے چکے تھے انہوں نے وہ سنگاردان ہرمزان کے پاس بھیجا اور دریافت کیا کہ اسے پہچانتے ہو۔ اس نے اثبات میں جواب دیا اور ساتھ ہی کہا کہ اس میں ایک نگینہ کم ہے۔

حضرت عمرؓ نے فرمایا، "مالِ غنیمت کے تقسیم کنندہ نے درخواست کی تھی کہ وہ نگینہ اسے بخش دیا جائے۔ چنانچہ ابو موسیٰ نے اسے بخش دیا۔"

اس پر ہرمزان بولا: "آپ کا وہ ساتھی بڑا گوہر شناس ہے!" [1]

---

[1] یہ روایت ہم نے مؤرخ ابو حنیفہ دینوری کی کتاب "الاخبار الطوال" سے لی ہے۔ پروفیسر خورشید احمد فارق نے اپنی کتاب "حضرت عمر فاروقؓ کے سرکاری خطوط" میں کنز العمال کے حوالے سے اسے ایک دوسری صورت میں بیان کیا ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ واقعہ اس وقت پیش آیا جب کچھ عرصہ بعد حضرت سائبؓ مدائن کے گورنر مقرر ہوئے۔ وہ لکھتے ہیں:

"سائب مدائن کے گورنر تھے۔ انہوں نے کسریٰ کے محل میں ایک مورتی دیکھی جو ایک جگہ اشارہ کر رہی تھی۔ انہیں خیال ہوا کہ اشارہ کسی دفینہ کی طرف ہے۔

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

(۲)

۲۱ھ ہجری میں ایرانیوں کی ایک بہت بڑی تعداد نہاوند میں جمع ہوئی اور بڑے زور شور سے مسلمانوں کے خلاف لڑنے کی تیاری شروع کر دی۔ کوفہ کے گورنر حضرت عمار بن یاسرؓ نے حضرت عمرِ فاروقؓ کو ایرانیوں کی جنگی تیاریوں کی اطلاع دی اور لکھا کہ قومس، طبرستان، اصفہان، رے، قم، ہمدان، جرجان، دماوند، غرض ایران کے گوشے گوشے سے لوگ شاہی لشکر میں شامل ہو رہے ہیں۔ ان سب کا ایک ہی نعرہ ہے کہ مسلمانوں کو ایران سے نکال دو۔ حضرت عمرؓ نے یہ خط ملتے ہی مجلس مشاورت منعقد کی جس میں اکابر صحابہ شریک ہوئے۔ امیر المؤمنین نے ان کے سامنے اس تشویشناک اور سنگین صورت حال کو کھول کر بیان کیا اور خود نہاوند جا کر ایرانیوں سے نبرد آزما ہونے کا ارادہ ظاہر کیا۔ حضرت علیؓ اور دوسرے صحابہ نے رائے دی کہ امیر المؤمنین کا خود محاذِ جنگ پر جانا مناسب نہیں بلکہ انہیں کسی دوسرے موزوں آدمی کو اس مہم پر مامور کرنا چاہیے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے اس مہم کی قیادت کے لیے حضرت نعمانؓ بن مقرن کو نامزد کیا جو ایک جلیل القدر صحابی اور ماہر سپہ سالار تھے۔ اس وقت وہ اہواز میں ایک اہم فوجی مہم انجام دینے گئے ہوئے تھے۔ ان کا اصل عہدہ تو

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

انہوں نے وہ جگہ کھدوائی تو گراں بہا خزانہ نکلا۔ انہوں نے خلیفہ کو خزانہ کی اطلاع دی اور لکھا کہ چونکہ وہ بغیر جنگ کے حاصل ہوا ہے اس میں فوج کا کوئی حق نہیں ہے۔ اور میں کلیتہً اس کا حق دار ہوں۔" اس کے جواب میں حضرت عمرِ فاروقؓ نے یہ فرمان بھیجا:

"تم مسلمان غازیوں کے سالار ہو اس لیے یہ دولت ان میں تقسیم ہونی چاہیے۔"

کسکر (عراق کا ایک ضلع) کے عامل خراج کا تھا لیکن امیر المومنینؓ نے انہیں اہواز کے ایرانیوں کی بغاوت فرو کرنے کے لیے بھیج دیا تھا۔ وہ رامہرمز، ایذج اور کئی دوسری اہم فتوحات حاصل کر کے اہواز میں (بروایت دیگر طرز نامی شہر میں) خیمہ زن تھے کہ امیر المومنین نے انہیں نہاوند کی مہم پر مامور کر دیا۔ اتفاق سے اس وقت حضرت سائبؓ بن اقرع مدینہ میں موجود تھے۔ حضرت عمر فاروقؓ نے ان کو بلایا اور حضرت نعمانؓ بن مقرن کے نام ایک مراسلہ ان کے سپرد کر کے اسے مکتوب الیہ کو جلد از جلد پہنچانے کی ہدایت کی۔ اس مراسلہ کا مضمون یہ تھا :—

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ سلام علیک۔ اہل کوفہ نے مجھے اطلاع دی ہے کہ فارسی لشکر بہت بڑی تعداد میں اسلام کا چراغ گل کرنے نہاوند میں جمع ہوا ہے۔ مجھے اللہ کے فضل سے پوری امید ہے کہ مسلمانوں کو فتح حاصل ہوگی۔ میں نے اہل کفر و ضلالت کے لیے ایک لشکر تیار کیا ہے اور تمہیں اس کا سالار مقرر کرتا ہوں۔ یہ خط پاکر تمہیں چاہیئے کہ ان مسلمانوں کو لے کر جو چلنے کو تیار ہوں مدائن پہنچو اور وہاں قصر ابیض کے قریب پڑاؤ ڈالو تاکہ بصرہ اور کوفہ سے جو فوجیں اس مہم کے لیے مقرر کی گئی ہیں تم سے آملیں۔ جب ساری فوج یکجا ہو جائے تو اللہ کے بھروسے پر نہاوند کو روانہ ہو جانا اور وہاں پہنچ کر جنگی کارروائی شروع کر دینا۔ مجھے پوری امید ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہاری مدد کرے گا اور دشمن خائب و خاسر ہوگا۔ سائب بن اقرع کو تمہارے پاس بھیج رہا ہوں، انہیں جو کام سونپا ہے زبانی بتائیں گے اور تمہارے ساتھ رہیں گے۔ تم پر لازم ہے کہ اللہ کی مدد اور فضل پر بھروسا رکھو اور اس کے وعدہ کو برحق سمجھو جو اس نے فارس و شام کی فتح کا ہم سے کیا ہے۔ اللہ اپنے

وعدہ سے کبھی نہیں پھرتا اِنَّ اللّٰہَ لَا یُخْلِفُ الْمِیْعَادَ۔ جب دشمن
سے تمہارا مقابلہ ہو تو تم پامردی سے ڈٹے رہنا اور صبر کا دامن
مضبوطی سے پکڑے رہنا۔ اللہ صبر کرنے والوں کے حق میں فرماتا
ہے کہ انہیں بے اندازہ انعام ملے گا۔"

یہ خط حضرت سائبؓ کو دیتے وقت امیر المومنینؓ نے ان سے یہ بھی فرمایا
کہ اگر لڑائی میں نعمانؓ شہید ہو جائیں تو ان کی جگہ امیر سپاہ حذیفہؓ بن الیمان ہوں
گے اور اگر حذیفہ بھی قتل ہو جائیں تو پھر سپہ سالار جریرؓ بن عبداللہ البجلی ہوں
گے۔ اگر جریرؓ بھی قتل ہو جائیں تو پھر فوج کی قیادت مغیرہؓ بن شعبہ سنبھالیں
گے۔ اگر وہ بھی شہادت پا جائیں تو پھر اشعثؓ بن قیس امیر لشکر ہوں گے۔[1]

ازاں بعد امیر المومنینؓ نے حضرت سائبؓ سے فرمایا:

"اگر اللہ مسلمانوں کو فتح عطا کرے تو تم اموالِ غنیمت کے
تحویل دار ہو گے اور یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کر لو کہ میرے

---

[1] ایک روایت کے مطابق حضرت عمرؓ فاروقؓ نے اس قسم کی ہدایات ایک مکتوب
میں تحریری صورت میں بھی حضرت نعمانؓ بن مقرن کو بھیجیں۔ اس مکتوب کا مضمون یہ
تھا "میں نے ایک لشکر مدینہ، کوفہ اور بصرہ سے نہاوند بھیجا ہے اور تمہیں اس
کا سالارِ اعلیٰ مقرر کیا ہے۔ اس لشکر میں طلیحہ بن خویلد اور عمرو بن معدی کرب موجود ہیں۔ ان
کو اپنے ساتھ رکھو اور جنگی معاملات میں ان سے صلاح مشورہ لو۔ اگر تمہارے ساتھ کوئی
حادثہ پیش آ جائے تو سپہ سالار حذیفہ بن الیمان ہوں گے اور اگر حذیفہ قتل ہوں تو
جریر بن عبداللہ اور جریر قتل ہوں تو مغیرہ بن شعبہ ان کی جگہ امیر لشکر ہوں گے
اور مغیرہ قتل ہوں تو اشعث بن قیس سالارِ اعلیٰ ہوں گے۔

(حضرت عمر فاروقؓ کے سرکاری خطوط
بحوالہ اکتفاء ورق ۴۲۹)

پاس کوئی ناواجب شے نہ بھیجنا نیز یہ کہ اگر یہ سارا لشکر مارا جائے تو پھر بھاگ جانا میرے سامنے نہ آنا۔" (الاخبار الطوال)

حضرت سائبؓ نے امیر المؤمنینؓ کے فرمان کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیا اور ان کا خط لے جا کر حضرت نعمانؓ کے سپرد کر دیا (اس وقت وہ کوفہ میں تھے یا اہواز میں یا طرز میں، اس کے بارے میں مؤرخین میں اختلاف ہے) جب حضرت نعمانؓ کے پاس ہر طرف سے مسلمان فوجیں جمع ہو گئیں تو وہ امیر المؤمنینؓ کی ہدایت کے مطابق منزل بہ منزل چل کر نہاوند پہنچ گئے اور ایرانیوں سے جنگ کا آغاز کر دیا۔ اس خونریز لڑائی کی ابتدا ہی میں حضرت نعمانؓ بن مقرن مردانہ وار لڑتے ہوئے شہید ہو گئے[1] جونہی وہ گھوڑے سے گرے ان کے بھائی نعیمؓ بن مقرن (بروایت دیگر سویدؓ بن مقرن) نے لپک کر علم اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ پھر بھائی کی کلاہ اور قبا پہن کر ان کے گھوڑے پر سوار ہو گئے اور لڑائی جاری رکھی تا آنکہ حضرت عمر فاروقؓ کی ہدایت کے مطابق حضرت حذیفہؓ بن الیمان نے لشکر کی قیادت سنبھال لی۔ ایرانی جی توڑ کر لڑے لیکن جوشِ ایمان سے سرشار مسلمانوں کے سامنے ان کی کچھ پیش نہ چلی اور بالآخر بُری طرح شکست کھائی۔ اس لڑائی میں تقریباً بیس ہزار ایرانی مارے گئے اور اس کے بعد وہ کبھی زور نہ پکڑ سکے۔

---

[1] بیان کیا جاتا ہے کہ نعمانؓ جس وقت زخمی ہو کر گرے اعلان کر دیا کہ میں مر بھی جاؤں تو کوئی شخص لڑائی چھوڑ کر میری طرف متوجہ نہ ہو۔ اتفاق سے ایک سپاہی ان کے پاس سے نکلا، دیکھا کہ کچھ سانس باقی ہے اور دم توڑ رہے ہیں، گھوڑے سے اتر کر ان کے پاس بیٹھنا چاہا کہ ان کا حکم یاد آ گیا اسی طرح چھوڑ کر چلا گیا۔ فتح کے بعد ایک شخص سرہانے گیا انہوں نے آنکھیں کھولیں اور پوچھا کیا انجام ہوا؟ اس نے کہا مسلمانوں کو فتح ہوئی۔ خدا کا شکر ادا کر کے کہا کہ فوراً حضرت عمرؓ کو اطلاع دو۔ اس کے ساتھ ہی جان جان آفرین کے سپرد کر دی۔ (الفاروق۔ شبلی نعمانی)

چنانچہ مسلمانوں نے اس فتح کا نام "فتح الفتوح" رکھا۔

(۴)

مؤرخ ابو حنیفۃ الدینوری کا بیان ہے کہ نہاوند کی فتح کے جب مسلمان اس کے نواحی علاقے کی تسخیر میں مشغول تھے تو ایک دن علاقے کا ایک معزز آدمی حضرت سائبؓ بن اقرع کے پاس آیا اور ان سے کہا کہ اگر آپ مجھے اور میرے خاندان کو جان و مال کی امان دیں تو میں آپ کو ایک ایسے خزانے کا پتہ بتا سکتا ہوں جس کی مالیت کا تخمینہ کرنا ممکن ہی نہیں۔ میری وساطت سے یہ خزانہ آپ کو بلا جنگ و جدل مل جائے گا جبکہ آپ اسے مالِ غنیمت میں حاصل نہیں کر سکتے۔

حضرت سائبؓ نے اس شخص سے کہا:

"اگر تم سچ کہتے ہو تو میں تمہیں، تمہاری اولاد، جائداد اور جملہ اہل و عیال کو امان دیتا ہوں۔"

یہ کہہ کر وہ اس کے ساتھ (کچھ مجاہدوں کو لے کر) اس کے گاؤں خوار جان گئے جو قریب ہی تھا۔ اس میں ایک آتش کدہ تھا، اس کی زمین کھودی گئی تو دو سنگار دان برآمد ہوئے۔ ایک میں کسریٰ کا سنہری تاج تھا جو نہایت قیمتی تھا اور دوسرے میں نہایت بیش قیمت زیورات اور جواہرات تھے۔ حضرت سائبؓ نے یہ اپنے قبضے میں لے لیے۔ واپس آ کر انہوں نے جملہ اموال غنیمت کو مجاہدین میں تقسیم کر دیا البتہ یہ سنگار دان اپنے پاس رکھے اور امیر لشکر حضرت حذیفہؓ کو ان کے بارے میں آگاہ کر دیا۔ باہمی مشورہ سے طے پایا کہ انہیں دربارِ خلافت میں بھیج دیا جائے۔ چونکہ ان میں نہایت قیمتی اشیاء تھیں، حضرت سائبؓ خود انہیں لے کر حضرت عمرِ فاروقؓ کی خدمت میں پہنچے۔ انہوں نے حکم دیا کہ فی الحال انہیں بیت المال میں رکھ دیا جائے صبح ان کا مصرف سوچیں گے۔

سائبؓ بارِ امانت سے سبکدوش ہو کر عازم کوفہ ہو گئے۔ رات کو حضرت عمرؓ نے خواب میں دیکھا کہ فرشتے انہیں ان سنگار دانوں کی طرف متوجہ کر رہے ہیں اور حال یہ ہے کہ ان میں سے آگ کے شعلے نکل رہے ہیں۔ صبح ہوتے ہی حضرت عمرؓ نے سائبؓ کو بلا بھیجا۔ معلوم ہوا کہ وہ کوفہ کی طرف روانہ ہو گئے ہیں امیرالمومنینؓ نے ان کے پیچھے ایک قاصد بھیجا جو انہیں واپس لے آیا۔ حضرت عمرؓ نے ان سے فرمایا:—

"سائبؓ ان دونوں سنگار دانوں کو لے جا کر بیچ دو۔ ان کی قیمت مسلمانوں کے وظائف و عطیات پر صرف کی جائے گی۔"

حضرت سائبؓ نے انہیں کوفے لے جا کر عمروؓ بن حریث کے ہاتھ بیس لاکھ دینار پر بیچ دیا اور یہ رقم بیت المال میں جمع کرادی[1] اس کے بعد حضرت عمرؓ نے حضرت سائبؓ کو مدائن کا عامل مقرر کیا۔ اس زمانہ میں سہدان اور جلولا میں بغاوت ہوئی۔ باغیوں نے وہاں مقیم عربوں اور غلاموں کو پکڑ لیا، کچھ کو بازار میں بیچ ڈالا اور کچھ کو اپنے پاس رکھا۔ حضرت سائبؓ نے باغیوں پر چھاپے مارے اور کافی تعداد میں عرب اور غلام ان کے قبضے سے نکال لیے، باقی کے بارے میں انہوں نے خط لکھ کر امیرالمومنینؓ سے دریافت کیا کہ انہیں خریداروں سے زبردستی واپس لیا جائے یا کوئی اور طریقہ اختیار کیا جائے۔ دربارِ خلافت سے ان کو یہ حکم موصول ہوا۔

"جو مسلمان اپنے غلام اور سامان جوں کا توں پالیں وہ انہیں مل جانا چاہیے۔ جو سامان اور غلام تاجروں کے ہاتھ بک چکے ہیں

---

[1] کہا جاتا ہے کہ عمروؓ بن حریث نے یہ خطیر رقم اپنے قبیلے کے تمام مجاہدین اور بچوں کے وظیفے جمع کر کے مہیا کی۔ بعد میں انہوں نے یہ سنگار دان حیرہ جا کر فروخت کر دیئے اور بیش قرار منافع حاصل کیا۔ ابنِ اثیرؒ کا بیان ہے کہ عمروؓ بن حریث کو شرفِ صحابیت حاصل تھا اور وہ کوفہ کے متمول ترین آدمی تھے۔

تو وہ نہیں لیے جا سکتے۔ ہاں جن آزاد عربوں کو تاجروں نے خریدا ہو تو ان کو اصل قیمت دے کر واپس لیا جائے کیونکہ آزاد نہ خریدا جا سکتا ہے اور نہ بیچا جا سکتا ہے۔"

کچھ عرصہ بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت سائب رضی اللہ عنہ کو اصفہان کا والی مقرر کیا۔ اس عہدے پر وہ اخیر دم تک فائز رہے اور اصفہان ہی میں سفر آخرت اختیار کیا۔

اہل سیر نے سال وفات کی تصریح نہیں کی البتہ یہ لکھا ہے کہ ان کی اولاد نے بھی اصفہان میں مستقل سکونت اختیار کر لی۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن ارشاد فرمایا :—

خدا کی قسم! وہ شخص مومن نہیں، خدا کی قسم اس میں ایمان نہیں، خدا کی قسم وہ صاحب ایمان نہیں۔

عرض کیا گیا کہ یا رسول اللہ! کون شخص؟ (یعنی حضور کس بدنصیب کے بارے میں قسم کے ساتھ ارشاد فرما رہے ہیں کہ اس میں ایمان نہیں) آپ نے ارشاد فرمایا کہ وہ آدمی جس کے پڑوسی اس کی شرارتوں اور مفسدہ پردازیوں سے محفوظ اور بے خوف نہ ہوں۔

(صحیح بخاری، صحیح مسلم)

حضرت سلیمانؓ بن صُرَدُ الخزاعی

(۱)

فتح مکّہ سے کچھ عرصہ پہلے کا ذکر ہے کہ ایک قوی الجثّہ اور باوقار شخص مدینہ منورہ آئے اور بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کیا اور ساتھ ہی بیعت کا شرف حاصل کیا۔ اس موقع پر رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا: "تمہارا نام کیا ہے؟"

انہوں نے عرض کیا۔ "یسار"

آپؐ نے فرمایا۔ "نہیں۔ آج سے تم سلیمان ہو۔"

انہوں نے عرض کیا۔ "بسرو چشم"

چنانچہ انہوں نے تاریخ میں سلیمان ہی کے نام سے شہرت پائی۔

حضرت سلیمانؓ کی کنیت ابو مطرف تھی اور ان کا تعلق عرب کے مشہور قبیلہ بنو خزاعہ سے تھا۔ نسب نامہ یہ ہے:

سلیمانؓ بن صُرَد بن جون بن ابی الجون بن منقذ بن ربیعہ بن اصرم بن ضُبَیس (یا خُبَیس) بن حرام بن حبشیہ بن سلول بن کعب بن عمر بن ربیعہ خزاعی۔

اہلِ سِیَر نے حضرت سلیمانؓ کے قبولِ اسلام کے زمانہ کی تخصیص نہیں کی، صرف اتنا لکھا ہے کہ وہ فتح مکہ سے پہلے ایمان لائے لیکن حضرت سلیمانؓ سے مروی صحیح بخاری کی ایک حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ غزوۂ احزاب (۵ ہجری) سے پہلے مشرف بہ اسلام ہو چکے تھے (یہ حدیث اس مضمون کے آخر میں درج ہے) — بہرحال وہ فتح مکہ سے

پہلے اسلام لائے ـــــ اور صحبتِ نبوی سے فیض یاب ہوئے۔
(اسلم وصحب النبی صلی اللہ علیہ وسلم [1])

(۲)

حضرت سلیمانؓ بن صُرد عہدِ نبوی کے کن کن غزوات میں شریک ہوئے؟ اس کے بارے میں وثوق سے کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ اسی طرح شیخینؓ اور حضرت عثمانِ غنیؓ کے زمانے میں بھی ان کی سرگرمیوں کے بارے میں کُتبِ سِیَر خاموش ہیں۔ البتہ اتنا پتہ ضرور چلتا ہے کہ حضرت عُمر فاروقؓ کے عہدِ خلافت میں کوفہ آباد ہُوا تو حضرت سلیمانؓ بن صُرد نے کوفہ میں مستقل سکونت اختیار کرلی ـــ ان کا شمار کوفہ کے اعیان و اشراف میں ہوتا تھا۔ ان کا نام اس وقت نمایاں ہو کر سامنے آتا ہے جب وہ خلافت مرتضوی کے زمانے میں حضرت علی کرّم اللہ وجہہٗ کے ایک پُرجوش حامی کی حیثیت سے منظرِ عام پر آئے اور ان کے تمام مشاہد میں بڑے جوش اور جذبے کے ساتھ شریک ہوئے۔ جنگِ صفین میں حضرت علیؓ نے انہیں اپنی فوج کے میمنہ (کے پیادوں) کا افسر بنایا تھا۔ جتنے دن جنگ جاری رہی وہ سربکف ہو کر لڑے۔ ایک دن ان کا سامنا حوشب بن ذی ظلیم سے ہو گیا۔ وہ شام کے نامور بہادروں اور شہسواروں میں شمار ہوتا تھا۔ حوشب جھنڈا ہاتھ میں لیے حضرت علیؓ کی فوج پر بڑھ بڑھ کر حملے کر رہا تھا کہ حضرت سلیمانؓ بن صُرد اس کی طرف بڑھے۔ دونوں میں دیر تک لڑائی ہوتی رہی یہاں تک کہ حضرت سلیمانؓ نے اس کو مار گرایا۔ اس لڑائی میں حضرت سلیمانؓ بہت زخمی ہوئے لیکن سب زخم سینے اور چہرے پر تھے ایک بھی پشت پر نہ تھا۔

---

[1] طبقات ابنِ سعد جلد ۴ ص ۳۰

صفر ۳۷ھ میں حضرت علی اور امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے درمیان تحکیم کا معاہدہ معرض تحریر میں آیا تو حضرت سلیمانؓ کو بہت دُکھ ہوا۔ وہ اس حالت میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس گئے کہ چہرے پر تلوار کے کئی زخم تھے۔ ابوحنیفہ دینوری کا بیان ہے کہ انہوں نے اس موقع پر حضرت علیؓ سے کہا:

"امیر المومنین! اگر مجھے کچھ مددگار مل جاتے تو یہ عہدنامہ ہرگز معرض تحریر میں نہ آتا۔" (الاخبار الطوال)

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے بعد حضرت سلیمانؓ ان کی اولاد کے بھی خیر خواہ رہے لیکن جب حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ چند ماہ کے بعد خلافت سے دست بردار ہو گئے تو حضرت سلیمانؓ خانہ نشین ہو گئے۔ چنانچہ امیر معاویہؓ کے دورِ خلافت (۴۱ھ تا ۶۰ھ) میں ان کی کسی سیاسی سرگرمی کا سراغ نہیں ملتا۔ البتہ جب یزید تختِ حکومت پر بیٹھا اور کوفہ میں سیدنا حضرت حسینؓ کے حامیوں کی جماعت بنی تو اس کی تنظیم میں حضرت سلیمانؓ نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ وہ نہایت عابد و زاہد اور اپنی قوم میں بہت با اثر تھے۔ چنانچہ ان کا مکان جو خزیمہ کے محلے میں واقع تھا، حامیانِ حسینؓ کی سرگرمیوں کا مرکز بن گیا۔ وہیں سے سیدنا حسینؓ کو کوفہ تشریف لانے کے دعوت نامے بھیجے جاتے تھے لیکن حالات کی ستم ظریفی دیکھئے کہ جب سیدنا حسینؓ میدان کربلا میں تشریف لے آئے تو حضرت سلیمانؓ اور ان کے ساتھی ان کی کچھ مدد نہ کر سکے اور سیدنا حسینؓ اور ان کے مٹھی بھر ساتھی نہایت المناک حالات میں شامی فوج کے ہاتھوں شہید ہو گئے۔

(۳)

حادثۂ کربلا کے بعد حضرت سلیمانؓ اور ان کے ساتھی سخت شرمسار ہوئے۔

وہ دن رات روتے رہتے تھے اور اللہ تعالیٰ سے اپنی بے عملی کی معافی مانگتے رہتے تھے۔ اب ان کی زندگی کا ایک ہی مقصد رہ گیا تھا کہ کسی طرح سیدنا حسینؓ کی مظلومانہ شہادت کا ان کے قاتلوں سے انتقام لیں تاکہ ان کی گزشتہ فروگزاشت کی کسی حد تک تلافی ہو سکے۔ حضرت سلیمانؓ اگرچہ بانوے[۹۲] برس کے پیٹے میں تھے لیکن خونِ حسینؓ کا انتقام لینے کے لیے سخت بے چین تھے۔ انہوں نے دوسرے حامیانِ حسینؓ کو اس مقصد کے لیے بلایا تو سولہ ہزار آدمیوں نے ان کی آواز پر لبیک کہا اور ان کے ہاتھ پر کتاب اللہ، سنت رسول اللہ ﷺ اور انتقامِ خونِ حسینؓ پر بیعت کی۔ ان لوگوں نے تاریخ میں "توابین" کے لقب سے شہرت پائی۔ اسی زمانے میں مختار بن ابی عبید ثقفی کوفہ میں وارد ہوا۔ اس نے بھی لوگوں کو خونِ حسینؓ کے انتقام کی دعوت دی لیکن اہلِ کوفہ نے حضرت سلیمانؓ بن صرد کو مختار پر ترجیح دی کیونکہ وہ نہایت عبادت گزار اور متقی تھے اور شرفِ صحابیت سے بھی سرفراز تھے۔

حضرت سلیمانؓ کی تحریک کا جب عام چرچا ہوا تو عبداللہؓ بن یزید انصاری کو جو حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی طرف سے کوفہ کے حاکم تھے (یزید کی موت کے بعد عراق پر حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کا قبضہ ہو گیا تھا) امن و امان میں خلل کا اندیشہ لاحق ہوا لیکن انہوں نے حکمتِ عملی سے کام لیا کیونکہ توابین کی تحریک حقیقتاً بنی امیہ کے خلاف تھی۔ حضرت عبداللہؓ بن یزید نے اعلان کر دیا کہ جو لوگ سیدنا حسینؓ کے قاتلوں سے لڑنا چاہتے ہیں وہ بے شک خروج کریں ہماری طرف سے ان کے لیے امان ہے۔ اس اعلان کے بعد توابین نے کھلم کھلا ہتھیار خریدنے شروع کر دیئے اور لڑائی کی تیاری شروع کر دی۔ اسی اثناء میں ۳ رمضان المبارک ۶۵ھ کو اُموی خلیفہ مروان بن الحکم نے وفات پائی۔ موت سے پہلے اس نے عبیداللہ بن زیاد کو جزیرہ اور قرقیسیا کی تسخیر کے لیے بھیج دیا تھا اور ساتھ ہی یہ حکم بھی دیا تھا کہ اس مہم سے فارغ ہو کر عراق

کی طرف بڑھے۔

عبید اللہ بن زیاد نے جزیرہ کی مہم سے فارغ ہو کر قرقیسیا کا محاصرہ کر لیا۔ قرقیسیا شام اور عراق کے درمیان ایک اہم سرحدی ضلع تھا۔ اس پر حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ کی طرف سے زفر بن حارث حاکم تھا۔ اس نے بڑی پامردی سے ابن زیاد کا مقابلہ کیا اور اسے قرقیسیا پر قابض نہ ہونے دیا۔ اسی زمانے میں عبید اللہ کو مروان کی وفات کی خبر پہنچی اور وہ محاصرہ اٹھا کر موصل چلا گیا۔

مروان کے بعد اس کا بیٹا عبد الملک تخت حکومت پر بیٹھا۔ اس نے عبید اللہ بن زیاد کو موصل کا گورنر مقرر کر دیا اور حکم دیا کہ مروان نے جس کام پر اس کو مامور کیا تھا اس کو بھی پایۂ تکمیل تک پہنچائے۔ ابن زیاد اپنے آئندہ لائحۂ عمل کے بارے میں ابھی سوچ ہی رہا تھا کہ اسے توابین کے خروج کی اطلاع ملی اور وہ ان کے مقابلہ کی تیاری کرنے لگا۔

(۴)

ربیع الثانی ۶۵ھ کا چاند دیکھ کر حضرت سلیمانؓ بن صردؓ نے مجمع عام میں اعلان کیا کہ ——— "لوگو! جس کو رضائے الٰہی اور روز آخرت کی بھلائی مطلوب ہو وہ حسینؓ کے خون کا انتقام لینے کے لیے نکلے۔"

ہر طرف سے آوازیں آئیں:

"اے ابو مطرف ہم آپ کے ساتھ ہیں۔"

لیکن ایک شخص عبد اللہ بن سعد بن نفیل نے اٹھ کر کہا: ——— "بھائیو! حسینؓ کے قاتلوں کی اکثریت تو کوفہ میں موجود ہے ہم کو پہلے ان سے نبٹنا چاہیے۔"

حضرت سلیمانؓ نے جواب دیا:

"قاتلوں کا سردار عبید اللہ بن زیاد ہے جب تک ہم اسے کیفر کردار تک نہ پہنچا لیں کسی دوسری طرف متوجہ نہ ہوں گے

جو شخص ہمارے ساتھ نہیں جانا چاہتا بے شک ہمارا ساتھ چھوڑ دے۔"

یہ کہہ کر وہ اپنے ساتھیوں کو لے کر کوفہ سے نکلے اور نخیلہ میں پڑاؤ ڈالا۔ نخیلہ پہنچتے پہنچتے ان کے ساتھ صرف چار ہزار آدمی رہ گئے[1] باقی سب نے بے وفائی کی اور واپس کوفہ چلے گئے۔

حضرت سلیمانؓ اپنے ساتھیوں کی بے وفائی اور عہد شکنی سے بددل نہ ہوئے اور کہا، ہمیں اللہ تعالیٰ پر بھروسا ہے۔ جس بات کا ہم نے عزم کیا ہے اس سے پیچھے نہیں ہٹیں گے۔

تین دن نخیلہ میں قیام کے بعد توابین کربلا کی طرف روانہ ہوئے۔ روانگی کے وقت حضرت سلیمانؓ بن صُرد نے اپنے لشکر کے سامنے یہ تقریر کی:

"بھائیو! اللہ کو خوب معلوم ہے کہ تم کس ارادے سے گھر سے نکلے ہو اور تمہاری نیت کیا ہے۔ تم نے دنیا کے بجائے آخرت کو پسند کیا ہے اور جو آخرت کو پسند کرتا ہے وہ دنیا کے مال اور لذتوں سے بیگانہ ہو جاتا ہے! اے لوگو! ہر حال میں اللہ کا ذکر کرو اور نیکیوں میں سبقت کرو اور جب ظالموں سے مقابلہ کا وقت آ جائے تو جہاد کرو کہ جہاد سب اعمال سے بڑھ کر ہے! اللہ ہم سب کو جہاد میں ثابت قدم رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔"

تقریر ختم ہوئی تو ہر طرف سے آمین آمین کی آوازیں بلند ہوئیں۔

اگلی صبح توابین میدان کربلا میں پہنچے تو فرطِ غم سے نڈھال ہو گئے سب اشکبار تھے اور ہر ایک کی زبان پر یہ الفاظ تھے:

"اے فرزندِ رسولؐ! آپ پر اور آپ کے رفقاء پر اللہ کی رحمت ہو۔"

---

[1] بعض روایتوں میں یہ تعداد پانچ ہزار اور بعض میں چھ ہزار بیان کی گئی ہے۔

حضرت سلیمانؓ بن صُرد رضی اللہ تعالیٰ عنہ، نے مرقد حسینؓ کے قریب کھڑے ہو کر روتے ہوئے یہ دعا مانگی:۔

"اے اللہ! حسین شہیدؓ پر رحمت نازل فرما، واللہ ہم ان کے دین پر ہیں اور ان کے محب ہیں۔ ان کے دشمنوں کے دشمن اور دوستوں کے دوست ہیں۔ اے اللہ! ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرزند سے بے وفائی کی تو ہمارے اس گناہ کو معاف فرما اور ہماری توبہ قبول فرمالے۔ الٰہی حسینؓ اور اصحاب حسینؓ شہدائے صدیقین پر اپنی رحمت نازل فرما اور قیامت کے دن ہمیں ان کے ساتھ اٹھا۔"

حضرت سلیمانؓ دعا مانگ رہے تھے اور ان کے ساتھی دھاڑیں مار مار کر رو رہے تھے۔ ایک رات اور ایک دن توابین کربلا میں گریہ وزاری اور توبہ و استغفار کرتے رہے اور پھر ابن زیاد سے نبرد آزما ہونے کے لیے میدان کربلا سے آگے روانہ ہوئے۔

⑤

توابین ۲۱ جمادی الاول ۶۵ھ ہجری کو عین الوردہ کے مقام پر پہنچے تو عبیداللہ بن زیاد نے ان کے مقابلے کے لیے اپنے ایک افسر شرجیل بن کلاع کو بھیجا۔ توابین نہایت بے جگری سے لڑے اور شرجیل کو شکست دی۔ وہ اپنے بچے کھچے سپاہیوں کے ساتھ واپس ابن زیاد کے پاس پہنچ گیا اور اس کو بتایا کہ توابین سے مقابلے کے لیے ایک بڑے لشکر کی ضرورت ہے۔ اس پر ابن زیاد نے اپنے ایک نامی افسر حصین بن نمیر کو بارہ ہزار فوج دے کر عین الوردہ روانہ کیا اور دوسرے دن آٹھ ہزار کا کمکی لشکر شرجیل بن ذی الکلاع کی سرکردگی میں بھیج دیا۔

ایک طرف بیس ہزار شامی جنگجو اور دوسری طرف صرف چار ہزار توابین تھے لیکن حضرت سلیمانؓ مطلق ہراساں نہ ہوئے۔ انہوں نے اپنے ساتھیوں

کو ثابت قدم رہنے کی تلقین کی اور وصیت کی کہ میں لڑائی میں قتل ہو جاؤں۔ تو مسیّب بن نخبہ تمہارے امیر ہوں گے، وہ قتل ہو جائیں تو عبداللہ بن سعد علَم سنبھالیں گے، وہ قتل ہو جائیں تو عبداللہ بن دال امیر ہوں گے اور وہ بھی مارے جائیں تو رفاعہ امیر ہوں گے۔ اب اپنے نیزے سیدھے کر لو اور تیر کمانوں پر چڑھا لو۔ اللہ تمہارے ساتھ ہو۔

اس کے بعد دونوں فوجوں میں ایسی گھمسان کی لڑائی ہوئی کہ کشتوں کے پشتے لگ گئے۔ دو دن تک لڑائی کا کوئی فیصلہ نہ ہُوا۔ تیسرے دن شامیوں کی مدد کے لیے دس ہزار کا ایک اور لشکر ادہم باہلی کی سرکردگی میں آ پہنچا۔ اِدھر توابین کی تعداد دو دن کی لڑائی میں بہت کم رہ گئی تھی، اب شامیوں کو کمک پہنچ جانے سے وہ نہایت مشکل صورتِ حال سے دوچار ہو گئے لیکن یہ سب بڑے جیالے لوگ تھے، انہوں نے اپنے سے کئی گنا لشکر پر اس شان سے حملہ کیا کہ شجاعت بھی آفرین پکار اٹھی۔ بوڑھے سلیمانؓ بن صُرد جس طرف رخ کرتے تھے صفوں کی صفیں الٹ کر رکھ دیتے تھے۔ آخر حصین بن نمیر نے بہت سے شامیوں کو ساتھ لے کر انہیں گھیر لیا اور ان پر تلواروں اور برچھیوں کا مینہ برسا دیا۔ حضرت سلیمانؓ زخموں سے چُور چُور ہو کر فرشِ خاک پر گر گئے۔ دمِ واپسیں ان کی زبان پر یہ الفاظ تھے:

فُزْتُ وَرَبِّ الْكَعْبَةِ، فُزْتُ وَرَبِّ الْكَعْبَةِ

ربِ کعبہ کی قسم میں کامیاب ہو گیا۔ ربِ کعبہ کی قسم میں کامیاب ہو گیا۔

شہادت کے وقت ان کی عمر ۹۳ برس کی تھی۔ باقی توابین بھی نہایت بہادری سے لڑتے ہوئے میدانِ جنگ میں کام آئے البتہ چند ایک رات کی تاریکی میں بچ نکلے اور کوفہ پہنچ کر لوگوں کو اس حادثہ کی اطلاع دی۔ حضرت سلیمانؓ بن صُرد کا سر کاٹ کر ابنِ زیاد کے سامنے پیش کیا گیا اس نے اُسے عبدالملک کے پاس دمشق بھیج دیا۔[1]

---

[1] توابین کے خاتمہ کے تھوڑے عرصہ بعد کوفہ پر مختار بن ابی عبید ثقفی کا قبضہ ہو گیا۔ اس نے (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

حافظ ابن عبدالبرؒ نے "الاستیعاب" میں لکھا ہے کہ حضرت سلیمانؓ بن صُرَد شیخ کبیر اور صاحبِ مرتبہ و شرف تھے۔ اپنی قوم میں ان کی بڑی قدر و منزلت تھی علم و فضل اور زہد و عبادت میں بھی اونچا درجہ رکھتے تھے۔

حضرت سلیمانؓ بن صُرَد سے مروی کچھ احادیث بھی کتابوں میں ملتی ہیں۔ ان میں سے تین حدیثیں یہاں درج کی جاتی ہیں۔

حضرت سُلیمانؓ بن صُرَد سے روایت ہے کہ:

(۱) رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے اس وقت جبکہ جنگِ احزاب میں کفار متفرق ہو کر منتشر ہو گئے، فرمایا کہ اب ہم ان سے جنگ کریں گے اور وہ ہم سے جنگ نہ کریں گے۔ ہم ان کی طرف پیشقدمی کریں گے (یعنی اب تک تو کفار ہم پر حملہ آور ہوتے رہے ہیں اور ہم مدافعت کرتے رہے ہیں آئندہ ہم ان پر حملہ آور ہوں گے)

(مشکوٰۃ بحوالہ صحیح بخاری)

(۲) ایک اعرابی نے رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کے ساتھ نماز پڑھی اور اس کے پاس ایک سینگ تھا۔ اسے مجمع میں سے کسی نے لے لیا۔ جب رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے سلام پھیرا اس اعرابی نے کہا کہ میرا سینگ کدھر گیا۔ یہ سُن کر بعض لوگ ہنسے۔ رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے فرمایا، جو آدمی اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ)

پہلے تو کوفہ میں موجود قاتلانِ حسینؓ کو چُن چُن کر مار ڈالا، پھر ایک لشکر ۲۲ ذی الحجہ ۶۶ھ کو ابراہیم بن مالک اشتر کی سرکردگی میں ابنِ زیاد کے مقابلے کے لیے موصل روانہ کیا صوبہ جزیرہ میں موصل اور اربل کے درمیان نہر خازر کے قریب ابراہیم اور ابنِ زیاد کی فوجوں کے درمیان خونریز لڑائی ہوئی جس میں ابنِ زیاد مارا گیا۔

لائے وہ ہرگز کسی مسلمان کو نہ ڈرائے (پریشان کرے)۔
(حیات الصحابہ بحوالہ طبرانی)

(۴) ہم لوگ رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی خدمت میں حاضر تھے کہ دو شخصوں نے آپس میں ایک دوسرے سے سخت کلامی شروع کر دی۔ ان میں سے ایک شخص دوسرے کو غصہ میں بھرا ہوا (مسلسل) گالیاں دے رہا تھا اور اس کا چہرہ سرخ تھا۔ رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا! میں ایک ایسا کلمہ جانتا ہوں کہ اگر یہ اس کو کہے تو اس کا سارا غصہ جاتا رہے۔ (اور وہ کلمہ یہ ہے):

أَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ

(یعنی میں شیطان ملعون سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتا ہوں)
صحابہ نے اس شخص سے کہا تو نے سنا رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کیا فرما رہے ہیں؟ اس شخص نے کہا، میں دیوانہ نہیں ہوں۔
(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا کہ جو کوئی یہ چاہے کہ اس کے رزق میں فراخی اور کشادگی ہو ــــ اور ــــ دنیا میں اس کے آثارِ قدم تادیر رہیں (یعنی اس کی عمر دراز ہو) تو وہ اہلِ قرابت کے ساتھ صلۂ رحمی کرے۔
(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

حضرت جنادہؓ بن ابی امیہ ازدی

(۱)

عہدِ رسالت کے کئی سال بعد کا ذکر ہے کہ ایک صاحب رسولؐ مسلمانوں کی ایک جماعت کے امام بنے۔ جب نماز پڑھانے کھڑے ہوئے تو (نیت باندھنے سے پہلے) اپنی داہنی جانب مڑ کر دیکھا اور پوچھا، کیا تم لوگ میری امامت پر راضی ہو۔ اُن لوگوں نے کہا، ہاں۔ پھر بائیں جانب والوں سے بھی انہوں نے اسی طرح کا سوال کیا۔ انہوں نے بھی کہا، ہاں ہم راضی ہیں۔

اب ان صاحب رسول نے فرمایا، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ جو شخص کسی قوم کا امام بنے اور وہ لوگ اس کی امامت سے ناخوش ہوں تو اس کی نماز اس کے حنجرہ گردن سے نیچے نہ اترے گی (یعنی اس نماز کا اثر اس کے دل پر کچھ نہ ہوگا)

یہ صاحب رسولؐ جن کو ہادیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کا اس قدر لحاظ تھا کہ لوگوں کو نماز بھی ان کی کامل رضامندی کے بغیر نہیں پڑھاتے تھے، حضرت جنادہؓ بن ابی امیہ ازدی تھے۔

(۲)

سیدنا حضرت جنادہ بن ابی امیہ کا تعلق عرب کے مشہور قبیلہ بنو ازد سے تھا۔ یہ قبیلہ عرب کے جنوب مشرق میں مکہ سے بہت دور آباد تھا۔ حضرت جنادہؓ کے والد ابی امیہ کا اصل نام کسی نے کثیر لکھا ہے اور کسی نے مالک۔ امام بخاریؒ کے نزدیک ان کا نام کثیر تھا۔ ابی امیہ (کثیر یا مالک) کے بارے میں ایک

روایت تو یہ ہے کہ وہ صحابی تھے (ابنِ ابی حاتمؒ) اور دوسری روایت یہ ہے کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ پایا تھا مگر ان کا صحابی ہونا ثابت نہیں۔ (ابنِ مندہؒ) ابوامیہ کثیر حضرت عمر فاروقؓ کے عہدِ خلافت میں فتح مصر میں مجاہدانہ شریک ہوئے۔ حضرت جنادہؓ کے صحابی ہونے پر سب کا اتفاق ہے۔ ان کی کنیت باختلافِ روایت ابوعبداللہ یا ابو عبیداللہ ہے۔

حضرت جنادہؓ بن ابی امیہ فتح مکہ کے بعد بنو ازد کے ایک وفد میں مدینہ منورہ آئے اور بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر شرفِ صحابیت سے بہرہ ور ہوئے۔

بعض روایتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان لوگوں نے مدینہ منورہ آنے سے پہلے ہی اسلام قبول کر لیا تھا۔ خود حضرت جنادہؓ نے بارگاہِ رسالت میں حاضری کا واقعہ اس طرح بیان کیا ہے:۔

"میں ازد کے سات آدمیوں کے ہمراہ (جن میں کا آٹھواں مَیں تھا) جمعہ کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ ہم لوگ روزہ دار تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں کھانے کے لیے بلایا۔ کھانا آپؐ کے سامنے رکھا ہوا تھا۔ ہم لوگ نے عرض کیا، یا رسول اللہؐ ہم لوگ روزہ دار ہیں۔ حضورؐ نے فرمایا، کیا تم نے کل بھی روزہ رکھا تھا؟ ہم نے عرض کیا، نہیں۔ آپؐ نے فرمایا، کیا کل روزہ رکھو گے؟ ہم لوگوں نے عرض کیا کہ یہ بھی ارادہ نہیں ہے۔ آپؐ نے فرمایا تو (آج بھی) روزہ نہ رکھو۔"

(ابنِ اثیرؒ بحوالہ ابنِ مندہؒ)

اس سلسلے میں حافظ ابونعیمؒ نے حضرت جنادہؓ کی زبانی ایک اور حدیث اس طرح نقل کی ہے:

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تین باتیں افعالِ جاہلیت سے ہیں ان کو (بعض) اہلِ اسلام بھی نہیں چھوڑتے ۔۔۔ کواکب

سے پانی برسنے کی خواہش کرنا، نسب میں طعن کرنا، میت پر (بلند آواز سے) رونا۔"

حافظ ابو نعیمؒ نے اس حدیث کے راوی کا نام جنادہؓ بن مالک ازدی لکھا ہے لیکن علامہ ابن اثیرؒ نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ جنادہ بن کثیر اور جنادہ بن مالک ایک ہی شخص ہیں۔ ؎

؎ بعض کتب سِیَر میں وفدِ ازد کی بارگاہِ رسالت میں حاضری کا واقعہ اس طرح بیان کیا گیا ہے:

" فتح مکہ کے بعد بنوازد کے سات آدمیوں کا ایک وفد بارگاہِ نبوی میں حاضر ہوا۔ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو ان کی وضع قطع اور خوش کلامی بہت پسند آئی۔ آپؐ نے ان سے پوچھا، تم لوگ کون ہو؟ انہوں نے عرض کیا، ہم مومن ہیں۔ حضورؐ نے فرمایا، ہر بات کی ایک حقیقت ہوتی ہے تباؤ تمہارے قول اور ایمان کی کیا حقیقت ہے؟

اہلِ وفد نے عرض کیا، ہم میں پندرہ خصلتیں ہیں۔ ان میں سے پانچ تو ایسی ہیں جن کے متعلق آپؐ کے قاصدوں نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ان پر ایمان رکھیں اور پانچ ایسی ہیں جن کے متعلق ہدایت کی ہے کہ اُن پر عمل کریں اور پانچ وہ ہیں جن کے ہم زمانۂ جاہلیت سے پابند ہیں اور اب تک ان پر قائم ہیں۔

حضورؐ نے پوچھا، "وہ پانچ باتیں کون سی ہیں جن پر تمہیں ایمان رکھنے کا حکم دیا گیا ہے۔"

اہلِ وفد نے عرض کیا، یا رسول اللہ یہ کہ ہم اللہ تعالیٰ، اس کے فرشتوں، اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں کو مانیں اور مرنے کے بعد جی اٹھنے کا یقین کریں۔

حضورؐ نے پوچھا، وہ پانچ باتیں کیا ہیں جن پر تمہیں عمل کرنے کی ہدایت کی گئی ہے۔ اہلِ وفد نے جواب دیا، یہ کہ ہم اقرار کریں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، نماز

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

حضرت جنادہؓ بن ابی امیہ نے عہدِ رسالت کے کسی غزوہ میں شرکت کی یا نہیں، کُتُبِ سِیَر اس کے بارے میں خاموش ہیں۔ ابنِ اثیرؒ اور بعض دوسرے

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ)

پابندی سے پڑھیں، زکوٰۃ ادا کریں، رمضان کے روزے رکھیں اور اگر استطاعت ہو تو بیت اللہ کا حج کریں۔

حضورؐ نے فرمایا، اچھا اب وہ پانچ باتیں بتاؤ جن پر تم زمانۂ جاہلیت سے کاربند ہو۔ اہلِ وفد نے عرض کیا —— خوشحالی کے وقت شکر کرنا، مصیبت پر صبر کرنا، راضی برضائے الٰہی رہنا، آزمائش کے وقت راست بازی پر قائم رہنا اور دشمنوں کی مصیبت پر ہنسی نہ اڑانا۔

حضورؐ نے فرمایا، تم لوگ تو بڑے حکیم اور عالم نکلے۔ تمہاری حکمت و دانش گویا انبیاء کی حکمت و دانش ہے۔ اچھا تو اب پانچ باتیں میں تمہیں بتاتا ہوں تاکہ کل مجموعہ بیس باتیں ہو جائیں۔

(۱) "ضرورت سے زیادہ اشیائے خورد و نوش جمع (ذخیرہ) نہ کرو۔

(۲) ضرورت سے زیادہ مکانات نہ بناؤ (زیادہ مکان نہ بناؤ جن میں تمہیں بسنا نہ ہو)

(۳) جس چیز کو چھوڑ کر کل تمہیں چلا جانا ہے اس میں ایک دوسرے کی حرص نہ کرو۔

(۴) اللہ تعالیٰ سے ہمیشہ ڈرتے رہو جس کی طرف پھر تمہیں لوٹنا ہے اور اس کے حضور جواب دہی کرنی ہے۔

(۵) ان چیزوں سے رغبت رکھو جو آخرت میں تمہارے کام آئیں گے جہاں تمہیں ہمیشہ رہنا ہے ——" اہلِ وفد نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات پر آمَنَّا وصَدَّقْنَا کہا اور وطن واپس جا کر ہمیشہ ان پر عمل کیا۔

اہل سیر کا بیان ہے کہ حضرت جنادہؓ عہد رسالت میں کم سن تھے (لڑائی کی عمر کو نہیں پہنچے تھے) اسی لیے اس دور کے کسی غزوے میں شریک نہیں ہو سکے البتہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیثیں سنی تھیں اور حضرت معاذ بن جبل، حضرت عبادہؓ بن صامت اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے بھی روایت کی ہے۔

حضرت جنادہؓ کے مجاہدانہ کارناموں کا آغاز حضرت عثمان ذوالنورینؓ کے عہد خلافت میں ہوا۔ خلافت اسلامیہ کی سرحدیں روم کی بازنطینی سلطنت سے ملی ہوئی تھیں اس لیے مسلمانوں کی رومیوں سے اکثر معرکہ آرائیاں ہوتی رہتی تھیں۔ رومی سلطنت سے متصل شام کا صوبہ تھا (یہ صوبہ مسلمانوں نے عہد فاروقی میں رومیوں ہی سے چھینا تھا) اس کے گورنر حضرت امیر معاویہؓ تھے اس لیے رومیوں سے انہی کو واسطہ پڑتا تھا۔ رومیوں کے پاس ایک زبردست بحری بیڑا تھا۔ اس کے ذریعے وہ اسلامی مقبوضات پر اکثر حملے کرتے رہتے تھے۔ ان کے بحری حملوں کا مقابلہ کرنے کے لیے امیر معاویہؓ نے بھی ایک مضبوط بحری بیڑا تیار کرایا اس بیڑے کے ساتھ انہوں نے ایک مستقل بحری فوج تیار کی جو صرف رومیوں سے برسرپیکار رہتی تھی۔ کوئی سال بحری جنگ سے خالی نہ جاتا تھا۔ امیر معاویہؓ نے اپنی بحری فوج کے کئی امیر البحر مقرر کیے جن میں سے ایک حضرت جنادہؓ بن ابی امیہ تھے۔ انہوں نے حضرت عثمان غنیؓ اور امیر معاویہؓ کے دور کی بحری لڑائیوں میں بڑا نام پایا۔ ابن اثیرؒ کا بیان ہے کہ وہ حضرت عثمانؓ کے عہد سے لے کر یزید کے عہد تک برابر بحری حملوں میں مصروف رہے۔

علامہ بلاذری نے "فتوح البلدان" میں لکھا ہے کہ حضرت جنادہؓ بن ابی امیہ نے ۵۲ھ ہجری (یا ۵۳ھ ہجری) میں جزیرہ روڈس پر حملہ کیا۔ یہ جزیرہ جو بحر روم میں اناطولیہ کے قریب جنوب مغرب میں واقع ہے، نہایت سرسبز و شاداب تھا اور اس میں انگور، زیتون اور ہر قسم کے پھل نہایت کثرت سے پیدا ہوتے تھے۔ حضرت جنادہؓ بن ابی امیہ نے اپنے اسلامی بیڑے کے ساتھ اس پر زبردست یلغار

کی اور بہت جلد اس کو مسخر کر لیا۔ امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس میں بہت سے مسلمان آباد کیے۔

۵۴ھ ہجری میں حضرت جنادہؓ بن ابی امیہ نے قسطنطنیہ کے قریب جزیرہ ارواڈ پر بحری حملہ کیا۔ فتح و نصرت نے ان کے قدم چومے اور انھوں نے اس جزیرے پر بھی پرچم اسلام بلند کر دیا۔ حضرت امیر معاویہؓ نے جس طرح جزیرہ روڈس میں مسلمانوں کی نو آبادی قائم کی تھی اسی طرح جزیرہ ارواڈ میں بھی بہت سے مسلمان بسائے۔

حضرت جنادہؓ نے جزیرہ کریٹ پر بھی حملہ کیا لیکن اس وقت وہ بوجوہ فتح نہ ہو سکا البتہ بعد میں عباسیوں کے زمانہ میں مسلمانوں نے اس کو فتح کر لیا۔

علامہ ابن اثیرؒ نے "اُسدُ الغابہ" میں لکھا ہے کہ حضرت جنادہؓ بن ابی اُمیہ نے شام میں ۸۰ھ ہجری میں وفات پائی۔

حضرت جنادہؓ بن ابی امیہ سے مروی چند احادیث مختلف کتب حدیث میں موجود ہیں۔ ان میں سے تین حدیثیں اوپر نقل کی جا چکی ہیں۔ دو مزید حدیثیں یہاں درج کی جاتی ہیں :-

حضرت جنادہؓ بن ابی اُمیہ سے روایت ہے کہ :

(۱) فتح مکہ کے بعد (ایک مرتبہ) رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے صحابہ کے درمیان ہجرت کے مسئلہ پر ایک دوسرے سے اختلاف پیدا ہوا بعض کہتے تھے کہ ہجرت ختم ہو گئی۔ (اور بعض کہتے تھے کہ ختم نہیں ہوئی)۔ میں رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا : "یا رسول اللہؐ! کچھ لوگ کہتے ہیں کہ ہجرت ختم ہو گئی (آپؐ کا کیا ارشاد ہے)" رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا کہ جب تک جہاد باقی ہے ہجرت کبھی ختم نہ ہو گی[1]

---

[1] شارحین حدیث نے لکھا ہے کہ جہاد کے باقی رہنے کا مطلب یہ ہے کہ جب تک

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

(۴) میں اور ایک انصاری آدمی رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے ایک صحابی کے پاس گئے اور ہم نے کہا کہ آپ ہم سے ایسی حدیث بیان کیجیے جس کو آپ نے رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے دجال کے تذکرہ میں سنا ہو۔ انہوں (صحابی) نے فرمایا کہ ہم کو رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے خطبہ دیا اور اس میں فرمایا کہ میں تم کو دجال سے ڈراتا ہوں۔ (یہ بات آپؐ نے تین مرتبہ فرمائی) بات یہ ہے کہ کوئی نبی ایسا نہیں ہوا جس نے دجال سے نہ ڈرایا ہو اور بے شک وہ دجال، اے اُمت! تم میں سے ہوگا۔ وہ گھنگھریلے بالوں والا، گندمی رنگ کا ہوگا۔ اس کی بائیں آنکھ مٹی ہوئی ہوگی۔ اس کے ساتھ جنت اور دوزخ ہوگی۔ اس کے ساتھ روٹیوں کے پہاڑ اور پانی کی نہر ہوگی۔ وہ بارش برسائے گا اور درخت نہ اگیں گے۔ وہ ایک انسان پر غالب آ جائے گا اور اسے قتل کر دے گا اور اس انسان کے علاوہ اور کسی نفس پر غالب نہ آ سکے گا اور وہ زمین پر چالیس دن ٹھہرے گا اور ہر پانی کے راستہ پر پہنچے گا، البتہ چار مسجدوں کے قریب نہ جا سکے گا۔ مسجدِ حرام، مسجدِ مدینہ، مسجدِ طور اور مسجدِ اقصیٰ۔ اور تم پر دجال مشتبہ نہ ہونا چاہیے اس لیے کہ تمہارا رب عزّوجلّ یک چشم نہیں ہے۔ (حیات الصحابہ بحوالہ مُسندِ احمد)

بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ

اس کا سبب یعنی مشرکوں کی مخالفت باقی رہے ——— بلاشبہ فتح مکّہ کے بعد مکّہ سے مدینہ کی طرف ہجرت ختم ہو گئی تھی اور حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا اس سلسلے میں واضح ارشاد بھی موجود ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہجرت فی نفسہٖ ہمیشہ کے لیے ختم ہو گئی۔ جب کسی ملک میں مسلمانوں پر عرصۂ حیات تنگ ہو جائے اور فرائضِ شرعی کا ادا کرنا بھی ان کے لیے دشوار ہو جائے تو وہ کسی دوسرے ملک کو منتقل ہو سکتے ہیں جہاں ایسی صورتِ حال نہ ہو۔ ان کا اس طرح اپنے ملک کو چھوڑنا ہجرت ہی کہلائے گا۔

حضرت حبیبؓ بن مَسْلَمہ فہری

(۱)

حضرت حبیبؓ بن مَسْلَمہ فہری کا شمار قرنِ اوّل کے نامور فاتحین اور قائدین میں ہوتا ہے۔ علامہ واقدی نے ان کے صحابی ہونے سے انکار کیا ہے لیکن امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اُن کو صحابہ میں شمار کیا ہے اور اکثر دوسرے اہلِ سِیَر بھی ان کی تائید کرتے ہیں۔

حضرت حبیبؓ بن مَسْلَمہ کا تعلّق قریش کے مشہور خاندان بنو فہر بن مالک سے تھا (جلیل القدر صحابی امین الامۃ حضرت ابوعبیدہ بن الجرّاح رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ بھی اسی خاندان سے تھے) سلسلۂ نسب یہ ہے:

حبیبؓ بن مَسْلَمہ بن مالک اکبر بن وہب بن ثعلبہ بن وایلہ بن عمرو بن شیبان بن محارب بن فہر بن مالک۔

ان کی کنیت ابوعبدالرحمٰن تھی۔

اہلِ سِیَر نے حضرت حبیبؓ کے قبولِ اسلام کا زمانہ متعین نہیں کیا۔ البتہ بعض روایتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ انہوں نے عنفوانِ شباب میں اسلام قبول کر لیا تھا اور عہدِ رسالت کے کسی غزوے (یا بعض غزوات) میں رسولِ اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی ہمرکابی کا شرف بھی حاصل کیا تھا۔

مشکوٰۃ شریف میں ابوداؤد کے حوالے سے حضرت حبیبؓ سے مروی یہ حدیث دیکھنے میں آتی ہے۔

"میں رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی خدمت میں حاضر تھا، آپؐ نے ان لوگوں کو جنہوں نے جنگ میں سب سے پہلے

حصہ لیا تھا، چوتھائی مالِ غنیمت دیا اور ان لوگوں کو جو لشکر کی واپسی پر دشمن کے مقابلہ میں رہے تھے تہائی مال دیا۔"

ایک دوسرے طریقے سے اس حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خمس نکالنے کے بعد سب سے پہلے لڑنے والوں کو چوتھائی حصہ زیادہ دیتے تھے اور واپسی کے بعد لڑنے والوں کو تہائی زیادہ دیتے تھے۔"

علامہ ابنِ اثیرؒ نے "اُسُد الغابہ" میں حضرت حبیبؓ بن مسلمہ سے مروی یہ حدیث درج کی ہے۔

"نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے (ایک جہاد میں) جاتے وقت چوتھائی مال خیرات کیا اور لوٹتے وقت پانچواں حصہ۔"

متن کے اختلاف سے قطع نظر اس حدیث سے اتنا ضرور ثابت ہو جاتا ہے کہ حضرت حبیبؓ شرفِ صحابیت سے بہرہ ور تھے۔

(۲)

حضرت ابوبکر صدیقؓ کے عہدِ خلافت میں فتنۂ ردّہ کے استیصال کے بعد جہادِ شام کا آغاز ہوا تو حضرت حبیبؓ اسلامی لشکر میں شامل ہو کر شام چلے گئے اور رومیوں کے خلاف کئی معرکوں میں دادِ شجاعت دی۔ عہدِ فاروقی میں رومیوں کے خلاف سب سے بڑا معرکہ ۱۵ ہجری میں یرموک کے میدان میں ہوا۔ اس لڑائی میں حضرت حبیبؓ فوج کے ایک حصے کے افسر تھے۔ شام کی فتح کے بعد حضرت حبیبؓ نے دمشق میں سکونت اختیار کر لی۔ ان کا گھر "طلحونتہ الشقفین" میں نہر یزدی کے کنارے مشہور ہے۔ امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ۱۷ھ میں حضرت عیاض بن غنم کو جزیرہ (میسوپوٹیمیا) کا گورنر بنایا تھا۔ کچھ عرصہ بعد ان کو جزیرہ سے شام بھیج

دیا اور ان کی جگہ حضرت حبیبؓ بن مَسلَمَہ کو جزیرہ کا گورنر مقرر کیا۔ پھر ان کی ولایت میں آذربائیجان اور آرمینیہ کو بھی شامل کر دیا۔ مگر بعد میں ان کو اس عہدے سے سبکدوش کر دیا۔

علامہ ابن اثیرؒ نے "اُسدُ الغابہ" میں بعض لوگوں کے بیان کا حوالہ دیتے ہوئے لکھا ہے کہ حضرت حبیبؓ بن مَسلَمہ کو حضرت عمرؓ فاروق نے حاکم نہیں بنایا تھا۔ بلکہ امیر المؤمنین حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ نے ان کو شام سے آذربائیجان (کا حاکم بنا کر) بھیجا تھا اور حضرت سلمانؓ بن ربیعہ کو ان کی مدد کے لیے ساتھ کر دیا تھا[1] وہاں ان دونوں بزرگوں میں کسی بات پر شدید اختلاف رائے پیدا ہو گیا۔ یہاں تک کہ حضرت حبیبؓ کے حامی کچھ شا

---

[1] ابو عبد اللہ سلمانؓ بن ربیعہ (بن یزید بن عمرو بن سہم بن ثعلبہ بن غنم بن قتیبہ بن معن بن مالک بن اعصر) کو امام بخاریؒ نے صحابہ میں شمار کیا ہے لیکن بعض اہلِ سِیَر نے لکھا ہے کہ انہوں نے عہدِ رسالت کو پایا تھا لیکن شرفِ صحابیت سے بہرہ ور نہیں ہوئے۔
(اُسدُ الغابہ لابن اثیرؒ)
جمہور نے امام بخاریؒ ہی کے موقف کو ترجیح دی ہے۔ امیر المؤمنین حضرت عمرؓ فاروق نے انہیں پہلے کوفہ اور پھر مدائن کا قاضی مقرر کیا۔ اس کے بعد ان کو جہاد کے لیے گھوڑوں کی فراہمی کا کام سپرد کیا۔ چنانچہ وہ کوفہ میں چار ہزار گھوڑے جہاد کے لیے ہر وقت تیار رکھتے تھے۔ اسی لیے "سلمان الخیل" کے لقب سے مشہور ہو گئے تھے۔ بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت سلمانؓ حضرت ابو امامہ باہلیؓ کے ساتھ شام کی فتوحات میں بھی شریک ہوئے تھے۔ حضرت عثمانؓ غنی کے عہدِ خلافت میں انہوں نے آذربائیجان میں کفار کے خلاف جہاد کیا پھر خزر کے ساحلی مقام بلنجر میں جہاد کرتے ہوئے شہادت پائی۔ یہ واقعہ باختلافِ روایت ۲۹ھ یا ۳۰ھ یا ۳۱ھ کا ہے۔ ان سے چند حدیثیں بھی مروی ہیں۔
حضرت سلمانؓ اہلِ عراق میں بہت ہر دلعزیز تھے اور اہلِ کوفہ تو ان پر جان چھڑکتے

نے حضرت سلمانؓ کو قتل کی دھمکی دی۔ اس پر حضرت سلمانؓ کے حامی عراقی جوان
کے ساتھ آئے تھے غصے میں آ گئے اور انہوں نے شامیوں کو یہ جواب دیا:

فان تقتلوا سلمان نقتل حبیبکم   وان ترحلوا نحو ابن عفان نرحل

(یعنی اگر تم سلمان کو قتل کرو گے تو ہم تمہارے حبیب کو قتل کر دیں گے
اگر تم ابن عفان (امیر المؤمنین حضرت عثمانؓ) کے پاس جاؤ گے تو ہم بھی ان کے پاس
جائیں گے۔)

خیر اُس وقت تو یہ معاملہ کسی طرح رفع دفع ہو گیا لیکن آگے چل کر اہل
عراق اور اہلِ شام کا یہی اختلاف بڑے فتنوں کا باعث بنا۔ حضرت حبیبؓ
آذربائیجان سے جلد ہی شام چلے گئے[1] جہاں وہ ایک مستجاب الدعوات بزرگ
کی حیثیت سے مشہور تھے اور انتہائی عزت و احترام کی نظر سے دیکھے جاتے تھے۔
شام کے گورنر امیر معاویہؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی ان کو بہت مانتے تھے اور
ان کے شوقِ جہاد سے بھی بخوبی آگاہ تھے۔ شام کی سرحد روم کی بازنطینی سلطنت
سے ملتی تھی اور مسلمانوں اور رومیوں کے درمیان اکثر بری اور بحری لڑائیاں
ہوتی رہتی تھیں۔ امیر معاویہؓ نے جن مسلمان افسروں کو رومیوں کے مقابلے پر
مامور کیا، ان میں حضرت حبیبؓ بن مسلمہ کا نام خصوصیت سے قابلِ ذکر
ہے۔ انہوں نے رومیوں کے خلاف بہت سی مہموں کی قیادت کی اور ان
سے اتنی کثیر مرتبہ نبرد آزما ہوئے کہ ان کا نام ہی "حبیب الروم" مشہور ہو گیا۔

(۳)

امیر المؤمنین حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جزیرہ (میسوپوٹیمیا)

---

[1] مؤرخین نے یہ تصریح نہیں کی کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انہیں
کب آذربائیجان بھیجا اور وہ کب وہاں سے شام گئے۔

صوبہ بھی والیٔ شام امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ماتحت کر دیا تھا۔ یہ صوبہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد خلافت میں فتح ہو چکا تھا لیکن اس کے بعض سرحدی مقامات ابھی تک دشمن کے قبضے میں تھے۔ ان میں ایک اہم مقام شمشاط تھا۔ ۲۷ھ میں حضرت عثمانؓ نے امیر معاویہ کو شمشاط کی تسخیر کا حکم بھیجا۔ انہوں نے یہ مہم حضرت حبیب بن مسلمہ اور حضرت صفوان بن معطل رضی اللہ عنہما کے سپرد کی۔ یہ دونوں بہادر طوفان برق و باد کی طرح شمشاط کی طرف بڑھے اور نہایت آسانی سے اس کو فتح کر لیا۔

اس کے بعد امیر معاویہؓ ملطیہ کی طرف متوجہ ہوئے۔ یہ سرحدی مقام روم اور اسلامی مقبوضات کے درمیان حدِ فاصل تھا اور بحر روم میں بحری مہمیں کے لیے اس پر قبضہ بہت ضروری تھا۔ حضرت حبیبؓ بن مسلمہ اس کو ایک مرتبہ فتح کر چکے تھے لیکن یہ فتح عارضی ثابت ہوئی کیونکہ ان کے واپس آنے کے بعد رومیوں نے دوبارہ اس پر قبضہ کر لیا۔ امیر معاویہؓ نے شمشاط کی فتح کے بعد حضرت حبیبؓ کو دوبارہ ملطیہ کی تسخیر پر مامور کیا۔ انہوں نے اس کو بھی بزورِ شمشیر فتح کر لیا اور یہاں بہت سے مسلمان آباد کر دیئے تاکہ رومی دوبارہ سر نہ اٹھا سکیں۔

۳۵ہجری میں امیر المومنین حضرت عثمان ذوالنورین کے خلاف شورش زور پکڑ گئی۔ یہاں تک کہ باغیوں نے مدینہ منورہ پہنچ کر عملاً اس پر قبضہ کر لیا اور امیر المومنینؓ کی قیام گاہ کا محاصرہ کر لیا۔ ابن اثیرؒ کا بیان ہے کہ امیر معاویہؓ کو اس صورت حال کا علم ہوا تو انہوں نے حضرت حبیبؓ بن مسلمہ کی قیادت میں ایک لشکر امیر المومنینؓ کی مدد کے لیے شام سے روانہ کیا۔ حضرت حبیبؓ یہ لشکر لے کر وادی القریٰ تک ہی پہنچے تھے کہ ان کو امیر المومنینؓ کی شہادت کی خبر ملی۔ وہ یہ سن کر واپس شام چلے گئے کیونکہ ان کو باغیوں کی قوت کا پورا اندازہ تھا اور اس حادثۂ جانگداز کے بعد ان کا خیال تھا کہ باغیوں کی سرکوبی کے لیے کافی طاقت کی ضرورت ہو گی۔

۴

سیدنا حضرت عثمان ذوالنورینؓ کی مظلومانہ شہادت کے بعد سیدنا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ سریر آرائے خلافت ہوئے لیکن امیر معاویہؓ نے ان کی خلافت کو تسلیم نہ کیا۔ ان کا مطالبہ تھا کہ پہلے قاتلین عثمانؓ سے قصاص لیا جائے۔ لیکن حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو مسندِ خلافت پر قدم رکھتے ہی ایسی پیچیدہ صورتِ حال کا سامنا کرنا پڑا کہ قاتلینِ عثمانؓ کا پتہ چلانا تو کجا نظامِ خلافت کا سنبھالنا بھی مشکل ہو گیا۔ اس کے ساتھ ہی اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا تھا کہ حضرت عثمان شہیدؓ کے مخالفین کی ایک بہت بڑی تعداد حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، کے لشکر میں شامل ہو گئی تھی۔ ان میں یقیناً ان کے قاتل یا قتل کی سازش کرنے والے لوگ بھی شامل تھے۔ ان پر قابو پانے کے لیے حکمت عملی اور سکون و اطمینان کی ضرورت تھی لیکن حضرت علیؓ کو اس مسئلہ سے نپٹنے کے لیے نہ مہلت ملی اور نہ سکون و اطمینان میسر آیا۔ یہی بات ان کے اور امیر معاویہؓ کے درمیان شدید اختلاف کا باعث بن گئی جس کا نتیجہ صفین کی افسوسناک جنگ کی صورت میں ظاہر ہوا۔

حضرت حبیبؓ بن مسلمہ شروع سے اخیر تک امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، کے پرجوش حامی رہے۔ جنگِ صفین میں وہ ان لوگوں میں سے تھے جو امیر معاویہؓ کے دست و بازو تھے۔ جب دونوں فوجوں نے ایک دوسرے کے مقابل پڑاؤ ڈالا تو امیر معاویہؓ نے حبیبؓ بن مسلمہ، شرجیل بن سمط اور معن بن زید اخنس کو یہ پیغام دے کر حضرت علیؓ کے پاس بھیجا کہ آپ قاتلین عثمانؓ کو ہمارے حوالے کر دیں اور اپنے موجودہ موقف سے دستکش ہو جائیں تاکہ ہم یہ معاملہ مسلمانوں کی مجلسِ شوریٰ کے سپرد کر دیں پھر وہ اپنے لیے جسے چاہیں اور پسند کریں چن لیں۔

یہ اصحاب حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، کے پاس پہنچے۔ پہلے حضرت حبیبؓ بن مسلمہ نے بات کی اور امیر معاویہؓ نے جو پیغام دیا تھا کہہ سنایا۔

جواباً حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا :

"تیرا اس معاملے سے کیا تعلق ہے ـــــ یہ تیرا منصب نہیں کہ اس قسم کی باتیں مجھ سے کہے ۔"

حضرت علیؓ کا سخت لہجہ حضرت حبیبؓ کو ناگوار گزرا ۔ انہوں نے کہا :

"خدا کی قسم آپ مجھے وہاں دیکھیں گے جہاں مجھے دیکھنا آپ کو سخت ناگوار گزرے گا ۔"

اب شرجبیل نے کہا : "کیا آپ قاتلینِ عثمانؓ کو ہمارے سپرد نہیں کریں گے ؟"

حضرت علیؓ نے فرمایا :

"یہ میرے بس کی بات نہیں ۔ یہ تو کوئی بیس ہزار افراد ہیں (جو سب حضرت عثمانؓ کے قاتل ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں اور جن میں سے اصل قاتلوں کو تلاش کرنا بڑا دقت اور تحقیق طلب کام ہے)

یہ جواب سن کر یہ لوگ واپس آ گئے ۔

ماہ محرم ۳۷ھ گزرنے کے بعد دونوں فوجوں میں لڑائی کا آغاز ہوا تو امیر معاویہؓ نے اپنی فوج کے میسرہ (بائیں بازو) کی قیادت حضرت حبیبؓ بن مسلمہ کے سپرد کی ۔ یہ لڑائی کئی روز تک جاری رہی جس میں دونوں فریق جان توڑ کر لڑے لیکن غلبہ کسی کو حاصل نہ ہوا ۔

ابو حنیفہ دینوری نے "الاخبار الطوال" میں لکھا ہے کہ ایک دن حضرت علیؓ کی فوج کے نامی بہادر اشعثؓ بن قیس بہادرانِ عراق کا رسالہ لے کر نکلے دوسری طرف سے حبیبؓ بن مسلمہ شامی فوج کے اتنے ہی رسالے کے ساتھ ان کے مقابل ہوئے ۔ پھر وہ دونوں صفوں کے درمیان دیر تک لڑتے رہے ۔ تقریباً سارا دن گزر گیا لیکن کوئی فیصلہ نہ ہوا ۔ آخر دونوں لوٹ گئے ۔ حق یہ ہے کہ دونوں ایک دوسرے کے لیے برابر کی چوٹ تھے ۔"

ایک دن حضرت حبیبؓ بن مسلمہ نے شامی فوج کے میسرے کو ساتھ لے کر

لشکرِ مرتضوی کے میمنے (دائیں بازو) پر اس زور کا حملہ کیا کہ وہ منتشر ہو گیا حضرت علیؓ نے دیکھا تو حضرت سہلؓ بن حُنیف سے کہا ــــ" اپنی حجازی جمعیت لے کر میمنہ کی مدد کو پہنچو۔"

حضرت سہلؓ اپنے حجازی ساتھیوں کو لے کر میمنہ کی طرف بڑھے تو حبیبؓ بن مَسلمہ نے آگے بڑھ کر انہیں روک لیا اور ان کی جمعیت کو منتشر کر دیا۔ اب حضرت علیؓ خود قلب لشکر سے نکلے اور مالک اشتر کو ساتھ لے کر شامیوں پر زبردست حملہ کیا یہاں تک کہ انہیں پسپا کر دیا۔

کئی روز کی اس خونریز جنگ کا نتیجہ معاہدۂ تحکیم کی صورت میں نکلا۔ اس معاہدے پر امیر معاویہؓ کی طرف سے جن لوگوں نے گواہی ثبت کی حضرت حبیبؓ بن مَسلَمہ بھی ان میں شامل تھے۔ معاہدۂ تحکیم کا خاطر خواہ نتیجہ نہ نکلا اور دونوں فریقوں میں پھر مسلح کشمکش شروع ہو گئی۔ ۳۸ھ میں حضرت معاویہؓ نے مصر پر قبضہ کر لیا اور ۳۹ھ میں انہوں نے حضرت علیؓ کے دوسرے مقبوضات کی طرف پیش قدمی شروع کر دی۔ ان میں بعض مقامات پر ان کو کامیابی ہوئی اور بعض میں ناکامی۔ اسی سال امیر معاویہؓ نے عبدالرحمٰن بن قباث بن اشیم کو جزیرہ روانہ کیا۔ وہاں حضرت علیؓ کی طرف سے شبیب بن عامر حاکم تھے انہوں نے کمیل بن زیاد کو جو حضرت علیؓ کے پُرجوش حامی تھے اطلاع دی وہ نصیبین سے چھ سو سوار لے کر مقابلے پر نکلے اور عبدالرحمٰن کو شکست دی، اسی اثناء میں شبیب خود بھی پہنچ گئے، مگر شامی واپس جا چکے تھے۔ شبیب نے بعلبک تک ان کا تعاقب کیا۔ امیر معاویہؓ کو اطلاع ملی تو انہوں نے حضرت حبیبؓ بن مسلمہ کو شبیب کے مقابلے کے لیے بھیجا لیکن ان کے پہنچتے پہنچتے شبیب واپس ہو چلے تھے۔

۴۰ھ ہجری میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی شہادت کے بعد حضرت سیدنا حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسندِ خلافت پر بیٹھے لیکن وہ چند ماہ بعد امیر معاویہؓ

کے حق میں خلافت سے دست بردار ہو گئے اور امیر معاویہؓ کی خلافت کا آغاز ہو گیا۔ ایک روایت کے مطابق انہوں نے حضرت حبیبؓ بن مسلمہ کو آرمینیہ کا گورنر مقرر کیا، اور انہوں نے وہیں ۴۲ھ ہجری میں وفات پائی۔ لیکن صحیح یہ ہے کہ وہ اسی سال (۴۲ھ میں) دمشق میں فوت ہوئے۔

(اردو دائرہ معارف اسلامیہ جلد ۷)

حضرت حبیبؓ بن مسلمہ نے رومیوں کے خلاف بہت سے معرکوں میں جس عزم و ہمت اور شجاعت و بسالت کا مظاہرہ کیا اس کی بنا پر وہ شام کے بہت بڑے بہادروں میں شمار ہوتے تھے۔ شام کے متعدد شاعروں نے اپنی رجزیہ نظموں میں ان کی شجاعت اور جانبازی کی بے حد تعریف کی ہے۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے کہ ایک گاؤں کے رہنے والے شخص نے آکر عرض کی، یا رسول اللہ ﷺ ایک شخص جنگ کرتا ہے غنیمت حاصل کرنے کے لیے اور ایک شخص شہرت کے لیے لڑتا ہے اور ایک شخص اپنی بہادری ظاہر کرنے کے لیے اور ایک غصہ یا حمیت کی وجہ سے جنگ کرتا ہے تو ان میں سے اللہ کے راستے میں لڑنے والا کون ہوگا؟

آپ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص اس کے لیے جنگ کرتا ہے کہ اللہ کی بات غالب ہو (صرف) اس کو اللہ کی راہ میں جنگ کرنے والا سمجھنا چاہیے۔

(صحیح بخاری)

حضرت غالبؓ بن عبداللہ لیثی

①

سیدنا حضرت غالبؓ بن عبداللہ کا شمار عہدِ رسالت کے ان جاں بازوں میں ہوتا ہے جو حقیقی معنوں میں اسم بامسمّٰی تھے۔ جس معرکے میں شریک ہوئے اپنی شجاعت کی دھاک بٹھا دی اور اپنے حریفوں پر غالب آئے۔ حضرت غالبؓ کا تعلق بنو کنانہ کی ایک شاخ بنو لیث سے تھا۔ نسب نامہ یہ ہے:

غالبؓ بن عبداللہ بن مسعر بن جعفر بن کلب بن عوف بن کعب بن عامر بن لیث بن بکیر بن عبد مناۃ بن عبد مناۃ بن کنانہ کنانی لیثی

حضرت غالبؓ بن عبداللہ سنہ ۶ ھ اور سنہ ۸ ھ کے درمیان کسی وقت شرفِ اسلام سے بہرہ ور ہوئے اور حق کے سرفروش سپاہی بن گئے۔ ان کا اخلاص فی الدین اور جوشِ ایمان دیکھ کر حضورؐ ان پر بہت اعتماد فرماتے تھے اور مختلف مہمات پر بھیجتے رہتے تھے۔

رمضان سنہ ۷ ہجری میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی کہ دو قبائل بنو عُوال اور بنو عبد بن ثعلبہ، میفعہ کے مقام پر جمع ہوئے ہیں اور مسلمانوں پر حملہ کرنے کا منصوبہ بنا رہے ہیں۔ میفعہ مدینے سے ۹۶ میل دور علاقہ نجد میں بطنِ نخل سے کچھ آگے نقرہ کی طرف ایک وادی کا نام تھا۔ حضورؐ نے حضرت غالبؓ بن عبداللہ کو ایک سو تیس (۱۳۰) سواروں کی معیت میں ان کی سرکوبی کے لیے روانہ کیا۔ شوریدہ سر قبیلوں نے مقابلہ کیا لیکن سخت شکست کھائی اور مسلمانوں کو اونٹوں اور بکریوں کی صورت میں بہت سا مالِ غنیمت حاصل ہوا۔ اس سریّہ کو سریّۂ میفعہ یا سریّۂ غالب بن عبداللہ لیثی کہا جاتا ہے۔

علامہ ابن سعدؒ اور ابن جوزی کا بیان ہے کہ مجاہدین میں حضرت اسامہؓ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی شامل تھے۔ اثنائے جنگ میں وہ ایک شخص اسامہ بن نہیک بن مرداس کی طرف تلوار (بروایت دیگر نیزہ) لے کر بڑھے تو اس نے بلند آواز سے کہا، لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ۔ حضرت اسامہؓ سمجھے کہ وہ اپنی جان بچانے کے لیے کلمۂ توحید پڑھ رہا ہے۔ انہوں نے اس کو قتل کر دیا۔ جب یہ مہم واپس آئی اور حضورؐ کو اس واقعہ کا پتہ چلا تو آپ ناراض ہوئے اور حضرت اسامہؓ سے فرمایا:

هَلْ شَقَقْتَ قَلْبَهٗ

(کیا تم نے اس کا دل چیر کر دیکھا تھا)

اس پر حضرت اسامہؓ نے توبہ کی اور آئندہ محتاط رہنے کا وعدہ کیا۔[1]

---

[1] مولوی شاہ معین الدین احمد ندوی مرحوم نے "مہاجرین حصہ دوم" میں امام حاکمؒ کے حوالے سے لکھا ہے کہ یہ واقعہ ایک دوسرے سریّہ میں پیش آیا جو حضرت اسامہؓ بن زیدؓ کی سرکردگی میں ۷ھ یا ۸ھ میں بھیجا گیا تھا۔ اس کا نام سریۂ حرقہ تھا۔ اس وقت حضرت اسامہؓ کی عمر ۱۴-۱۵ برس کی تھی۔ صحیح بخاری جلد ۲ کتاب المغازی باب بعث النبیؐ میں یہ واقعہ خود اسامہؓ کی زبانی اس طرح نقل کیا گیا ہے ــــــ "رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے ہم لوگوں کو حرقہ کی طرف بھیجا تھا۔ صبح کو دشمنوں سے مقابلہ ہوا۔ دشمن شکست کھا کر بھاگے۔ میں نے اور ایک انصاری نے ایک شخص کا تعاقب کیا جب وہ زد میں آگیا تو لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ پکار اٹھا۔ اس کے اس اعلان پر انصاری نے ہاتھ روک لیا مگر میں نے نیزوں سے اس کا کام تمام کر دیا۔ واپسی کے بعد رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کو واقعہ معلوم ہوا تو فرمایا، اسامہ تم نے ایک شخص کو کلمۂ شہادت پڑھنے کے بعد قتل کر دیا! میں نے عرض کی، اس نے اپنے بچاؤ کے لیے ایسا کیا تھا، آپؐ نے یہ عذر ناقابلِ قبول سمجھا اور بار بار اس جملہ کو دہراتے رہے۔ مجھ کو اتنی ندامت ہوئی کہ دل میں کہنے لگا، کاش میں آج سے پہلے اسلام نہ لایا ہوتا۔

(۲)

صفر ۸ھ ہجری میں سرورِ عالم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے حضرت غالبؓ بن عبداللہ کو باختلافِ روایت دس، چودہ یا ساٹھ صحابہؓ کی معیت میں بنو مُلوّح کی سرکوبی کے لیے کدید کی طرف بھیجا[1] یہ مقام مکہ سے ۴۲ میل دور عسفان اور قدید کے درمیان واقع تھا۔ وہاں قبیلہ لیث کی شاخ بنو ملوّح کے کچھ لوگ شرارت کے لیے جمع ہوئے تھے۔ مجاہدین کو راستے میں قدید کے مقام پر بنو ملوّح کا ایک سردار حارث بن مالک بن برصاء ملا۔ انہوں نے اس کو گرفتار کر لیا۔ اُس نے کہا، میں تو مسلمان ہونے کے ارادہ سے رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی خدمت میں جا رہا ہوں (بروایت دیگر میں تو مسلمان ہو کر آیا ہوں) حضرت غالبؓ نے اس سے کہا، اگر تم سچے ہو تو تم کو ایک رات کی قید سے کوئی نقصان نہیں پہنچے گا اور اگر تمہاری بات غلط ہے تو تمہارے گرفتار رہنے سے ہم کو اطمینان رہے گا۔ چنانچہ اُس کو ایک رباط میں باندھ کر ایک مجاہد کو اس کی نگرانی پر مقرر کر دیا، اور قدید کی طرف آگے بڑھے۔ غروبِ آفتاب کے وقت قدید کے قریب پہنچے۔ حضرت غالبؓ دشمن کی نقل و حرکت کا جائزہ لینے کے لیے آبادی کے قریب ایک بلند ٹیلے پر چڑھ گئے اور منہ کے بل لیٹ کر دشمن کی ٹوہ لینے لگے۔ اتنے میں ایک شخص آبادی سے نکلا اس کو حضرت غالبؓ کا سایہ نظر پڑا۔ اُس نے اپنی بیوی سے کہا، مجھے یوں نظر آتا ہے کہ ٹیلے پر کوئی شخص موجود ہے۔ پھر خیال آیا شاید کوئی کُتا ہو، ذرا دیکھو تو ہمارے تمام برتن تو گھر میں محفوظ ہیں؟ اُس نے

---

[1] علامہ ابن ہشامؒ کا بیان ہے کہ سرورِ عالم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے یہ مہم فتح مکہ (رمضان ۸ھ ہجری) کے بعد روانہ کی تھی لیکن دوسرے تمام اہلِ سیر نے لکھا ہے کہ یہ سریّہ صفر ۸ھ ہجری میں (فتح مکہ سے پہلے پیش آیا تھا اور یہی صحیح معلوم ہوتا ہے۔

کہا، سب محفوظ ہیں کسی نے ان کو نہیں چھوا۔ اب اس شخص کو یقین ہو گیا کہ ٹیلے پر ضرور کوئی دشمن موجود ہے۔ چنانچہ اس نے ٹیلے کی طرف دو تیر چلائے ایک حضرت غالبؓ کے شانے پر لگا اور دوسرا پہلو میں لیکن وہ بے حس و حرکت لیٹے رہے اور آہستگی کے ساتھ دونوں تیر جسم سے نکال دیئے۔ تیر چلانے کے بعد اس شخص کو ٹیلے پر کوئی حرکت نظر نہ آئی تو اس کا شک دور ہو گیا اور اس نے بیوی سے کہا، میں نے دو تیر مارے، دونوں لگے۔ اگر کوئی جاندار چیز ہوتی تو حرکت کرتی ـــــ ادھر جب حضرت غالبؓ نے دیکھا کہ آبادی کے سب لوگ سو گئے ہیں تو اٹھ کر اپنے ساتھیوں کے پاس آئے اور ان کو لے کر آبادی پر شب خون مارا۔ جب تک اور کسی طرف سے ان کو مدد پہنچتی، مسلمانوں نے ان کے مویشی ہانک لیے اور حارث بن مالک کو ساتھ لے کر نکل آئے۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ بنو مُلَوّح کے چند آدمی مارے گئے اور ان کی عورتیں قیدی بنالی گئیں۔ حضرت غالبؓ قیدیوں اور مالِ غنیمت کو لے کر مظفر و منصور مدینہ واپس آئے۔ یہ مہم "سریۂ قدید" کے نام سے مشہور ہے۔

(۳)

صفر ۸ھ ہجری میں سرورِ عالم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے ایک دوسرا سریّہ حضرت غالبؓ بن عبداللہ کی سرکردگی میں فَدَک کی طرف بھیجا۔ اس سے پہلے شعبان ۷ھ ہجری میں حضورؐ نے حضرت بشیرؓ بن سعد انصاری کو بنو مُرّہ کی گوشمالی کے لیے تیس ۳۰ صحابہ کے ہمراہ فَدَک بھیجا تھا۔ چونکہ دشمن کی تعداد بہت زیادہ تھی اس نے مسلمانوں کے اس دستے کو سخت نقصان پہنچایا۔ ایک روایت کے مطابق حضرت بشیرؓ بن سعد کے تمام ساتھی شہید ہو گئے اور وہ خود سخت زخمی حالت میں مدینہ واپس آئے تھے۔ اب حضورؐ نے ان کا انتقام لینے کے لیے ہی حضرت غالبؓ بن عبداللہ کو دو سو ۲۰۰ سوار دے کر فَدَک بھیجا۔ لڑائی میں مشرکوں

نے سخت شکست کھائی۔ ان کے چند آدمی مارے گئے اور بہت سے قیدی بنا لیے گئے۔ مالِ غنیمت کی مقدار کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ ہر مجاہد کے حصے میں دس اونٹ یا سو بکریاں آئیں۔

علامہ ابنِ اثیرؒ نے "اُسد الغابہ" میں ابن کلبی کا یہ قول نقل کیا ہے کہ حضرت غالبؓ بن عبداللہ فدک پہنچنے سے پہلے شہید ہو گئے تھے لیکن دوسرے اہلِ سیر کے بیانات کی روشنی میں ابن کلبی کا قول بالکل غلط ہے۔ اس سریّہ کے بعد وہ طویل عرصہ تک حیات رہے اور اس دوران میں بڑے بڑے کارنامے انجام دیئے۔

رمضان المبارک ۸ھ ہجری میں سرورِ عالم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم فتح مکّہ کے ارادے سے مدینہ منوّرہ سے روانہ ہوئے تو دس ہزار صحابہ کرامؓ آپ کے ہمرکاب تھے۔ حضرت غالبؓ بن عبداللہ بھی ان میں شامل تھے۔ حضورؐ نے دو اہم کام ان کے سپرد فرمائے۔ ایک راستے کی درستی (اس سے جھاڑ جھنکار اور دوسری رکاوٹیں دور کرنا) اور دوسرا مشرکینِ مکّہ کے حالات کا تجسّس۔ ـــــ انہوں نے یہ دونوں خدمتیں نہایت حسن وخوبی سے انجام دیں۔

ابنِ اثیرؒ کا بیان ہے کہ انہوں نے مکّہ پہنچنے کا ایک آسان راستہ بھی مسلمانوں کو بتایا۔ اثنائے راہ میں بنو کنانہ کے چھ ہزار اونٹوں کا گلہ ملا۔ حضرت غالبؓ نے تمام اونٹنیوں کا دودھ دوہا اور لے جا کر حضورؐ کی خدمت میں پیش کیا۔ آپؐ نے قبول کر لیا اور سب لوگوں کو پلایا۔

اہلِ سیر نے عہدِ رسالت کے دوسرے غزوات میں حضرت غالبؓ کی شرکت کا ذکر نہیں کیا لیکن قوی امکان ہے کہ فتح مکّہ کے بعد حنین، طائف اور تبوک کے غزوات میں وہ ضرور شریک ہوئے ہوں گے اور حجۃ الوداع میں بھی حضورؐ کے ساتھ مکّہ گئے ہوں گے۔

سرورِ عالم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے وصال کے بعد سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

کے عہدِ خلافت میں عراقِ عرب پر فوج کشی ہوئی تو حضرت غالبؓ بھی لشکرِ اسلام میں شامل ہو گئے اور ایرانیوں کے خلاف کئی معرکوں میں دادِ شجاعت دی۔ ایک روایت کے مطابق ایرانیوں کا ایک نامور سردار ہرمز جنگِ کاظمہ یا حفیر میں انہی کے ہاتھ سے مارا گیا۔ لیکن زیادہ تر اربابِ سیر نے اس کا حضرت خالدؓ بن ولید کے ہاتھوں مقتول ہونا بیان کیا ہے۔

عراقِ عرب کی سب سے خونریز لڑائی "جنگِ قادسیہ" تھی جو حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کی زیرِ قیادت لڑی گئی۔ حضرت غالبؓ نے اس لڑائی میں نہایت پامردی سے دادِ شجاعت دی اور کئی کارنامے انجام دیئے۔

ابنِ اثیرؒ کا بیان ہے کہ امیر معاویہؓ کے عہدِ خلافت میں انہیں خراسان کا گورنر مقرر کیا گیا تھا۔ وہ کب تک اس عہدے پر رہے اور کب فوت ہوئے۔ اہلِ سیر نے اس کی تصریح نہیں کی۔ قیاس یہ ہے کہ انہوں نے امیر معاویہؓ کے آخر عہدِ خلافت میں وفات پائی۔ واللہ اعلم بالصواب

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت ابوالدرداء عویمرؓ انصاری

(۱)

شوال ۳ھ ہجری میں حق و باطل کا دوسرا بڑا معرکہ اُحد کے میدان میں برپا ہُوا تو سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ گھوڑے پر سوار ایک جوانِ رعنا مشرکین کے خلاف بڑی بے جگری سے دادِ شجاعت دے رہے ہیں۔ گٹھے ہوئے جسم، سرخ و سپید رنگ، اونچی ناک اور سُرمگیں آنکھوں والے، راہِ حق کے یہ جانباز سپاہی جدھر جُھک پڑتے ہیں، صفوں کی صفیں الٹ کر رکھ دیتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اُن کی شجاعت و بسالت کو دیکھ کر بہت خوش ہُوئے اور فرمایا:

نعم الفارس عویمر

یعنی عویمر کس قدر اچھے سوار ہیں۔

"عویمر" نام کے یہ نوجوان سرفروش جن کی شہسواری اور بہادری کی سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے تحسین فرمائی، مدینہ منورہ کے ایک شریف خزرجی زید بن قیس کے لختِ جگر تھے۔ انہوں نے تاریخ میں اپنی کنیت ابوالدرداء سے شہرت پائی۔

(۲)

سیدنا حضرت ابوالدرداء عویمرؓ بن زید کا تعلق قبیلہ خزرج کے خاندان عدی بن کعب سے تھا۔ نسب نامہ یہ ہے:

ابوالدرداء عویمرؓ بن زید بن قیس بن امیہ بن مالک بن عامر بن

عدی بن کعب بن خزرج بن حارث بن خزرج اکبر۔
والدہ کا نام محبۃ تھا وہ خزرج کی شاخ ثعلبہ بن کعب سے تعلق رکھتی تھیں۔

اوس اور خزرج عام طور پر زراعت پیشہ تھے تاہم ان میں سے کچھ لوگ تجارت بھی کرتے تھے اور انہوں نے مدینہ میں یہودیوں سے الگ بازار قائم کر رکھے تھے۔ حضرت ابوالدرداءؓ ایسے ہی لوگوں میں سے تھے۔ معلوم نہیں کسب معاش کے لیے تجارت کا پیشہ انہوں نے خود اختیار کیا یا ان کے باپ دادا بھی یہی کام کرتے تھے بہرحال جب خورشید رسالت فاران کی چوٹیوں سے طلوع ہوا تو وہ مدینہ (یثرب) کے ایک کامیاب تاجر تھے۔ دوسری بیعت عقبہ (۱۳ بعد بعثت) کے بعد یثرب کے گھر گھر میں اسلام کا چرچا ہونے لگا اور چند ایک کے سوا اوس اور خزرج کے سبھی گھرانے شرف اسلام سے بہرہ ور ہو گئے۔ حضرت ابوالدرداءؓ بڑے زیرک اور معاملہ فہم آدمی تھے لیکن سبقت فی الاسلام میں وہ اپنے بھائی بندوں کا ساتھ نہ دے سکے اور دعوت توحید پر غور و فکر کرتے رہے یہاں تک کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لے آئے۔ ہجرت نبوی کے بعد بھی وہ ایک سال تک اہل حق کی سیرت و کردار کا مشاہدہ کرتے رہے اور اسلام کے بارے میں ہر قسم کی معلومات جمع کرتے رہے۔ اللہ تعالیٰ نے فطرت سلیم عطا کی تھی کب تک دین حق سے دور رہ سکتے تھے۔ ۲ ہجری میں (غزوہ بدر کے بعد) کامل شرح صدر کے ساتھ اسلام قبول کر لیا۔ قبول حق میں جو دیر ہوئی اس کا انہیں عمر بھر قلق رہا۔ فرمایا کرتے تھے:

"ایک گھڑی کی خواہش نفس دیرپا غم کا باعث بن جاتی ہے۔"

قبول اسلام کے بعد وہ اپنے وقت کا بیشتر حصہ نبوت کے سرچشمۂ علوم سے سیراب ہونے میں گزارنے لگے۔ حضورؐ کے ارشادات کو بڑے غور سے سنتے

اور ان کو اپنے دل و دماغ میں محفوظ کر لیتے۔ حضورؐ بھی ان پر بہت شفقت فرماتے تھے اور خاص توجّہ سے ان کو قرآن اور مسائلِ دین کی تعلیم دیتے تھے۔ تحصیلِ علم سے ان کی بے پناہ لگن کا نتیجہ یہ ہُوا کہ چند سال کے اندر اندر وہ عُلُوم و معارف کا بحرِ زخّار بن گئے اور فُضَلائے صحابہ میں خاص مقام حاصل کر لیا۔ اہلِ سِیَر کا بیان ہے کہ وہ عہدِ رسالت ہی میں قرآنِ کریم کے حافظ اور قاری بن گئے تھے۔

(۴)

بارگاہِ نبُوّت میں شب و روز حاضری نے حضرت ابو الدرداءؓ کو جُملہ محاسنِ اخلاق کا پیکرِ جمیل بنا دیا تھا۔ عبادتِ الٰہی سے شغف اس قدر بڑھ گیا کہ تجارت ترک کر دی کیونکہ یہ شغلِ عبادت میں حارج ہوتی تھی۔ بعد میں اس سے بیزاری اس قدر بڑھ گئی کہ فرمایا کرتے تھے:

"میں تو اب ایسی دوکان بھی پسند نہیں کرتا جس پر بیٹھنے سے مجھے ہر روز چالیس دینار نفع ہو اور یہ نفع ہر روز راہِ خُدا میں دے ڈالوں۔ اگر میری دوکان مسجد کے دروازے پر ہو اور کاروبار کی وجہ سے میری نماز بھی قضا نہ ہوتی ہو پھر بھی دوکان پر بیٹھنا پسند نہ کروں گا۔"

لوگوں نے اس کا سبب پوچھا تو فرمایا: "یومِ قیامت کے حساب کا خوف ہے۔"

سفر میں بھی اکثر رسولِ اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیہِ وَسَلَّم کی ہمرکابی کا شرف حاصل ہوتا تھا۔ ایک سفر کا واقعہ ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے:

"ہم ایک بار ماہِ رمضان میں رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیہِ وَسَلَّم کے ساتھ سفر کر رہے تھے اور گرمی کا یہ عَالَم تھا کہ شدّتِ تپش

سے ہم نے اپنے ہاتھ سروں پر رکھے ہوئے تھے اور ہم میں سے رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اور عبداللہؓ بن رواحہ کے سوا کوئی روزہ دار نہ تھا۔"

حضرت سلمان فارسیؓ حضورؐ کے نہایت محبوب صحابی تھے۔ آپؐ نے انہیں اپنے گھر کا فرد قرار دیا تھا۔ اپنے اسی محبوب صحابی کو سرورِ عالم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے حضرت ابوالدرداءؓ کا مواخاتی بھائی بنا دیا تھا۔

حضرت ابوالدرداءؓ غزوۂ بدر میں شریک نہ ہو سکے کیونکہ اس زمانے میں حلقہ بگوشِ اسلام نہیں ہوئے تھے۔ اس کے بعد جتنے غزوات و مشاہد پیش آئے ان میں بڑے جوش اور جذبے کے ساتھ شریک ہوئے اور ہر غزوے میں شجاعت کا حق ادا کر دیا۔ غزوۂ اُحد میں گھوڑے پر سوار ہو کر اس شان سے لڑے کہ سرورِ عالم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے بھی تعریف فرمائی۔

(۴)

سنہ ۱۱ ہجری میں آفتابِ رسالت اللہ تعالیٰ کی شفق رحمت میں غروب ہوا تو حضرت ابوالدرداءؓ کے لیے دنیا اندھیر ہو گئی۔ مدینہ منورہ میں جی نہ لگتا تھا۔ حضرت عمر فاروقؓ کے عہدِ خلافت میں شام فتح ہوا تو انہوں نے مدینہ منورہ کی سکونت ترک کر کے شام جانے کا ارادہ کیا۔ ایک روایت میں ہے کہ شام جانے کی تحریک ان کے دل میں اس وجہ سے پیدا ہوئی کہ ایک دفعہ سرورِ عالم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سے سنا تھا کہ فتنہ کی آندھی میں ایمان کا چراغ شام میں محفوظ رہے گا۔

امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ سے ترکِ وطن کی اجازت چاہی تو انہوں نے فرمایا "اگر حکومت کی کوئی خدمت قبول کیجیے تو اجازت دے سکتا ہوں۔"

حضرت ابوالدرداءؓ نے عرض کیا، "مجھ کو حاکم بننا پسند نہیں ہے۔"

امیر المومنینؓ نے فرمایا: "تو پھر مجھ سے اجازت کی امید نہ رکھو۔"

انہوں نے عرض کیا: "میں درس وتدریس کی خدمت انجام دے سکتا ہوں لوگوں کو قرآن وحدیث کی تعلیم دوں گا اور نماز پڑھاؤں گا۔"

امیر المؤمنینؓ نے اس کو منظور کرلیا اور انہیں شام جانے کی اجازت دے دی۔ حضرت ابو الدرداءؓ نے شام جاکر دمشق میں مستقل اقامت اختیار کرلی۔ وہاں ان کے شب و روز درس وتدریس اور عبادتِ الٰہی میں گزرتے تھے! اندازِ معاشرت بالکل زاہدانہ تھا۔ نہ مال و دولت سے رغبت تھی اور نہ جاہ ومنصب سے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب اللہ تعالیٰ نے ایران اور روم کے خزانوں کے منہ مسلمانوں پر کھول دیئے تھے اور اس تزئنہ کا اثر ان کی معاشرت پر بھی نمایاں ہونے لگا تھا لیکن حضرت ابو الدرداءؓ کے زہد وفقر کی وہی پرانی کیفیت تھی اس میں ذرہ برابر تبدیلی نہیں آئی تھی۔ امیر المؤمنین حضرت عمر فاروقؓ شام کے دَورے پر گئے تو انہوں نے بعض حکام اور امرائے فوج کی زندگی کو خاصا پُرتکلف پایا۔ (یہ الگ بات ہے کہ انہوں نے قیمتی لباس کے نیچے کھردرے کپڑوں پر ہتھیار سجا رکھے تھے) لیکن جب وہ حضرت ابو الدرداءؓ کے گھر تشریف لے گئے تو دیکھا کہ وہ ایک سادہ سے تاریک مکان میں کمبل اوڑھے لیٹے ہیں۔ گھر میں نہ کوئی خادم ہے اور نہ روشنی کا کوئی سامان ۔۔ امیر المؤمنینؓ ان کی یہ حالت دیکھ کر آبدیدہ ہوگئے اور پوچھا:

"ابو الدرداء! یہ تم نے کیا حالت بنا رکھی ہے ذرا بتاؤ تو اس عسرت میں زندگی کیوں گزار رہے ہو؟"

انہوں نے عرض کیا:

"امیر المؤمنین! میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ ہمیں صرف اتنے ساز وسامان کی ضرورت ہے جتنا ایک مسافر کے لیے درکار ہے۔ آہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہم لوگ کیا سے کیا ہوگئے۔"

یہ کہتے کہتے ان کی آنکھوں سے سیلِ اشک رواں ہوگیا۔ حضرت عمر فاروقؓ پر بھی رقت طاری ہوگئی اور دونوں بزرگوں نے روتے روتے صبح کر دی۔

امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ، حضرت ابوالدرداءؓ کے بہت قدرداں اور مرتبہ شناس تھے۔ انہوں نے صحابہؓ کے وظائف مقرر کیے تو حضرت ابوالدرداءؓ کا وظیفہ اصحابِ بدر کے برابر مقرر کیا حالانکہ وہ اصحابِ بدر میں داخل نہ تھے۔ ادھر حضرت ابوالدرداءؓ کا یہ حال تھا کہ وظیفہ کی خطیر رقم خیرات کر دیتے تھے اور خود زاہدانہ زندگی بسر کرتے تھے۔

اُن کی اہلیہ اُمّ الدرداءؓ سے روایت ہے کہ میں نے ابوالدرداءؓ سے کہا کہ کیا بات ہے تم مال و منصب کیوں نہیں طلب کرتے جس طرح کہ فلاں اور فلاں طلب کرتے ہیں۔ انہوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سے سُنا ہے کہ تمہارے آگے ایک بڑی دشوار گھاٹی ہے اس کو گراں بار اور زیادہ بوجھ والے آسانی سے پار نہ کر سکیں گے اس لیے میں یہی پسند کرتا ہوں کہ اس گھاٹی کو عبور کرنے کے لیے ہلکا پھلکا رہوں (اس وجہ سے اپنے لیے مال و منصب طلب نہیں کرتا)"

(شعب الایمان للبیہقی)

⑤

حضرت عثمان ذوالنورینؓ کے عہدِ خلافت میں حضرت امیر معاویہؓ والیٔ شام نے امیر المومنین کی منظوری سے حضرت ابوالدرداءؓ کو دمشق کا قاضی مقرر کیا۔ دمشق میں یہ قضا کا پہلا عہدہ تھا۔ امیر معاویہؓ حضرت ابوالدرداءؓ کو اس قدر مانتے تھے کہ جب کبھی دمشق سے باہر تشریف لے جاتے تو ان کو اپنا قائم مقام بنا جاتے تھے۔ قضا کی خدمت وہ عرصہ تک انجام دیتے

رہے لیکن ان کا اصل دائرۂ کار کلام اللہ اور حدیث نبوی کی تعلیم و اشاعت تھا۔ دمشق میں انہوں نے ایک مستقل حلقۂ درس قائم کر رکھا تھا۔ جب درس دینے کے لیے جامع مسجد میں آتے تھے تو ان کے ساتھ طلبہ کا اس قدر ہجوم ہوتا تھا جیسے کسی بادشاہ کے ساتھ ہوتا ہے۔ درس میں دور دور سے لوگ آ کر شریک ہوتے تھے اور طلبہ کی تعداد اکثر سینکڑوں سے متجاوز ہوتی تھی۔ ایک دن شمار کیا گیا تو سولہ سو طلبہ حلقۂ درس میں شریک تھے۔ روز کا یہ معمول تھا کہ فجر کی نماز سے فارغ ہو کر درس کے لیے بیٹھ جاتے، شاگرد ان کے گرد حلقہ بنا لیتے اور مسائل پوچھتے وہ ہر ایک کو جواب دے کر اس کی تشفی کر دیتے تھے۔ درس قرآن کے لیے انہوں نے متعدد مدرسین کو بھی اپنی مدد کے لیے مقرر کر رکھا تھا۔ قاعدہ یہ تھا کہ نمازِ فجر کے بعد دس دس طلبہ کی الگ الگ جماعت بنا دیتے تھے اور ہر جماعت کو ایک قاری مدرس کے سپرد کر دیتے تھے۔ قاری قرآن پڑھاتے اور خود ٹہلتے جاتے لیکن پڑھنے والوں کی طرف کان برابر لگے رہتے جہاں غلطی ہوتی بتا دیتے۔ جب کسی طالب علم کو پورا قرآن یاد ہو جاتا تو اس کو براہِ راست اپنی شاگردی میں لے لیتے۔ مدرسین اگر طلبہ کے کسی سوال کا جواب نہ دے سکتے تو حضرت ابوالدرداءؓ کی طرف رجوع کرتے۔ ان کے ماتحت مدرسین قراء بھی بڑے اونچے درجے کے بزرگ تھے۔ ان میں خلیفہ بن سعدؒ، خالد بن سعدانؒ، ابن عامر یحصبیؒ اور راشد بن سعدؒ کے اسمائے گرامی خصوصیت سے قابلِ ذکر ہیں۔

قرآن کریم کی تفسیر میں خاص ملکہ حاصل تھا۔ اگر کوئی شخص کسی آیت کی تفسیر کے متعلق سوال کرتا تو نہایت شافی جواب دیتے تھے۔

قرآنِ حکیم کے بعد حدیث کا درجہ ہے۔ حضرت ابوالدرداءؓ کا پایۂ علمی اس میں بھی بہت بلند تھا۔ ان سے ۱۷۹ احادیث مروی ہیں۔ ان میں سے ۱۳ میں بخاری اور ۸ میں مسلم منفرد ہیں۔ انہوں نے بیشتر حدیثیں رسولِ اکرم

صلی اللہ علیہ وسلم سے براہِ راست روایت کی ہیں، البتہ بعض روایتیں اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ اور حضرت زیدؓ بن ثابت کے حوالے سے بھی بیان کی ہیں۔ ان کے راویانِ حدیث میں حضرت انسؓ بن مالک (خادمِ رسول اللہؐ)، حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت ابو امامہؓ، حضرت فضالہؓ بن عبید اور حضرت اُم الدرداءؓ (اہلیہ) شامل ہیں۔

مشہور تلامذہ میں حضرت سعید بن مسیبؒ، حضرت ابوادریس خولانیؒ، حضرت ابوسلمہؒ بن عبدالرحمٰنؒ، حضرت محمد بن سیرینؒ، حضرت محمد بن کعبؒ، حضرت علقمہ بن قیسؒ، حضرت جبیر بن نفیرؒ، حضرت صفوان بن عبداللہؒ، حضرت ابوحبیبہ طائیؒ اور حضرت کثیر بن قیسؒ کے اسمائے گرامی قابلِ ذکر ہیں۔

حدیث سننے کا بھی بے حد اشتیاق تھا۔ ان کے ہمعصر ایک صحابی حضرت ابن الحنظلیہؓ تھے۔ وہ ایک خاموش اور گوشہ نشین آدمی تھے۔ ایک دن وہ حضرت ابوالدرداءؓ کے پاس سے ہو کر گزرے تو انہوں نے اُن کو دیکھ کر کہا:

"کچھ فرمایئے جو ہم کو نفع دے اور آپ کے لیے مضر نہ ہو۔"

انہوں نے ایک حدیث بیان کی۔ حضرت ابوالدرداءؓ اس قدر خوش ہوئے کہ سر اٹھا کر کہا "آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سنا ہے۔" اور بار بار اس جملے کو دہراتے رہے۔ اسی طرح وہ متعدد بار ان کے پاس سے گزرے اور ہر بار انہوں نے ان سے کوئی کلمۂ نافعہ سنانے کی درخواست کی۔ حضرت ابن الحنظلیہؓ نے ہر مرتبہ ایک حدیث بیان کردی۔

(مسند ابو داؤد)

ایک مرتبہ ایک مجلس میں بیٹھے تھے جس میں حضرت عبادہؓ بن صامت انصاری بھی موجود تھے۔ احادیث کا ذکر آیا تو حضرت ابوالدرداءؓ نے حضرت عبادہؓ بن صامت سے پوچھا، فلاں غزوہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خمس کے متعلق کچھ ارشاد فرمایا تھا، آپ کو یاد ہے؟

حضرت عبادہؓ نے پورا واقعہ بیان کیا تو حضرت ابوالدرداءؓ بہت مسرور ہوئے ——— حضرت ابوالدرداءؓ سے مروی چند احادیث ملاحظہ ہوں :

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

① " میری خوشنودی چاہتے ہو تو غربا کی خبر گیری کرو پھر فرمایا کہ تم اللہ کی مدد اور اس کے رزق کے بھی مستحق ہو سکتے ہو جبکہ تم غربا کی خبر گیری کرو ۔" (مسند ابوداؤد)

② " قیامت کے روز اچھے اخلاق سے زیادہ کسی کام کا ثواب نہ ہوگا اور اللہ تعالیٰ ، بے حیائی کو اور فضول باتیں کرنے والوں کو نہایت ناپسند کرتا ہے ۔" (ترمذی)

③ " جس نے اپنے مسلمان بھائی کی عزت کا دفاع کیا ، اللہ اس کے چہرے کو دوزخ کی آگ سے بچائے گا ۔" (مسلم)

④ " جو شخص علم کی تلاش میں کسی راستہ پر گیا اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت کا راستہ آسان کر دے گا اور علم کے طالب کے لیے تو فرشتے اپنے پر بچھاتے ہیں اور عالم کے لیے آسمان و زمین کی مخلوق اللہ سے بخشش کی طلب گار رہے اور عالم کی فضیلت عابد پر ویسی ہے جیسے چاند کی دوسرے ستاروں پر اور علماء انبیاء کے وارث ہیں اور اللہ کے نبی درہم و دینار ورثہ میں نہیں چھوڑا کرتے وہ لوگوں کو اپنے علم کا وارث بناتے ہیں جس نے ان کا علم حاصل کر لیا بڑی دولت کا مالک بن گیا ۔" (جامع بیان العلم وفضلہ ۔ ابن عبدالبرؒ)

⑤ " وہ بہترین کپڑا جسے پہن کر تمہیں اپنی قبروں اور مسجدوں میں اللہ سے ملنا چاہیے سفید کپڑا ہے ۔" (ابن ماجہ)

⑥ " جو مسلمان اپنے مسلمان بھائی کی پیٹھ پیچھے اس کے لیے دعا کرتا ہے تو اس کو بھی اس دعا کے برابر ثواب ملے گا ۔" (صحیح مسلم)

⑦ " جب کوئی بندہ کسی چیز پر لعنت کرتا ہے تو لعنت آسمان کی طرف

جاتی ہے آسمان کے دروازے بند کیے جاتے ہیں پھر زمین کی طرف آتی ہے اس کے دروازے بھی بند کیے جاتے ہیں۔ پھر دائیں بائیں پھرتی ہے جب کوئی جگہ نہیں ملتی تو اس شے کی طرف پھرتی ہے جس پر لعنت کی گئی تھی اگر وہ اس کے لائق ہے (تو اس پر پڑتی ہے) ورنہ لوٹ کر لعنت کرنے والے کی طرف آتی ہے۔"

(ابوداؤد)

(۸) "خدا کے نزدیک قیامت کے دن مرتبہ کے اعتبار سے سب سے بُرا شخص وہ عالِم ہو گا جس کے عِلم سے کسی کو نفع حاصل نہ ہو۔"

(دارمی)

(۹) "کسی کو خدا کا شریک قرار نہ دو اگرچہ تمہارے جسم کے ٹکڑے کر دیئے جائیں اور تمہیں آگ میں جلا دیا جائے اور یہ کہ فرض نماز کو جان کر نہ چھوڑو اس لیے کہ جس نے فرض نماز کو دانستہ ترک کیا اس سے اسلام بری الذمہ ہے اور شراب مت پیو اس لیے کہ شراب تمام برائیوں کی کنجی ہے۔" (ابن ماجہ)

(۱۰) " اللہ تعالیٰ نے اپنے ہر ایک بندے کے متعلق پانچ باتوں سے فراغت حاصل کر لی ہے۔ (یعنی ان پانچ باتوں کو اس کی تقدیر میں لکھ چکا ہے) اس کی موت (یعنی عمر) اس کا عمل (نیک یا بد) اس کے رہنے کی جگہ، اس کی واپسی کی جگہ اور اس کا رزق۔" (مُسندِ احمد)

تفقہ فی الدین میں بھی حضرت ابوالدرداءؓ بہت بلند مقام رکھتے تھے۔ لوگ دُور دُور سے شرعی مسائل پوچھنے کے لیے ان کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔ ایک مرتبہ ایک صاحب کوفہ سے دمشق اس مسئلہ پر ان کا فتویٰ لینے کے لیے حاضر ہوئے کہ ایک شخص شادی پر رضامند نہیں تھا لیکن

اس کی والدہ نے جبراً شادی کر دی۔ شادی کے بعد میاں بیوی ایک دوسرے سے بہت محبت کرنے لگے۔ اب والدہ نے بیٹے کو حکم دیا کہ اپنی بیوی کو طلاق دے دو لیکن بیٹا اس پر راضی نہیں ہے کیونکہ بیوی کو طلاق دینے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ حضرت ابوالدرداءؓ نے فرمایا، میں اس صورت میں کوئی فتویٰ دینا مناسب نہیں سمجھتا۔ شوہر کو اختیار ہے کہ بیوی کو رکھے یا طلاق دے دے۔ البتہ اتنا ملحوظ رہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا ہے کہ ماں کے قدموں کے نیچے جنت ہے۔

ایک مرتبہ ان کے شاگرد ابو حبیبہ طائیؒ نے دریافت کیا کہ میرے بھائی نے چند دینار راہ خدا میں صرف کرنے کے لیے مجھے دیئے تھے۔ بھائی اب فوت ہو گئے ہیں آپ بتایئے کہ اس رقم کا بہترین مصرف کون سا ہے؟

حضرت ابوالدرداءؓ نے فرمایا: "میرے نزدیک ان کو مجاہدین کی ضرورتوں پر صرف کرنا سب سے بہتر ہے۔"

وہ بڑی سے بڑی شخصیت کے سامنے بھی شرعی مسائل بے باکی سے بیان کر دیتے تھے۔ ایک مرتبہ امیر معاویہؓ نے چاندی کا کوئی برتن خریدا جس کی قیمت میں چاندی کے وزن سے کچھ کم یا زیادہ روپے مالک کو دیئے۔ حضرت ابوالدرداءؓ نے فوراً ٹوکا کہ "معاویہ! یہ درست نہیں، رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے چاندی سونے میں برابر سرابر کا حکم دیا ہے۔"

اس قسم کے استفتا اور مسائل اکثر ان کے سامنے پیش ہوتے رہتے تھے اور وہ قرآن و حدیث کی روشنی میں کسی رو رعایت کے بغیر اپنی رائے دیتے تھے۔

(۶)

سن ۳۲ہجری میں حضرت ابوالدرداءؓ علیل ہو گئے۔ علالت میں روز بروز اضافہ ہوتا گیا یہاں تک کہ جانبری کی امید نہ رہی۔ اسی زمانے

میں حضرت یوسف بن عبداللہ رضؓ بن سلام تحصیلِ علم کے ارادے سے ان کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ پوچھا، کیسے آئے ؟

حضرت یوسف رضؓ نے ان کی شدید علالت کے پیشِ نظر اپنا مقصد بیان کرنا خلافِ مصلحت سمجھا اور کہا، میرے والد کے آپ سے جو مخلصانہ تعلقات تھے ان کو یاد کر کے زیارت کے لیے آیا ہوں۔

حضرت ابوالدرداءؓ اپنی فراست سے بھانپ گئے کہ وہ اپنے اصل مقصد کو چھپا گئے ہیں۔ اُن کو اپنا خُرد سمجھتے ہوئے فہمائش کی کہ جھوٹ بولنا بڑی بُری بات ہے لیکن جو شخص استغفار کرلے معاف ہو جاتا ہے۔

حضرت یوسف رضؓ نے خلافِ واقعہ بات محض اس لیے کہی تھی کہ ان کی رضؓ طبیعت پر بوجھ نہ پڑے اور وہ زیادہ علیل نہ ہو جائیں لیکن جب حضرت ابوالدرداءؓ نے ان کو فہمائش کی تو وہ بار بار استغفار کرنے لگے اور حضرت ابوالدرداءؓ ان سے راضی ہو گئے۔

وفات سے کچھ دیر پہلے زار و قطار رونے لگے۔ ام الدرداءؓ (اہلیہ) نے کہا، آپ صحابی ہو کر روتے ہیں آخر آپ کو خوف ہی کیا ہے ؟

فرمایا، معلوم نہیں گناہوں سے کیسے نجات حاصل ہو گی۔ اسی حالت میں اپنے فرزند بلال کو بُلا بھیجا، وہ آئے تو فرمایا، بلال دیکھو ایک دن تم کو بھی اس منزل سے گزرنا ہے۔ اس وقت کے لیے کچھ کر رکھنا۔ وفات کا وقت بالکل قریب آیا تو جزع فزع میں اور اضافہ ہو گیا۔ اسی حالت میں حضرت یوسف بن عبداللہؓ بن سلام کو (جو وہیں مقیم تھے) بُلا کر فرمایا کہ لوگوں کو میری موت کی اطلاع دے دینا۔ اہلیہ نے جو پاس بیٹھی ہوئی تسکین دے رہی تھیں کہا، آپ تو موت کو بہت محبوب رکھتے تھے پھر یہ رونا کیسا ؟ فرمایا یہ سچ ہے لیکن جس وقت سے موت کا یقین ہوا خوفِ الٰہی سے دل قابو میں نہیں ہے۔ یہ کہہ کر روئے اور پھر فرمایا، یہ میرا وقتِ آخر ہے، کلمہ پڑھاؤ۔ چنانچہ اہلِ خانہ

کلمہ کی تلقین کرتے رہے اور وہ اس کو دہراتے رہے یہاں تک کہ طائرِ روح قفسِ عنصری سے پرواز کر گیا اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

مُسندِ احمد بن حنبل میں ہے کہ ابھی انہوں نے دم نہیں دیا تھا کہ لوگوں میں ان کی وفات کی خبر مشہور ہو گئی۔ یہ خبر سنتے ہی ہزاروں لوگ بادیدۂ گریاں ان کے مکان پر پہنچ گئے۔ اس وقت فرمایا، مجھے یہاں سے اٹھا کر باہر لے چلو، لوگ اٹھا کر باہر لائے تو اپنی ساری قوت مجتمع کر کے بیٹھ گئے اور تمام مجمع کو مخاطب کر کے ایک حدیث بیان کی۔ اس کے معاً بعد ان پر حالتِ نزع طاری ہو گئی اور انہوں نے پیکِ اجل کو لبیک کہا۔

حضرت ابوالدرداءؓ نے اپنی زندگی میں دو شادیاں کیں۔ ایک بیوی کا نام خیرۃ بنتِ ابی حدرد اسلمیؓ تھا۔ دوسری کا نام ہیجمہ بنت حی وصابیہ تھا۔ دونوں بیویوں کی کنیت اُمِّ الدرداءؓ تھی البتہ تخصیص کے لیے پہلی بیوی کو اُمِّ الدرداء کبریٰ اور دوسری کو اُمِّ الدرداء صغریٰ کہا جاتا ہے۔

اُمِّ الدرداء کبریٰؓ کو شرفِ صحابیت حاصل تھا۔ وہ نہایت دانا اور عبادت گزار خاتون تھیں اور علم و فضل کے اعتبار سے بھی ان کا مرتبہ بہت بلند تھا۔ ان سے بہت سی احادیث مروی ہیں۔

اُمِّ الدرداء صغریٰ صحابیہ نہیں تھیں وہ جلیل القدر شوہر کی وفات کے بعد عرصہ تک زندہ رہیں۔ فنِ قرأت میں یگانۂ روزگار تھیں۔ یہ فن انہوں نے اپنے شوہر سے سیکھا تھا۔ ایک روایت میں ہے کہ امیر معاویہؓ نے ان کو نکاحِ ثانی کا پیام دیا تھا لیکن وہ اس پر رضامند نہ ہوئیں۔ اولاد میں دو لڑکے اور دو لڑکیاں تھیں ان کے نام یہ ہیں:

بلالؒ، یزیدؒ، درداءؒ، نسیبہؒ

ان میں سے بلالؒ اور درداءؒ بہت مشہور ہیں۔ ابو محمد بلالؒ عرصہ تک دمشق کے قاضی رہے۔ عبدالملک نے اپنے عہدِ حکومت میں انہیں

اس عہدے سے سبکدوش کر دیا۔ ۹۲ھ میں وفات پائی۔
درداءؓ مشہور تابعی حضرت صفوانؒ بن عبداللہ (بن صفوانؓ بن امیہ بن خلف) قرشی سے منسوب تھیں۔ یہی درداء تھیں جن کے نام پر حضرت عمیرؓ بن زید (والد) نے اپنی کنیت ابوالدرداء رکھی تھی اور حقیقی اور سوتیلی ماؤں نے بھی اپنی کنیت اُمّ الدرداء رکھی تھی۔

(۷)

حضرت ابوالدرداءؓ کے گلشنِ اخلاق میں سلامتیٔ طبع، خشیتِ الٰہی، زہد و فقر، شغفِ عبادت، حق گوئی، رحمدلی، مہمان نوازی، امر بالمعروف و نہی عن المنکر اور اتباعِ سُنّت سب سے خوش رنگ پھول ہیں۔ ان کا علم و فضل ان محاسنِ اخلاق پر مستزاد تھا اس طرح وہ ایک ایسی دلآویز شخصیت بن گئے تھے جن کا چھوٹے، بڑے، برابر والے، حاکم اور محکوم سبھی احترام کرتے تھے۔ فقیہ الاُمّت حضرت عبداللہ بن عمرؓ ان کو عالم باعمل کہا کرتے تھے۔ حضرت ابو ذر غفاریؓ کے نزدیک وہ دُنیا کے سب سے بڑے عالم تھے۔ حضرت معاذ بن جبلؓ نے وفات کے وقت لوگوں کو وصیت کی کہ علم ابوالدرداءؓ سے سیکھنا کیونکہ ان کے پاس علم ہے۔ جلیل القدر تابعی حضرت مسروقؒ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے تمام صحابہ کا علم چھ اصحاب میں مجتمع پایا جن میں ایک ابوالدرداءؓ ہیں۔

حضرت ابوالدرداءؓ کا دل وفورِ علم کی وجہ سے خشیتِ الٰہی سے معمور رہتا تھا۔ ایک دن منبر پر کھڑے ہو کر خطبہ دیا اور فرمایا:

" لوگو! میں اُس دن سے بہت ڈرتا ہوں جب اللہ تعالیٰ مجھ سے پوچھے گا کہ تم نے اپنے علم کے مطابق کیا عمل کیا؟ قرآنِ مجید کی ہر آیت میرے اعمال کی شہادت دے گی۔ جب مجھ سے پوچھا

جائے گا کہ کیا تم نے اوامر کی پابندی کی تو آیاتِ امر کہیں گی کہ اس نے کچھ نہیں کیا۔ پھر دریافت کیا جائے گا کہ نواہی سے کہاں تک اجتناب کیا، آیاتِ نہی کہیں گی، بالکل نہیں۔ لوگو کیا اس وقت میری نجات ہو جائے گی ؟"

قبول اسلام کے بعد ان کی زندگی میں یکسر انقلاب آگیا اور طبیعت پر زہد و فقر کا غلبہ ہو گیا۔ اچھا بھلا تجارتی کاروبار تھا اس کو محض اس لیے چھوڑ دیا کہ زیادہ سے زیادہ وقت تحصیل علم اور عبادت کے لیے نکال سکیں اور ایسے احتمالات سے بھی محفوظ رہ سکیں جو محاسبۂ آخرت کا باعث ہوں۔ زہد کی انتہا یہ تھی کہ اہلِ خانہ سے بھی بے نیاز ہو چکے تھے۔ سارا سارا دن روزہ رکھتے تھے اور ساری ساری رات نوافل پڑھتے رہتے تھے۔ ایک مرتبہ ان کے مواخاتی بھائی حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ ملاقات کے لیے ان کے گھر آئے۔ بھاوج کو معمولی وضع اور اُجڑی ہوئی حالت میں دیکھا تو اس کا سبب پوچھا وہ بولیں:

"تمہارے بھائی ابو الدرداء تو دنیا سے بے نیاز ہو چکے انہیں اب اپنے اہلِ خانہ کی کوئی پروا نہیں۔"

اتنے میں حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ بھی تشریف لے آئے۔ تپاک سے ملے اور حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کے سامنے کھانا رکھا۔ انہوں نے کہا، آپ بھی میرے ساتھ شریک ہوں۔ بولے، میں روزہ سے ہوں۔ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے اصرار کیا کہ خدا کی قسم آپ کو میرے ساتھ کھانا ہو گا ورنہ میں بھی نہ کھاؤں گا۔ مجبور ہو گئے۔ رات کو حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے انہی کے گھر قیام کیا۔ عشاء کے بعد حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ نے سونے کے بجائے پھر نماز (نوافل) میں مشغول ہونا چاہا تو حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے ہاتھ پکڑ لیا اور کہا:

"بھائی آپ پر خدا کا بھی حق ہے، بیوی کا بھی حق ہے، اپنے

جسم کا بھی حق ہے۔ آپ کو ان سب کے حقوق ادا کرنے چاہئیں۔" یہ سن کر وہ سونے کے لیے لیٹ گئے۔ رات کے پچھلے پہر دونوں تہجد کے لیے اٹھے تہجد ادا کی اور پھر نمازِ فجر کے لیے مسجد نبوی گئے۔ نماز کے بعد حضرت ابوالدرداءؓ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ سلمان نے مجھ سے یہ اور یہ کہا ہے۔ حضورؐ نے فرمایا، سلمان نے جو کہا وہ درست ہے۔ وہ تم سے زیادہ فہیم ہیں۔ (صحیح بخاری)

قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ اس واقعہ کے بعد ان کی زندگی بڑی حد تک اعتدال پر آگئی۔ پھر بھی وہ معمول سے زیادہ عبادت کرتے تھے۔ نماز پنجگانہ کے علاوہ رات کو کثرت سے نوافل پڑھتے تھے۔ سفر ہو یا حضر چاشت کی نماز کا خاص التزام تھا۔ ہر فرض نماز کے بعد ۳۳ مرتبہ سبحان اللہ، ۳۳ مرتبہ الحمد للہ اور ۳۴ مرتبہ اللہ اکبر پڑھتے تھے۔ رمضان کے روزوں کے علاوہ ہر ماہ تین نفلی روزے ضرور رکھتے۔

ایک دن حضرت ابوالدرداءؓ اور کچھ دوسرے صحابہ بارگاہِ رسالت میں حاضر تھے کہ حضورؐ نے فرمایا، جو شخص سچے دل سے توحید کا قائل ہو وہ جنتی ہے۔ حضرت ابوذر غفاریؓ نے عرض کیا، خواہ اس نے چوری اور زنا کا ارتکاب کیا ہو۔ حضورؐ نے فرمایا: "ہاں" حضرت ابوالدرداءؓ نے بھی یہ بات تین مرتبہ پوچھی، جب ہر مرتبہ "ہاں" میں جواب ملا تو وہ یہ بشارت دوسرے لوگوں کو سنانے چلے۔ راستے میں حضرت عمر فاروقؓ مل گئے ان سے واقعہ بیان کیا تو انہوں نے فرمایا، اس بات کو اپنے تک ہی رہنے دو ورنہ لوگ عمل چھوڑ بیٹھیں گے۔ حضرت ابوالدرداءؓ نے واپس آکر حضورؐ کی خدمت اقدس میں حضرت عمرؓ کے مشورے کا ذکر کیا تو آپؐ نے فرمایا، عمرؓ نے صحیح کہا۔ (مسندِ احمد)

حق گوئی اور بے باکی کی عجیب شان تھی۔ امیر معاویہؓ نے حضرت ابوذر غفاریؓ

کو اس بنا پر شام سے جلا وطن کر دیا کہ بعض مسائل میں ان کے مسلک میں انتہائی شدت تھی۔ حضرت ابو الدرداءؓ کو ان کی جلا وطنی سے بہت دُکھ ہُوا اور انہوں نے بڑے جوش سے فرمایا:

"الٰہی ان لوگوں نے ابوذر کو جھٹلایا لیکن میں نہیں جھٹلاتا، ان لوگوں نے ان کو جلا وطن کیا لیکن میں اس مشورے میں شریک نہیں ہُوا کیونکہ میں جانتا ہوں کہ رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم ان کو بہت محبوب جانتے تھے۔ خدا کی قسم اگر ابوذر میرا ہاتھ بھی کاٹ ڈالیں تو بھی ان سے بغض نہ رکھوں۔ میں نے خود اپنے کانوں سے رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے سنا تھا کہ آسمان کے نیچے اور زمین کے اوپر ابوذر سے بڑھ کر سچا کوئی نہیں۔"

اہلِ سِیَر کا بیان ہے کہ وہ امیر معاویہؓ (والئ شام) کی کسی بات کو درست نہ سمجھتے تو ان کو بھرے دربار میں ٹوک دیتے۔ حضرت معاویہؓ بڑے بُردبار تھے۔ خندہ پیشانی سے ان کی باتیں سُنتے اور ان کی صالحیت کا برملا اعتراف کرتے۔ نرم مزاجی اور رحمدلی میں بھی حضرت ابو الدرداءؓ اپنی مثال آپ تھے۔ ایک مرتبہ دمشق میں مقیم ایک قرشی نے ایک انصاری کا دانت توڑ دیا۔ امیر معاویہؓ کے سامنے مقدمہ پیش ہوا تو انہوں نے قرشی کو مجرم ٹھہرایا۔ قرشی نے کہا کہ پہلے انصاری نے میرے دانت پر چوٹ لگائی تھی۔ امیر معاویہؓ نے انصاری کو راضی کرنے کی کوشش کی لیکن وہ قصاص لینے پر مُصر تھے۔ حضرت ابو الدرداءؓ بھی وہاں موجود تھے، انہوں نے ایک حدیث بیان کی کہ اگر کوئی شخص جسمانی صدمہ پہنچنے پر صدمہ پہنچانے والے کو معاف کر دے تو اللہ تعالیٰ اس کے گناہ معاف کرتا ہے اور اس کا مرتبہ بلند کرتا ہے۔

یہ حدیث سنتے ہی انصاری کا غصہ کافور ہو گیا اور انہوں نے حضرت ابو الدرداءؓ سے پوچھا: —— "کیا یہ آپ نے خود رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم

سے سُنا تھا۔" انہوں نے فرمایا، " ہاں "
انصاری نے کہا:
" تو پھر میں معاف کرتا ہوں اور قصاص سے دست بردار ہوتا ہوں"
(مُسندِ احمد)

ایک دن کہیں جا رہے تھے کہ راستے میں کچھ لوگوں پر نظر پڑی وہ ایک شخص کو گالیاں دے رہے تھے۔ سبب پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ اس نے فلاں گناہ کیا ہے۔ حضرت ابو الدرداءؓ نے فرمایا:

" اگر کوئی شخص کنوئیں میں گر پڑے تو اس کو نکالنا چاہیے۔ گالیاں دینے سے کیا حاصل؟ اللہ کا شکر ادا کرو کہ اس نے تمہیں اس گناہ سے بچایا ہے۔"

لوگوں نے کہا: " کیا آپ کے نزدیک یہ شخص بُرا نہیں ہے؟"
فرمایا: " فطری طور پر تو یہ شخص بُرا نہیں ہے البتہ اس نے جو فعل کیا وہ بُرا ہے۔ اگر اسے چھوڑ دے تو میرا بھائی ہے۔" (اُسُدُ الغابہ)

بڑے کشادہ دل اور مہمان نواز تھے۔ اپنی زندگی تو زاہدانہ تھی لیکن مہمانوں کی دل کھول کر خدمت کرتے تھے۔ مہمان اکثر آتے رہتے تھے۔ ان میں سے بعض کئی کئی ہفتے ان کے ہاں قیام کرتے۔ جب کوئی مہمان آتا تو اس سے پوچھ لیتے کہ کب تک قیام کا ارادہ ہے۔ اگر اس کو ٹھہرنا ہوتا تو خوشدلی سے اس کی میزبانی کرتے اور اگر اس کو جلد جانا ہوتا تو مناسب زادِ راہ دے کر رخصت کرتے۔ حضرت سلمان فارسیؓ شام آتے تو ہمیشہ انہی کے ہاں قیام کرتے۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا خاص اہتمام تھا۔ نہایت احسن طریقے سے لوگوں کو نیکی کی تلقین کرتے اور برائی سے روکتے تھے لیکن جب دیکھتے کہ لوگوں کا طرزِ معاشرت بدل گیا ہے اور ان میں عہدِ رسالت کا سا جوشِ ایمان نہیں رہا تو دل کڑھتا تھا۔ ایک دن بڑے غصے کے عالم میں گھر آئے۔ اہلیہ نے پوچھا،

کیا ہوا؟ فرمایا:

"خدا کی قسم رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کی ایک بات بھی باقی نہیں رہی۔ لوگ ہر بات سے غافل ہو گئے صرف نماز باجماعت پڑھتے ہیں ——"

خود اُن کو اتباعِ سُنّت کا بڑا اہتمام تھا۔ چھوٹی چھوٹی باتوں میں بھی جو کچھ حضورؐ کو کرتے دیکھا تھا اسی طرح کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ لوگوں سے ہمیشہ مسکرا کر بات کرتے۔ ان کی اہلیہ ہر بات پر تبسّم کو وقار کے منافی سمجھتی تھیں۔ ایک دن کہا:

"آپ ہر بات پر مسکراتے ہیں کہیں لوگ مذاق نہ اڑائیں۔"

فرمایا:

"میں نے خود رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کو مسکرا کر بات کرتے ہوئے دیکھا ہے۔"

طبیعت میں یبوست مطلق نہ تھی ہمیشہ ہشاش بشاش رہتے تھے اور ہر شخص سے خوش ہو کر ملتے تھے۔

سادہ مزاجی کی یہ کیفیت تھی کہ اپنے ہاتھ سے جامع دمشق میں پودے لگایا کرتے تھے، حالانکہ ہزاروں شاگرد اور عقیدت مند موجود تھے۔ ایک دن ایک شخص نے انہیں پودے لگاتے دیکھا تو حیران ہو کر کہا:

"آپ خود پودے لگاتے ہیں؟"

فرمایا:—— "اس میں تعجب کی کونسی بات ہے یہ تو بڑے ثواب کا کام ہے۔"

انکسار پسند ہونے کے باوجود بڑے خود دار اور مستغنی المزاج تھے۔ عبداللہ بن عامرؓ شام کے گورنر ہو کر آئے تو دمشق میں مقیم صحابہ ان سے اپنے وظائف لینے گئے لیکن حضرت ابوالدرداءؓ نے اسے اپنے

وقار کے خلاف سمجھا اور وظیفہ کی کچھ پروا نہ کی۔ عبداللہ بن عامرؓ وظیفہ لے کر خود ان کے مکان پر آئے اور کہا:

"آپ تو تشریف نہیں لائے میں خود ہی وظیفہ لے کر حاضر ہو گیا ہوں۔"

فرمایا:

"کیا تمہیں علم نہیں کہ تم سے زیادہ خدا کے نزدیک کوئی ذلیل نہ تھا۔ آج تم امیر شام بن گئے ہو تو کیا ہوا۔ میں نے رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے سنا ہے کہ جب امرا اپنی حالت بدل لیں تو تم بھی اپنے کو بدل لو۔" (کنز العمال)

غرض حضرت ابو الدرداءؓ کی زندگی کے جس پہلو کو بھی دیکھیں ـــ وہ مطلعِ انوار نظر آتا ہے۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہ
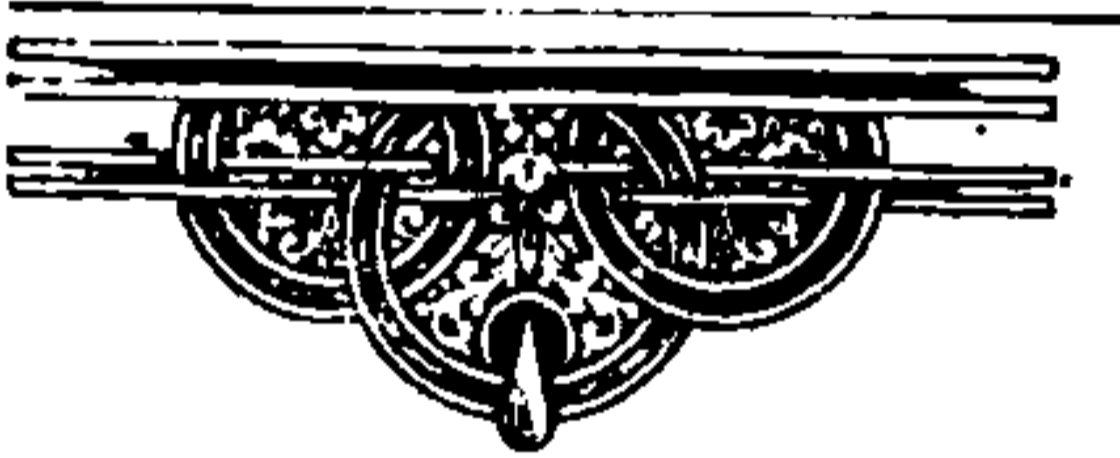
حضرت رافع رضؓ بن مالک زُرقی انصاری

۱

سلہ ۱۱ بعد بعثت کے موسم حج کا ذکر ہے کہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم معمول کے مطابق تبلیغ حق کے لیے منیٰ کی طرف تشریف لے گئے۔ وہاں حدِ نظر تک خیموں کا ایک شہر آباد تھا جن میں عرب کے گوشے گوشے سے حج کے لیے آنے والے مختلف قبائل کے لوگ ٹھہرے ہوئے تھے۔ جمرہ عقبہ کے قریب ایک خیمے میں چھ گورے چٹے وجیہ آدمی مقیم تھے، یہ لوگ مکہ سے تین سو میل دُور یثرب سے آئے تھے اور وہاں کے قبیلہ خزرج سے تعلق رکھتے تھے۔

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم ان لوگوں کے خیمے کے سامنے پہنچے تو آپؐ نے اُن کی آپس کی گفتگو میں معقولیت کی جھلک پائی۔ آپؐ وہیں رک گئے ان لوگوں کو سلام کیا اور پھر ان سے فرمایا:

"میں آپ لوگوں سے ایک بات کرنا چاہتا ہوں کیا آپ میری بات سنیں گے؟"

انہوں نے بیک زبان جواب دیا — "ضرور ضرور کہیے آپ کیا کہتے ہیں۔"

حضورؐ نے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کی اور ان لوگوں کو خدائے واحد پر ایمان لانے کی ترغیب دی ساتھ ہی ان کو بتایا کہ میں اللہ کا رسول ہوں اور خلقِ خدا کی ہدایت کے لیے مبعوث ہوا ہوں۔

ان لوگوں نے بڑے انہماک کے ساتھ آپؐ کے ارشادات سنے اور کہا — "آپ پر اللہ کا جو کلام نازل ہوا ہے وہ ہمیں سنائیے۔"

حضورؐ نے سورۂ ابراہیم کی تلاوت شروع کر دی۔ ابھی آپؐ نے چند ہی آیتیں پڑھی تھیں کہ وہ لوگ کلامِ الٰہی کی اثر آفرینی سے دم بخود ہو گئے۔ انہوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور بولے :۔

"خدا کی قسم یہ تو وہی نبی ہیں جن کا ذکر ہم آئے دن یہودِ یثرب سے سنتے رہتے ہیں۔ دیکھنا کہیں یہودی ان پر ایمان لانے میں ہم سے بازی نہ لے جائیں۔"

پھر انہوں نے بڑے اَدب کے ساتھ کہا :۔

"اے محمدؐ! ہم آپ کی دعوت کو سچے دل سے قبول کرتے ہیں اور گواہی دیتے ہیں کہ اللہ ایک ہے اس کے سوا کوئی پرستش کے لائق نہیں اور آپ اس کے رسولِ برحق ہیں۔ آپ فرمائیے کہ اس کے علاوہ آپ ہم سے کیا چاہتے ہیں؟"

سرورِ عالم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے فرمایا: "قریش نے میری دعوت کو جھٹلایا ہے، وہ میرے راستے میں طرح طرح کی رکاوٹیں ڈالتے ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ تم لوگ مجھے اپنے ہاں لے جاؤ، میرے دست و بازو بنو اور میری حفاظت کرو تاکہ میں زیادہ سے زیادہ لوگوں تک توحید کی دعوت پہنچا سکوں۔"

ان لوگوں نے کچھ دیر آپس میں مشورہ کیا اور پھر عرض پیرا ہوئے کہ :

"اے اللہ کے رسول! یہ تو ہماری خوش بختی ہو گی کہ آپ ہمارے ہاں تشریف لے آئیں ہم آپ کی تائید و حمایت میں یقیناً اپنی جانوں کی بازی لگا دیں گے لیکن یثرب کے حالات سازگار نہیں ہیں۔ ہمارے باہمی جھگڑوں اور عداوتوں نے فضا کو سخت مکدر کر رکھا ہے۔ ایسی فضا میں وہاں دینِ حق کے پھیلنے کا امکان بہت کم ہے۔ ہم آپس کے جھگڑے طے کر لیں اور زمین کچھ ہموار کر لیں تو پھر آپ کو یثرب تشریف لانے کی دعوت دیں گے اگر

اللہ نے چاہا تو ہم اگلے سال پھر آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوں گے۔"
حضورؐ کو ان کی صاف گوئی پسند آئی اور آپؐ نے فرمایا "بہت بہتر"
پھر ان اصحاب میں سے ادھیڑ عمر کے ایک صاحب آگے بڑھے اور عرض کیا:
"اے اللہ کے رسولؐ! اپنا مبارک ہاتھ لائیے میں اس پر اسلام کی بیعت کرتا ہوں۔"

حضورؐ نے اپنا دستِ مبارک آگے بڑھایا تو انہوں نے نہایت ادب اور محبت کے ساتھ آپؐ کی بیعت کی۔ ان کے پانچوں ساتھیوں نے بھی ان کی تقلید کی۔ حضورؐ ان اصحاب کی بیعت سے بہت خوش ہوئے۔ ان کو دعائے خیر سے نوازا اور واپس تشریف لے گئے۔

یہ خوش بخت یثربی جن کو سب سے پہلے قبولِ اسلام اور سید المرسلینؐ کی بیعت کا شرف حاصل ہوا حضرت رافعؓ بن مالک تھے[1]

---

[1] یہ بیان ابو نعیمؒ، ابن کلبیؒ اور ابن اثیرؒ کا ہے بعض دوسرے اہلِ سیر نے حضرت اسعدؓ بن زرارہ یا حضرت جابرؓ بن عبداللہ بن رئاب کو اس موقع پر سب سے پہلے بیعت کرنے والے ٹھہرایا ہے کسی ایک کو دوسروں پر فضیلت دینے کے بجائے ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ ان چھ اصحاب کو قبولِ اسلام کے معاملے میں اہلِ مدینہ میں امتیازی درجہ حاصل ہے حضرت رافعؓ کے علاوہ دوسرے پانچ اصحاب کے نام یہ ہیں:
حضرت عوفؓ بن عفراءؓ، حضرت قطبہؓ بن عامر، حضرت اسعدؓ بن زرارہ۔ حضرت عقبہؓ بن عامر۔ حضرت جابرؓ بن عبداللہ بن رئاب۔

ابنِ سعدؒ نے کچھ دوسری روایتوں کے علاوہ ایک روایت یہ بھی بیان کی ہے کہ حضرت رافعؓ بن مالک اس واقعہ (بیعت عقبہ ۱۱ سنہ نبوت) سے پہلے ہی مسلمان ہو چکے تھے وہ یوں کہ وہ ۱۱ سنہ نبوت سے پہلے حضرت معاذ بن عفراءؓ کے ساتھ عمرے کے لیے مکہ گئے۔ وہاں انہوں نے حضورؐ کا ذکر سنا تو آپؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کر لیا۔ ایسی ہی روایت حضرت اسعدؓ بن زرارہ اور حضرت ذکوانؓ بن عبد قیس کے بارے میں بھی بیان کی جاتی ہے حقیقتِ حال کچھ بھی ہو یہ امر مسلّم ہے کہ یہ سب اصحاب انصار کے "سابقون الاولون" میں شامل ہیں۔

(۲)

سیدنا ابو زناعہ رافعؓ بن مالک کا تعلق خزرج کی شاخ بنو زُریق سے تھا ان کی ایک کنیت ابو مالک بھی ہے۔ نسب نامہ یہ ہے:

رافع بن مالک بن عجلان بن عمرو بن عامر بن زُریق بن عامر بن عبدِ حارثہ بن مالک بن غضب بن جشم بن خزرج۔

حضرت رافعؓ کا شمار یثرب کے نہایت معزز رؤسا میں ہوتا تھا۔ وہ نہ صرف لکھنا پڑھنا جانتے تھے بلکہ تیر اندازی اور تیراکی میں بھی مہارت رکھتے تھے اس لیے "کامل" کے لقب سے مشہور تھے۔ ان کی اہلیہ اُمِّ مالکؓ، رئیس المنافقین عبداللہ بن اُبَی بن ابی سلول کی اخیافی بہن تھیں۔ حضرت رافعؓ کے قبولِ اسلام کے بعد وہ بھی مسلمان ہوگئیں اور شرفِ صحابیت حاصل کیا۔

حضرت رافعؓ ۱۱ سنہ بعدِ بعثت میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت سے مشرف ہوکر یثرب واپس آئے تو وہ اور ان کے مسلمان ساتھی نہایت سرگرمی سے اسلام کی تبلیغ میں مشغول ہوگئے۔ یوں چراغ سے چراغ جلنے لگا۔

اگلے سال (۱۲ سنہ بعدِ بعثت میں) حضرت رافعؓ گیارہ اصحاب کے ساتھ مکہ گئے اور دوبارہ حضورؐ کی بیعت کا شرف حاصل کیا۔ ان کے گیارہ ساتھیوں کے نام یہ ہیں:

حضرت اسعدؓ بن زرارہ۔ حضرت قطبہؓ بن عامر۔ حضرت عقبہؓ بن عامر۔ حضرت عوفؓ بن عفراء۔ حضرت ذکوانؓ بن عبدِ قیس۔ حضرت عبادہؓ بن صامت۔ حضرت عویمؓ بن ساعدہ۔ حضرت یزیدؓ بن ثعلبہ۔ حضرت عباسؓ بن عبادہ بن نضلہ۔ حضرت ابو الہیثمؓ بن التیہان۔ حضرت معاذؓ بن عفراءؓ۔

اس موقع پر حضورؐ نے اُن سے اِن باتوں پر بیعت لی:

ہم اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کریں گے، چوری نہ کریں گے، زنا

نہ کریں گے، اپنی اولاد کو قتل نہ کریں گے، کسی پر جھوٹا الزام نہ لگائیں گے، کسی امرِ معروف میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی نہ کریں گے، آپؐ کا حکم سُنیں گے اور مانیں گے خواہ ہم خوش حال ہوں یا تنگدست اور خواہ وہ حکم ہمیں گوارا ہو یا ناگوار اور خواہ ہم پر کسی کو ترجیح دی جائے اور ہم حکومت کے معاملے میں اربابِ حکومت سے جھگڑا نہ کریں گے اِلّا یہ کہ کھلا کھلا کفر دیکھیں اور ہر حال میں حق بات کہیں گے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پروا نہیں کریں گے۔

یہ بیعت لیتے وقت حضورؐ نے ان سے فرمایا کہ اگر تم نے ان باتوں کو پورا کیا تو تمہارے لیے جنت ہے اور اگر کسی نے ممنوع کاموں میں سے کوئی کام کیا اور وہ پکڑا گیا اور اس کو دنیا میں سزا دے دی گئی تو وہ اس کا کفارہ ہو گی اور اگر قیامت تک اس کے فعل پر پردہ پڑا رہ گیا تو اس کا معاملہ اللہ کے حوالے ہے چاہے سزا دے چاہے معاف کر دے۔

اربابِ سِیَر نے اس بیعت کو "بیعتِ نساء" کا نام دیا ہے کیونکہ اس بیعت کے الفاظ اس بیعت کے الفاظ سے بہت ملتے جلتے ہیں جو اس واقعہ کے کئی سال بعد سورہ ممتحنہ (آیت ۱۲) میں مسلمان عورتوں سے بیعت لینے کے لیے تجویز فرمائے گئے۔

(۳)

۱۲ سنہ بعد بعثت کی بیعتِ عَقَبہ کے بعد حضرت رافعؓ اور ان کے ساتھی مدینہ منورہ واپس گئے تو ان کو ایک ایسے مُعلّم کی ضرورت محسوس ہوئی جو لوگوں کو قرآن کی تعلیم دے اور ان کے اندر دین کی سمجھ پیدا کرے چنانچہ مسلمانانِ مدینہ کے ایماء پر حضرت رافعؓ بن مالک اور حضرت معاذؓ بن عفراء پھر مکہ آئے اور حضورؐ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر آپؐ سے درخواست کی کہ آپ کسی ایسے شخص کو ہمارے پاس مدینہ بھیجیں جو ہمیں دین سکھلائے۔ اس درخواست پر حضورؐ نے حضرت مُصعَبؓ بن عُمَیر کو مدینہ روانہ

کیا[1] حضرت مُصعَبؓ نے انصار کو نہ صرف قرآن پڑھایا اور دین کے احکام سکھائے بلکہ اسلام کی اشاعت کے لیے بھی زبردست جدوجہد کی۔ اس کام میں حضرت رافعؓ اور اُن کے رُفقاء نے حضرت مُصعَبؓ کا پورا پورا ہاتھ بٹایا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مدینہ کے گھر گھر میں اسلام پھیل گیا۔

سنہ ۱۳ بعد بعثت میں مدینہ کے ۷۵ اہلِ ایمان اس قافلے میں شریک ہو کر مکہ گئے جو اس سال مدینہ سے حج کے لیے مکّہ گیا۔ ان اصحاب نے عقبہ کی گھاٹی میں رات کے وقت سرورِ عالم صلی اللہ عَلَیہِ وَسَلَّم سے ملاقات کی اور اس عہد کے ساتھ آپؐ کو مدینہ تشریف لانے کی دعوت دی کہ ہم آپؐ کی ہر اُس چیز سے حفاظت کریں گے جس سے ہم خود اپنی جان اور اپنی آل و اولاد کی حفاظت کرتے ہیں۔

حضورؐ نے ان کی دعوت قبول فرمالی اور جلد مدینہ آنے کا وعدہ کیا۔ ان اصحاب نے بڑے ذوق و شوق سے حضورؐ کی بیعت کی اور پھر حضورؐ کے ارشاد کے مطابق اپنے میں سے بارہ نقیب منتخب کر لیے۔ ۹ خزرج میں سے اور ۳ اوس میں سے۔ ان نقیبوں میں ایک حضرت رافعؓ بن مالک تھے۔ اُن کو بنو زُرَیق کا نقیب بنایا گیا۔ نقیبوں کے انتخاب کے بعد حضورؐ

---

[1] یہ موسیٰ بن عُقبہؒ کی روایت ہے۔ طَبَریؒ اور ابن ہشامؒ نے ابن اسحاقؒ کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ حضورؐ نے حضرت مُصعَبؓ بن عُمیر کو سنہ ۱۲ نبوت کی بیعتِ عَقَبہ کے شُرکا کے ساتھ مدینہ منوّرہ بھیج دیا تھا لیکن بیہقی اور ابن سعد نے لکھا ہے کہ ان اصحاب نے مدینہ پہنچ کر حضورؐ کو خط لکھا تھا کہ ہمیں دین کی تعلیم دینے کے لیے کوئی آدمی بھیجیے۔ بہرصورت اس کام کے لیے حضورؐ نے حضرت مُصعَبؓ بن عُمیر ہی کو مدینہ منوّرہ بھیجا، اس پر سب اہلِ سِیَر کا اتفاق ہے۔

نے انصار سے فرمایا کہ اب تم اپنی اپنی قیام گاہوں کو لوٹ جاؤ۔ انہوں نے تعمیلِ ارشاد کی اور حج سے فارغ ہو کر مدینہ کو مراجعت کی۔

اہلِ سیر کا بیان ہے کہ اس وقت تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر مکہ میں جتنا قرآن نازل ہوا تھا، حضرت رافعؓ اس کو لکھ کر واپسی کے وقت ساتھ لیتے آئے اور بنو زریق کو جمع کر کے سنایا۔ اس سلسلے میں یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ بنو زُرَیق کی مسجد میں تمام مسجدوں سے پہلے قرآن مجید پڑھا گیا اور اس کو پڑھنے والے حضرت رافعؓ بن مالک تھے۔

ایک روایت یہ بھی ہے کہ حضرت رافعؓ بیعت کے بعد مکہ میں ٹھہر گئے اور جب سورۂ طٰہٰ نازل ہوئی تو لکھ کر مدینہ لائے۔ ایک اور روایت میں سورۂ یوسف کا نام لیا گیا ہے۔ صورتِ واقعہ کچھ بھی ہو حضرت رافعؓ کو یہ شرف حاصل ہے کہ ان کی بدولت بنو زُریق کو ہجرتِ نبوی سے پہلے ہی کلام الٰہی سُننے کی سعادت نصیب ہو گئی۔

سنہ ۲ ہجری میں غزوۂ بدر پیش آیا تو اس میں حضرت رافعؓ کے دو صاحبزادے حضرت رفاعہؓ اور حضرت خلادؓ بڑے جوش اور جذبے کے ساتھ شریک ہوئے۔

قاضی سلیمان منصور پوریؒ نے "اصحاب بدر" میں ان کے تیسرے بھائی مالک بن رافعؓ کو بھی شرکاءِ بدر میں شمار کیا ہے۔

خود ان کی اپنی شرکتِ بدر کے بارے میں اختلاف ہے بعض اربابِ سیر نے ان کو اصحابِ بدر میں شمار کیا ہے اور بعض نے شمار نہیں کیا[1] اگر وہ

---

[1] موسیٰ بن عُقبہ نے انہیں امام زہریؒ کے حوالے سے اصحاب بدر میں شامل کیا ہے جبکہ امام ابنِ اسحاقؒ نے انہیں اصحاب بدر میں شمار نہیں کیا۔

صحیح بخاری میں حضرت رافعؓ کا یہ قول نقل کیا گیا ہے:

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اس میں شریک نہ ہو سکے تو اس کا کوئی خاص سبب ہوگا ہو سکتا ہے بیمار ہوں یا اپنے صاحبزادوں کو بھیج دیا ہو اور خود گھر کی نگرانی کے لیے مدینہ میں ٹھہر گئے ہوں۔

غزوۂ اُحد (۳ھ) میں حضرت رافعؓ اپنے صاحبزادے حضرت رفاعہؓ کے ساتھ شریک ہوئے، اور کفارِ قریش کے خلاف بڑی بے جگری سے لڑے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے مقدر میں شہادت لکھ دی تھی، اسی غزوے میں جامِ شہادت پی کر خلدِ بریں کو سدھارے۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ)

ما یسرنی انی شھدت بدرا بالعقبة

(یعنی مجھے یہ خوش نہیں آتا کہ عقبہ کے مقابلے میں بدر میں شریک ہوتا)

ان کے اس قول سے بعض اہلِ سیر نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ وہ "غزوۂ بدر" میں شریک نہیں تھے۔

حضرت سہل بن سعدؓ ساعدی انصاری

①

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے ہجرت فرما کر مدینہ منورہ میں رونق افروز ہوئے تو ایک دن ایک صاحب ایک پانچ سالہ بچے کی انگلی پکڑے ہوئے بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا :

"یا رسول اللہؐ! یہ میرا لختِ جگر ہے۔"

حضورؐ نے بچے کے سر پر دستِ شفقت پھیرا اور پوچھا :

"اس کا نام کیا ہے ؟"

عرض کیا : "حُزن"

حضورؐ نے فرمایا: "نہیں آج سے اس کا نام سہل ہے"

والد نے عرض کیا : "بسر و چشم"

یہ سعادت مند بچے جن کا نام خود سید المرسلینؐ والانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے تبدیل کیا، حضرت سہل بن سعدؓ انصاری تھے۔

②

حضرت سہلؓ بن سعدؓ کا تعلق خزرج کی شاخ بنو ساعدہ سے تھا۔ اس لیے انہیں ساعدی بھی کہا جاتا ہے۔

نسب نامہ یہ ہے :

سہل بن سعد بن مالک بن خالد بن ثعلبہ بن حارثہ بن عمرو بن خزرج بن ساعدہ بن کعب بن خزرج اکبر۔

حضرت سہلؓ کی تین کنیتیں تھیں، ابو یحییٰ۔ ابو العباس اور ابو مالک۔ مشہور روایات کے مطابق وہ ہجرتِ نبویؐ سے تقریباً پانچ سال پہلے پیدا ہوئے۔ والد حضرت سعدؓ بن مالک سعید الفطرت آدمی تھے۔ ہجرتِ نبویؐ سے پہلے ہی شرفِ اسلام سے بہرہ ور ہو گئے۔ حضرت سہلؓ نے ہوش سنبھالا تو اپنے سارے گھرانے کو مسلمان پایا۔ ۲ ہجری میں غزوۂ بدر پیش آیا تو حضرت سہلؓ کی عمر سات برس کی تھی ان کے والد حضرت سعدؓ بن مالک غزوہ پر جانے کی تیاری کر رہے تھے کہ اچانک پیغامِ اجل آ پہنچا اور وہ نو عمر فرزند کو یتیم چھوڑ کر سفرِ آخرت پر روانہ ہو گئے۔ لڑائی ختم ہونے کے بعد حضورؐ نے دوسرے مجاہدین کی طرح حضرت سعدؓ بن مالک کا حصہ بھی لگایا کیونکہ وہ لڑائی میں شریک ہونے کا ارادہ کر چکے تھے۔

(۳)

غزوۂ اُحد (۳ھ) میں حضرت سہلؓ کی عمر آٹھ برس کی تھی رسولِ اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم لڑائی کے لیے اُحد کی طرف تشریف لے گئے تو حضرت سہلؓ نے دوسرے انصاری لڑکوں کے ساتھ مل کر شہر کی حفاظت کا فریضہ انجام دیا۔ مُسندِ احمد بن حنبل میں ہے کہ جب رسولِ اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے زخمی ہونے کی خبر مدینہ پہنچی تو حضرت سہلؓ بے تاب ہو کر میدانِ اُحد میں پہنچ گئے۔ حضورؐ کے زخم کو انہی کے سامنے دھویا گیا۔

۵ ہجری میں غزوۂ خندق کے وقت حضرت سہلؓ دس برس کے تھے لیکن اُن کے جوشِ ایمان کا یہ عالم تھا کہ بڑوں کے ساتھ مل کر خندق کھودتے تھے اور کاندھے پر مٹی اُٹھا اُٹھا کر لے جاتے تھے۔

صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی ایک حدیث سے تو یہ تاثر بھی ملتا ہے کہ وہ غزوۂ خیبر (محرم ۷ ہجری) میں بھی شریک تھے۔ یہ حدیث حضرت سہلؓ

سے مروی ہے اس میں وہ کہتے ہیں :

"غزوۂ خیبر کے دوران میں ایک دن رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا کہ کل میں پرچم ایک ایسے شخص کو دوں گا جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ سے محبت کرتا ہے اور اللہ اور رسول بھی اسے محبوب رکھتے ہیں اور اسی کے ہاتھوں اللہ خیبر فتح کرلے گا ——— رات بھر تمام صحابۂ کرامؓ اس مسئلہ پر غور و فکر اور سوچ بچار کرتے رہے کہ پرچم کس کو دیا جائے گا۔ دوسرے دن صبح کو تڑکے ہی صحابہ رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ ہر ایک کی خواہش تھی کہ جھنڈا اسے دیا جائے۔ حضورؐ نے حضرت علیؓ کے بارے میں دریافت فرمایا کہ وہ کہاں ہیں؟ عرض کیا گیا کہ ان کی آنکھوں میں تکلیف ہے۔ آپؐ کے حکم کے مطابق حضرت علیؓ کو بلوایا گیا۔ جب وہ حاضر خدمت ہوئے تو آپؐ نے اپنا لعاب دہن ان کی آنکھوں میں ڈالا اور دعا کی۔ حضرت علیؓ اسی وقت اس طرح تندرست ہو گئے گویا اُن کو کوئی تکلیف تھی ہی نہیں۔ پھر آپؐ نے حضرت علیؓ کو پرچم عطا فرمایا اور حکم دیا کہ اطمینان اور وقار کے ساتھ مجاہدین کو ساتھ لے کر چل پڑو اور خیبر کے سامنے جا کر دم لو۔ وہاں پہنچنے کے بعد سب سے پہلے انہیں اسلام کی دعوت دینا اور اللہ کے وہ حقوق بتانا جو از روئے اسلام ان پر عائد ہوتے ہیں۔ خدا کی قسم اگر ایک آدمی کو بھی تمہارے ذریعے ہدایت نصیب ہو گئی تو یہ امر تمہارے لیے سرخ اونٹوں کے حصول سے بہتر ہے۔"

صحیح مسلم کی ایک حدیث میں حضرت سہلؓ بن سعد نے ایک اور غزوے کا ایک واقعہ اس طرح بیان کیا ہے :

"رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی ایک غزوہ میں مشرکین سے مڈبھیڑ

ہو گئی اور حرب و قتال کا بازار خوب گرم ہوا۔ لڑائی کے بعد جب رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم اپنے لشکر کی طرف پلٹے اور کفار بھی اپنے لشکر کی طرف پلٹے تو اس وقت یہ بات سامنے آئی کہ حضورؐ کے اصحاب میں ایک شخص ایسا تھا جو دشمن کے جس شخص کو بھی اِکا دُکا پاتا اس کا تعاقب کر کے اپنی تلوار سے ہلاک کر دیتا۔ چنانچہ اس کی شجاعت اور مردانگی دیکھ کر لوگوں نے کہنا شروع کر دیا کسی نے بھی آج کی لڑائی میں ہم میں سے اس درجہ کفایت نہیں کی جتنی فلاں شخص نے ۔ اس پر رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا مگر وہ تو اہلِ دوزخ میں سے ہے۔

آپؐ کا ارشاد سُننے والوں میں سے ایک صاحب نے دل میں کہا میں اس شخص کے ساتھ ساتھ رہوں گا۔ (دوسرے دن لڑائی شروع ہوئی) تو وہ صاحب اس کے ساتھ ہی نکل گئے جہاں وہ کھڑا ہوتا یہ بھی کھڑے ہو جاتے اور جہاں وہ جلدی چلنے لگتا یہ بھی جلدی جلدی چلنے لگتے۔ ایک موقع پر وہ شدید زخمی ہو گیا۔ درد کی شِدّت سے مجبور ہو کر اس نے جلدی موت مانگ لی، اس طرح کہ تلوار زمین پر رکھ دی اور اس کی دھار کو اپنی چھاتی کے درمیان لا کر اپنا سارا بوجھ اس پر ڈال دیا اور اپنے آپ کو ہلاک کر ڈالا۔ یہ دیکھتے ہی وہ صاحب جو اس کے تعاقب میں تھے حضورؐ کے پاس گئے اور جاتے ہی کہنے لگے، میں گواہی دیتا ہوں کہ آپؐ اللہ کے رسول ہیں۔ آپؐ نے فرمایا، بات کیا ہے؟ انھوں نے کہا، وہ شخص جس کے متعلق آپ نے ابھی فرمایا تھا کہ وہ اہلِ النار میں سے ہے اور جو لوگوں کو بہت گراں گزرا میں نے اس کی تحقیقِ حال کا عزم کیا اور اس کے پیچھے پیچھے رہنے لگا حتّٰی کہ وہ بُری طرح مجروح ہو گیا اور اس نے جلد ہی اپنے آپ کو موت کے حوالے کر دیا، وہ یوں کہ اس نے اپنی تلوار زمین پر کھڑی کی اور اس کی باڑھ کو اپنے سینے

کے درمیان لاکر اوپر اپنا بوجھ ڈال دیا اور اپنے آپ کو ہلاک کر ڈالا۔ یہ سُن کر آپؐ نے فرمایا کوئی آدمی بظاہر اہلِ جنّت کے سے اعمال کرتا ہے حالانکہ وہ اہلِ دوزخ میں سے ہوتا ہے اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ایک آدمی بظاہر اہلِ دوزخ کے سے اعمال کرتا ہے حالانکہ وہ اہلِ جنّت میں سے ہوتا ہے۔"

ان روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت سہلؓ کو صغر سنی ہی میں بعض غزوات میں شرکت کی سعادت نصیب ہو گئی تھی حالانکہ حضورؐ بالعموم پندرہ برس سے کم عمر کے لڑکوں کو لڑائی میں شریک ہونے کی اجازت نہیں دیتے تھے۔ جب حضرت سہلؓ کی عمر پندرہ برس کی ہوئی تو آفتابِ رسالت اللہ تعالیٰ کی شفقِ رحمت میں غروب ہو گیا۔

(۴)

حضرت سہلؓ کو رسولِ اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے بے انتہا محبّت تھی۔ جب بھی موقع ملتا حضورؐ کی خدمت کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ ایک دفعہ آپؐ کو بیرِ بضاعہ سے پانی لا کر پلایا۔ ایک دن حضورؐ نے مسجدِ نبویؐ کے لیے منبر بنوانے کا خیال ظاہر فرمایا تو دوڑے گئے اور جنگل سے منبر کے لیے لکڑی کاٹ کر لے آئے۔ منبر بننے سے پہلے حضورؐ ایک ستون کے سہارے کھڑے ہو کر خطبہ دیا کرتے تھے۔

حضرت سہلؓ کو حضورؐ کے متعلقین سے بھی بہت محبّت تھی۔ بنو امیّہ کے دورِ حکومت میں ایک دفعہ آلِ مروان میں سے ایک شخص مدینہ کا امیر مقرر ہوا اس نے ان کو بلا کر حضرت علیؓ کرّم اللہ وجہہٗ پر سبّ و شتم کرنے کے لیے کہا لیکن انہوں نے صاف انکار کر دیا۔ اس نے کہا کہ اچھا علیؓ کا نام نہ لو صرف اتنا ہی کہہ دو کہ خدا ابوتراب پر لعنت کرے (نعوذ باللہ) انہوں نے فرمایا کہ

ابوتراب کا لقب تو خود سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو دیا تھا اور اس لقب سے وہ بہت خوش ہوتے تھے پھر اس کو وہ سارا واقعہ تفصیل کے ساتھ بتایا جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو ابوتراب کا لقب دیا تھا۔ یہ ان کا محبوب ترین لقب تھا۔ یہ سن کر خاموش ہو گیا[1]

---

[1] صحیح مسلم جلد ۱ صفحہ ۳۲۶

صحیح بخاری میں حضرت ابو حازمؒ کی زبانی یہ واقعہ اس طرح بیان کیا گیا ہے۔

"ایک شخص سہلؓ بن سعد کے پاس آیا اور کہا کہ فلاں (امیر مدینہ) علیؓ کو منبر کے پاس برا کہہ رہا ہے۔ پوچھا، کیا کہتا ہے؟ بولا، ابوتراب (یعنی مٹی کا باپ)۔ سہلؓ ہنس پڑے اور کہا خدا کی قسم ان کا یہ نام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رکھا ہے اور ان (حضرت علیؓ) کو اس نام سے بڑھ کر کوئی نام محبوب نہ تھا۔"

(بخاری کتاب المناقب باب مناقب علیؓ)

وہ واقعہ جس میں حضرت علیؓ کو بارگاہِ رسالت سے "ابوتراب" کی کنیت عطا ہوئی حضرت سہلؓ بن سعد کی زبانی اس طرح منقول ہے:۔

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاطمہؓ کے مکان میں آئے اور علیؓ کو نہیں پایا۔ پوچھا، تمہارے ابنِ عم کہاں ہیں، بولیں مجھ میں اور ان میں کچھ جھگڑا ہو گیا تھا وہ غصہ میں چلے گئے ہیں اور یہاں (دوپہر کو) نہیں لیٹے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص سے فرمایا، دیکھو وہ کہاں ہیں؟ اس نے آکر خبر دی کہ مسجد میں سو رہے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (مسجد میں) تشریف لے گئے وہ (حضرت علیؓ) لیٹے ہوئے تھے۔ پہلو سے چادر ہٹ گئی تھی اور مٹی جسم میں لگ گئی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

۷۴ ہجری میں حجاج بن یوسف ثقفی نے ان کو بُلا کر پوچھا کہ تم نے مدینہ میں رہتے ہوئے بھی حضرت عثمانؓ کی مدد کیوں نہ کی؟ جواب دیا، "تم جھوٹ کہتے ہو میں نے مدد کی تھی۔" لیکن حجاج اپنی بات پر اڑا رہا اور اس نے ان کی گردن پر مہر لگوا دی۔ یہی سلوک اس نے حضرت انسؓ بن مالک اور حضرت جابر بن عبداللہؓ سے بھی کیا۔

حضرت سہلؓ نے ۹۱ ھ میں وفات پائی۔ اس وقت ان کی عمر چھیانوے ۹۶ برس کی تھی۔

۵

حضرت سہلؓ عہدِ رسالت میں اگرچہ کم عمر تھے لیکن وہ حضورؐ کے ارشادات بڑے دھیان سے سُنا کرتے تھے اور اُن کو یاد رکھتے تھے۔ اُن سے ۱۸۸ احادیث مروی ہیں جن میں سے ۲۸ صحیح بخاری اور صحیح مسلم دونوں میں موجود ہیں۔

حضرت سہلؓ نے طویل زندگی پائی اور بیشتر اکابر صحابہؓ ان کے سامنے ہی فوت ہو گئے۔ ان بزرگوں کے بعد حضرت سہلؓ کی ذات مرجع خلائق بن گئی۔ لوگ دُور دُور سے ان کی خدمت میں حاضر ہوتے اور بڑے ذوق و شوق سے ان کی زبان سے ہادیٔ برحق صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات اور عہدِ رسالت کے واقعات سنتے تھے۔ خود فرمایا کرتے تھے کہ مجھ سے ارشاداتِ نبویؐ سن لو میں مر جاؤں گا تو کوئی قَالَ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہنے والا باقی نہ رہے گا۔ اُن کے راویانِ حدیث میں حضرت ابوہریرہؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ جیسے جلیل القدر صحابہ اور حضرت سعید بن مسیبؒ، حضرت ابوحازمؒ، امام زہریؒ اور یحییٰ بن میمونؒ

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ) ۔ مٹی پونچھتے جاتے تھے اور فرماتے تھے، "ابوتراب اٹھو، ابوتراب اٹھو۔" (صحیح بخاری کتاب الصلوٰۃ باب نوم الرجال فی المسجد)

جیسے اکابر تابعین شامل ہیں۔

حضرت سہل بن سعدؓ سے مروی چند احادیث یہاں تبرکاً درج کی جاتی ہیں:

حضرت سہل بن سعدؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا کہ:

(۱) جنت کے دروازوں میں ایک خاص دروازہ ہے جس کا نام "باب الریان" ہے[1] اس دروازے سے قیامت کے دن صرف روزہ داروں کا داخلہ ہوگا۔ ان کے سوا کوئی دوسرا اس دروازے سے داخل نہ ہو سکے گا۔ اس دن پکارا جائے گا کہ کدھر ہیں وہ بندے جو اللہ کے لیے روزہ رکھا کرتے تھے اور بھوک و پیاس کی تکلیف اٹھایا کرتے تھے، وہ اس پکار پر چل پڑیں گے، ان کے سوا کسی اور کا اس دروازے سے داخلہ نہیں ہو سکے گا۔ جب روزہ دار اس دروازے سے جنت میں پہنچ جائیں گے تو یہ دروازہ بند کر دیا جائے گا، پھر کوئی اس میں سے اندر نہ جا سکے گا۔"

(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(۲) "میں حوضِ کوثر پر تمہارا میر ساماں ہوں گا۔ جو میرے پاس پہنچے گا وہ آبِ کوثر سے پیئے گا اور جو اس کو پی لے گا وہ پھر کبھی پیاس میں مبتلا نہ ہوگا، اور وہاں کچھ لوگ ایسے بھی ہوں گے جن کو میں بھی پہچانوں گا اور وہ بھی مجھ کو پہچانیں گے۔ وہ میری طرف آئیں گے

---

[1] ریان کے لغوی معنی ہیں "پورا پورا سیراب" گویا سیرابی اس دروازے کی خاص صفت ہے اور یہ روزہ داروں کے لیے اس لیے مخصوص کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ان سے عہد ہے اَلصَّوْمُ لِیْ وَاَنَا اَجْزِیْ بِہٖ یعنی بندہ کا روزہ بس میرے لیے ہے اور میں خود ہی اس کی جزا دوں گا ــــ اللہ تعالیٰ کن کن انعامات سے اپنے روزہ دار بندوں کو "سیراب" کرے گا اس کا علم اسی کو ہے۔

لیکن میرے اور ان کے درمیان رکاوٹ ڈال دی جائے گی تو میں کہوں گا کہ یہ آدمی تو میرے ہیں پس مجھے جواب دیا جائے گا کہ آپ کو معلوم نہیں کہ انہوں نے آپ کے بعد کیا کیا نئی باتیں نکالیں تو میں کہوں گا کہ بربادی اور دوری ہو ان کے لیے جنھوں نے میرے بعد دین میں فرق ڈالا (بدعتیں ایجاد کر کے اس کو مسخ کیا)"

(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(۳) "جو آدمی اپنے یا پرائے یتیم کی کفالت کرتا ہے وہ اور میں جنت میں اس طرح (قریب قریب) ہوں گے (اور آپؐ نے انگشت شہادت اور بیچ والی انگلی سے اشارہ کر کے بتلایا اور ان کے درمیان تھوڑی سی کشادگی رکھی)"

(صحیح بخاری)

(۴) "جو شخص ذمہ لے اپنی زبان اور شرمگاہ کا (کہ یہ دونوں غلط استعمال نہ ہوں گی) تو میں ذمہ لیتا ہوں اس کے لیے جنت کا۔"

(صحیح بخاری)

(۵) "نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کے رستہ میں ایک دن کی چوکیداری (یعنی مجاہدین کے سامان کی حفاظت) دنیا و مافیہا سے بہتر ہے۔ پھر فرمایا کہ جنت میں اگر اتنی جگہ مل جائے جتنی جگہ پر ایک کوڑا آسکتا ہے تو وہ ساری دنیا سے بہتر ہے اور کسی آدمی کا چند ساعت جہاد میں شامل ہونا دنیا و مافیہا سے افضل ہے۔"

(صحیح مسلم)

(۶) "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کوئی چیز پینے کی لائی گئی۔ آپؐ نے اس سے کچھ پیا۔ اس وقت آپ کے دائیں طرف ایک لڑکا اور بائیں طرف بڑی عمر کے لوگ تھے۔ آپؐ نے اس لڑکے سے پوچھا کہ تو اجازت دے تو میں یہ ان لوگوں کو دے دوں۔

اس لڑکے نے کہا، یا رسول اللہ! آپؐ کے تبرک کے بارے میں تو میں ایثار نہیں کرسکتا۔ اس پر آپؐ نے وہ اس لڑکے کو دے دیا۔"

(صحیح بخاری)

⑦ ایک عورت رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی خدمت میں ایک چادر (ہدیہ کے طور پر) لے کر آئی اور عرض کیا، یا رسول اللہ! یہ چادر میں نے اپنے ہاتھ سے آپ کے پہننے کے لیے بُنی ہے اسے میں آپ کو اُڑھانا چاہتی ہوں۔

آپؐ نے وہ چادر قبول فرمالی اور آپؐ کی یہ حالت تھی کہ اُس وقت آپؐ کو اس کی ضرورت بھی تھی۔ آپؐ کے صحابہؓ میں سے ایک صاحب نے آپؐ کو وہ چادر اوڑھے ہوئے دیکھا تو عرض کیا، یا رسول اللہ! یہ چادر کیسی اچھی ہے، یہ تو مجھے دے دیجیے۔ آپؐ نے فرمایا، بہت اچھا (اور وہ چادر ان صاحب کو عنایت فرمادی) پھر جب رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم اس مجلس سے اٹھ گئے تو لوگوں نے ان صاحب سے کہا کہ تم نے اچھا نہیں کیا، رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو خود اس چادر کی ضرورت تھی، اسی لیے یہ آپؐ نے اس عورت سے قبول کرلی تھی اس کے باوجود تم نے اسے آپؐ سے مانگ لیا، حالانکہ تم جانتے تھے کہ رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کبھی کسی کے سوال کو رد نہیں کیا کرتے۔

ان صاحب نے کہا، خدا کی قسم میں نے یہ چادر اپنے پہننے کے لیے رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے نہیں مانگی میں نے تو اسے اس لیے مانگا تھا کہ یہ میرا کفن بنے۔

آخر وہی چادر اُن صاحب کا کفن بنی۔" (صحیح بخاری)

⑧ ایک شخص رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے سامنے سے گزرا

تو آپؐ نے ایک صاحب سے جو آپ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے پوچھا کہ اس گزرنے والے شخص کے بارے میں تمہاری کیا رائے اور کیا اندازہ ہے؟

انہوں نے کہا، یہ بڑے معزز آدمیوں میں سے ہے اور ایسی شان والا ہے کہ کسی بھی گھرانے کی بیٹی کے لیے نکاح کا پیغام دے تو منظور کر لیا جائے اور اگر کسی معاملے میں سفارش کر دے تو اس کی سفارش ضرور مانی جائے۔

یہ جواب سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہو گئے اور کچھ نہ فرمایا۔ پھر تھوڑی ہی دیر کے بعد ایک اور آدمی وہاں سے گزرا۔ آپؐ نے اُن ہی صاحب سے پھر پوچھا، اس شخص کے بارے میں تمہاری کیا رائے اور اندازہ ہے۔ انہوں نے عرض کیا، یارسول اللہ! یہ بیچارہ نادار اور مسکین آدمی ہے۔ اگر کسی گھر میں نکاح کا پیغام دے تو اس کا پیغام قبول نہ کیا جائے اگر کسی معاملہ میں سفارش کرے تو اس کی سفارش نہ مانی جائے اور کوئی بات کہنا چاہے تو اس کی بات نہ سنی جائے۔ (ان کا جواب سن کر) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پہلے آدمی جیسے اگر زمین بھر ہوں (اتنی کثیر تعداد میں ہوں کہ ساری زمین ان سے بھر جائے) تو یہ اکیلا نادار اور مسکین اُن سے بہتر ہے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(۹) حضرت سہل بن سعد سے روایت ہے کہ جمعہ کے دن نماز سے پہلے نہ تو ہم قیلولہ کرتے اور نہ کھانا کھاتے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(۱۰) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لوگ ہمیشہ بھلائی میں رہیں گے جب تک افطار میں جلدی کریں گے (یعنی آفتاب غروب ہونے کے فوراً ہی بعد افطار کریں گے۔) (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

حضرت مُعَوِّذؓ بن عفراءؓ انصاری

۱

رمضان المبارک ۲ ہجری میں بدر کے میدان میں عہد رسالت کا پہلا معرکہ حق و باطل برپا ہوا تو عام لڑائی سے پہلے کفار قریش کی طرف سے عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ اور ولید بن عتبہ نے میدان میں نکل کر اہل حق کو مقابلے کے لیے للکارا۔ ان کی دعوت مبارزت کے جواب میں مسلمانوں کی صفوں سے تین جانباز لبیک کر آگے بڑھے۔ قریشی جنگجوؤں نے ان کو دیکھتے ہی پہچان لیا کہ وہ تینوں مدینہ کے رہنے والے ہیں۔ انہوں نے ان سے لڑنا پسند نہ کیا اور پکار کر کہا:

"محمدؐ! ہمارے مقابلے کے لیے ہماری قوم اور کفو کے آدمی بھیجو۔"

چنانچہ حضورؐ کے حکم پر یہ تینوں جانباز اپنی صفوں میں واپس آگئے اور حضرت حمزہؓ، حضرت علیؓ اور حضرت عبیدہؓ بن حارث، عتبہ، شیبہ اور ولید کے مقابل ہوئے۔

مدینہ کے تین انصاری سرفروش جنہوں نے سب سے پہلے مکہ کے نامی پرستارانِ طاغوت سے نبرد آزما ہونے کا عزم کیا، حضرت معاذؓ، حضرت عوفؓ اور حضرت مُعَوِّذؓ تھے۔ یہ تینوں حقیقی بھائی تھے اور حارث بن رفاعہ (بن حارث بن سواد بن مالک بن غنم بن نجار بن ثعلبہ بن عمرو بن خزرج) کے بیٹے تھے۔ والدہ کا نام عفراءؓ بنت عُبَید (بن ثعلبہ بن عبید بن ثعلبہ بن غنم بن مالک بن نجار) تھا۔ والد حارث بن رفاعہ ہجرت نبوی سے بہت پہلے وفات پا چکے تھے البتہ والدہ حضرت عفراءؓ کو قبولِ اسلام اور صحابیت

کا شرف حاصل ہوا۔ انہی کے نام کی نسبت سے تینوں بھائی ابناء عفراءؓ (عفراءؓ کے بیٹے) مشہور ہوئے[1]

عتبہ، شیبہ اور ولید کے قتل کے بعد عام لڑائی شروع ہوئی تو حضرت معاذؓ اور معوذؓ نے آپس میں مشورہ کر کے پکا ارادہ کر لیا کہ وہ قریش مکہ کے سرگروہ ابوجہل کو جہنم داصل کریں گے۔ چنانچہ میدان کارزار میں وہ برابر اس کی تلاش میں رہے۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف کا بیان ہے کہ میں میدان جنگ میں کھڑا تھا کہ یکایک دو انصاری جوان میرے دائیں بائیں آ کر کھڑے ہو گئے۔ ان میں سے ایک نے مجھ سے پوچھا:

چچا! ابوجہل کہاں ہے؟

میں نے کہا۔ "بھتیجے اس سے تجھے کیا کام ہے؟"

بولا: "میں نے سنا ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دیتا ہے خدا کی قسم مجھے وہ مل جائے تو اس کو مار کر رہوں گا یا اسی کوشش میں اپنی جان قربان کر دوں گا۔"

دوسرے جوان نے بھی اسی قسم کی گفتگو کی۔ مجھے ان جوانوں کے جذبۂ فدویت پر بڑی حیرت ہوئی۔ میں نے ان کو اشارہ کر کے بتایا کہ وہ سامنے

---

[1] حضرت عفراءؓ کا پہلا نکاح حارث بن رفاعہ سے ہوا تھا ان کی صلب سے معاذؓ، عوفؓ اور معوذؓ پیدا ہوئے۔ حارث کی وفات کے بعد ان کا نکاح بکیرؓ بن عبدیا لیل لیثی سے ہوا۔ ان کی صلب سے چار بیٹے ایاسؓ، عامرؓ، خالدؓ اور عاقلؓ پیدا ہوئے۔ ان چاروں کو بھی شرف صحابیت حاصل ہوا۔ غزوۂ بدر میں یہ چاروں بھائی اپنے اخیافی بھائیوں معاذؓ، عوفؓ اور معوذؓ کے ساتھ شریک تھے۔ گویا غزوۂ بدر میں حضرت عفراءؓ کے سات بیٹے شریک تھے۔ اس شرف میں حضرت عفراءؓ کا کوئی شریک و سہیم نہیں۔

ابو جہل صفوف جنگ میں چکر لگا رہا ہے۔ وہ دونوں باز کی طرح اس پر جھپٹے اور آناً فاناً اس کو خاک اور خون میں لوٹا دیا۔ اس کے بعد دونوں بھائی سرورِ عالم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ابو جہل کے مارے جانے کی اطلاع دی۔ آپ نے پوچھا، کس نے مارا ہے؟ دونوں نے عرض کیا:

"ہم دونوں نے"

حضورؐ نے فرمایا، اپنی تلواریں دکھاؤ۔

دونوں نے اپنی تلواریں پیش کیں تو ان میں خون کا اثر موجود تھا۔ حضورؐ نے فرمایا: "بے شک تم دونوں نے اس کو قتل کیا ہے۔" [1]

ایک روایت میں ہے کہ ابو جہل پر حملہ کرتے وقت حضرت معاذؓ کو ایک مشرک ابنِ ماعص نے زخمی کر دیا۔ ایک اور روایت کے مطابق عکرمہ بن ابی جہل نے ان کے شانے پر تلوار کی ضرب لگائی جس سے ہڈی کٹ گئی مگر بازو لٹکتا رہا انہوں نے مجروح بازو کو مانعِ جہاد پایا تو اس کو پاؤں کے نیچے دبا کر اور جھٹک کر علیحدہ کر دیا اور پھر مصروفِ جہاد ہو گئے۔ بعض کے نزدیک اسی زخم سے فوت ہو گئے اور بعض کے بیان کے مطابق حضرت عثمانِ غنیؓ کے عہدِ خلافت میں وفات پائی۔ ایک روایت کے مطابق حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہدِ خلافت میں سفرِ آخرت اختیار کیا۔ واللہ اعلم بالصواب [2]

---

[1] صحیح مسلم میں ابوجہل کو مارنے والے جانبازوں کا نام معاذ بن عفراءؓ اور معاذؓ بن عمروؓ بن الجموح مذکور ہے لیکن صحیح بخاری میں دونوں کو ابناءِ عفراءؓ کہا گیا ہے۔ متعدد دوسری روایتوں سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے گویا ابوجہل کو کیفرِ کردار تک پہنچانے والے حضرت معاذؓ بن عفراءؓ اور ان کے بھائی معوذ بن عفراءؓ ہی تھے۔ ابوجہل میں کچھ رمقِ جان باقی تھی کہ حضرت عبداللہؓ بن مسعود وہاں پہنچ گئے۔ انہوں نے اس کا سر کاٹ لیا۔ حضورؐ نے اس کے قتل کی خبر سن کر فرمایا، آج اس اُمت کا فرعون مر گیا۔ [2] حضرت معاذؓ بن عفراءؓ کا شمار انصار کے سابقون الاولون میں ہوتا ہے۔

ابوجہل کے قتل کے بعد حضرت مُعوّذ ؓ بھی تلوار چلاتے ہوئے دشمن کی صفوں میں گھس گئے۔ ایک مشرک ابومسافع نے تاک کر تلوار کا ایسا وار کیا کہ شہید ہو کر فرشِ خاک پر گر گئے۔

حضرت معاذ ؓ اور حضرت مُعوّذ ؓ کے تیسرے بھائی حضرت عوف ؓ بن عفراء ؓ بھی نہایت مخلص مسلمان تھے۔ ان کے اخلاص فی الدین کا اندازہ اس بات سے کیا جا سکتا ہے کہ ہجرتِ نبوی سے قبل عقبہ کی تینوں بیعتوں میں شریک تھے (سلہ ۱۱، سلہ ۱۲ اور سلہ ۱۳ بعد بعثت)۔ بدر کے دن میدان کارزار گرم ہوا تو انہوں نے بارگاہِ رسالت میں عرض کیا کہ یا رسول اللہ ؐ پروردگار اپنے بندہ کی کس بات سے زیادہ خوش ہوتا ہے۔

آپ ؐ نے فرمایا: "اس بات سے کہ اس کا ہاتھ لڑائی میں مشغول ہو اور وہ بدن کھولے ہوئے (بےخوف) لڑ رہا ہو۔"

حضور ؐ کا ارشاد سن کر حضرت عوف ؓ نے زرہ اتار ڈالی اور آگے بڑھ کر نہایت بے جگری سے لڑنا شروع کر دیا یہاں تک کہ جامِ شہادت پی کر خلدِ بریں میں پہنچ گئے۔

(۲)

حضرت مُعوّذ کا تعلق والد اور والدہ دونوں کی طرف سے انصار کے معزز ترین خاندان بنونجار سے تھا۔ سلسلۂ نسب اوپر بیان کیا جا چکا ہے۔ اہلِ سیر نے ان کے قبولِ اسلام کے زمانہ کی تصریح نہیں کی لیکن قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ہجرتِ نبوی سے پہلے اپنی والدہ اور بھائیوں کے ساتھ شرفِ اسلام سے بہرہ ور ہو چکے تھے۔ ان کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑی عقیدت اور محبت تھی اور وقتاً فوقتاً آپ ؐ کی خدمت میں ہدایا بھیجتے رہتے تھے۔ ان کی صاحبزادی حضرت رُبیّع رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ ایک دفعہ مجھے

میرے والد نے ایک صاع کھجوریں دے کر جن کے اوپر کچھ ککڑیاں تھیں حضورؐ کے پاس بھیجا۔ آپ ککڑیوں کو پسند فرماتے تھے۔ اس وقت آپؐ کے پاس کچھ زیورات بحرین سے آئے تھے۔ آپؐ نے اپنا ہاتھ بھر کر مجھے ان میں سے کچھ عطا فرمائے۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ مجھے آپؐ نے دونوں ہتھیلی بھر کر زیور یا سونا عطا فرمایا۔ (طبرانیؒ واحمدؒ)

غزوۂ بدر سے پہلے انہوں نے کسی سے سنا تھا کہ رئیس مکہ ابوجہل ان کے آقا و مولا صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دیتا ہے۔ اسی دن سے اُن کے دل میں ابوجہل سے سخت نفرت پیدا ہو گئی تھی اور انہوں نے تہیہ کر لیا تھا کہ جب بھی موقع ملا، ابوجہل کو کیفر کردار تک پہنچا کر رہیں گے۔ چنانچہ غزوۂ بدر میں ان کو یہ موقع مل گیا اور انہوں نے اپنے بھائی حضرت معاذؓ کے ساتھ مل کر ابوجہل کو جہنم رسید کر دیا۔ ابوجہل کے قتل کے سلسلہ میں جو روایتیں ملتی ہیں۔ ان میں سے بعض سے یہ تاثر پیدا ہوتا ہے کہ ابوجہل کو دو نوعمر بچوں نے قتل کیا لیکن صحیح یہ ہے کہ اس کو قتل کرنے والے حضرت مُعَوِّذؓ اور حضرت معاذؓ بچے نہیں تھے بلکہ پورے جوان تھے۔ حضرت مُعَوِّذؓ کی بیٹی حضرت رُبَیِّعؓ تو اس وقت شادی کی عمر کو پہنچ چکی تھیں۔ چنانچہ غزوۂ بدر کے کچھ عرصہ بعد ان کا نکاح حضرت ایاسؓ بن بکیر (یا ابی بکیر لیثی) سے ہو گیا۔ صحیح بخاری میں ہے کہ نکاح کے دوسرے دن سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت رُبَیِّعؓ کے گھر تشریف لے گئے اور بستر پر بیٹھ گئے۔ اس وقت کچھ لڑکیاں دف بجا بجا کر شہدائے بدر کی تعریف میں اشعار پڑھ رہی تھیں (غالباً یہ اس بنا پر تھا کہ حضرت رُبَیِّعؓ کے والد اور چچا نے غزوۂ بدر میں شہادت پائی تھی اور شادی کے موقع پر یہ اشعار ان کے غم کو ہلکا کرنے کے لیے پڑھے جا رہے تھے) یہ اشعار پڑھتے ہوئے ان لڑکیوں میں سے ایک نے جب یہ مصرعہ پڑھا

وَفِینَا نَبِیٌّ یَعْلَمُ مَا فِیْ غَدٍ (یعنی ہم میں وہ نبی ہیں جو کل ہونے والی بات

کو جانتے ہیں) ـــــ تو آپؐ نے فرمایا، اس کو چھوڑ دو اور وہی پڑھو جو پہلے پڑھ رہی تھیں۔

قریشِ مکہ کے دل میں اس بات کی بڑی خلش تھی کہ ابوجہل انصار کے ہاتھوں قتل ہوا ہے۔ دوسری طرف انصار کو اس بات پر فخر تھا کہ انہوں نے اس دشمنِ خدا کو قتل کیا ہے۔ حافظ ابنِ عبدالبرؒ نے "الاستیعاب" میں لکھا ہے کہ ایک دفعہ مکہ کی ایک عورت اسماء بنتِ مخربہ جو عطر بیچا کرتی تھی، عطر فروخت کرنے حضرت رُبیعؓ کے گھر آئی اور ان سے ان کے خاندانی حالات پوچھنے لگی جب اسے معلوم ہوا کہ رُبیعؓ کے والد نے ابوجہل کو قتل کیا تھا تو اس کی خاندانی عصبیت عود کر آئی اور وہ تنک کر بولی:

"تو تم ہمارے سردار کے قاتل کی بیٹی ہو۔"

حضرت رُبیعؓ کو دشمنِ خدا ابوجہل کے لیے سردار کا لفظ سن کر بہت غصہ آیا اور انہوں نے کہا:

"میں تو غلام کے قاتل کی بیٹی ہوں۔"

اسماء یہ سُن کر غصے سے بولی:

"مجھ کو تمہارے ہاتھ سودا بیچنا حرام ہے۔"

حضرت رُبیعؓ نے اسی لہجے میں جواب دیا ـــــ "مجھ کو بھی تم سے کچھ خریدنا حرام ہے۔ میں تمہارے عطر کو گندگی سمجھتی ہوں۔"

حضرت رُبیعؓ کے سوا حضرت معوذؓ کی کسی اور اولاد کا ذکر کتبِ سیر میں نہیں ملتا۔ حضرت رُبیعؓ کا شمار بڑی جلیل القدر صحابیات میں ہوتا ہے۔ ان سے اکیس [۲۱] حدیثیں مروی ہیں۔

حضرت ہانیؓ بن نیار بَلَوی انصاری

(۱)

رمضان سنہ ۲ ہجری میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ بدر کے لیے تیاری فرمائی اور اپنے جاں نثاروں کو ساتھ چلنے کے لیے ارشاد فرمایا تو مدینہ منورہ کے دو سعادت مند جوان آپؐ کی ہمرکابی کا شرف حاصل کرنے کے لیے بے تاب ہو گئے۔ ان دونوں میں ماموں بھانجے کا رشتہ تھا۔ مشکل یہ آ پڑی کہ ماموں کی بہن اور بھانجے کی والدہ اس وقت سخت بیمار تھیں اور ان کی نگہداشت کی مسلسل ضرورت تھی۔ ماموں نے بھانجے سے کہا:

"تمہاری والدہ سخت بیمار ہیں تم اُن کی خدمت کے لیے یہیں ٹھہر جاؤ اور مجھے غزوے میں شریک ہونے دو۔"

بھانجے کے دل میں بھی شوقِ جہاد موجزن تھا، انھوں نے کہا:

"میری والدہ آپ کی حقیقی بہن ہیں آپ ان کی خدمت کے لیے یہاں ٹھہر جائیں اور مجھے غزوے پر جانے دیں۔"

جب دونوں میں کوئی بات طے نہ ہو سکی تو یہ معاملہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش ہوا۔ آپؐ نے فرمایا:

"مریضہ کا بھائی میدانِ جنگ میں چلا جائے اور بیٹا ماں کی خدمت کے لیے ٹھہر جائے۔"

حضورؐ کا ارشاد سن کر ماموں کو اس قدر مسرت ہوئی کہ بے اختیار سجدۂ شکر بجا لائے۔ بھانجے نے بھی اپنے آقا و مولاؐ کے حکم کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیا اور والدہ کی خدمت کے لیے مدینہ ہی میں ٹھہر گئے۔

شوقِ جہاد سے سرشار یہ ماموں بھانجے حضرت ہانیؓ بن نیار اور حضرت خالدؓ بن ثعلبہ تھے۔ حضرت ہانیؓ ماموں تھے اور حضرت خالدؓ بھانجے۔

(۲)

سیدنا حضرت ہانیؓ بن نیار کا شمار نہایت عظیم المرتبت صحابہ میں ہوتا ہے۔ ان کی کنیت ابو بُردہ تھی۔ یہ اتنی مشہور ہوئی کہ ان کا اصل نام لوگوں کی نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ چنانچہ ان کو عام طور پر ابو بُردہ بن نیار ہی کہا جاتا ہے۔

حضرت ابو بُردہؓ بن نیار کا تعلق قبیلہ بَلِی سے تھا اور وہ قبیلہ اوس کے خاندان "بنو حارثہ" کے حلیف تھے۔ نسب نامہ یہ ہے:

ابو بُردہ ہانیؓ بن نیار بن عمرو بن عبید بن کلاب بن دھمان بن غنم بن ذبیان بن ہمیم بن کاہل بن ذہل بن بَلِی۔

حضرت ابو بُردہؓ نہایت اچھے شہسوار تھے اور مدینہ کے بہادروں میں شمار ہوتے تھے۔ اس کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے انہیں فطرتِ سعید سے نوازا تھا۔ ۱۲ سنہ بعد بعثت میں اسلام کے مُبلّغ اوّل حضرت مُصعبؓ بن عُمیر کی تبلیغی مساعی سے مدینہ کے گھر گھر میں اسلام کا چرچا پھیلنے لگا۔ اسی زمانے میں حضرت ابو بُردہؓ بھی نعمتِ اسلام سے بہرہ ور ہو گئے اور ۱۳ سنہ بعد بعثت میں ستّر سے کچھ زائد دوسرے مدنی مسلمانوں کے ساتھ مکہ جا کر رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت اور بیعت کا شرف حاصل کیا۔ اس اعتبار سے انہیں انصار کے "سابقون الاوّلون" میں شامل ہونے کی سعادت نصیب ہو گئی۔

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے تو حضرت ابو بُردہؓ نے دوسرے مسلمانوں کے ساتھ والہانہ جوش و خروش سے آپ کا

استقبال کیا۔ غزوات کا آغاز ہوا تو حضرت ابو بُردہؓ بدر، اُحد، خندق اور دوسرے تمام غزوات میں سرفروشانہ شریک ہوئے۔ غزدۂ بدر میں انہوں نے قریش مکہ کے ایک مشہور بہادر جبار بن سفیان کو قتل کیا۔ اس غزوہ سے واپس آئے تو ان کی بیمار بہن نے وفات پائی۔ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے جنازہ پر تشریف لے گئے اور نماز پڑھائی۔ (الاستیعاب)

غزوۂ اُحد میں جن دو تین مجاہدوں کے پاس گھوڑے تھے ان میں ایک حضرت ابو بُردہؓ تھے۔ فتح مکہ کے موقع پر حضورؐ نے انہیں بنو حارثہ کا علم عطا فرمایا اور انہوں نے اس قبیلے کے سرفروشوں کے ہمراہ بڑے ذوق و شوق سے حضورؐ کی ہمرکابی کا شرف حاصل کیا۔

(۳)

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد حضرت ابو بُردہؓ نے چاروں خلفائے راشدین کی خوشدلی سے بیعت کی اور جو خدمت انہوں نے ان کو تفویض کی اسے مستعدی سے سرانجام دیا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے عہدِ خلافت میں ان کی پُرجوش حمایت کی اور ان کو جو لڑائیاں پیش آئیں ان سب میں شریک ہوئے۔ اسلام کے اس بطلِ جلیل نے ۴۱ھ میں وفات پائی۔ یہ حضرت امیر معاویہؓ کی خلافت کا ابتدائی زمانہ تھا۔ اپنے پیچھے کوئی اولاد نہیں چھوڑی۔

حضرت ابو بردہؓ بن نیار سے بیس ۲۰ احادیث مروی ہیں ان کے رواۃ حدیث میں حضرت براءؓ بن عازب، جابر بن عبداللہؓ، عبدالرحمٰن بن جابرؓ اور نصر بن سیارؓ کے نام قابلِ ذکر ہیں۔

حضرت ابو بردہؓ بن نیار سے مروی دو حدیثیں بطور تبرک یہاں درج کی جاتی ہیں۔

حضرت ابو بردہؓ بن نیار سے روایت ہے کہ:

(۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرا جو اُمتی خلوصِ دل سے مجھ پر صلوٰۃ بھیجے اللہ تعالیٰ اس پر دس بار صلوٰۃ بھیجتا ہے اور اس کے صلہ میں اس کے دس درجے بلند کرتا ہے اور اس کے حساب میں دس نیکیاں لکھتا ہے اور دس گناہ محو فرما دیتا ہے۔ (سنن نسائی)

(۲) میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا کہ جو حدود اللہ تعالیٰ نے مقرر نہیں کیں ان میں دس کوڑوں سے زیادہ سزا نہ دی جائے۔ (صحیح مسلم)

حضرت اوسؓ بن خولی انصاری

(۱)

زمانۂ جاہلیت میں اہلِ یثرب (مدینہ) میں جہالت کی عمومیت کے ساتھ کچھ تعلیم یافتہ لوگ بھی موجود تھے جو عربی میں لکھ پڑھ لیتے تھے۔ اُن پڑھے لکھے لوگوں میں سے جو شخص تیر اندازی اور تیراکی میں بھی مہارت حاصل کر لیتا تھا اُس کو کلمہ اور کامل کا خطاب دیا جاتا تھا۔ زمانۂ اسلام میں بھی بعض اصحاب ان اوصاف کے حامل ہونے کی بناء پر کامل کے لقب کے مستحق سمجھے گئے [۱] ایسے ہی اصحاب میں ایک حضرت اوسؓ بن خولی تھے۔

علامہ ابنِ سعدؒ نے "طبقات" میں لکھا ہے:

"اوسؓ بن خولی کاملین میں سے تھے۔ جاہلیت اور ابتدائے اسلام میں کامل ان لوگوں کے نزدیک وہ ہوتا تھا جو عربی لکھتا تھا اور تیر اندازی اور پیراکی اچھی طرح جانتا تھا۔ یہ سب باتیں اوسؓ بن خولی میں جمع تھیں۔"

نوشت و خواند، تیر اندازی اور پیراکی میں مہارت کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے حضرت اوسؓ بن خولی کو فطرتِ سعید سے بھی نوازا تھا۔ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے

---

[۱] زمانۂ جاہلیت میں سوید بن صامت اور حضیر الکتائب کامل کے لقب سے مشہور تھے۔ زمانۂ اسلام میں حضرت اوسؓ بن خولی کے علاوہ حضرت رافعؓ بن مالک، حضرت اُسیدؓ بن حضیر الکتائب، اور حضرت سعدؓ بن عبادہ کاملین میں شمار ہوتے تھے۔ عبداللہ بن اُبی (راس المنافقین) بھی کامل کے لقب سے مشہور تھا۔

ہجرت فرما کر مدینہ منوّرہ تشریف لائے تو حضرت اوسؓ بن خولی نے دعوتِ حق پر کسی تامّل کے بغیر لبّیک کہا اور رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے جاں نثاروں میں شامل ہو گئے۔

(۲)

سیّدنا حضرت ابو لیلیٰ اوسؓ بن خولی کا تعلّق قبیلہ خزرج کے خاندان بنو سالم الحبلیٰ سے تھا۔ نسب نامہ یہ ہے:

اوسؓ بن خولی بن عبد اللہ بن حارث بن عبید بن مالک بن سالم الحبلیٰ بن غنم بن عوف بن خزرج بن حارث بن الخزرج۔

والدہ کا نام جمیلہ بنتِ اُبَیّ تھا۔ وہ عبداللہ بن اُبَیّ بن ابی سلول (رئیس المنافقین) کی بہن تھیں۔

ہجرت کے کچھ عرصہ بعد سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین اور انصار کے درمیان مواخاۃ قائم کرائی تو حضرت اوسؓ بن خولی کو حضرت شجاعؓ بن وہب اسدی کا دینی بھائی بنایا۔

قبولِ اسلام کے بعد حضرت اوسؓ نے اپنی زندگی یکسر راہِ حق میں وقف کر دی۔ سب سے پہلے اُن کی تلوار بدر کے میدان میں پرستارانِ باطل کے خلاف بے نیام ہوئی اور ان کو "اصحابِ بدر" میں شامل ہونے کا عظیم شرف حاصل ہوا۔ اس کے بعد وہ عہدِ رسالت کے دوسرے تمام غزوات میں بھی سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب رہے۔

حافظ ابنِ حجر عسقلانیؒ کا بیان ہے کہ حضرت اوسؓ بن خولی اس مہم میں بھی شریک تھے جو سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان ۶ ہجری میں حضرت عبداللہؓ بن عتیک انصاری کی قیادت میں یہودِ خیبر کے ایک سردار ابو رافع سلّام بن ابی الحُقَیق النضری کی طرف بھیجی تھی۔ وہ مدینہ پر حملہ کرنے سے

ارادے سے ایک لشکر جمع کر رہا تھا۔ ان اصحاب نے رات کے وقت ابو رافع سلام کو اس کے قلعے میں داخل ہو کر قتل کر دیا ۔

ذیقعدہ ۶ھ ہجری میں قریش سے صلحنامۂ حدیبیہ کی رو سے یہ طے پایا تھا کہ مسلمان اگلے سال تین دن کے لیے مکہ آ کر عمرہ کر سکیں گے۔ چنانچہ ذی قعدہ ۷ھ ہجری میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم بہت سے مسلمانوں کو ساتھ لے کر مکہ تشریف لے گئے۔ حضرت اوس بن خولی بھی حضورؐ کے ہمرکاب تھے۔ مشرکین قریش کی کسی ممکنہ شرارت کے سدِّ باب کے لیے آپؐ نے حضرت اوسؓ بن خولی کو ہتھیار دے کر دو سو آدمیوں کے ساتھ بطن یاجج کی طرف بھیجا۔ وہ ذی طویٰ پہنچ کر وہیں خیمہ زن ہوئے۔

(۳)

۱۱ھ ہجری میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا اور آپؐ کے جسدِ اقدس کو غسل دیا جانے لگا تو گھر میں صرف حضرت علیؓ، حضرت عباسؓ، حضرت فضل بن عباسؓ، حضرت قثم بن عباسؓ اور حضرت شقران صالحؓ موجود تھے۔ انہوں نے دروازہ بند کر لیا تھا تاکہ ہجوم اندر داخل نہ ہو۔ علامہ ابن سعدؒ کا بیان ہے کہ انصار دروازے کے باہر جمع ہو گئے اور آواز دی اللہ اللہ ہم لوگ آپ کے ماموں ہیں (یا ننہالی رشتہ دار ہیں) اس لیے ہم میں سے کسی کو اس خدمت

لہ علامہ ابن سعدؒ نے اس مہم (سریّہ) کے شرکاء میں حضرت اوسؓ بن خولی کا نام شامل نہیں کیا۔ انہوں نے طبقات میں لکھا ہے کہ اس مہم میں حضرت عبداللہ بن عتیک انصاری کے علاوہ یہ چار اصحاب شریک تھے۔

حضرت ابو قتادہؓ، حضرت عبداللہؓ بن انیس، حضرت اسودؓ بن خزاعی اور حضرت مسعودؓ بن سنان۔ (طبقات صفحہ ۶۶)

ہیں آپ کے ساتھ شریک ہونا چاہیے۔

اُن سے کہا گیا کہ آپ لوگ اپنے میں سے کسی ایک کو اتفاقِ رائے سے منتخب کرلیں اور اسے اندر بھیج دیں۔

سب نے حضرت اوسؓ بن خولی پر اتفاق کیا اور وہ کاشانۂ اقدس میں داخل ہو گئے۔

علامہ ابن اثیرؒ کا بیان ہے کہ حضرت اوسؓ بن خولی نے حضرت علیؓ کو خدا کی قسم دے کر کہا کہ ہمیں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس خدمت میں شریک کر لیجیے۔ چنانچہ حضرت علیؓ نے انہیں اندر آنے کی اجازت دے دی۔

(اُسدُ الغابہ)

حضرت اوسؓ پہلے اندر جاکر بیٹھ گئے پھر اٹھے اور پانی لانا شروع کیا۔ طاقتور آدمی تھے ایک ہاتھ سے پانی سے بھرا ہوا گھڑا اٹھا کر لاتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ تدفین کے وقت حضرت فضل بن عباسؓ (حضرت) قثم بن عباسؓ (حضرت) شقران صالحؓ اور (حضرت) اوسؓ بن خولی لحد میں اترے۔ (اُسدُ الغابہ۔ لابنِ اثیرؒ)

یہ وہ عظیم سعادت ہے جس میں انصار میں سے کوئی بھی حضرت اوسؓ بن خولی کا شریک و سہیم نہیں۔

حضرت اوسؓ بن خولی کی وفات مدینے میں حضرت عثمان ذوالنورینؓ کے عہدِ خلافت میں ہوئی۔ ان کی صرف ایک بیٹی فسحم تھیں۔ وہ لاولد فوت ہو گئیں اس لیے حضرت اوسؓ کی نسل نہیں چلی۔

حضرت عثمانؓ بن حُنیف انصاری

①

جس طرح سرورِ کونین رحمتِ عالم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیہِ وَسَلَّم کی ذاتِ گرامی تمام کمالات و صفات کی جامع اور انسانیت کی معراج ہے، اسی طرح حضورؐ کے صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سیرت و کردار کے اعتبار سے اتنے ارفع و اعلیٰ مقام پر فائز ہیں کہ انبیاء علیہم السلام کے بعد ان سے بہتر کسی انسان پر آفتاب طلوع نہیں ہوا۔ ان اصحاب کا تعلق دنیا کی ایک پسماندہ اور جاہل ترین قوم سے تھا لیکن جب انہوں نے خیر البشر ہادیٔ اعظم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیہِ وَسَلَّم کے جمالِ جہاں آرا سے اپنی آنکھیں روشن کیں، آپؐ پر صدقِ دل سے ایمان لائے ——— اور آپؐ کے فیضان سے بہرہ یاب ہوئے تو وہ دنیا کے بہترین انسان بن گئے اور ان میں سے بہترین جرنیل، بہترین عالِم، بہترین مُعَلِّم، بہترین حاکم، بہترین مُدَبِّر اور مختلف فنون کے بہترین ماہر دنیا کے سامنے آئے۔ انہوں نے محیر العقول کارنامے سرانجام دیئے اور فوز و فلاح کے ایسے چراغ روشن کیے کہ ان کی روشنی میں اُمّتِ مُسلمہ آج آسانی کے ساتھ اپنی منزلِ مقصود کا رُخ متعین کر سکتی ہے۔ ایسے ہی اصحابِ فہم و ذکا میں حضرت عثمان بن حُنَیف رضی اللہ تعالےٰ عنہٗ نمایاں مقام رکھتے ہیں وہ علمِ مساحت میں ایسی غیر معمولی مہارت رکھتے تھے کہ امیر المؤمنین حضرت عُمَر فاروقؓ جیسے مردم شناس خلیفہ بھی ان کی خداداد صلاحیتوں کے معترف اور مداح تھے ——— سیدنا حضرت عثمانؓ بن حُنَیف کی کنیت ابو عمرو (یا بقولِ بعض ابو عبداللہ) تھی اور ان کا

تعلق قبیلہ اوس سے تھا۔ نسب نامہ یہ ہے:

عثمانؓ بن حنیف بن واہب بن عکیم بن ثعلبہ بن حارث بن مجدعہ بن عمرو بن جیشم (یا حنش) بن عوف بن عمرو بن عوف بن مالک بن اوس۔

ان کے بڑے بھائی کا نام سہلؓ بن حُنَیف تھا۔ دونوں بھائیوں کو اللہ تعالیٰ نے فطرتِ سعید عطا کی تھی۔ ہجرتِ نبوی سے پہلے ۱۲ھ نبوت میں حضرت مُصعبؓ بن عمیرؓ اسلام کے مبلغ اول کی حیثیت سے یثرب آئے تو ان کی تبلیغی مساعی سے اوس اور خزرج کے لوگ کثیر تعداد میں مُشرف بہ اسلام ہو گئے! ان سعادت مند اصحاب میں حضرت سہلؓ بن حُنَیف اور حضرت عثمانؓ بن حنیف بھی شامل تھے۔ ان دونوں بھائیوں کا شمار نہایت جلیل القدر صحابہ میں ہوتا ہے۔

(۲)

سرورِ عالم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم مکہ سے ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لائے اور ۲ھ ہجری میں غزوات کا آغاز ہوا تو امام ترمذیؒ کے قول کے مطابق حضرت عثمانؓ بن حُنَیف نے سب سے پہلے غزوۂ بدر میں شریک ہونے کا شرف حاصل کیا لیکن جمہور اہلِ سِیَر نے ان کو اصحابِ بدر میں شمار نہیں کیا۔ اگر وہ شرکتِ بدر سے محروم رہ گئے تو اس کی کوئی خاص وجہ ہوگی ورنہ اخلاص فی الدین اور جوشِ ایمان میں وہ کسی سے کم نہ تھے۔ اُحد اور اس کے بعد عہدِ رسالت میں جتنے غزوات پیش آئے ان سب میں وہ بڑے جوش اور جذبے کے ساتھ شریک ہوئے۔ جہاد فی سبیل اللہ میں حصہ لینے کے علاوہ انہیں جب بھی موقع ملتا بارگاہِ رسالتؐ میں حاضر ہوتے اور فیضانِ نبوی سے خوب بہرہ یاب ہوتے۔ اگر وہ کوئی غیر معمولی واقعہ دیکھتے تو اس کو اپنے ذہن میں محفوظ کر لیتے اور بعد میں بڑے لطف و انبساط کے ساتھ لوگوں کو سنایا کرتے۔ جامع ترمذیؒ میں اس قسم کا

ایک واقعہ حضرت عثمان بن حنیف کی زبانی اس طرح روایت کیا گیا ہے کہ ایک دفعہ ایک نابینا شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا، آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کیجیے کہ وہ مجھ کو اچھا کر دے (میری آنکھوں کی خرابی دور ہو جائے) آپؐ نے فرمایا اگر تو چاہے تو میں تیرے لیے دعا کر دوں اور اگر چاہے تو صبر کر کہ یہی تیرے لیے بہتر ہے۔ اس نے کہا، دعا کر دیجیے۔ آپؐ نے اس کو حکم دیا کہ وضو کر اور اچھی طرح سے وضو کر اور ان کلمات کے ساتھ دعا کر:۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْئَلُكَ وَاَتَوَجَّهُ اِلَيْكَ بِنَبِيِّكَ مُحَمَّدٍ نَبِيِّ الرَّحْمَةِ اِنِّيْ تَوَجَّهْتُ بِكَ اِلٰى رَبِّيْ لِيَقْضِيَ لِيْ فِيْ حَاجَتِيْ هٰذِهٖ اَللّٰهُمَّ فَشَفِّعْهُ فِيَّ

یعنی اے اللہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور متوجہ ہوتا ہوں تیری طرف تیرے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے جو نبی رحمت ہیں۔ میں متوجہ ہوتا ہوں آپ کے وسیلہ سے اے نبی اپنے پروردگار کی طرف تاکہ وہ حکم دے میری اس حاجت کے متعلق اے اللہ اپنے نبی کی شفاعت میرے حق میں قبول فرما۔

(مشکوٰۃ المصابیح۔ اُسد الغابہ لابنِ اثیر)

(۴)

حضرت عمر فاروقؓ کے عہدِ خلافت میں عراق فتح ہوا تو امیر المؤمنینؓ نے ایک مجلسِ مشاورت منعقد کی جس کے سامنے یہ معاملہ رکھا کہ وہاں کی زمین کے بارے میں کیا طرزِ عمل اختیار کیا جائے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف اور کچھ دوسرے صحابہؓ نے یہ مشورہ دیا کہ مالِ غنیمت کی طرح زمین بھی مجاہدین میں تقسیم کر دی جائے۔ لیکن حضرت عمرؓ کا خیال تھا کہ اگر زمین بھی تقسیم کر دی گئی تو

آئندہ نسل کے لیے کیا باقی رہے گا۔ یتیموں اور بیواؤں کا کیا انتظام ہوگا اور سرحدوں کی حفاظت کیسے ہوگی؟ حضرت علیؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت طلحہؓ اور کئی دوسرے اکابر صحابہؓ حضرت عمرؓ کے ہم خیال تھے۔ اس معاملے کو قطعی طور پر نبٹانے کے لیے امیرالمومنینؓ نے ایک اور مجلس مشاورت منعقد کی جس میں اکابر مہاجرین کے علاوہ اکابر انصار بھی شریک ہوئے۔ (انصاری بزرگوں میں پانچ قبیلہ خزرج سے اور پانچ قبیلہ اوس سے تعلق رکھتے تھے) امیرالمومنینؓ نے مجلس میں کھڑے ہو کر ایک نہایت مؤثر تقریر کی جس میں اپنے موقف کے حق میں ایسے پُرزور دلائل دیئے کہ سب اصحاب نے ان کی رائے سے اتفاق کر لیا۔ اب سوال پیدا ہوا کہ عراق کی زمینوں کا بندوبست کن خطوط پر کیا جائے اور زمین کی پیمائش کی ذمہ داری کس کے سپرد کی جائے۔ تمام صحابہؓ نے اس کام کے لیے حضرت عثمانؓ بن حُنَیف کا نام لیا اور کہا کہ وہ اس سے بھی اہم خدمات انجام دینے کی صلاحیت رکھتے ہیں[1] چنانچہ حضرت عمرؓ نے حضرت عثمانؓ بن حُنَیف کو عراق کی زمینوں کی پیمائش پر مامور فرمایا اور حضرت حذیفہؓ بن الیمان کو

---

[1] یہ بیان حافظ ابن عبدالبرؒ کا ہے (دیکھئے الاستیعاب تذکرہ حضرت عثمانؓ بن حنیف) اس بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ فنِ مساحت میں حضرت عثمانؓ بن حنیف کی مہارت کا صحابۂ کرامؓ کو پہلے ہی علم تھا اور وہ حساب کتاب اور پیمائش کے کام میں ایک ماہر کی حیثیت سے مشہور ہو چکے تھے۔ اہلِ سِیَر نے یہ تصریح نہیں کی کہ انہوں نے یہ مہارت کیسے اور کہاں سے حاصل کی۔ بعض نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ ان کا عراق میں کافی عرصہ قیام رہا۔ چونکہ ان کا فطری رجحان مساحت کی طرف تھا، اس لیے وہاں اس فن کے ماہرین سے انہوں نے استفادہ کیا اور اپنی خداداد ذہانت کی بنا پر اس میں مہارتِ کامل حاصل کر لی۔ یہاں یہ بات ذہن میں رکھنی چاہیے کہ اس وقت تک عرب میں یہ فن بالکل رائج نہ تھا۔

ان کا شریک کار اور معاون مقرر فرمایا۔ وہ بھی فنِ مساحت سے بخوبی واقف تھے ایک روایت کے مطابق حضرت عثمانؓ بن حنیف نے دریائے فرات سے سیراب ہونے والے علاقے کی پیمائش کی اور حضرت حذیفہؓ نے دجلہ سے سیراب ہونے والے علاقے کی۔ امیر المؤمنینؓ نے پیمائش کا پیمانہ خود اپنے ہاتھ سے تیار کر کے ان کو دیا اور ہدایت کی کہ جنگلوں، ٹیلوں، گڑھوں، صحراؤں ندی نالوں اور ان زمینوں کی جن کی آب پاشی ناممکن ہے پیمائش نہ کی جائے۔ ان ہدایتوں کی روشنی میں دونوں بزرگ کئی مہینے تک زمینوں کی پیمائش میں مصروف رہے۔ انہوں نے اس کام پر بہت محنت کی اور بے حد احتیاط سے کام لیا قاضی ابو یوسفؒ نے "کتاب الخراج" میں لکھا ہے کہ:

"عثمانؓ (بن حنیف) کو خراج میں پوری واقفیت تھی۔ انہوں نے اس تحقیق اور صحت کے ساتھ پیمائش کی جس طرح قیمتی کپڑا ناپا جاتا ہے۔"

جب پیمائش ختم ہوئی تو کل رقبہ طول میں تین سو پچھتر میل اور عرض میں دو سو چالیس میل نکلا۔ اس میں پہاڑوں، صحراؤں اور نہروں کو چھوڑ کر قابلِ زراعت زمین تین کروڑ ساٹھ لاکھ جریب ٹھہری۔ شاہی خاندان کی جاگیروں، لاوارثوں، مفروروں اور مقتولوں کی جائدادوں، آتشکدوں کے اوقاف اور جنگلوں وغیرہ کی زمینوں اور ان زمینوں کو جو سڑکوں کی تیاری اور ڈاک کے مصارف کے لیے مخصوص تھیں، حضرت عمرؓ نے ان کو خالصہ قرار دیا اور ان کی آمدنی رفاہ عامہ کے کاموں کے لیے مخصوص کر دی کبھی کبھی کسی شخص کی نمایاں ملکی اور قومی خدمات کے صلہ میں ان زمینوں سے اس کو جاگیر بھی عطا کی جاتی تھی لیکن یہ جاگیر خراج یا عشر سے مستثنیٰ نہیں ہوتی تھی۔ باقی تمام زمینیں مالکانِ قدیم کے قبضے میں دے دی گئیں۔ پیمائش کا کام ختم ہوا تو حضرت عمر فاروقؓ نے حضرت عثمانؓ بن حنیف کو کوفہ کا صاحب الخراج (کمشنر یا کلکٹر) اور حضرت

حذیفہؓ بن الیمانؓ کو مدائن کا صاحب الخراج مقرر کیا۔ حافظ ابن عبدالبرؒ نے حضرت عثمانؓ کے اس عہدہ پر تقرر کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے :

"حضرت عمرؓ نے ان (عثمانؓ بن حنیف) کو زمین کی پیمائش، مالگزاری کی وصولی اور خراج و جزیہ کی تشخیص پر مامور کیا تھا۔"

(الاستیعاب جلد ۲ ص ۹۴۵)

قاضی ابویوسفؒ کے بیان کے مطابق حضرت عثمانؓ بن حنیف نے اپنے عہدے کی ذمہ داری سنبھالنے کے بعد مال گزاری کی تشخیص کی اور حسب ذیل شرح کے مطابق لگان مقرر کیا۔

گیہوں	فی جریب یعنی پون بیگہ پختہ	۴ درہم سالانہ
جو	"	۲ درہم سالانہ
انگور	"	۱۰ درہم سالانہ
نیشکر	"	۶ درہم سالانہ
روئی	"	۵ درہم سالانہ
تل	"	۸ درہم سالانہ
ترکاری	"	۳ درہم سالانہ

بعض بعض جگہ زمین کی نوعیت کے اعتبار سے اس شرح میں کمی بیشی بھی ہوئی مثلاً جو پر فی جریب ایک درہم اور گیہوں پر فی جریب دو درہم مقرر ہوئے۔ افتادہ زمین پر بشرطیکہ قابل زراعت ہو فی جریب نصف درہم سالانہ مقرر ہوا۔

پروفیسر خورشید احمد فارق نے اپنی کتاب "حضرت عمرؓ کے سرکاری خطوط" میں زیلعی کے حوالہ سے حضرت عمر فاروقؓ کا ایک مراسلہ نقل کیا ہے جو انہوں نے لگان بندی کے سلسلے میں حضرت عثمانؓ بن حنیف کو بھیجا اس مراسلہ کا مضمون یہ تھا :-

"ہر جریب زمین پر خواہ اس پر عملاً کاشت ہوتی ہو یا نہ ہوتی ہو

ایک درہم نقد اور ایک قفیز غلّہ مقرر کرو۔ انگور کی ہر جریب سے دس درہم اور ترکاریوں کی ہر جریب سے پانچ درہم وصول کرو لیکن کھجور اور دوسرے پھلدار درختوں پر ٹیکس نہ لگاؤ"۔

جزیہ کی شرح اس حساب سے مقرر کی گئی:

امراء سے ——— ۴۸ درہم سالانہ

متوسط طبقہ سے ——— ۲۴ درہم سالانہ

عام لوگوں سے ——— ۱۲ درہم سالانہ

عورتیں اور بچے (اور غالباً محتاج و معذور لوگ اور رہبان بھی) جزیہ سے مستثنیٰ تھے۔

حضرت عثمانؓ بن حنیف کی امانت داری اور احتیاط کا یہ حال تھا کہ ایک دفعہ جلیل القدر صحابی حضرت جریرؓ بن عبداللہ البجلی ان کے پاس ایک فرمان لے کر آئے جس میں ان کو حکم دیا گیا تھا کہ عراق کی خالصہ زمین میں سے انہیں کچھ زمین (بطور جاگیر ——— عراق میں ان کی نمایاں جنگی خدمات کے عوض) دے دیں۔ اس فرمان کا مضمون یہ تھا۔

"جریر بن عبداللہ بجلی کو اتنی زمین دے دو جو ان کے گزارہ کے لیے کافی ہو نہ اس سے کم نہ زیادہ۔"

حضرت عثمانؓ نے اس فرمان کی اس وقت تک تعمیل نہ کی جب تک ایک خط لکھ کر حضرت عمرؓ فاروق سے براہِ راست اس کی تصدیق نہ کرا لی۔ علامہ طبریؒ کا بیان ہے کہ حضرت عثمانؓ کے خط کے جواب میں امیر المومنینؓ نے انہیں یہ خط بھیجا۔

"(زمین کے بارے میں) جریر کا قول اور پیش کردہ فرمان صحیح ہے اس پر عمل کرو ——— تم نے اچھا کیا کہ میری طرف رجوع کر لیا۔"

(۴)

حضرت عثمانؓ بن حنیف نے اپنے فرائض منصبی کو اس حسن و خوبی سے انجام دیا کہ نہایت کثرت سے افتادہ زمینیں آباد ہو گئیں اور زراعت کی پیداوار میں غیر معمولی اضافہ ہو گیا۔ چنانچہ بندوبست کے دوسرے سال خراج کی آمدنی آٹھ کروڑ سے دس کروڑ بیس ہزار درہم تک پہنچ گئی اور بعد کے سالوں میں اس میں اور بھی اضافہ ہوتا گیا۔ خاص دارالامارۃ کوفہ کی آمدنی اس قدر بڑھی کہ ۲۲-۲۳ھ ہجری تک اس کے خراج کی رقم ایک کروڑ درہم تک پہنچ گئی۔

(الاستیعاب لابن عبدالبر)

ایک دفعہ حضرت عثمانؓ بن حنیف اور حضرت حذیفہؓ بن یمان مدینہ گئے اور امیرالمومنین حضرت عمرؓ فاروقؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے پوچھا: "تم نے جمع تشخیص میں سختی تو نہیں کی؟"

حضرت عثمانؓ بن حنیف نے جواب دیا:

"میں نے آدھا چھوڑ دیا ہے آپ چاہیں تو وہ بھی مل سکتا ہے!"

ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت حذیفہ بن الیمانؓ نے بھی بدیں الفاظ اسی قسم کا جواب دیا کہ میں اپنے علاقے کی زمینوں کا خراج ابھی دگنا کر سکتا ہوں۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے حضرت عثمانؓ سے پوچھا کہ اگر ہر شخص پر دو درہم جزیہ کا اور ہر جریب پر ایک درہم اور ایک قفیز غلے کا اضافہ کیا جائے تو لوگ اس کو برداشت کر لیں گے؟

حضرت عثمانؓ نے جواب دیا: "ہاں"

حضرت عمرؓ نے فرمایا: "پھر غور کرلو جمع ناقابلِ برداشت تو تشخیص نہیں کی گئی؟"

انہوں نے کہا: "نہیں۔"

اب حضرت عمرؓ نے فرمایا، "اگر زندہ رہا تو اپنے بعد عراق کی بیواؤں کو کسی دوسرے کا محتاج نہ ہونے دوں گا۔"

حضرت عثمانؓ بن حُنیف خراج اور جزیہ کی وصولی میں بے حد نرمی سے کام لیتے تھے، اس کے باوجود آمدنی میں مسلسل اضافہ ہوتا چلا گیا۔ دوسری طرف امیرالمؤمنین حضرت عمر فاروقؓ کی احتیاط کا یہ عالم تھا کہ ہر سال جب عراق کا خراج آتا تھا تو کوفہ اور بصرہ سے دس دس ثقہ اور قابل اعتماد اشخاص مدینہ بلائے جاتے تھے جو حضرت عمرؓ کے سامنے شرعی قسم کھا کر شہادت دیتے تھے کہ لگان یا جزیہ وصول کرتے وقت کسی مسلمان یا ذمی پر مطلق کوئی ظلم نہیں کیا گیا۔ (یعنی جبر اور سختی کے ذریعے کوئی رقم وصول نہیں کی گئی)۔ ان لوگوں کی شہادت لینے کے بعد ہی حضرت عمرؓ خراج وغیرہ کی رقم بیت المال میں داخل کرنے کا حکم دیتے تھے۔

اتنے اہم عہدے پر فائز ہونے کے باوجود حضرت عثمانؓ بن حُنیف کی تنخواہ روزانہ پانچ درہم اور ایک تھیلی آٹا تھی۔ یہ مؤرخ یعقوبی کا بیان ہے۔ قاضی ابویوسفؒ نے "کتاب الخراج" میں لکھا ہے کہ انہیں روزانہ ایک بکری کے گوشت کا تیسرا حصہ بھی ملتا تھا۔ اس سلسلے پر حضرت عمرؓ نے یہ قاعدہ مقرر کیا تھا کہ سالم بکری کے گوشت کا ایک حصہ والی (گورنر) کو ایک قاضی کو اور ایک صاحب الخراج کو دیا جائے۔

حضرت عثمانؓ نے خراج اور جزیہ کی تشخیص میں جس غیر معمولی قابلیت کا ثبوت دیا، حضرت عمر فاروقؓ اس سے بہت متاثر تھے۔ چنانچہ جب انہوں نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بصرہ کا گورنر مقرر کیا تو انہیں حکم بھیجا کہ تم بصرہ میں کوفہ کے مطابق خراج مقرر کرو۔

(۵)

حضرت عمر فاروقؓ کی شہادت (محرم ۲۴ھ) کے بعد حضرت

عثمانؓ ذوالنورین سریرآرائے خلافت ہوئے۔ ان کے دورِ خلافت میں حضرت عثمانؓ بن حُنیف اپنے عہدے سے سبکدوش ہو کر کوفہ سے مدینہ منورہ آ گئے۔

ذی الحجہ ۳۵ھ میں حضرت عثمان ذوالنورینؓ نے نہایت دردناک حالات میں مظلومانہ شہادت پائی تو عالمِ اسلام میں ہیجان برپا ہو گیا۔ اِنہی پُر آشوب ایام میں حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ مسند نشین خلافت ہوئے۔ انہیں خلافت کی ذمہ داریاں سنبھالتے ہی نہایت مشکل اور پیچیدہ حالات سے دوچار ہونا پڑا۔ شام کے گورنر حضرت امیر معاویہؓ نے کھُلم کھُلا حضرت علیؓ کی خلافت سے قطع تعلق کا اعلان کر دیا اور لوگوں کو قصاصِ عثمانؓ کی دعوت دینا شروع کی۔ شام میں تو یہ حالات پیدا ہوئے۔ دوسری طرف عام مسلمان تین جماعتوں میں بٹ گئے۔ ایک جماعت نے حضرت علیؓ کی بیعت کر لی۔ ان لوگوں میں جہاں ہزارہا مخلص مسلمان شامل تھے وہاں وہ لوگ بھی تھے جنہوں نے حضرت عثمانؓ کے خلاف بغاوت میں سرگرم حصہ لیا تھا۔ دوسری جماعت سیاست سے کنارہ کش ہو کر خانہ نشین ہو گئی۔ تیسری جماعت نے حضرت عثمانؓ کا قصاص لینے کے لیے باقاعدہ تیاری شروع کر دی۔ اس جماعت کی قیادت اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا، حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ بن العوام کر رہے تھے۔ اگرچہ حضرت عثمانؓ کی شہادت میں حضرت علیؓ کا مطلق کوئی ہاتھ نہ تھا لیکن یہ بزرگ نیک نیتی سے یہ سمجھتے تھے کہ حضرت علیؓ کے لشکر میں حضرت عثمانؓ کے مخالفین شامل ہیں اس لیے قتلِ عثمانؓ کا محاسبہ حضرت علیؓ سے ضرور ہونا چاہیے۔ دوسری طرف حضرت علیؓ کو اتنی مہلت ہی نہ ملی کہ وہ اس واقعہ کی باقاعدہ تحقیق کر کے شہادتِ عثمانؓ میں ملوث لوگوں کو پکڑ کر سزا دیتے۔ حضرت عثمانؓ کی شہادت کے وقت حضرت عائشہ صدیقہؓ حج کے لیے مکہ گئی ہوئی تھیں۔ حج سے فارغ ہو کر مدینہ واپس آ رہی تھیں کہ راستے میں حضرت عثمانؓ کی مظلومانہ شہادت کی خبر ملی۔ اُمّ المومنینؓ کو سخت

صدمہ پہنچا۔ بے تاب ہو کر زار زار روئیں، آگے بڑھیں تو حضرت طلحہؓ اور زبیرؓ مدینہ سے آتے ہوئے ملے (وہ حضرت علیؓ کی بیعتِ خلافت میں شریک ہونے کے بعد وہاں سے نکل کھڑے ہوئے تھے۔) انہوں نے اُمّ المومنینؓ کو تمام واقعات کی تفصیل بتائی۔ انہیں جب معلوم ہوا کہ مفسدہ پردازوں کی ایک کثیر تعداد حضرت علیؓ کے لشکر میں شامل ہو گئی ہے تو انہیں اور بھی دکھ ہوا، وہیں سے مکہ واپس آگئیں اور لوگوں کو باقاعدہ اصلاح (قصاصِ عثمانؓ) کی دعوت دینی شروع کی حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ اور بنو اُمیّہ کے بہت سے عمائد نے اس تحریک کو خوب پھیلایا اور تھوڑے ہی دنوں میں اصلاح کے جھنڈے تلے ہزاروں مسلمان جمع ہو گئے۔ اسی اثناء میں حضرت علیؓ نے مختلف صوبوں کے نئے گورنر مقرر کر دیئے۔ حضرت عبداللہؓ بن عباسؓ کو یمن کا گورنر مقرر کیا، حضرت عمارہؓ بن حسان کو کوفے کا، حضرت قیسؓ بن سعدؓ بن عبادہ کو مصر کا، حضرت عثمانؓ بن حُنیف کو بصرے کا اور ان کے برادرِ بزرگ حضرت سہلؓ بن حُنیف کو شام کا گورنر مقرر کیا۔ دوسرے گورنر تو اپنے تقرر کے مقامات پر پہنچ گئے لیکن حضرت سہلؓ بن حنیف کو حضرت امیر معاویہؓ کے سواروں نے تبوک کے مقام سے یزور واپس بھیج دیا۔ اُدھر حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ نے اُمّ المومنین کو آمادہ کیا کہ تحریکِ اصلاح کو کامیاب بنانے کے لیے بصرہ موزوں ترین مقام ہے۔ وہاں کے اکثر لوگ ہمارے حامی ہیں آپ بصرہ تشریف لے چلیں تو بصرے کے لوگ اور ہم مل کر حضرت علیؓ کے لشکر کا مقابلہ کریں گے اُمّ المومنینؓ نے ان کی تجویز مان لی اور ان کا لشکر بصرہ کی طرف بڑھا۔ گورنر بصرہ حضرت عثمانؓ بن حنیف کو اس لشکر کی پیش قدمی کی اطلاع ملی تو انہوں نے اپنے دو آدمیوں عمران اور ابو الاسود کو اُمّ المومنینؓ کی خدمت میں یہ دریافت کرنے کے لیے بھیجا کہ وہ کس مقصد کے لیے بصرہ تشریف لا رہی ہیں اُمّ المومنینؓ نے ان دونوں کے سامنے یہ تقریر کی :

"خدا کی قسم میرے رتبہ کے لوگ کسی بات کو چھپا کر گھر سے نہیں نکلتے اور نہ کوئی ماں اصل حقیقت اپنے بیٹوں سے چھپا سکتی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ قبائل کے آوارہ گردوں نے حرم محترم مدینہ منورہ پر حملہ کیا اور وہاں فتنے برپا کیے اور فتنہ پردازوں کو پناہ دی۔ اس بناء پر وہ خدا کی لعنت کے مستحق ہیں۔ علاوہ ازیں انہوں نے بے گناہ خلیفۂ اسلام کو شہید کیا، معصوم خون کو حلال جان کر بہایا، جس مال کا لینا ان کو جائز نہ تھا اس کو لوٹا، حرم محترم نبوی کی بیعزتی کی۔ ماہِ حرام کی توہین کی، لوگوں کی آبرو ریزی کی، بے گناہ مسلمانوں کو مارا پیٹا۔ ان لوگوں کے گھروں میں زبردستی اتر پڑے جو اُن کے میزبان بننے کے لیے تیار نہ تھے۔ انہوں نے نقصان پہنچایا نفع نہیں پہنچایا۔ نیک دل مسلمانوں کو نہ ان سے بچنے کی قدرت ہے اور نہ وہ اس سے محفوظ و مامون ہیں۔ میں مسلمانوں کو لے کر اس لیے نکلی ہوں تاکہ لوگوں کو بتاؤں کہ عام مسلمانوں کو جن کو میں پیچھے چھوڑ آئی ہوں ان سے کیا نقصان پہنچ رہا ہے اور یہ کن کن جرائم کے مرتکب ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ان کی سرگوشی میں کوئی زیادہ فائدہ نہیں لیکن یہ کہ یہ خیرات یا عام نیکی کریں یا لوگوں کے درمیان اصلاح کرائیں۔ ہم اصلاح کی دعوت لے کر کھڑے ہوئے ہیں جس کا اللہ تعالیٰ نے ہر چھوٹے بڑے اور مرد و عورت کو حکم دیا ہے۔ یہ ہے ہمارا مقصد جس کی نیکی پر ہم تمہیں آمادہ کر رہے ہیں اور جس کی برائی سے تمہیں روکنا چاہتے ہیں۔"

عمران اور ابو الاسود حضرت عائشہؓ کی تقریر سن کر حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کے پاس گئے، انہوں نے بھی اُمّ المومنینؓ کے موقف کی تائید کی۔ رخصت کے وقت وہ پھر اُمّ المومنینؓ کے پاس گئے۔ انہوں نے

ابوالاسود کو مخاطب کر کے فرمایا:

"ابوالاسود! دیکھنا نفس تم کو دوزخ کی طرف نہ لے چلے۔"

پھر یہ آیت پڑھی یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ۔

(اے ایمان والو! انصاف پر قائم رہو اور خدا کے لیے سچی گواہی دو)

⑥

حضرت عثمانؓ بن حُنیفؓ کے دونوں قاصدوں نے واپس جا کر ان کو اُمّ المومنینؓ، حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کا جواب سنایا تو انہوں نے اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ پڑھا اور کہا "افسوس مسلمانوں میں خانہ جنگی شروع ہو گئی۔" پھر انہوں نے مدافعت کی تیاری شروع کر دی۔ جمعہ کا دن آیا تو ان کی طرف سے ایک آدمی نے جامع مسجد میں لوگوں کے سامنے یہ تقریر کی:

"لوگو! میرا نام قیس ہے۔ یہ لوگ جو شہر کے باہر خیمہ زن ہیں اور تمہاری اعانت کے طلب گار ہیں، اگر ظالموں سے بھاگ کر یہاں آئے ہیں اور تم سے امن چاہتے ہیں تو یہ صحیح نہیں کیونکہ وہ مکہ سے آرہے ہیں جہاں پرندے تک کو کوئی چھو نہیں سکتا اور اگر وہ یہ سمجھ کر آئے ہیں کہ ہم سے عثمانؓ کے خون کا بدلہ لیں تو ہم عثمانؓ کے قاتل نہیں۔ میری بات مانو اور جہاں سے یہ آئے ہیں ان کو اسی طرف واپس بھیج دو۔"

اس کے جواب میں ایک شخص نے لشکرِ اصلاح کی حمایت میں پُرزور تقریر کی۔ اسی اثنا میں اُمّ المومنینؓ، حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ بھی وہاں آپہنچے۔ پہلے حضرت طلحہ اور زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے تقریریں کیں، ان کے بعد اُمّ المومنینؓ نے حمد و نعت کے بعد مجمع سے یوں خطاب فرمایا:

"لوگو! تم پر میرا مادری حق ہے اور مجھے نصیحت کی عزت حاصل ہے

مجھے اُس کے سوا جو اپنے رَبّ کا فرمانبردار نہیں کوئی الزام نہیں دے سکتا۔ رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے میرے سینہ پر سر مبارک رکھے ہوئے وفات پائی۔ میں آپ کی چہیتی بیوی ہوں۔ خدا نے مجھے دوسروں سے ہر طرح محفوظ رکھا۔ میری ذات سے مومن و منافق میں تمیز ہوئی اور میرے ہی سبب سے تم پر خدا نے تیمم کا حکم نازل فرمایا۔ پھر میرا باپ دنیا میں تیسرا مسلمان ہے اور غارِ حرا میں دو کا دوسرا تھا اور پہلا شخص تھا جو صدیق کے لفظ سے مخاطب ہوا۔ رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے وفات پائی تو اس سے خوش ہو کر اُسے اس کو خلافت سے سرفراز کر گئے۔ اس کے بعد جب دینِ اسلام کی رسی ہلنے لگی تو میرا ہی باپ تھا جس نے اس کے دونوں سرے تھام لیے جس نے نفاق کا راستہ بند کر دیا۔ جس نے ارتداد کا سرچشمہ خشک کر دیا۔ جس نے یہودیوں کی شر انگیزیوں کو فرو کیا۔ تم لوگ اس وقت آنکھیں بند کیے غدر اور فتنہ کے منتظر تھے اور شوروغوغا پر گوش بر آواز تھے۔ اس نے شگاف کو برابر کیا، بیکار کو درست کیا، گرتوں کو سنبھالا، دلوں میں جاگزین بیماریوں کو دور کیا۔ جو پانی سے سیراب ہو چکے تھے ان کو تھان تک پہنچا دیا۔ جو پیاسے تھے اُن کو گھاٹ پر لے آیا اور جو ایک بار پانی پی چکے تھے انہیں دوبارہ پلایا۔ جب وہ نفاق کا سر کچل چکا اور اہلِ شرک کے خلاف جہاد کا شعلہ فروزاں کر چکا اور تمہارے سامان کی گٹھڑی کو ڈوری سے باندھ چکا تو اللہ نے اسے اٹھا لیا۔

وہ اپنے بعد ایک ایسے شخص کو اپنا جانشین بنا گیا جو دشمنوں کی گوشمالی کرتا، جاہلوں سے درگزر کرتا اور اسلام کی نصرت میں راتوں کو جاگا کرتا۔ اپنے پیشرو کے قدم بہ قدم چلا۔ فتنہ و فساد کا سر کچل

دیا۔ قرآن میں جو کچھ تھا اس کو کامل طور پر نافذ کر دیا۔

ہاں! میں لوگوں کے سوال کا نشانہ بن گئی ہوں کہ کیوں فوج لے کر نکلی۔ میرا مقصد اس سے گناہ کی تلاش اور فتنہ کی جستجو نہیں ہے جس کو میں پامال کرنا چاہتی ہوں۔ جو کچھ کہہ رہی ہوں سچائی اور انصاف کے ساتھ، اتمام حجت اور تنبیہ کے لیے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اپنے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر درود نازل کرے اور ان کا جانشین پیغمبروں کی جانشینی کے ساتھ تم پر مقرر کرے۔"

اُمّ المؤمنینؓ کی اس تقریر کا اہلِ بصرہ پر ایسا اثر ہوا کہ ان کی ایک بڑی تعداد نے اُمّ المؤمنینؓ کی حمایت کا اعلان کر دیا اور ان کے لشکر گاہ میں چلی گئی۔

بدقسمتی سے دوسرے دن سرکاری فوج اور لشکرِ اصلاح کے درمیان لڑائی چھڑ گئی اس میں لشکرِ اصلاح کا پلّہ واضح طور پر بھاری تھا لیکن بالآخر فریقین نے اس شرط پر صلح کر لی کہ ایک سفیر مدینہ بھیجا جائے، وہاں وہ مجمع عام میں دریافت کرے کہ حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ نے برضا و رغبت حضرت علیؓ کے ہاتھ پر بیعت کی یا ان کو زبردستی اس پر مجبور کیا گیا ——— اور جب سفیر حقیقتِ حال معلوم کر کے واپس آئے تو اسی کے مطابق فریقین اپنے اپنے موقف کا جائزہ لیں۔ یہ صلح نامہ باقاعدہ معرضِ تحریر میں لایا گیا! اس کا مضمون یہ تھا:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؕ

یہ صلحنامہ طلحہ اور زبیر اور ان کے ساتھی مومنوں اور مسلمانوں، اور عثمان بن حُنیف اور اس کے ساتھی مومنوں اور مسلمانوں کے مابین ہے کہ عثمان بن حُنیف جس حال میں ہو اور جہاں ہو اس صلحنامہ کی رو سے وہیں ٹھہر جائے اور طلحہ و زبیر بھی جس حال میں ہوں اور جہاں ہوں وہیں ٹھہر جائیں تاوقتیکہ

فریقین کے امین کعب بن سور[1] مدینہ سے حقیقت حال معلوم کر کے
واپس آجائیں۔ اس دوران میں فریقین میں سے کوئی بھی دوسرے
فریق کو مسجدیں، بازار میں اور کسی راستہ میں کوئی ضرر نہ پہنچائے
اور نہ فریقین کھلے عام جنگ و جدل کا بازار گرم کریں یہاں تک کہ
کعب بن سور اطلاع لے کر آجائیں اگر تو وہ یہ خبر لے کر واپس آئیں کہ

---

[1] ابن اثیرؒ نے "اُسد الغابہ" میں حضرت کعبؓ بن سور کو صحابہ میں شمار کیا ہے
اور ان کا نسب نامہ اس طرح بیان کیا ہے۔ کعب بن سور بن بکر بن عبد بن ثعلبہ
بن سلیم بن ذہل بن لقیط بن حارث بن مالک بن فہم بن غنم بن دوس بن عدثان بن عبداللہ
بن زہران بن کعب بن حارث بن کعب بن عبداللہ بن نصر بن ازد ازدی۔
بڑے ذہین اور دانا آدمی تھے۔ حضرت عمر فاروقؓ نے اپنے عہدِ خلافت میں
ان کو بصرہ کا قاضی مقرر کیا تھا۔ حضرت عثمان غنیؓ کے عہدِ خلافت میں بھی وہ اس
عہدے پر فائز رہے اور خلافتِ مرتضوی کے اوائل میں بھی اسی عہدے پر فائز تھے۔
ابو حنیفہ دینوری کا بیان ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے بصرہ پہنچ کر بصرہ
کے رئیسوں کو اپنی حمایت کی ترغیب دی تو حضرت کعب بن سور کے سوا سب نے
ان کی حمایت کی ہامی بھر لی۔ آخر اُم المومنینؓ خود حضرت کعبؓ کے گھر تشریف
لے گئیں اور ان کو سمجھایا۔ اس پر انہوں نے کہا، مجھے شرم آتی ہے کہ میں اپنی ماں کی
بات نہ مانوں —— اس کے باوجود انہوں نے فریقین میں صلح کرانے کی پوری کوشش
کی۔ جنگِ جمل میں وہ حضرت عائشہؓ کے لشکر سے اس حال میں نکلے کہ ایک ہاتھ میں
قرآن مجید تھا اور دوسرے میں اونٹ کی مہار۔ اس وقت وہ لوگوں کو خونریزی سے
منع کر رہے تھے اور کہہ رہے تھے، کتاب اللہ سے فیصلہ کر لو۔ اتنے میں ایک طرف
سے ایک تیر آیا، وہ شہید ہو گئے۔ انہوں نے فارس میں مجوسیوں کے خلاف
بھی کئی معرکوں میں دادِ شجاعت دی تھی۔

لوگوں نے طلحہ و زبیر کو (حضرت علیؓ کی بیعت کرنے پر) مجبور کیا تو یہ اُن کا معاملہ ہے وہ خود جانیں اور عثمان چاہے تو خروج کرے اور اپنی صوابدید کے مطابق عمل کرے اور اگر وہ چاہے تو طلحہ و زبیر کے ساتھ مل جائے اور اگر کعب بن سوریہ خبر لے کر آئے کہ لوگوں نے ان دونوں (طلحہؓ و زبیرؓ) کو (بیعت کرنے پر) مجبور نہیں کیا تو اس صورت میں عثمان کا معاملہ اس کے ہاتھ میں ہے پھر اگر طلحہؓ و زبیرؓ اطاعتِ علیؓ پر قائم رہنا چاہیں تو رہیں اگر بیعت سے خروج کرنا چاہیں تو اپنی مرضی کے مالک ہیں۔ علی ان سے اور ان کے حامیوں سے فلاح چاہنے والے ہیں۔"

صلحنامہ کے مطابق حضرت کعبؓ بن سور ازدی مدینہ منورہ گئے اور جمعہ کے دن مسجدِ نبویؐ میں مجمع عام سے سوال کیا کہ کیا طلحہؓ اور زبیرؓ نے علیؓ کی بیعت جبراً کی؟ حضرت اسامہؓ بن زیدؓ، حضرت ابو ایوب انصاریؓ، حضرت محمدؓ بن مسلمہ اور کچھ دوسرے اکابر صحابہ نے شہادت دی کہ ہاں انہوں نے جبراً بیعت کی تھی۔ کعب بن سوریہ شہادت لے کر مدینہ سے عازم بصرہ ہوئے اُدھر حضرت علیؓ کو ان واقعات کا علم ہوا تو انہوں نے حضرت عثمانؓ بن حنیف کو خط لکھا کہ اگر طلحہؓ و زبیرؓ سے زبردستی بھی بیعت لی گئی ہے تو صرف اس لیے کہ مسلمانوں میں افتراق و اختلاف اور گروہ بندی نہ پیدا ہو جائے۔ اب اگر وہ بیعت توڑتے ہیں تو مجھے کیا جواب دیں گے اور اگر اس کے سوا کوئی اور ارادہ ہے تو ان کو اور ہم کو اس پر غور کرنا چاہیے۔

حضرت کعبؓ بن سور نے بصرہ پہنچ کر لوگوں کو حقیقت حال سے آگاہ کیا تو صلحنامہ کالعدم ہو گیا اور حضرت طلحہؓ و حضرت زبیرؓ نے حضرت عثمانؓ بن حنیف سے مطالبہ کیا کہ وہ بصرہ کا قبضہ ان کے حوالے کر کے شہر خالی کر دیں۔ حضرت عثمانؓ نے حضرت علیؓ کے خط کی روشنی میں ان کا مطالبہ ماننے میں عذر کیا اور کہا کہ ہمیں

سارے معاملے کا نئے سرے سے جائزہ لینا چاہیے۔ اسی اثنار میں ایک ناخوشگوا واقعہ پیش آگیا، وہ یہ کہ حضرت عثمانؓ کو عشار کے وقت مسجد پہنچنے میں کچھ دیر ہوگئی۔ اس پر حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کے حامیوں نے حضرت عتابؓ بن اسید کو امامت کے لیے کھڑا کر دیا۔ چونکہ امامت اس زمانے میں لازمۂ حکومت تھی اور بڑی اہمیت کی حامل تھی اس لیے زط اور سیابچہ[1] نے جن کے سپرد شہر کا انتظام تھا، حضرت عتابؓ کو امامت سے روکا۔ اس پر فریقین میں کشمکش شروع ہوگئی۔ فریق مخالف نے ان لوگوں کو ایک طرف کر کے دارالامارت اور بیت المال کا رُخ کیا۔ اس کی حفاظت پر چالیس (اور بروایتِ دیگر چار سَو) زط اور سیابچہ مامور

---

[1] زط اور سیابچہ سے مراد وہ ہندی نژاد جاٹ اور دوسرے نومسلم تھے جو خلافتِ راشدہ کے زمانے میں عرب میں مستقل طور پر آباد ہو گئے تھے۔ یہ تین قسم کے لوگ تھے۔

① وہ ہندوستانی جو قدیم زمانہ سے عرب کے سواحل اور بعض صحرائی علاقوں میں بود و باش رکھتے تھے اور بعد میں مسلمان ہو گئے۔

② وہ ہندوستانی جو پہلے ایرانیوں کی فوج میں تھے اور بعد میں مسلمان ہو کر اسلامی فوج میں آگئے۔

③ وہ ہندوستانی جو اسلام کے قانونِ جہاد کے مطابق جنگی قیدی بنا کر (سندھ بلوچستان وغیرہ سے) عرب لائے گئے اور وہاں انہوں نے اسلام قبول کر کے پورے شہری حقوق حاصل کر لیے۔

علامہ بلاذریؒ کا بیان ہے کہ نومسلم جاٹوں اور سیابچہ نے بصرہ میں آباد بنو تمیم کی شاخ بنو حنظلہ کے ساتھ ولاء اور دوستی کا معاملہ کر لیا تھا۔ انہوں نے اسلامی فوج میں شامل ہو کر ایران، خراسان اور ہندوستان میں کفار اور مشرکین کے خلاف کئی جنگوں میں حصہ لیا۔ ان کے بصرہ میں آباد ہونے کے بعد دیگر مجاہدینِ اسلام کی طرح انہیں بھی بیت المال سے وظیفہ دیا گیا۔ اس کے علاوہ انہیں شہری اور فوجی ملازمتوں میں معقول

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

تھے۔ ان کے سردار ابو سالمہ زطی تھے جو ایک نیک اور صالح تابعی تھے۔ یہ لوگ مقابلے پر ڈٹ گئے کہ جب تک حضرت علیؓ جنہوں نے پہرہ داری کی خدمت ہمارے سپرد کی ہے نہ آئیں گے، ہم خزانہ کسی کے حوالے نہیں کر سکتے۔ اس وقت تو فریق مخالف کے لوگ واپس چلے گئے لیکن چند ساعتوں کے بعد وہ پھر آئے اور صبح ہوتے ہوتے ان تمام جاٹوں اور سیابچہ کو قتل کر ڈالا۔ علامہ بلاذری نے یہ واقعہ اس طرح بیان کیا ہے:

"بصرہ کے بیت المال پر سیابچہ کی ایک جماعت تعینات تھی۔ ایک قول کے مطابق ان کی تعداد چار سو تھی (اور ایک دوسرے قول کے مطابق چالیس تھی) جس وقت طلحہؓ اور زبیرؓ بصرہ آئے وہاں کے امیر حضرت علیؓ کی طرف سے عثمانؓ بن حنیف انصاری تھے۔ ان سیابچہ نے حضرت علیؓ کے آنے تک خزانہ ان کے حوالے کرنے سے انکار کر دیا۔ اس پر عبداللہ بن زبیرؓ ایک جماعت لے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

حصہ دیا گیا اور اپنے مکانات بنانے کی سہولتیں دی گئیں۔

یہ لوگ اپنی شکل وصورت، رنگ روپ، قد وقامت ڈیل ڈول اور لباس کی بناء پر صاف پہچانے جاتے تھے۔ بعض عرب ان کو جنات سے تشبیہ دیتے تھے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کے دورِ خلافت میں وہ بصرہ میں دارالامارۃ اور بیت المال کی پہرے داری اور بعض دوسری خدمات پر مامور تھے۔ "لسان العرب" میں ہے:

"سیابچہ سندھ کی ایک قوم ہے۔ یہ لوگ بصرہ میں پہرہ داری کرتے تھے اور جیل خانے کے نگران ومحافظ تھے۔" (ج ۲ ص ۲۹۴)

علامہ بلاذریؒ نے "فتوح البلدان" میں لکھا ہے: "بصرہ کے بیت المال پر سیابچہ کی ایک جماعت متعین تھی جن کی تعداد چالیس یا چار سو تھی۔" (ص ۳۶۹)

کر علی الصباح آئے اور ان سب کو قتل کر دیا۔ اس وقت ان کے سردار ابو سالمہ زطی نام کے ان ہی کے ایک نیک و صالح آدمی تھے۔" (فتوح البلدان ص ۳۶۹)

مؤرخ مسعودی کا بیان ہے کہ اس واقعہ میں زط و رسیابچہ کے ستر آدمی قتل ہوئے۔

پہرہ داروں کی رکاوٹ دور کرنے کے بعد حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کے آدمی دارالامارۃ کے اندر داخل ہو گئے اور حضرت عثمانؓ بن حنیف کو گرفتار کر لیا۔ بعض جوشیلے لوگ انہیں قتل کرنا چاہتے تھے لیکن اُمّ المؤمنینؓ کو پتہ چلا تو انہوں نے حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ سے مشورہ کرنے کے بعد حکم دیا کہ ان کی جان کو کوئی گزند نہ پہنچے البتہ انہیں قید میں رکھا جائے۔ پھر بھی بعض لوگوں نے ان کی ڈاڑھی، سر، ابرو اور پلکوں کے بال نوچ ڈالے اور انہیں بالکل بے ریش و بروت کر ڈالا۔

اس واقعہ کے نتیجے میں بصرہ پر اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ اور ان کے حامیوں کا مکمل قبضہ ہو گیا۔ شہر کے بیشتر باشندوں نے اطاعت قبول کر لی۔ جنہوں نے اظہارِ اطاعت نہ کیا، اُمّ المؤمنینؓ نے ان سے کوئی تعرض نہ کیا اور انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیا۔ اس کے بعد بصرہ کے خزانہ (بیت المال) سے اصلاح پسند لشکر کے سپاہیوں کی تنخواہیں تقسیم ہوئیں اور مدینہ، دمشق اور کوفہ وغیرہ میں آدمی بھیج کر لوگوں کو بصرہ پر قبضہ کی اطلاع دی گئی۔

(۷)

بصرہ (یا نواحِ بصرہ) کے رؤسا میں ایک صاحبِ اثر رئیس حُکیم بن جبلہ[۱] تھے۔ وہ حضرت علیؓ کے پُرجوش حامی تھے۔ انہیں حضرت عثمانؓ بن حُنیف کی

---

[۱] حُکیم بن جبلہ کا شمار خلافتِ راشدہ کے زمانے کے نامور لوگوں میں ہوتا ہے۔ ان

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

گرفتاری اور ابتلا کا علم ہوا تو وہ بنو عبدالقیس و ربیعہ کے سات سو آدمی لے کر حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے پاس پہنچے اور ان کے سامنے چند شرائط رکھیں جن میں سے ایک عثمانؓ بن حُنَیف کی قید سے رہائی تھی۔ لیکن حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے ان کی کوئی بھی شرط ماننے سے صاف انکار کر دیا۔ اس پر حُکیم بن جبلہ اور ان کے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

کا تعلق بنو عبدالقیس سے تھا۔ ابن اثیرؒ نے ان کا نسب نامہ اس طرح بیان کیا ہے۔ حُکیم بن جبلہ بن حصین بن اسود بن کعب بن عامر بن حارث بن دیل بن عمرو بن غنم بن ودیعہ بن لکیز بن افصی بن عبدالقیس بن دعمی بن جدیلہ بن اسد بن ربیعہ بن نزار عبدی۔
(اسد الغابہ)

انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ پایا تھا لیکن رویت اور روایت کا کوئی ثبوت نہیں ملتا، اس لیے جمہور اہلِ سیر نے انہیں تابعی شمار کیا ہے۔ ابنِ اثیرؒ کا بیان ہے کہ ــــ "وہ ایک مردِ صالح دیندار اور اپنی قوم میں ذی وجاہت تھے۔"

حُکیم شعر و شاعری میں بھی درک رکھتے تھے ان کے یہ دو شعر بہت مشہور ہیں:

لیس الرزیة بالدینار نفقده
ان الرزیة فقد العلم والحکم
وان اشرف من اودی الزمان به
اهل العفاف واهل الجود والکرم

یہ مصیبت کوئی مصیبت نہیں کہ ہمارے دینار ختم ہو جائیں بلکہ مصیبت یہ ہے کہ علم و حکمت گم ہو جائے ــــ جن لوگوں کو زمانہ نے فنا کر دیا ہے ان میں شریف ترین انسان وہ ہیں جو پاک دامن اور سخی و کریم ہیں۔

حضرت عثمان غنیؓ نے انہیں اپنے دورِ خلافت میں سندھ بھیجا تھا تاکہ وہاں کے حالات کا پتہ لگائیں اور پھر دربارِ خلافت کو اس سے آگاہ کریں۔ چنانچہ وہ سندھ گئے اور وہاں کے حالات معلوم کر کے واپس آئے۔ جب حضرت عثمانؓ نے ان سے وہاں کی حالت پوچھی تو انہوں نے بیان کیا کہ وہاں پانی کمیاب ہے، چور وہاں کے بہت دلیر ہیں اور وہاں کی زمین

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ساتھی عبداللہ بن زبیرؓ کی فوج کے ساتھ برسرپیکار ہو گئے ——— بعض روایتوں میں ہے کہ یہ واقعہ حضرت عثمانؓ بن حنیف کی گرفتاری سے پہلے پیش آیا۔ انہوں نے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

بھی پہاڑ ہے، اگر وہاں زیادہ لشکر بھیجا جائے تو اس کو خوراک کی قلت کا سامنا کرنا پڑے گا اور اگر کم بھیجا جائے تو ضائع ہو جائے گا۔ اس پر حضرت عثمان غنیؓ نے سندھ میں مزید لشکر بھیجنے کا ارادہ ترک کر دیا اور جو علاقہ فتح ہو چکا تھا اسی کا نظم و نسق بہتر بنانے پر توجہ دی۔ اس سلسلے میں انہوں نے حُکیم بن جبلہ کو سندھ کا قاضی بنا کر بھیجا۔ وہ عہدِ عثمانی میں اسلام کے پہلے قاضی ہیں جو سندھ میں اس اہم عہدے پر مامور ہوئے۔ اس عہدے سے سبکدوش ہونے کے بعد انہوں نے بصرہ میں مستقل اقامت اختیار کر لی۔ حضرت عثمانؓ بن حُنَیف کی حمایت میں انہوں نے حجازی (اصلاح پسندوں) کے لشکر سے جو لڑائی کی اس میں حیرت انگیز بہادری دکھائی۔ یہ لڑائی بصرہ کے قریب زابوقہ کے مقام پر ہوئی، اس میں ان کے ساتھ قبیلہ ربیعہ کے سات سو آدمی تھے۔ ان میں سے بیشتر آدمی حُکیم سمیت لڑائی میں کام آئے۔ حُکیم کی شجاعت کا یہ عالم تھا کہ لڑائی کے دوران میں ان کا ایک پیر کٹ گیا مگر اسی حال میں یہ رجز پڑھتے ہوئے لڑتے رہے:

يا ساقِ لن تراعي ——— اے میرے پیر تو ہمت نہ ہارنا

ان معي ذراعي ——— میرے ساتھ میرا بازو ہے

احمي بها كراعي ——— جس سے میں اپنی حفاظت کر رہا ہوں

یہاں تک کہ جب پیر سے بہت زیادہ خون بہہ گیا اور نڈھال ہو گئے تو اسی شخص سے تکیہ لگا لیا جس نے ان کا پیر کاٹا تھا۔ وہ مقتول پڑا تھا کسی نے پوچھا، آپ کا پیر کس نے کاٹا۔ جواب دیا میرے تکیہ نے بالآخر ایک شخص سحیم حدانی نے ان کو قتل کر ڈالا۔ مورخین نے لکھا ہے کہ بہادری کی مثال اس سے بڑھ کر دیکھنے میں نہیں آئی۔ سید سلیمان ندویؒ نے "سیرتِ عائشہؓ" میں حُکیم بن جبلہ کا کردار اس انداز میں پیش کیا ہے جس سے ان کے بارے میں کوئی اچھا تاثر قائم نہیں ہوتا لیکن جمہور اہلِ سیر نے ان کا ذکر بڑے اچھے الفاظ میں کیا ہے۔

خود حُکیم بن جبلہ کو سات سو آدمیوں کے ساتھ حجازی لشکر کے مقابلے کے لیے بھیجا تھا۔ بہرحال بصرہ کے قریب فریقین میں گھمسان کی لڑائی ہوئی جس میں حُکیم بن جبلہ اور ان کے کثیر رفقاء کام آئے۔ حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کو اس واقعہ کی خبر ہوئی تو انہوں نے اُمّ المومنینؓ کی خدمت میں ایک آدمی بھیج کر حضرت عثمانؓ بن حُنیف کو قید سے رہا کرا دیا۔ وہ رہا ہو کر سیدھے حضرت علی کرّم اللہ وجہہٗ کی خدمت میں پہنچے جو اس وقت مدینہ سے چل کر ربذہ میں مقیم تھے۔ حضرت علیؓ نے حضرت عثمانؓ کو اس طرح بے ریش و بروت دیکھا تو لوگوں سے فرمایا:

"دیکھو میں نے ان کو بوڑھا بھیجا تھا اب یہ جوان واپس آئے ہیں۔"

حضرت عثمانؓ نے بھی رقّت آمیز لہجے میں عرض کیا: "امیر المومنین آپ نے مجھے ڈاڑھی مونچھوں کے ساتھ بھیجا تھا لیکن آج آپ کے سامنے اس حالت میں حاضر ہو رہا ہوں کہ ڈاڑھی اور مونچھ کا ایک بال بھی سلامت نہیں۔"

حضرت علیؓ نے فرمایا، "تم کو اس کا اجر ملے گا۔"

اس کے جلد ہی بعد جنگ جمل پیش آئی اور بصرہ دوبارہ حضرت علیؓ کے قبضے میں آگیا لیکن اب اس کے گورنر حضرت عبداللہ بن عباسؓ مقرر ہوئے۔ حضرت عثمانؓ بن حُنیف کوفہ چلے گئے اور وہیں مستقل اقامت اختیار کر لی۔

اہلِ سِیَر نے حضرت عثمانؓ بن حُنیف کے سالِ وفات کی تصریح نہیں کی اور صرف اتنا لکھا ہے کہ انہوں نے امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کے عہدِ خلافت میں وفات پائی۔ اس وقت عبدالرحمٰن نام کے صرف ایک صاحبزادے موجود تھے۔

ان سے مروی چند احادیث بھی کتبِ حدیث میں ملتی ہیں۔ ان کے رواۃ میں حضرت ابوامامہ بن سہلؓ بن حُنیف (بھتیجے) نوفل بن مساحقؒ، ہانی بن معاویہ صدفیؒ، عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ اور عمارہ بن خزیمہ بن ثابتؒ شامل ہیں۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ

حضرت حارثؓ بن خزمہ انصاری

①

عربوں میں یہ دستور تھا کہ وہ اپنے اونٹوں کو نظرِ بد سے بچانے کے لیے ان کے گلے میں بالوں کے پٹے ڈال دیا کرتے تھے اور اللہ کی رحمت اور فضل کے امیدوار ہونے کے بجائے وہ بالوں کے ان پٹوں پر حد سے زیادہ اعتماد کرتے تھے۔ سرورِ عالم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم اس قسم کی توہم پرستی کو سخت ناپسند فرماتے تھے اور لوگوں کو ہر حال میں اللہ پر بھروسا کرنے کی تاکید فرمایا کرتے تھے۔ ایک دفعہ ایک سفر میں آپؐ کو معلوم ہوا کہ بعض لوگوں نے اپنے اونٹوں کی گردنوں میں بالوں کے پٹے ڈال رکھے ہیں۔ آپؐ نے اس سے ناگواری محسوس فرمائی اور اپنے ایک انصاری جاں نثار کو حکم دیا کہ اگر کسی اونٹ کی گردن میں بالوں کا پٹہ پڑا دیکھو تو اس پٹے کو کاٹ ڈالو۔ وہ صاحب فوراً اٹھے اور اس وقت تک واپس نہ آئے جب تک حضورؐ کے ارشادِ گرامی کی تعمیل نہ کر لی۔ یہ صاحب رسولؐ جن پر رحمتِ دو عالم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو اس قدر اعتماد تھا کہ ایک اہم کام کی انجام دہی پر ان کو بطورِ خاص متعین فرمایا، حضرت حارثؓ بن خزمہ انصاری تھے۔

②

سیّدنا حضرت حارثؓ بن خزمہ کا شمار نہایت عظیم المرتبت صحابہ

ہیں ہوتا ہے۔ ان کا تعلق قبیلہ خزرج کے خاندان قواقلہ سے تھا۔ نسب نامہ یہ ہے:

حارثؓ بن خزمہ بن عدی بن ابی بن غنم (قوقل) بن سالم بن عوف بن عمرو بن عوف بن خزرج۔

وہ قبیلہ اوس کے معزز ترین خاندان بنو عبدالاشہل کے حلیف تھے۔ بعض اہلِ سیر نے ان کا نام حارث بن خزیمہ لکھا ہے لیکن ابن اثیرؒ کے نزدیک صحیح نام حارث بن خزمہ ہی ہے۔ ابنِ سعدؒ کا بیان ہے کہ ان کی کنیت ابو بشیر تھی۔

اربابِ سیر نے حضرت حارثؓ بن خزمہ کے قبولِ اسلام کے زمانے کی صراحت نہیں کی لیکن قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ہجرتِ نبویؐ سے کچھ عرصہ پہلے یا فوراً بعد شرفِ اسلام سے بہرہ ور ہو گئے اور دینِ حق کے ایک نہایت مخلص سپاہی بن گئے۔ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین اور انصار کے درمیان عقدِ مواخاۃ قائم کرایا تو حضرت حارثؓ بن خزمہ کو حضرت ایاسؓ بن بکیر کا دینی بھائی بنایا۔ رمضان ۲ ھ ہجری میں عہدِ رسالت کا غزوۂ اوّل بدر کے میدان میں پیش آیا تو حضرت حارثؓ بن خزمہ کو ان نفوسِ قدسی میں شامل ہونے کا مہتم بالشان شرف حاصل ہوا جو اس غزوے میں ہادئ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب تھے، اور جن کو اللہ تعالیٰ نے یہ رتبہ دیا کہ (اصحابِ بدر ہونے کی حیثیت سے) ان کے تمام گناہ بخش دیئے۔

غزوۂ بدر کے بعد حضرت حارثؓ بن خزمہ نے غزوۂ اُحد میں دادِ شجاعت دی۔ اس کے بعد غزوۂ احزاب اور اس کے بعد کے تمام مشاہد میں بڑے جوش اور جذبہ کے ساتھ شریک ہوئے۔ ۹ ھ میں غزوۂ تبوک پیش آیا۔ یہ غزوہ اہلِ حق بالخصوص انصار کے لیے بہت بڑا امتحان تھا! اس وقت خشک سالی کی وجہ سے قحط کی سی کیفیت تھی۔ لے دے کر اہلِ مدینہ کی امیدوں کا سارا انحصار کھجور کی فصل پر تھا جو پکنے کے بالکل قریب

تھی۔ مدینہ چھوڑ کر تین سو میل دور جہاد پر جانے کا یہ نتیجہ بھی ہو سکتا تھا کہ یہ فصل برباد ہو جائے اور آئندہ فصل کے آنے تک اہلِ مدینہ معاشی بدحالی میں مبتلا رہیں۔ یہ خدشات اپنی جگہ درست تھے لیکن اللہ کے ان پاکباز بندوں نے اپنی جانوں اور مالوں کو راہِ حق میں وقف کر رکھا تھا حضورؐ کا اشارہ پاتے ہی سب ہر چیز سے بے نیاز ہو کر اللہ کی راہ میں اپنی جانیں قربان کرنے کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے اور تبوک کے پُر صعوبت سفر کے لیے تیار ہو گئے۔[1] حضرت حارثؓ بن خزمہ بھی دینِ حق کے ان سرفروشوں میں شامل تھے

غزوۂ تبوک کے موقع پر ایک ایسا واقعہ پیش آیا جس نے منافقین کو باتیں بنانے کا موقع مہیا کر دیا۔ وہ یہ کہ رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی اونٹنی کہیں کھو گئی، ہر چند اس کو تلاش کیا گیا نہ ملی۔ اس پر منافقین نے یہ یاوہ گوئی کی کہ محمدؐ (صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم) اپنی اونٹنی کی خبر تو جانتے نہیں آسمان کی خبریں کیسے جان سکتے ہیں۔

حضورؐ کو ان کی اس گفتگو کا علم ہوا تو آپؐ نے فرمایا، میں وہی باتیں جانتا ہوں، اللہ تعالیٰ جن کی اطلاع مجھے دے۔ اب اللہ تعالیٰ نے مجھے خبر دی ہے کہ اونٹنی فلاں درے کی وادی میں ہے۔

حضورؐ کا ارشادِ گرامی سن کر متعدد صحابۂ کرامؓ آپؐ کے بتائے ہوئے مقام کی طرف اٹھ دوڑے ان میں حضرت حارثؓ بن خزمہ بھی شامل

---

[1] صرف تین سچے مسلمان حضرت کعبؓ بن مالک، حضرت ہلالؓ بن امیہ اور حضرت مرارہؓ بن ربیع محض تساہل کی بنا پر غزوۂ تبوک میں شریک نہ ہو سکے۔ حضورؐ تبوک سے واپس تشریف لائے تو ان تینوں نے اپنی خطا کا اعتراف کیا۔ حضورؐ نے مسلمانوں کو ان کے مقاطعہ کا حکم دیا یہ مقاطعہ پچاس دن تک جاری رہا۔ پچاسویں دن اللہ تعالیٰ کی شانِ رحیمی کو جوش آیا اور اس نے ان تینوں کی توبہ قبول فرمائی۔

تھے۔ وہی سب سے پہلے اونٹنی کے پاس پہنچے اور اس کو پکڑ کر حضورؐ کی خدمت میں لے آئے۔

عہدِ رسالت کا تو شاید ہی کوئی ایسا شرف ہو جو حضرت حارثؓ بن خزمہ کو حاصل نہ ہوا ہو لیکن سرورِ عالم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کے وصال کے بعد حضرت حارثؓ کے حالاتِ زندگی کا کسی کتاب سے پتہ نہیں چلتا۔ صرف اتنا معلوم ہے کہ انہوں نے سنہ ۴۰ ہجری میں بعہدِ خلافت حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ وفات پائی۔ اس وقت ان کی عمر ۶۷ برس کی تھی۔ اپنے پیچھے کوئی اولاد نہیں چھوڑی۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے روایت ہے کہ فرمایا

رَسُول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم

نے

جس نے میری اطاعت کی بے شک اس نے خدا کی اطاعت کی

اور

جس نے میری نافرمانی کی اس نے خدا کی نافرمانی کی — اور

جس نے

میرے امیر کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی اور جس

نے

میرے امیر کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی۔ (صحیح بخاری)

حضرت سُلَیمؓ بن حارِث انصاری

①

غزوۂ اُحد سے ایک دن پہلے کا ذکر ہے کہ خزرج کے خاندان بنی سلمہ کے ایک نیک مسلمان بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا:

"یا رسول اللہ ﷺ! معاذ بن جبل رات کو ہمارے سونے کے بعد اور دن کو ہمارے کاموں میں مشغولی کے وقت آتے ہیں اور نماز کے لیے اذان دیتے ہیں۔ ہم (بستر سے اٹھ کر اور کام کاج چھوڑ کر) مسجد میں ان کے پاس پہنچ جاتے ہیں لیکن وہ نماز میں بہت طویل قرأت کرتے ہیں (جس سے ہم کو تکلیف ہوتی ہے)"

حضور ﷺ نے حضرت معاذؓ بن جبل کو بلا بھیجا۔ جب وہ حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے ان سے فرمایا:

"اے معاذ! لوگوں کو فتنہ میں مبتلا نہ کرو۔ یا تو تم میرے ساتھ نماز پڑھا کرو یا اپنی قوم کی امامت کرتے وقت قرأت کم کیا کرو"[1] (اسد الغابہ)

---

[1] صحیح بخاری میں یہ واقعہ اور طریقے سے بیان ہوا ہے۔ وہ اس طرح کہ بنو سلمہ نے اپنے محلے میں ایک مسجد بنالی تھی۔ اس میں نماز باجماعت کی امامت حضرت معاذؓ بن جبل انصاری کرتے تھے۔ ایک دن عشاء کی نماز میں انہوں نے سورۂ بقرہ پڑھی۔ مقتدیوں میں ایک صاحب تھے جو دن بھر کھیت میں کام کرنے کی وجہ سے بہت تھکے ہوئے تھے۔ حضرت معاذؓ کی قرأت ابھی جاری تھی کہ وہ نیت توڑ کر چل دیئے۔ حضرت معاذؓ کو ان کے اس طرح جانے کا علم ہوا تو انہوں نے (غصے میں آکر)

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

یہ صاحب رسول جن کی شکایت پر سید المرسلین والانبیاءؐ نے ائمہ نماز کے لیے یہ دائمی اصول وضع فرما دیا کہ وہ نماز پڑھاتے وقت مقتدیوں کا بھی خیال رکھا کریں اور زیادہ لمبی قرأت نہ کیا کریں، حضرت سُلیمؓ بن حارث انصاری تھے۔

(۲)

سیدنا حضرت سُلَیمؓ بن حارث بن ثعلبہ کا تعلق انصار کے معزز خاندان بنو سلمہ سے تھا بعض اہلِ سِیر نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ وہ بنی دینار بن نجار سے تھے اور ان کا نسب نامہ اس طرح بیان کیا ہے:

سُلَیمؓ بن حارث بن ثعلبہ بن کعب بن عبدالاشہل بن حارثہ بن دینار بن نجار ۔ (بہرصورت ان کا نسبی تعلق قبیلہ خزرج سے تھا)

وہ نہایت مخلص مسلمان تھے اور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر پروانہ وار فدا تھے۔ انہوں نے ہجرت سے کچھ پہلے یا فوراً بعد اسلام قبول کیا اور دینِ حق کے جانباز سپاہی بن گئے۔ ۲ ہجری میں بڑے جوش

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

کہا کہ وہ منافق ہے۔ اُن صاحب تک یہ بات پہنچی تو اُن کو بہت دُکھ ہوا۔ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر شکایت کی کہ معاذؓ کی طویل قرأت کو ناقابلِ برداشت پا کر میں نے گھر جا کر نماز پڑھی لیکن انہوں نے مجھ کو منافق کہا ہے۔ حضورؐ نے حضرت معاذؓ کو بُلا کر فرمایا:

افتان انت؟ کیا لوگوں کو فتنہ میں مبتلا کرو گے؟

اس کے بعد فرمایا، چھوٹی سورتیں پڑھا کرو کیونکہ تمہارے پیچھے صفوں میں بوڑھے، ضعیف (عورتیں اور بچے) اور کام کاج والے سبھی قسم کے لوگ ہوتے ہیں تم کو ان سب کا خیال رکھنا چاہیے۔ (صحیح بخاری جلد ۱ صفحہ ۹۸)

اور جذبہ کے ساتھ غزوۂ بدر میں شریک ہوئے اور شجاعت و بسالت کا حق ادا کر دیا۔ حضرت معاذؓ بن جبل سے شکایت ان کو غزوۂ بدر کے بعد پیدا ہوئی۔

ابن اثیرؒ کا بیان ہے کہ اس وقت لوگ غزوۂ اُحد کی تیاری کر رہے تھے وہ اس غزوے سے ایک دن پہلے بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے اور اپنی شکایت پیش کی۔ حضورؐ نے اس شکایت کو معقول جانا اور حضرت معاذؓ بن جبل کو مناسب ہدایات دیں اس کے بعد آپؐ نے حضرت سُلیمؓ سے پوچھا:— "اے سُلیم تمہارے پاس قرآن سے کیا ہے؟"

انہوں نے عرض کیا: "یا رسول اللہ! میرے پاس قرآن سے (صرف) اتنا ہے کہ میں اللہ سے جنت طلب کرتا ہوں اور دوزخ سے پناہ مانگتا ہوں میں آپ کی طرح اور معاذ کی طرح قرآن نہیں پڑھ سکتا۔"

حضورؐ نے فرمایا: "میں اور معاذ بھی تو اللہ سے جنّت طلب کرتے ہیں اور دوزخ سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔"

حضرت سُلیمؓ نے عرض کیا: "یا رسول اللہ! کل جب ہم کافروں سے مقابلہ کریں گے تو انشاء اللہ تعالیٰ آپ دیکھیں گے کہ میں کیا کرتا ہوں۔"

دوسرے دن معرکۂ اُحد پیش آیا تو حضرت سُلیمؓ بڑے ولولے کے ساتھ اس میں شریک ہوئے اور سر بکف ہو کر لڑے یہاں تک کہ راہِ حق میں اپنی جان کا نذرانہ پیش کر کے جنت الفردوس میں پہنچ گئے۔ بعض نے لکھا ہے کہ وہ غزوۂ خندق میں شہید ہوئے اور بعض نے ان کا خیبر میں شہید ہونا بیان کیا ہے لیکن جمہور اہلِ سِیَر کے قول کے مطابق صحیح یہی ہے کہ وہ غزوۂ اُحد میں شہید ہوئے۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت ابوعَقیل اُنیفی انصاری رضؓ
(عَدُوُّ الاَوثان)

①

سرورِ عالم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیہِ وَسَلَّمَ مکہ سے ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لائے تو ایک دن ایک تنومند نوجوان آپؐ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے۔ قدا ایمان کے ساتھ آپؐ کی بیعت کا شرف حاصل کیا اور بتوں سے نفرت کا اظہار کیا۔ اس موقع پر حضورؐ نے ان سے پوچھا:

" تمہارا نام کیا ہے؟ "

انہوں نے عرض کیا: " عبدالعُزّیٰ "

حضورؐ نے فرمایا: " نہیں، بلکہ آج سے تمہارا نام عبدالرحمٰن عَدُوُّ الاَوثان (بتوں کا دشمن) ہے۔"

انہوں نے ارشادِ نبوی کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیا اور سب لوگوں سے کہہ دیا کہ اب میں عبدالعُزّیٰ نہیں بلکہ عبدالرحمٰن ہوں۔ یہ صاحب رسولؐ جن کی صنم دشمنی کی شہادت خود سید المرسلین والانبیاء صَلَّی اللّٰہُ عَلَیہِ وَسَلَّمَ نے دی، قبیلہ بَلی کی شاخ بنو اُنیف سے تعلق رکھتے تھے اور انصار کے خاندان بنی جحجبا بن کلفہ کے حلیف تھے۔ ان کی کنیت " ابوعقیل " تھی اور اسی سے انہوں نے شہرت پائی۔ سلسلۂ نسب یہ ہے:

ابوعقیل عبدالرحمٰن الاُنیفی بن عبداللہ بن ثعلبہ بن بیحان بن عامر بن حارث بن مالک بن عامر بن انیف۔

ان کے اجداد میں ایک شخص اراشد بن عامر تھا۔ اس کی نسبت۔۔۔

سے انہیں اراشی بھی کہا جاتا ہے۔

(۲)

حضرت ابوعقیلؓ نہایت مخلص مسلمان تھے اور اپنی جان راہِ حق میں قربان کرنے کے لیے ہر وقت تیار رہتے تھے۔ غزوات کا آغاز ہوا تو سب سے پہلے ان کی تلوار بدرالکبریٰ کے میدان میں بے نیام ہوئی اور دشمنانِ حق کے سروں پر برقِ خاطف بن کر گری۔ یوں ان کو "اصحابِ بدر" میں سے ہونے کا عظیم الشان شرف حاصل ہوا۔ اس کے بعد انہوں نے اُحُد احزاب اور دوسرے تمام مشاہد میں سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمرکابی کا شرف حاصل کیا۔ حجۃ الوداع (سنہ ہجری) میں بھی حضورؐ کے ہم رکاب تھے۔ سنہ ۱۱ ہجری میں آفتاب رسالت اللہ تعالیٰ کی شفق رحمت میں غروب ہوا تو حضرت ابوعقیلؓ پر کوہِ غم ٹوٹ پڑا اور دنیا ان کے لیے اندھیر ہو گئی لیکن بالآخر انہوں نے کمر ہمت باندھی اور عہد کر لیا کہ جس طرح عہدِ رسالت میں اللہ کے دشمنوں کے خلاف لڑا کرتے تھے اسی طرح اب بھی لڑتے رہیں گے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ شہادت کی سعادت نصیب کر دے۔

(۳)

حضرت ابوبکر صدیقؓ سریر آرائے خلافت ہوئے تو دفعتہً سارے عرب میں فتنۂ ارتداد کے شعلے بھڑک اٹھے۔ صدیق اکبرؓ اس فتنے کے مقابلے میں کوہِ استقامت بن کر کھڑے ہو گئے اور مرتدین و مانعینِ زکوٰۃ کے تمام مطالبے رد کر کے ان کے خلاف جہاد کا اعلان کر دیا۔ مرتدوں اور باغیوں میں سب سے طاقتور مسیلمہ کذاب تھا۔ اس نے نبوت کا جھوٹا دعویٰ کر کے بے شمار سادہ لوح بدویوں کو گمراہ کر دیا تھا۔ اس کی ایک بہت بڑی

تعداد اپنے جھنڈے تلے جمع کرلی۔ صدیق اکبرؓ نے اس کی سرکوبی پر حضرت خالدؓ بن ولید "سیف اللہ" کو مامور فرمایا۔ حضرت ابو عقیلؓ بھی حضرت خالدؓ بن ولید کے لشکر میں شامل ہو گئے۔ اہل حق اور مسیلمہ کذاب کے درمیان یمامہ کے میدان میں خونریز جنگ ہوئی۔ علامہ ابن جریر طبری نے لکھا ہے کہ فتنۂ ارتداد کے استیصال کے سلسلے میں جو لڑائیاں ہوئیں، جنگ یمامہ ان میں سب سے سخت تھی۔ لڑائی شروع ہوئی تو حضرت ابو عقیلؓ تلوار سونت کر مردانہ وار دشمن کی طرف بڑھے لیکن یکایک دشمن کا ایک تیر ان کے شانوں اور دل کے درمیان لگا جس سے وہ شدید زخمی ہو گئے اور لڑنے کے قابل نہ رہے مسلمان انہیں اٹھا کر پیچھے لے گئے اور اونٹ کے ایک کجاوے میں لٹا دیا۔ جب لڑائی میں شدت آگئی تو ایک موقع پر دشمن نے اس زور کا حملہ کیا کہ مسلمانوں کو پیچھے ہٹنا پڑا اور وہ پیچھے ہٹتے ہٹتے کجاووں کے پاس پہنچ گئے اس وقت حضرت معنؓ بن عدی انصاری نے پکار کر کہا:

"اے گروہ انصار! اللہ سے ڈرو اور آگے بڑھ کر دشمن پر حملہ کرو۔"

ان کی آواز سن کر حضرت ابو عقیلؓ تلوار لے کر اٹھ کھڑے ہوئے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ ان کے قریب کھڑے تھے انہوں نے کہا:

"اے ابو عقیلؓ کیا کر رہے ہو تم میں لڑائی کی طاقت نہیں ہے۔"

حضرت ابو عقیلؓ نے جواب دیا:۔

"منادی نے میرا نام لے کر پکارا ہے۔"

حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا:۔

"نہیں اس نے تو صرف اے گروہ انصار کہا ہے۔ اس کی مراد مجروحین سے نہیں ہے۔"

حضرت ابو عقیلؓ بولے:۔ میں بھی انصار کا ایک فرد ہوں ا۔ میں اس کا جواب دوں گا خواہ مجھے گھٹنوں کے بل چلنا پڑے۔"

پھر وہ تلوار سونت کر دشمن پر ٹوٹ پڑے اور ساتھ ہی انصار کو للکار کر کہا:

"اے انصار غزوۂ حنین کی طرح دوبارہ حملہ کرو۔"

ان کی للکار سُن کر مسلمانوں نے ہر طرف سے جمع ہو کر دشمن پر پوری قوت سے حملہ کیا اور اسے پیچھے دھکیل دیا۔ دشمنوں نے مسیلمہ کے قلعہ بند باغ حدیقۃ الرحمٰن میں پناہ لی۔ مسلمان اس میں گھس گئے اور دشمنوں کو اپنی تلواروں پر رکھ لیا! اسی جگہ مسیلمہ کذاب کو حضرت وحشیؓ اور حضرت عبداللہ انصاریؓ نے جہنم واصل کر دیا اور اس کے لشکر کو مکمل شکست ہو گئی۔

حضرت ابو عقیلؓ زخمی ہونے کے باوجود سر بکف ہو کر لڑے اور مسیلمہ تک پہنچنے کی کوشش میں اور زیادہ زخمی ہو گئے۔ ابن سعد نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا یہ بیان نقل کیا ہے کہ ان کا زخمی ہاتھ شانے سے کٹ چکا تھا اور ان کو چودہ زخم لگے تھے جن میں سے ہر زخم مہلک تھا۔ میں دوڑتا ہوا ان کے پاس گیا اس وقت وہ نزع کے عالم میں تھے۔ میں نے ان کو پکارا "اے ابو عقیل" انہوں نے لڑکھڑاتی ہوئی زبان میں کہا "لبیک" پھر پوچھا کس کو شکست ہوئی؟ میں نے کہا:— "آپ خوش ہو جایئے اللہ کا دشمن قتل ہو گیا۔"

انہوں نے الحمد للہ کہہ کر اپنی انگلی آسمان کی طرف اٹھائی اور اپنی جان جانِ آفرین کے سپرد کر دی۔

میں نے مدینہ واپس آ کر یہ واقعہ اپنے والد حضرت عمرؓ سے بیان کیا تو انہوں نے فرمایا:

"ابو عقیلؓ ہمیشہ شہادت کی دعا کیا کرتے تھے اور اسی کی طلب میں رہتے تھے۔"

امام ہیثمی اور طبرانی رح نے حضرت ابو عقیلؓ کی زبانی یہ روایت نقل کی ہے کہ ایک دفعہ میں نے ساری رات دو صاع کھجوروں کے عوض پیٹھ پر پانی لاد کر سینچائی کی اِن

میں سے ایک صاع نکال کر اپنے گھر والوں کے پاس لے گیا تاکہ وہ استعمال میں لائیں اور دوسرا صاع رضائے الٰہی کے حصول کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے کر حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میں یہ کھجوریں اللہ کی راہ میں صدقہ کرتا ہوں ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مجمع میں منافقین بھی بیٹھے ہوئے تھے ۔ انہوں نے میرا مذاق اڑاتے ہوئے کہا کہ اس کے پاس اتنا بھی نہیں کہ ایک صاع کھجوروں کا دے کر اللہ کا تقرب حاصل کرنا چاہتا ہے۔ اس پر اللہ پاک نے یہ آیتیں نازل فرمائیں :

اَلَّذِیْنَ یَلْمِزُوْنَ الْمُطَّوِّعِیْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ فِی الصَّدَقٰتِ وَالَّذِیْنَ لَا یَجِدُوْنَ اِلَّا جُهْدَهُمْ فَیَسْخَرُوْنَ مِنْهُمْ ؕ سَخِرَ اللّٰهُ مِنْهُمْ ۫ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ۝ اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ؕ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِیْنَ مَرَّةً فَلَنْ یَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ؕ وَاللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْفٰسِقِیْنَ ۝ (سورۂ توبہ رکوع ۱۰)

(یہ منافقین ایسے ہیں جو برضا و رغبت صدقات دینے والے اہل ایمان پر باتیں چھانٹتے ہیں اور ان لوگوں کا مذاق اڑاتے ہیں جن کے پاس (راہِ خدا میں دینے کے لیے) اس کے سوا کچھ نہیں ہے جو وہ اپنے اوپر مشقت برداشت کر کے دیتے ہیں۔ اللہ ان مذاق اڑانے والوں کا مذاق اڑاتا ہے اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے ۔ اے نبیؐ ! تم ان لوگوں کے لیے خواہ معافی کی درخواست کرو یا نہ کرو اگر تم ستر مرتبہ بھی معاف کر دینے کی درخواست کرو گے تو اللہ انہیں ہرگز معاف نہ کرے گا ۔ اس لیے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا ہے اور اللہ فاسق لوگوں کو راہِ نجات نہیں دکھاتا ۔)[1]

---

[1] یہ واقعہ غزوۂ تبوک کے موقع کا ہے۔ غزوہ پر روانہ ہونے سے پہلے

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

رسولِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے مسلمانوں کو انفاق فی سبیل اللہ کی ترغیب دی تو انہوں نے عدیم المثال ایثار اور قربانی کا مظاہرہ کیا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے اپنے گھر کا سارا مال اسباب اور حضرت عمر فاروق رضؓ نے آدھا مال اسباب پیش کر دیا۔ اسی طرح دوسرے تمام مخلص اہلِ ایمان نے اپنی حیثیت کے مطابق یا اس سے بڑھ کر مالی قربانیاں پیش کیں لیکن منافقین ہاتھ روکے بیٹھے رہے، صرف یہی نہیں بلکہ وہ بڑی بڑی رقمیں پیش کرنے والے مسلمانوں پر ریاکاری کا الزام لگاتے اور اگر کوئی غریب مسلمان اپنا اور اپنے بال بچوں کا پیٹ کاٹ کر کوئی چھوٹی سی رقم حاضر کرتا یا رات بھر محنت مزدوری کر کے کچھ کھجوریں حاصل کرتا اور وہی لا کر پیش کر دیتا تو منافقین اس کا مذاق اڑاتے اور کہتے لو یہ ٹڈی کی ٹانگ بھی آگئی ہے کہ اس سے روم کے قلعے فتح کیے جائیں۔

حضرت مُجذَّرؓ بن زیاد بلَوی انصاری

①

حضرت مُجذَّرؓ بن زیاد اس مقدّس جماعت کے رُکن ہیں جس کے تمام اگلے پچھلے گناہ اللہ تعالیٰ نے معاف کر دیئے اور مغفرت کی بشارت دی یعنی ——— " اصحاب بَدر "

اصل نام عبداللہ تھا لیکن انہوں نے مُجذّر کے لقب سے شہرت پائی۔ حضرت مُجذّرؓ کا تعلق قبیلہ بَلِی سے تھا۔ ان کا خاندان خزرج کی شاخ بنی غنم کا حلیف تھا۔ سلسلۂ نسب یہ ہے:

مُجذَّر (عبداللہ) بن زیاد بن عمرو بن اخزم بن عمرو بن عمارہ بن مالک البلَوی۔

زمانۂ جاہلیت میں انہوں نے قبیلہ اوس کے ایک نامور سردار سُوَید بن صامت کو قتل کر ڈالا تھا۔[1] اوس اور خزرج میں پہلے ہی مخاصمت تھی سُوَید

---

[1] سُوَید بن صامت مدینے کے سب سے پہلے آدمی ہیں جو ہجرتِ نبویؐ سے چند سال پہلے مکّہ جا کر رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملے۔ ان کی حضورؐ سے دُور پار کی رشتہ داری بھی تھی، وہ اس طرح کہ حضورؐ کے دادا کی والدہ سلمیٰ بنت عمرو سوید کی والدہ لیلیٰ بنت عمرو کی حقیقی بہن تھیں۔ سُوَید اپنی لیاقت، شجاعت، شاعری اور حسب و نسب کی بنا پر اپنی قوم میں کامل کہلاتے تھے۔ بقول ابن سعد جو شخص لکھنے پڑھنے کے علاوہ تیراکی اور تیر اندازی میں بھی ماہر ہوتا اس کو زمانۂ جاہلیت

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

کے واقعۂ قتل نے اس مخاصمت کو شدید تر کر دیا۔ تھوڑے ہی دنوں کے بعد جنگِ بُعاث پیش آئی جس میں اوس اور خزرج نے ایک دوسرے کو تباہ کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ لڑائی میں اگرچہ خزرج کو شکست ہوئی لیکن اوسی بھی بہت خستہ اور نزار ہو گئے۔ اوس اور خزرج کے یہی لیل و نہار تھے کہ اسلام کے آفتابِ ضیا بار کی کرنیں مدینہ (یثرب) پر پڑیں اور دونوں قبیلوں

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ)

میں کلمہ یا کامل کا خطاب دیا جاتا تھا۔ سوید حج یا عمرے کے لیے مکے آئے تو حضورؐ نے ان سے ملاقات کی اور انہیں اسلام کی دعوت دی۔ انہوں نے کہا "شاید آپ کے پاس وہی چیز ہے جو میرے پاس ہے ——— حضورؐ نے پوچھا "آپ کے پاس کیا ہے" انہوں نے کہا "مجلۂ لقمان" (یعنی حکمتِ لقمان) حضورؐ نے فرمایا "وہ مجھے سنایئے" انہوں نے اس کا کچھ حصہ پڑھ کر سنایا۔ آپؐ نے فرمایا "یہ اچھا کلام ہے لیکن میرے پاس جو چیز ہے وہ اس سے ارفع و اعلیٰ ہے۔ یہ قرآن ہے جو اللہ تعالیٰ نے مجھ پر نازل فرمایا ہے یہ سراسر ہدایت اور نور ہے۔" پھر حضورؐ نے ان کے سامنے چند آیات پڑھیں اور اسلام قبول کرنے کے لیے کہا۔

انہوں نے کہا "فی الواقع یہ ایک اچھا کلام ہے۔"

ابنِ ہشام کا بیان ہے کہ سوید قرآن سن کر اسلام سے دور نہیں رہے۔ اس کے بعد وہ مدینے واپس گئے جہاں کچھ مدت بعد وہ مجذر بن زیاد کے ہاتھوں قتل ہو گئے۔

علامہ بلاذری نے "انساب الاشراف" میں لکھا ہے کہ جنگِ بُعاث جو ہجرتِ نبوی سے پانچ سال پہلے اوس اور خزرج کے درمیان ہوئی اس کا سبب سوید کا قتل تھا لیکن دوسرے مؤرخین نے اس کے کچھ اور اسباب لکھے ہیں۔ ہو سکتا ہے ایک سبب یہ بھی ہو۔

کے لوگ تیزی کے ساتھ اسلام کے دامنِ رحمت سے وابستہ ہونے لگے۔ یہاں تک کہ اوس اور خزرج دونوں نے رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ تشریف لانے کی دعوت دی۔ حضورؐ مدینہ منورہ تشریف لائے تو آپؐ نے دونوں قبیلوں کے درمیان مصالحت کرادی۔ حضرت مُجذّرؓ اسی زمانے میں شرفِ اسلام سے بہرہ ور ہوئے اور پھر انہوں نے اپنی زندگی یکسر راہِ حق میں وقف کردی۔

۲

سنہ ۲ ہجری میں سرورِ عالم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم غزوۂ بدر کے لیے روانہ ہوئے تو جن سرفروشوں کو آپ کی ہمرکابی کا شرف حاصل ہوا، حضرت مُجذّرؓ بھی ان میں شامل تھے۔ لڑائی سے پہلے حضورؐ نے مجاہدین کو تاکید فرمائی کہ اگر اثنائے جنگ میں تمہارا ابوالبختری سے سامنا ہو جائے اور تم اس پر قابو پالو تو اس کو قتل نہ کرنا[۱] اتفاق سے دورانِ قتال میں حضرت مُجذّرؓ

---

[۱] ابوالبَختَری عاص بن ہشام (بن حارث بن اسد) مکہ کا ایک شریف الطبع رئیس تھا۔ مکہ میں اس نے نہ کبھی رسولِ اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو ستایا تھا اور نہ کبھی کوئی ایسی حرکت کی تھی جو آپؐ کو ناگوارِ خاطر ہوتی بلکہ شعبِ ابی طالب میں محصوری کے زمانے میں اس نے حضورؐ کی مدد کی تھی وہ یوں کہ ایک مرتبہ حکیم بن حزام نے کچھ گندم اپنے غلام کے ہاتھ اپنی پھوپھی اُمّ المؤمنین حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کے پاس شعبِ ابی طالب میں بھیجی۔ ابوجہل کو پتہ چلا تو وہ حکیم بن حزام کے غلام کا راستہ روک کر کھڑا ہو گیا اور کہا کہ میں یہ گیہوں درّہ کے اندر ہرگز نہ لے جانے دوں گا۔ اتفاق سے ابوالبختری وہاں آنکلا اس نے ابوجہل سے کہا کہ حکیم بن حزام کی پھوپھی کا کچھ گیہوں اس کے پاس امانتہً رکھا تھا، وہ پھوپھی کی امانت واپس کرنا چاہتا تھا

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

کا ابوالبختری سے سامنا ہو گیا۔ حضرت مُجذّرؓ نے اس سے فرمایا کہ رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے تمہارے قتل کی ممانعت فرمائی ہے اس لیے میں تم کو چھوڑتا ہوں۔ ابوالبختری کے ساتھ اس کا ایک رفیق جنادہ بن مُلیحہ لیثی بھی مکّہ سے آیا تھا اور اس کے مال و متاع کی نگرانی کر رہا تھا۔ ابوالبختری نے دریافت کیا: "کیا میرے ساتھی کو بھی چھوڑتے ہو؟"

حضرت مُجذّرؓ نے کہا، "نہیں، کیونکہ رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے صرف تمہارے بارے میں حکم دیا ہے اس کے بارے میں کوئی ہدایت نہیں فرمائی۔"

ابوالبختری نے کہا، "یہ تو شرافت اور جوانمردی سے بعید ہے کہ میں خود تو بچ کر نکل جاؤں اور اپنے ساتھی کو قتل ہونے کے لیے تنہا چھوڑ دوں۔ زندہ رہیں گے تو دونوں زندہ رہیں گے اور مارے جائیں گے تو دونوں ایک ساتھ مارے جائیں گے۔ میں خاتونانِ قریش کا یہ طعنہ نہیں سن سکتا کہ ابوالبختری نے اپنی جان بچانے کے لیے اپنے ساتھی کو قتل کرا دیا۔"

پھر اس نے یہ رجز یہ شعر پڑھا:

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ)

ہے تو تم اسے روکنے والے کون ہو؟ اس پر ابوالبختری اور ابوجہل میں جھگڑا ہو گیا۔ ابوالبختری نے ابوجہل کو خوب پیٹا اور لہولہان کر دیا۔ اس کے علاوہ اس نے قریش کے ظالمانہ معاہدے کو ختم کرنے میں بھی بھرپور حصہ لیا۔ سرورِ عالم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم غیر مسلموں کی نیکی اور احسان کی بھی قدر فرماتے تھے۔ ابوالبختری کا یہی رحمدلانہ کردار تھا جس کی بناء پر حضورؐ نے اس کے قتل کی ممانعت فرمائی تھی۔

لَنْ يُسْلِمَ ابْنُ حُرَّةٍ اَكِيلَهُ
حَتّٰى يَمُوْتَ اَوْ يَرٰى دُوْنَهُ

(کسی آزاد عورت کا بیٹا اپنے موکل کو دشمن کے حوالے نہیں کرتا
اب خواہ وہ مر جائے یا کامیاب ہو)

اس کے ساتھ ہی اس نے تلوار سونت کر حضرت مُجذّرؓ پر حملہ کر دیا۔ وہ بھی تلوار اٹھانے پر مجبور ہو گئے۔ جوشِ ایمان سے سرشار تھے، تھوڑی ہی دیر میں ابوالبختری کو مغلوب کر کے قتل کر ڈالا۔

علامہ طبریؒ کا بیان ہے کہ لڑائی کے بعد حضرت مُجذّرؓ بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا:

"یا رسول اللہ! مجھے اس ذاتِ پاک کی قسم جس نے آپ کو حق و صداقت کے ساتھ مبعوث کیا، میں نے بہت کوشش کی کہ ابوالبختری تلوار اٹھانے سے باز رہے اور میں اسے آپ کی خدمت میں لے آؤں لیکن اس نے لڑائی کے سوا کوئی بات منظور نہ کی۔ آخر لڑا اور مارا گیا۔"

حضورؐ نے حضرت مُجذّرؓ کی معذرت قبول فرمائی۔

(۳)

۳ھ ہجری میں غزوۂ اُحد پیش آیا تو حضرت مُجذّرؓ اس میں بھی بڑے جوش اور جذبے کے ساتھ شریک ہوئے۔ بدقسمتی سے وہ عین میدانِ کارزار میں ایک ایسے شخص کے ہاتھ سے شہید ہو گئے جو اپنے آپ کو مسلمان کہلاتا تھا۔ یہ شخص سوید بن صامت کا بیٹا حارث تھا۔ ہجرت کے بعد حضورؐ نے اوس اور خزرج کے درمیان صلح کرا دی تھی اور حضرت مُجذّرؓ کے ساتھ حارث بن سوید (بن صامت) بھی مسلمان ہو گیا تھا لیکن اس نے

حضرت مُجذّرؓ کے ہاتھوں اپنے باپ کا قتل فراموش نہ کیا اور اُن کے خلاف دل میں کدورت باقی رکھی۔ غزوۂ اُحد میں موقع پا کر (پشت کی طرف سے آکر) انہیں شہید کر ڈالا اور بھاگ کر مکّہ چلا گیا [1]
غزوۂ اُحد میں حضرت مُجذّرؓ کے ایک جگری دوست ابو محمد عبداللہ بن سلمہ بلوی نے بھی ابنؔ الزّبعریٰ کے ہاتھ سے جامِ شہادت پیا [2] عبداللہؓ بن سلمہ کی

---

[1] فتح مکّہ (۸ھ) کے موقع پر حارث بن سوید کہیں روپوش ہو گیا۔ جب حضورؐ غزوۂ حُنین اور طائف سے فارغ ہو کر واپس مدینہ منوّرہ تشریف لائے ــــ تو ایک دن حارث زرد رنگ کی چادر میں منہ چھپائے حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس وقت آپ مسجدِ قُبا میں تشریف فرما تھے۔ آپؐ نے حارث کو اس کا منہ چھپا ہونے کے باوجود پہچان لیا اور حضرت عویمؓ بن ساعدہ (یا بروایتِ دیگر حضرت ابودجانہؓ) کو حکم دیا کہ حارث بن سوید کو مُجذّرؓ بن زیاد کے قصاص میں قتل کر دو۔

حارث نے عرض کیا: "یا رسول اللہ بے شک میں نے مُجذّر کو قتل کیا ہے مگر میں اسلام سے منحرف نہیں ہوا اور نہ مجھے اسلام کی حقانیت میں کسی قسم کا شک ہے یہ کام مجھ سے مغلوبیتِ نفس کے سبب سرزد ہوا اب میں توبہ کرتا ہوں اور اس کی دِیت دینے کے لیے تیار ہوں۔"

حضورؐ کے نزدیک حارث کا جرم نہایت سنگین اور قبیح تھا اس لیے آپؐ نے اپنا فیصلہ برقرار رکھا اور حارث کو قتل کر دیا گیا۔

[2] حضرت عبداللہؓ بن سلمہ بدری صحابہؓ میں سے ہیں۔ قبیلہ اوس میں عمرو بن عوف کے حلیف تھے۔ والدہ انیسہ بنتِ عدی کو بھی شرفِ صحابیت حاصل تھا۔ حضرت عبداللہ شعر و شاعری میں بھی درک رکھتے تھے۔

والدہ حضرت انیسہؓ بنت عدی نے حضورؐ کی خدمت میں عرض کی کہ یا رسول اللہ میری خواہش ہے کہ اپنے شہید فرزند کو مدینہ میں اپنے مکان کے قریب دفن کردوں۔ حضورؐ نے اجازت دے دی۔ یہ فیصلہ بھی ہوا کہ حضرت عبداللہؓ کے ساتھ ان کے دوست مجذرؓ کو بھی ایک ہی قبر میں دفن کیا جائے۔ چنانچہ دونوں دوستوں کو ایک ہی کمبل میں لپیٹ کر اونٹ پر رکھ کر مدینہ بھیجا گیا۔ ان میں سے ایک لحیم و شحیم تھے اور دوسرے دبلے پتلے لیکن اونٹ پر برابر اترے۔ لوگوں نے اس پر حیرت کا اظہار کیا تو حضورؐ نے فرمایا:

"یہ ان کے اعمال کا کرشمہ ہے۔"

حضرت مجذرؓ چونکہ اسلام کے ابتدائی زمانے میں شہید ہو گئے تھے اس لیے ان سے کوئی روایت منقول نہیں ہے۔

حافظ ابن کثیرؒ نے "البدایہ والنہایہ" میں حضرت مجذرؓ کو مہاجر لکھا ہے لیکن دوسرے تمام اہل سیر کے نزدیک وہ بالاتفاق خزرجی انصاری تھے۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"وہ آدمی جنت میں داخل نہ ہو سکے گا جس کی شرارتوں اور ایذا رسانیوں سے اس کے پڑوسی مامون نہ ہوں۔"

(صحیح مسلم)
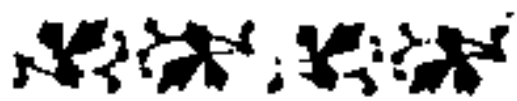
حضرت عبداللہ رضؓ بن طارق بَلَوی الانصاری

①

حضرت عبداللہ بن طارق رضی اللہ تعالیٰ عنہ شہدائے اسلام کی سلک مقدس کا وہ گوہر تابدار ہیں جس کی تابانی سے آنکھیں آج بھی خیرہ ہو جاتی ہیں۔ ان کا تعلق قبیلہ بَلی سے تھا اور وہ اوس کے خاندان بنو ظفر کے حلیف تھے، اس لیے ان کو بَلَوی بھی کہا جاتا ہے اور ظفری بھی۔

نسب نامہ یہ ہے:

عبداللہ بن طارق بن عمرو بن مالک۔

حضرت عبداللہؓ بن طارق کو اللہ تعالیٰ نے فطرت سعید سے نوازا تھا۔ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لائے تو وہ فوراً اسلام کے دامن سے وابستہ ہو گئے اور فیضانِ نبوی سے خوب خوب بہرہ یاب ہوئے۔ انہوں نے بہت ہی تھوڑے عرصہ میں قرآن پڑھ لیا اور مسائل دین میں مہارت حاصل کر لی اور اس طرح وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک اُن اصحاب میں شامل ہو گئے جو لوگوں کو قرآن پڑھانے اور مسائلِ دین کی تعلیم دینے کے پوری طرح اہل تھے۔

②

رمضان المبارک ۲ھ ہجری میں غزوۂ بدر پیش آیا تو حضرت عبداللہؓ بن طارق کو "اصحابِ بدر" میں شامل ہونے کا عظیم الشان شرف حاصل ہوا۔

"اصحابِ بدر" کی فضیلت کا اندازہ حضرت ابوہریرہؓ سے مروی اس

حدیث سے کیا جا سکتا ہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اہلِ بدر کو دیکھا اور فرمایا، اب تم جو چاہو کرو، میں تم کو بخش چکا ہوں۔ (ابوداؤد)

اگلے سال ۳ھ ہجری میں حضرت عبداللہؓ بن طارق کو غزوۂ اُحد میں بھی سرورِ عالم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی ہمرکابی کا شرف حاصل ہوا۔ فی الحقیقت وہ راہِ حق کے ایک جانباز سپاہی تھے اور اللہ اور اللہ کے رسولؐ کے نام کو بلند کرنے کے لیے ہر وقت اپنی جان قربان کرنے کے لیے تیار رہتے تھے۔

صفر ۴ھ ہجری میں سرورِ عالم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے حضرت عبداللہؓ بن طارق کو اس جماعت کا رُکن بنایا جو آپ نے قبیلہ عضل و قبیلہ قارہ کو اسلام کے احکام اور عقائد سکھلانے کے لیے روانہ فرمائی۔ اس جماعت میں حضرت عبداللہؓ بن طارق سمیت باختلافِ روایت چھ یا دس صحابہ تھے اور اس کے سردار حضرت عاصمؓ بن ثابت انصاری (یا ایک دوسری روایت کے مطابق حضرت مرثدؓ بن ابی مرثد غنویؓ) تھے۔

جب یہ جماعت (مکہ اور عسفان کے درمیان ہدہ سے سات کوس کے فاصلے پر) بنو ہذیل کے ایک جوہڑ رجیع کے قریب پہنچی تو عضل اور قارہ کے جو آدمی اس جماعت کو سرورِ عالم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے درخواست کر کے مدینہ سے لائے تھے انہوں نے غداری کی اور اپنے قبیلوں کے بہت سے (سو یا دو سو) مسلح کافروں کو اس پر چڑھا لائے۔ اس جماعت میں شامل تمام اصحاب نے اپنی جانیں اللہ کی راہ میں بیچ رکھی تھیں انہوں نے کافروں کا ڈٹ کر مقابلہ کیا، لیکن حملہ آوروں کی تعداد بہت زیادہ تھی انہوں نے تین مسلمانوں کو تو گرفتار کر لیا اور اُن کے دوسرے ساتھیوں کو شہید کر ڈالا۔

(۳)

حضرت عبداللہؓ بن طارق ان تین اہلِ حق میں سے تھے جو کافروں کے

ہاتھ اسیر ہوئے۔ دوسرے دو حضرت خُبَیبؓ بن عدی انصاری اور حضرت زیدؓ بن الدثنہ انصاری تھے۔ کفار ان تینوں کو رسیوں یا کمان کی تانتوں سے باندھ کر مکہ کی طرف لے چلے۔ جب ظہران کے مقام پر پہنچے تو حضرت عبداللہؓ بن طارق نے کسی طرح اپنے آپ کو چھڑا لیا اور تلوار کھینچ کر کافروں پر حملہ کا ارادہ کیا کافروں نے پیچھے ہٹ کر اُن پر پتھر برسانے شروع کر دیئے یہاں تک کہ وہ جامِ شہادت پی کر عازمِ خلدِ بریں ہو گئے۔

حضرت خُبَیبؓ بن عدی اور حضرت زیدؓ بن الدثنہ کو کافروں نے مکہ لے جا کر مشرکینِ قریش کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ انہوں نے اشہرِ حُرم گزرنے کے بعد ان دونوں کو سُولی دے کر شہید کر ڈالا۔

رجیع کے دردناک واقعہ کو مداحِ رسولؐ حضرت حسّانؓ بن ثابت نے ایک نظم میں بیان کیا ہے۔ اس نظم کے ایک شعر میں انہوں نے حضرت عبداللہؓ بن طارق کا ذکر بھی کیا ہے۔ وہ شعر یہ ہے:

وابن الدثنة وابن الطارق منهم
وافاه ثم حمامة المكتوب

حضرت عبداللہؓ بن طارق کی قبر آج بھی ظہران میں موجود ہے اور اس شہیدِ راہِ وفا کی یاد تازہ کر رہی ہے۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت ابو حُمیدِ السّاعدی انصاری رضؓ

①

ایک دن مدینۂ منوّرہ میں شمع رسالتؐ کے چند پروانے ایک جگہ جمع تھے اور نماز کے بارے میں گفتگو ہو رہی تھی ان میں سے ایک صاحب نے حاضرینِ مجلس سے مخاطب ہو کر کہا :۔

" مجھے تم سب سے زیادہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی نماز یاد ہے میں نے دیکھا کہ جب آپؐ نے تکبیر تحریمہ کہی تو اپنے ہاتھ اپنے دونوں شانوں کے محاذی کر لیے۔

جب آپؐ نے رکوع کیا تو اپنے دونوں ہاتھ اپنے گھٹنوں پر جما لیے اور اپنی پیٹھ کو جھکایا اور جس وقت آپؐ نے سر اٹھایا، تو سیدھے ہو گئے یہاں تک کہ ہر ہڈی اپنی جگہ پر چلی گئی۔ جب آپؐ نے سجدہ کیا تو اپنے دونوں ہاتھ زمین پر رکھ دیئے نہ ان کو بچھائے ہوئے تھے اور نہ سمیٹے ہوئے، اور اپنے پاؤں کی انگلیاں آپؐ نے قبلہ رخ کر لی تھیں۔ پھر جس وقت آپؐ دو رکعتوں میں بیٹھے تو اپنے بائیں پاؤں پر بیٹھے اور داہنے پیر کو کھڑا کر لیا۔ پھر جب آخری رکعت پڑھ کر بیٹھے تو اپنے بائیں پیر کو آگے کر دیا اور دوسرے پیر کو کھڑا کر لیا اور اپنی نشست کے بل بیٹھے۔ (جس کو تورّک کہتے ہیں)

(صحیح بخاری)

یہ صاحبِ رسول جن کو سرورِ عالم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی نماز کا طریقہ پوری طرح یاد تھا اور جو اس کو دوسرے صحابۂ کرامؓ کے سامنے برملا بیان کیا کرتے

تھے، حضرت ابو حمید ساعدیؓ تھے۔

(۲)

حضرت ابو حُمَید ساعِدی کا نام عبدالرحمٰن تھا لیکن انہوں نے اپنی کنیت ابوحمید سے شہرت پائی۔ ان کا تعلق قبیلہ خزرج کی شاخ بنوساعدہ سے تھا۔ سلسلۂ نسب یہ ہے:

ابوحمید عبدالرحمٰنؓ بن سعد بن منذر بن سعد بن خالد بن ثعلبہ بن حارثہ بن عمرو بن خزرج بن ساعدہ۔

والدہ کا نام امامہ تھا وہ بھی بنوساعدہ سے تھیں ان کا نسب نامہ یہ ہے:

امامہ بنت ثعلبہ بن جبل بن امیہ بن عمرو بن حارثہ بن عمرو بن خزرج

ارباب سیر نے حضرت ابو حُمَیدؓ کے قبولِ اسلام کے زمانہ کی تصریح نہیں کی لیکن اتنا ثابت ہے کہ وہ غزوۂ اُحد سے پہلے مشرف بہ ایمان ہو چکے تھے۔ چنانچہ سب سے پہلے غزوۂ اُحد میں شریک ہوئے اور اس کے بعد عہدِ رسالت کے دوسرے غزوات میں بھی سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمرکابی کا شرف حاصل کیا۔ جیشِ عسرۃ یا غزوۂ تبوک (۹ھ) میں اپنی شرکت کا حال بڑی تفصیل سے سنایا کرتے تھے۔ صحیح بخاری میں ان سے روایت ہے کہ:

"ہم نے غزوۂ تبوک میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ جہاد کیا۔ جب آپ وادی القریٰ میں پہنچے تو کیا دیکھتے ہیں کہ ایک عورت اپنے حدیقہ (باغ) میں ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب سے فرمایا، اندازہ کرو اس باغ میں کتنے چھوہارے ہیں ــــ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دس وسق اندازہ کیے۔ پھر اس عورت سے فرمایا، خیال رکھنا اس باغ سے کس قدر چھوہارے نکلتے

ہیں۔ پھر جب ہم تبوک پہنچے تو آپؐ نے فرمایا، "آج رات کو آندھی چلے گی۔ کوئی شخص کھڑا نہ ہو اور جس کے ہمراہ اونٹ ہو اس کو باندھ دے۔ چنانچہ ہم لوگوں نے اپنے اونٹوں کو باندھ دیا اور سخت آندھی چلی۔ ایک شخص (اتفاق سے) کھڑا ہو گیا جسے آندھی نے طے کے پہاڑ پر پھینک دیا۔ (اسی غزوہ میں) ایلہ کے بادشاہ نے رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کے لیے ایک سفید خچر بھیجا اور آپؐ کے اوڑھنے کے لیے ایک چادر بھی بھیجی، چنانچہ آپؐ نے اس کو اپنے ملک پر برقرار رکھا (لڑائی کے خاتمے پر جب) آپ وادی القریٰ میں پہنچے تو آپؐ نے اس عورت سے پوچھا، تمہارے باغ میں کس قدر چھوہارے پیدا ہوئے۔ اس نے عرض کی، دس وسق۔ پھر نبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے ارشاد فرمایا، میں مدینہ جلد پہنچنا چاہتا ہوں لہٰذا تم سے جو شخص بعجلت میرے ہمراہ چل سکے وہ جلدی کرے۔ جب آپؐ کو مدینہ دکھائی دیا تو آپؐ نے فرمایا، یہ طابہ آگیا۔ پھر جب آپؐ نے اُحد کو دیکھا تو فرمایا، یہ پہاڑ ہے جسے ہم دوست رکھتے ہیں اور جو ہمیں دوست رکھتا ہے، کیا میں تم لوگوں کو انصار کے گھروں میں سے بہترین گھر بتاؤں؟ صحابہؓ نے عرض کیا، ہاں یا رسول اللہ! آپؐ نے فرمایا، بنی نجار کے گھر پھر بنی عبدالاشہل کے گھر پھر بنی ساعدہ کے گھر (یا یہ فرمایا کہ بنی حارث بن خزرج کے گھر) اور ویسے انصار کے سب گھروں میں اچھائی ہے۔"

(۳)

حضرت ابو حمیدؓ کو رسولِ مقبول صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سے بے انتہا عقیدت

اور محبت تھی۔ وقتاً فوقتاً حضورؐ کی خدمت میں کوئی نہ کوئی ہدیہ پیش کرتے رہتے تھے۔ ایک مرتبہ خالص دودھ کو خوب سرد کیا اور ایک پیالہ میں ڈال کر حضورؐ کی خدمت میں لائے لیکن کھلا لائے تھے اس لیے آپؐ نے ارشاد فرمایا، اس کو ڈھانپ کر لاتے خواہ لکڑی ہی رکھ کر۔ (مُسندِ احمد)

اکثر بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوتے اور فیضانِ نبوی سے خوب بہرہ یاب ہوتے لیکن روایتِ حدیث میں بہت محتاط تھے کیونکہ رسولِ اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے سُن رکھا تھا کہ جب تم کسی سے میری کوئی حدیث سنو تو یہ دیکھو کہ تمہارا دل کیا گواہی دیتا ہے اگر دل بول اٹھے، نفس نرم ہو جائے اور عقل صحیح سمجھے تو میرا کلام ہونے میں شک نہیں اور اگر دل میں کراہت پیدا ہو، طبیعت متنفر ہو اور بعید از قیاس معلوم ہو تو وہ میرا قول ہرگز نہیں ہو سکتا۔ (مُسندِ احمد)

ایک دفعہ ایک حدیث بیان کی تو ساتھ ہی کہا:

"اس واقعہ کو میرے کانوں نے سُنا اور آنکھوں نے دیکھا اس کو زیدؓ بن ثابت سے پوچھ سکتے ہو۔"

غایت احتیاط کی وجہ سے ان سے صرف چھبیس [۲۶] احادیث مروی ہیں۔ رواۃِ حدیث میں حضرت جابر بن عبداللہؓ، حضرت عروہ بن زبیرؓ، حضرت خارجہؓ بن زیدؓ بن ثابت، حضرت عمروؓ بن سلیم زرقی اور سعید بن منذرؒ (وغیرہم) کے اسمائے گرامی قابلِ ذکر ہیں۔

اہلیہ حضرت اُمِ حُمید ساعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو بھی شرفِ صحابیت حاصل تھا۔ ان سے روایت ہے کہ وہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا، یا رسول اللہؐ میں چاہتی ہوں کہ آپؐ کے ساتھ (مسجد میں باجماعت) نماز ادا کیا کروں۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا، میں جانتا ہوں تمہیں میرے ساتھ (یعنی میرے پیچھے جماعت کے ساتھ) نماز پڑھنے کی بہت خواہش ہے اور (مسئلہ شریعت کا یہ ہے کہ) تمہاری وہ نماز جو تم اپنے گھر

کے اندرونی حصے میں پڑھو وہ اس نماز سے افضل ہے جو تم اپنے بیرونی دالان میں پڑھو اور بیرونی دالان میں تمہارا نماز پڑھنا اس سے بہتر ہے کہ تم اپنے گھر کے صحن میں پڑھو اور اپنے گھر کے صحن میں تمہارا نماز پڑھنا اس سے بہتر ہے کہ تم اپنے قبیلہ کی مسجد میں (جو تمہارے مکان سے قریب ہے) نماز پڑھو اور اپنے قبیلہ کی مسجد میں تمہارا نماز پڑھنا اس سے بہتر ہے کہ تم میری مسجد میں آکر نماز پڑھو۔"

(کنز العمال بحوالہ مُسندِ احمد)

(۴)

حضرت ابو حُمیدؓ نے امیر معاویہؓ کے عہدِ خلافت کے اخیر یا یزید کے دورِ حکومت کی ابتدا میں وفات پائی۔ انہوں نے اپنے پیچھے ایک لڑکا چھوڑا جن کا نام مُنذِر تھا۔ منذر کے فرزند سعید تھے جو حضرت ابو حُمیدؓ کے رواۃِ حدیث میں شامل ہیں۔ حضرت ابو حُمیدؓ سے مروی کچھ احادیث بیان ہو چکی ہیں۔ تین اور حدیثیں یہاں درج کی جاتی ہیں:

(۱) حضرت ابو حمید ساعدیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا کہ یا رسول اللہؐ! ہم آپ پر صلوٰۃ (درود) کس طرح پڑھا کریں؟ آپؐ نے فرمایا:

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّاَزْوَاجِهٖ وَذُرِّيَّتِهٖ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى آلِ اِبْرَاهِيْمَ وَبَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّاَزْوَاجِهٖ وَذُرِّيَّتِهٖ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى آلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ۔

(یعنی اے اللہ اپنی خاص نوازش و رحمت فرما محمدؐ پر اور آپ کی ازواج پر اور آپؐ کی نسل پر جیسا کہ آپ نے نوازش اور رحمت فرمائی آلِ ابراہیمؑ پر اور خاص برکت نازل فرما محمدؐ پر اور آپ کی ازواج پر اور آپ کی نسل پر

جیسا کہ آپ نے برکتیں نازل فرمائیں آلِ ابراہیم پر۔ اے اللہ تو ساری حمد وستائش کا سزاوار ہے اور تیرے ہی لیے ساری عظمت و بڑائی ہے۔) (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(۲) حضرت ابو حمید ساعدیؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم ایک رات نماز کے بعد کھڑے ہو گئے اور تحمید پڑھ کر اللہ کا حمد بیان کی جیسی کہ اس کے لائق ہے۔ پھر فرمایا، اَمَّا بعد ....

(۳) حضرت ابو حُمَید ساعدیؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے قبیلہ ازد کے ایک شخص کو جس کا نام ابنُ اللُّتْبِیَّہ تھا ــــ زکوٰۃ کا عامل (محصلِ زکوٰۃ) مقرر کیا۔ اس نے مدینہ واپس آکر مسلمانوں سے کہا، یہ مال تمہارا ہے (یعنی یہ تو وصول کی ہوئی زکوٰۃ ہے) اور یہ مال مجھے تحفہ کے طور پر دیا گیا ہے۔ یہ واقعہ سن کر نبی صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے لوگوں کے سامنے خطبہ دیا۔ پہلے خدا کی حمد و ثنا کی اور پھر فرمایا، میں تم میں سے چند آدمیوں کو ان امور پر مامور کر کے بھیجتا ہوں کہ جن پر خدا تعالیٰ نے مجھ کو مامور کر کے بھیجا ہے پس تم میں سے ایک شخص آتا ہے اور یہ کہتا ہے کہ یہ تمہارا مال ہے اور یہ ہدیہ ہے جو میرے پاس بھیجا گیا ہے۔ (میں پوچھتا ہوں کہ) وہ شخص اپنے باپ یا اپنی ماں کے گھر کیوں نہ بیٹھا اور پھر دیکھتا کہ اس کے پاس ہدیہ بھیجا جاتا ہے یا نہیں۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ تم میں سے جو شخص کوئی چیز (استحقاق کے بغیر) لے گا وہ قیامت کے دن اس کی گردن پر بار کر کے لائی جائے گی اگر وہ چیز اونٹ ہوگی تو اس کی آواز ہوگی اگر گائے ہوگی تو اس کی آواز ہوگی۔ اور بکری ہوگی تو اس کی آواز ہوگی یعنی یہ چیزیں اس کی گردن پر سوار ہوں گی اور بولتی ہوں گی۔ اس کے بعد رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے اپنے دونوں ہاتھوں کو اٹھایا اس قدر اونچا کہ ہم نے آپؐ کی بغلوں کی سفیدی دیکھ لی اور فرمایا، اے اللہ میں نے تیرا حکم پہنچا دیا۔ اے اللہ میں نے تیرا حکم پہنچا دیا۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

حضرت شدادؓ بن اوسؓ انصاری

①

ایک دن ایک نوجوان صاحب رسولؐ بارگاہِ نبویؐ میں حاضر تھے ان کے چہرے سے معلوم ہوتا تھا کہ سخت اُداس اور متفکر ہیں۔
رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اس حالت میں دیکھ کر پوچھا:
"بھئی کیا بات ہے اتنے اداس کیوں ہو؟"
انہوں نے عرض کیا:
"یارسول اللہ! مجھ پر دنیا تنگ ہے یہی چیز میری اداسی کا سبب ہے۔"
حضورؐ نے ارشاد فرمایا:
"دنیا تم پر تنگ نہ ہوگی۔ شام فتح ہوگا اور بیت المقدس بھی مسلمانوں کے قبضہ میں آئے گا وہاں تم اور تمہاری اولاد امام ہوگی۔"
رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بشارت سن کر اُن صاحب کے چہرے پر بشاشت آگئی ـــــ اور پھر چند سال بعد لسانِ رسالت سے نکلی ہوئی یہ پیشین گوئی لفظ بلفظ پوری ہوگئی ـــــ وہ صاحب اپنی اولاد کے ساتھ بیت المقدس میں بالاستقلال مقیم ہوئے اور علم وفضل کے اعتبار سے تمام شام میں امام تسلیم کیے گئے ـــــ یہ صاحب رسولؐ جن کے بارے میں دانائے کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی مہتم بالشان پیشنگوئی فرمائی۔ حضرت شدادؓ بن اوسؓ انصاری تھے۔

②

سیدنا حضرت شدادؓ بن اوس قبیلہ خزرج کے نہایت معزز خاندان

بنو نجار کے چشم و چراغ تھے۔ سلسلۂ نسب یہ ہے:

شداد بن اوس بن ثابت بن منذر بن حرام بن عمرو بن زید بن عدی بن عمرو بن مالک بن نجار بن ثعلبہ بن خزرج۔

کنیت ابو یعلیٰ بھی تھی اور ابو عبدالرحمٰن بھی۔

حضرت شدادؓ کے والد حضرت اوسؓ بن ثابت انصار کے سابقین اولین میں سے تھے۔ انہوں نے ۱۳ بعد بعثت میں مکہ جاکر بیعت عقبہ کبیرہ میں شریک ہونے کا عظیم شرف حاصل کیا، اس کے بعد ۲ھ میں غزوۂ بدر میں شریک ہونے کی سعادت حاصل کی۔ پھر غزوۂ اُحد (۳ھ) میں بڑے جوش اور جذبے کے ساتھ شریک ہوئے اور مردانہ وار لڑتے ہوئے شہادت پائی۔ والدہ کا نام صریمہؓ تھا وہ نجار کی شاخ بنو عدی سے تھیں۔ (دربارِ رسالت کے نامور شاعر) سیدنا حضرت حسانؓ بن ثابت حضرت اوسؓ بن ثابت کے علّاتی بھائی تھے۔ اس نسبت سے وہ حضرت شداد بن اوسؓ کے چچا تھے۔

حضرت شدادؓ نے شعور کی آنکھیں کھولیں تو اپنے سارے گھرانے کو مسلمان پایا اس لیے وہ لڑکپن ہی میں شرفِ ایمان سے بہرہ ور ہو گئے۔

ہجرتِ نبوی کے وقت حضرت شدادؓ کتنی عمر کے تھے، اہلِ سیر نے اس کے بارے میں تصریح نہیں کی البتہ مولانا سعید انصاری مرحوم نے "سیر الانصار" میں لکھا ہے:

"چونکہ کم سن تھے، غزوات میں شاذونادر حصہ لیا۔ امام بخاریؒ نے لکھا ہے کہ غزوۂ بدر میں شریک تھے، لیکن یہ صحیح نہیں۔"

مولانا انصاری نے امام بخاریؒ کے بیان کو رد کرنے کی وجہ بیان نہیں کی۔ اگر اس کا سبب یہ تھا کہ حضرت شدادؓ غزوۂ بدر کے وقت لڑائی کی عمر (پندرہ سال) کو نہیں پہنچے تھے تو ان کے اس بیان کی روشنی میں یہ بھی صحیح نہیں کہ حضرت شدادؓ نے ۵۸ھ میں بعمر ۷۵ سال انتقال فرمایا، اگر ۵۸ھ میں حضرت شدادؓ

کی عمر ۵ سال تسلیم کی جائے تو ہجرتِ نبوی کے وقت ان کی عمر ۱۰ سال ماننی پڑے گی جو کسی غزوے میں ان کی شرکت کو مانع نہیں ہو سکتی تھی۔

علامہ ابنِ اثیرؒ نے بھی حضرت شدادؓ کی شرکتِ بدر کے بارے میں شک کا اظہار کیا ہے۔ وہ "اُسُدُ الغابہ" میں لکھتے ہیں:

"ابنِ مندہ نے موسٰی بن عقبہ سے روایت کر کے بیان کیا ہے کہ یہ (شدّاد بن اوسؓ) بدر میں شریک تھے۔ میں کہتا ہوں کہ ابنِ مندہ کی روایت موسٰی بن عقبہ سے کہ شدّادؓ بدر میں شریک تھے اس میں وہم ہے کیونکہ موسٰی نے بیان کیا ہے کہ شداد کے والد اوس بن ثابت بدر میں شریک ہوئے تھے اور بعض راویوں سے اس میں وہم ہو گیا ہے لیکن ابنِ مندہؒ وغیرہ نے شدّادؓ ہی کو ذکر کیا ہے۔ واللہ اعلم"

حقیقتِ حال کچھ بھی ہو، جمہور اربابِ سیر نے غزواتِ نبویؐ میں حضرت شدّادؓ کی شرکت کا صراحت کے ساتھ ذکر نہیں کیا۔ البتہ مسند احمد بن حنبل کی ایک روایت سے یہ بات قطعی طور پر ثابت ہوتی ہے کہ وہ غزوۂ فتح مکہ (رمضان ۸ ہجری) میں سرورِ عالم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے ہم رکاب تھے۔ فتح مکہ کے بعد حضورؐ نے چند دن مکہ میں قیام فرمایا۔ اس دوران میں آپ ایک دن (۱۸ رمضان المبارک کو) بقیع تشریف لے گئے۔ اس وقت حضرت شدّادؓ آپؐ کے ساتھ تھے اور حضورؐ ان کا ہاتھ پکڑے ہوئے تھے۔ بقیع میں آپؐ نے دو آدمیوں کو دیکھا، ایک سینگیاں کھنچوا رہے تھے اور دوسرے سینگیاں کھینچ رہے تھے۔ حضورؐ نے فرمایا، ان دونوں نے اپنا روزہ توڑ ڈالا —— یہ حدیث خود حضرت شدّادؓ سے مروی ہے اور امام احمدؒ کے علاوہ اسے ابوداؤد، ابنِ ماجہ اور دارمی نے بھی روایت کیا ہے۔

حضرت شدّادؓ کو رسولِ اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے انتہائی محبت اور عقیدت تھی۔ وہ اکثر بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوتے اور بڑے ذوق و شوق سے آپؐ کے ارشادات سُنا کرتے تھے۔ پھر ان ارشادات پر نہ صرف خود عمل کرتے بلکہ ان کو دوسرں

تک پہنچانے کا بھی کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیتے تھے۔ کئی سال تک مسلسل فیضانِ نبوی سے بہرہ یاب ہونے کی بدولت وہ علم وفضل کے اتنے بلند مقام پر فائز ہو گئے کہ لوگ ان پر رشک کیا کرتے تھے۔

(۳)

عہدِ رسالت کے بعد حضرت شدادؓ بن اوسؓ مدینہ منورہ سے شام چلے گئے اور مختلف اوقات میں فلسطین (بیت المقدس) اور حمص میں قیام پذیر رہے۔ بعض روایتوں کے مطابق انہوں نے رومیوں کے خلاف کچھ لڑائیوں میں بھی حصہ لیا۔ ان کی ذات شام میں مرجع خلائق بن گئی تھی۔ جہاں بھی ہوتے طالبانِ حدیث ان کو گھیرے رہتے۔ لوگوں کے ازدحام اور سوال کرنے سے کبھی کبیدہ خاطر نہ ہوتے تھے۔ بلکہ بڑے لطف وانبساط اور کشادہ پیشانی سے لوگوں کو احادیث سناتے تھے اور ان کے سوالوں کے جواب دیتے تھے۔

جلیل القدر صحابی حضرت عبادہؓ بن صامت کا قول ہے کہ شدادؓ بن اوسؓ علم وحلم کا مجمع البحرین تھے۔

خلیلِ رسولؐ حضرت ابوذر غفاریؓ کے مسلک میں بڑی شدت تھی وہ لوگوں کو ہر قسم کا مال جمع کرنے سے منع کرتے تھے اور زاہدانہ زندگی بسر کرنے کی تلقین کرتے تھے۔ اس سلسلے میں وہ جو احادیث بیان کرتے تھے بعض اصحاب کے نزدیک اس زمانے میں ان پر عمل کرنا ناممکن تھا اور بعض دوسرے مواقع پر حضورؐ نے خود ان میں رخصت عطا فرما دی تھی۔ ایک دفعہ حضرت شدادؓ سے حضرت ابوذرؓ کے مسلک کے بارے پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا:

"ابوذرؓ رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سے کوئی حدیث جس میں شدت اور سختی ہوتی تھی سنتے تھے پھر اپنے قبیلے میں جا کر اس کی اشاعت کرتے تھے بعد میں رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اس سخت حکم میں

رخصت عطا فرما دیتے تھے لیکن ابوذرؓ کو اس کا علم نہ ہوا اس لیے وہ اپنے مسلک کی شدت پر قائم رہے۔"

(مسند احمد جلد ۴ صفحہ ۱۲)

ایک دفعہ حضرت عبادہؓ بن صامت، حضرت ابوالدرداءؓ اور حضرت عوفؓ بن مالکؓ مسجدِ جابیہ میں مصروفِ گفتگو تھے کہ حضرت شدادؓ بھی وہاں آ گئے اور کہنے لگے، مجھے یہاں کے لوگوں سے جس بات کا خوف ہر وقت دامنگیر رہتا ہے وہ یہ ہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا تھا کہ میری اُمت پیروئ نفس اور شرک میں مبتلا ہو جائے گی۔

حضرت ابوالدرداءؓ اور حضرت عبادہؓ بن صامت نے فرمایا:

"یہ کیسے ہو سکتا ہے جبکہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا ہے کہ شیطان جزیرۂ عرب میں اپنی پرستش سے ناامید ہو چکا ہے پھر ہم لوگوں کے شرک میں مبتلا ہونے کا کیا مطلب؟"

حضرت شدادؓ نے فرمایا:

"ایک شخص نماز دکھاوے کے لیے پڑھتا ہے، روزہ دکھاوے کے لیے رکھتا ہے زکوٰۃ دکھاوے کے لیے ادا کرتا ہے، آپ لوگ اس کو کیا سمجھیں گے؟"

انہوں نے جواب دیا: "مشرک"

حضرت شدادؓ نے فرمایا:

"میں نے خود رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے سنا ہے کہ ان چیزوں کو ریاکاری سے کرنے والا مشرک ہوتا ہے۔"

حضرت عوفؓ بن مالک بولے:

"جتنا عمل خالص ہوگا امید ہے کہ اللہ اس کو قبول فرمائے گا اور جتنے عمل میں شرک کی آمیزش ہوگی وہ مردود قرار پائے گا۔ اس لیے

ہمیں عمل پر اعتماد کرنا چاہیے۔"

حضرت شدادؓ نے فرمایا:

"حدیثِ نبوی میں واضح طور پر فرمایا گیا ہے کہ مشرک کا تمام عمل اس کے معبود کو دیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ اس سے بے نیاز ہے۔"

(مسندِ احمد ج ۴ ص ۱۲۶)

غرض جب اور جہاں بھی موقع ملتا، حضرت شدادؓ اشاعتِ حدیث کا فرض ضرور ادا کرتے تھے۔ ان سے پچاس حدیثیں مروی ہیں ان میں زیادہ تر انہوں نے براہِ راست رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی تھیں اور کچھ حضرت کعب احبار سے لی تھیں۔

حضرت شدادؓ کے رواۃِ حدیث میں حضرت محمودؓ بن لبید، ابوادریس خولانیؒ، ابواشعث صنعانیؒ، محمود بن ربیعؒ، جبیر بن نفیرؒ، عبدالرحمٰن بن غنم اور اور ابواسماء رحبیؒ کے اسماءِ گرامی قابلِ ذکر ہیں۔

حضرت شدادؓ کی وفات کے بارے میں ابنِ اثیرؒ نے "اُسدُ الغابہ" میں لکھا ہے کہ:

"شدادؓ کی وفات سنہ ۴۱ھ میں ہوئی اور بعض لوگ بیان کرتے ہیں کہ یہ ۵۸ھ میں بعمر ۷۵ سال فوت ہوئے اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ ۶۴ھ میں ان کا انتقال ہوا۔"

ایک روایت کے مطابق ان کی آخری آرام گاہ بیت المقدس میں بنی۔

۴

حضرت شداد بن اوسؓ کے معدنِ اخلاق میں زہد و اتقا، حلم، ذوقِ عبادت، خشیتِ الٰہی، کم سخنی، شیریں بیانی اور ہمدردیٔ خلائق سب سے گرانمایہ جواہر ہیں۔ تمام اربابِ سِیَر اس بات پر متفق ہیں کہ وہ نہایت عابد،

اور خدا ترس تھے۔ خشیتِ الٰہی کا اس قدر غلبہ تھا کہ جب رات کو بستر پر لیٹتے تھے تو کروٹیں بدلتے رہتے تھے اور کہتے تھے الٰہی دوزخ میرے اور نیند کے درمیان حائل ہے۔ پھر اٹھ بیٹھتے اور صبح تک برابر نماز پڑھتے رہتے۔

(اُسدُ الغابہ لابنِ اثیر)

نہایت حلیم الطبع اور بردبار تھے۔ حضرت عبادہؓ بن صامت فرمایا کرتے تھے کہ لوگ دو قسم کے ہوتے ہیں، عالم لیکن نہایت غصیلے، جہلا مگر نہایت نرم مزاج اور بردبار، لیکن شدادؓ اہلِ علم بھی ہیں اور اہلِ حلم بھی۔

حضرت ابوہریرہؓ فرمایا کرتے تھے کہ شداد ہم سے دو باتوں میں بازی لے گئے۔ پہلی یہ کہ بولنے کے وقت ان کے بیان میں وضاحت ہوتی ہے اور دوسری یہ کہ غصہ کے وقت وہ نرمی اور عفو و درگزر سے کام لیتے ہیں۔

حضرت شدادؓ کا اندازِ کلام نہایت شیریں اور دلکش ہوتا تھا جو سنتا تھا متاثر ہوئے بغیر نہ رہتا تھا۔

مخلوقِ خدا کے بہت ہمدرد تھے کسی کی علالت کی خبر سنتے تو عیادت کے لیے تشریف لے جاتے۔ کبھی تنہا اور کبھی کسی شاگرد کو ساتھ لے کر۔

ایک دفعہ اپنے دو شاگردوں ابو عبداللہ عبدالرحمٰن بن عسیلہ صنابحیؒ اور ابوالاشعث صنعانیؒ کو ساتھ لے کر ایک مریض کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے۔ گھر کے اندر داخل ہو کر مریض سے پوچھا، کیسا مزاج ہے؟

وہ بولے "خدا کا شکر ہے اچھا ہوں۔"

حضرت شدادؓ نے فرمایا، میں تم کو بیماری کے کفارہ گناہ ہونے کی خوشخبری دیتا ہوں۔ میں نے رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے سنا ہے کہ جو شخص بیماری اور مصیبت میں اللہ کی رضا پر راضی رہے اور اس کی حمد کرتا رہے تو وہ دنیا سے اس طرح پاک اور صاف اٹھتا ہے جیسا کہ پیدا ہوتے وقت تھا۔

(مُسندِ احمد)

مسلمانوں میں بعض بُری باتیں رواج پذیر ہوتے دیکھ کر اُن کو بہت دُکھ ہوتا تھا۔ ایک مرتبہ رو رہے تھے لوگوں نے سبب پوچھا تو فرمایا، ایک دن رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا کہ مجھے اپنی اُمت کے خواہشِ نفس اور شرک میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہے۔ میں نے عرض کیا، یا رسول اللہ کیا آپ کی اُمت شرک میں مبتلا ہو جائے گی؟ فرمایا، ہاں لیکن اس طرح کہ بتوں پتھروں اور سورج چاند کی پرستش تو نہ کرے گی لیکن ریاکاری اور پیروئ نفس کا غلبہ ہو گا۔ صبح کو آدمی روزہ دار اٹھے گا لیکن جب جی چاہے گا بلا جھجک روزہ توڑ دے گا۔ (مُسندِ احمد ج ۴ - ص ۱۲۴)

۵

حضرت شدادؓ بن اوس سے مروی احادیث میں سے کچھ یہاں درج کی جاتی ہیں:

حضرت شدادؓ بن اوسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا:

(۱) جس نے دکھاوے کے لیے نماز پڑھی اس نے شرک کیا اور جس نے دکھاوے کے لیے روزہ رکھا اس نے شرک کیا اور جس نے دکھاوے کے لیے صدقہ خیرات کیا اس نے شرک کیا۔ (مُسندِ احمد)

(۲) جو مسلمان سوتے وقت قرآن مجید کی کوئی سورۃ پڑھ لے تو اللہ تعالیٰ اس پر ایک فرشتہ متعین کر دیتا ہے جو اس کی حفاظت کرتا ہے اور کوئی تکلیف دینے والی چیز اس کے پاس نہیں آنے دیتا یہاں تک کہ وہ جاگے، جس وقت جاگے۔ (مشکوٰۃ بحوالہ ترمذی)

(۳) نماز میں یہود کی مخالفت کرو یعنی وہ جوتوں اور موزوں کو پہنے پہنے نماز پڑھتے ہیں تم جوتوں اور موزوں میں نماز نہ پڑھو۔

(مشکوٰۃ بحوالہ ابوداؤد)

(۴) سیدالاستغفار (یعنی سب سے اعلیٰ استغفار یہ ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ کے حضور یوں عرض کرے

اَللّٰھُمَّ اَنْتَ رَبِّیْ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ خَلَقْتَنِیْ وَاَنَا عَبْدُکَ وَاَنَا عَلٰی عَھْدِکَ وَوَعْدِکَ مَا اسْتَطَعْتُ اَعُوْذُ بِکَ مِنْ شَرِّ مَا صَنَعْتُ اَبُوْءُ لَکَ بِنِعْمَتِکَ عَلَیَّ وَاَبُوْءُ بِذَنْبِیْ فَاغْفِرْلِیْ فَاِنَّہٗ لَا یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ۔

(ترجمہ) ”اے اللہ تو ہی میرا رب ہے تیرے سوا کوئی معبود نہیں تو نے ہی مجھے پیدا فرمایا اور وجود بخشا میں تیرا بندہ ہوں اور جہاں تک مجھ سے ہو سکے گا تیرے ساتھ کیے ہوئے عہد و میثاق (اور اطاعت فرمانبرداری کے) وعدے پر قائم رہوں گا۔ تیری پناہ چاہتا ہوں اپنے عمل اور کردار کے شر سے۔ میں اقرار کرتا ہوں کہ تو نے مجھے نعمتیں عطا کیں اور اعتراف کرتا ہوں کہ میں نے تیری نافرمانیاں کیں اور گناہ کیے! اے میرے مالک و مولا تو مجھے معاف فرما دے اور میرے گناہ بخش دے تیرے سوا گناہوں کو بخشنے والا کوئی نہیں۔“

رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے فرمایا کہ جس بندے نے اخلاص اور دل کے یقین کے ساتھ دن کے کسی حصے میں اللہ کے حضور میں یہ عرض کیا (یعنی ان کلمات کے ساتھ استغفار کیا) اور اسی دن رات شروع ہونے سے پہلے اس کو موت آ گئی تو وہ بلاشبہ جنت میں جائے گا اور اسی طرح اگر کسی نے رات کے کسی حصے میں اسی طرح استغفار کیا اور صبح ہونے سے پہلے اس رات میں وہ فوت ہو گیا تو بلاشبہ وہ جنت میں جائے گا۔ (صحیح بخاری)

(۵) رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ہمیں تعلیم فرماتے تھے کہ ہم [illegible] دعا مانگا کریں:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْاَلُکَ الثَّبَاتَ فِی الْاَمْرِ وَالْعَزِیْمَۃَ عَلَی الرُّشْدِ وَاَسْاَلُکَ شُکْرَ نِعْمَتِکَ وَحُسْنَ عِبَادَتِکَ

أَسْأَلُكَ قَلْبًا سَلِيمًا وَلِسَانًا صَادِقًا وَأَسْأَلُكَ مِنْ خَيْرِ مَا تَعْلَمُ وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّ مَا تَعْلَمُ وَأَسْتَغْفِرُكَ لِمَا تَعْلَمُ (سنن نسائی)

ترجمہ: اے میرے اللہ میں تجھ سے مانگتا ہوں دین میں ثابت قدمی اور حق و ہدایت پر استواری اور مضبوطی اور تجھ سے سوال کرتا ہوں تیری نعمتوں کی شکر گزاری کا اور اچھی طرح تیری عبادت گزاری کا اور اور مانگتا ہوں تجھ سے وہ دل جس میں روگ نہ ہو اور وہ زبان جو صداقت شعار ہو اور مانگتا ہوں تجھ سے وہ خیر اور بھلائی جو تیرے علم میں ہے اور پناہ چاہتا ہوں اس شر اور برائی سے جس کا تجھے علم ہے اور معافی اور بخشش مانگتا ہوں ان گناہوں کے لیے جو تو جانتا ہے۔

(۶) حضرت شدادؓ بن اوسؓ اور (ان کے شاگرد) صُنابحی دونوں ایک مریض کی عیادت کو گئے اور اس سے کہا، تو نے کیونکر صبح کی، اس نے کہا اللہ کا شکر ہے میں نے نعمتِ الٰہی پر صبح کی۔ (حضرت) شدادؓ نے کہا، تمہیں بشارت ہو گناہوں کے دور ہونے اور خطاؤں کے معاف ہونے کی، اس لیے کہ میں نے رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب میں اپنے مومن بندوں میں سے کسی کو بیماری میں مبتلا کرتا ہوں اور وہ اس ابتلا میں میری حمد کرتا ہے تو وہ اپنے بستر علالت سے ایسا پاک صاف اٹھتا ہے جیسا کہ اس کی ماں نے آج ہی اس کو جنا ہے اور کوئی گناہ اس کا باقی نہیں رہتا اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں نے اپنے بندے کو قید کیا اور مصیبت میں ڈالا اور اس کی آزمائش کی پس فرشتو! تم اس کے نامۂ اعمال میں وہی عمل لکھو جو اس کی صحت کی حالت میں لکھتے تھے (یعنی اعمالِ صالحہ)۔ (مشکوٰۃ بحوالہ مُسندِ احمد)

(۷) رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم بقیع میں ایک شخص کے پاس تشریف لے

گئے جو بھری ہوئی سینگیاں کھنچوا رہا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت میرا ہاتھ پکڑے ہوئے تھے اور رمضان کی اٹھارہویں تاریخ تھی، آپؐ نے اس کو سینگیاں کھنچواتے دیکھ کر فرمایا:

"سینگیاں کھینچنے والے اور کھنچوانے والے دونوں نے روزہ توڑ ڈالا۔" (مشکوٰۃ بحوالہ ابوداؤد۔ ابن ماجہ۔ دارمی)

(۸) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر جاندار سے نیکی کرنا اللہ تعالیٰ نے فرض قرار دیا ہے۔ پس جب تم کسی (واجب القتل) آدمی کو قتل کرو تو عمدگی سے کرو (یعنی آسان سے آسان طریقے سے) اور کسی جانور کو ذبح کرو تو عمدگی سے کرو۔ چاہیے کہ ذبح کرنے والا اپنی چھری کو تیز کرے اور جانور کو آرام پہنچائے (یعنی اسے ایسے طریقے سے ذبح نہ کرے کہ وہ سخت تکلیف محسوس کرے)

(صحیح مسلم)

حضرت عمروؓ بن حزم انصاری

①

جس زمانے میں آفتاب رسالت کوہِ فاران کی چوٹیوں سے طلوع ہوا، یمن کے ضلع نجران میں آباد ایک قبیلے "بنو حارث بن کعب" کی شجاعت اور کامرانیوں کی سارے عرب میں دھوم مچی ہوئی تھی۔ رحمتِ عالم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسلّم نے مکّہ مکرمہ میں دوسرے قبائل کے ساتھ اس قبیلے کے لوگوں کو بھی دعوتِ حق کا پیغام بھیجا لیکن انہوں نے اسے قبول نہ کیا اور اپنے آبائی مذہب پر سختی سے جمے رہے یہاں تک کہ حضورؐ مکّہ سے ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لے گئے۔ بدر، اُحد، احزاب وغیرہ کے معرکے گزر چکے اور مکّہ پر بھی پرچم اسلام بلند ہو چکا لیکن بنو حارث بن کعب کفر و ضلالت کی وادیوں میں بھٹکتے رہے۔ آخر ربیع الاوّل سنہ ۱۰ ہجری میں سرورِ عالم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے حضرت خالدؓ بن ولید کو فوج کے ایک دستے کے ساتھ اس قبیلے کو دعوتِ اسلام دینے کے لیے بھیجا۔ اُن کی تلقین و تبلیغ سے سلامت کا سارا قبیلہ شرفِ اسلام سے بہرہ ور ہو گیا۔ چنانچہ حضرت خالدؓ بن ولید نے بارگاہِ رسالت میں یہ خط بھیجا :

"محمد نبی رسول اللہ (صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم) کے لیے خالد بن ولید کی جانب سے۔

السلام علیک یا رسول اللہ و رحمۃ اللہ و برکاتہ،

میں آپ کے سامنے اللہ کی حمد بیان کرتا ہوں جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ امّا بعد یا رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم آپ نے مجھے بنی الحارث بن کعب کی طرف بھیجا تھا اور یہ حکم دیا تھا کہ جب میں ان کے پاس پہنچوں تو تین دن تک ان سے نہ لڑوں

اور ان کو اسلام کی دعوت دوں، اگر وہ اسلام قبول کریں تو ان کے اسلام کو قبول کر لوں اور ان کو اسلام کی تعلیمات، کتاب اللہ اور سُنّتِ نبوی سے روشناس کراؤں اور اگر وہ اسلام قبول نہ کریں تو ان سے جنگ کروں۔ چنانچہ میں ان کے پاس پہنچا اور ان کو تین روز تک اسلام کی دعوت دی اور چاروں طرف یہ اعلان کرنے کے لیے سوار دوڑائے کہ اے بنی حارث اسلام قبول کر لو اسی میں تمہاری سلامتی ہے۔ انہوں نے اسلام قبول کر لیا اور جنگ سے گریز کیا۔ اب میں ان کے یہاں مقیم ہوں اور ان کو اسلام اور سُنّتِ نبوی کی تعلیم دے رہا ہوں تا آنکہ آپ کی جانب سے مزید ہدایات موصول ہوں!

والسلام علیک یا رسول اللہ ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

(البدایہ والنہایہ لابنِ کثیرؒ)

حضرت خالدؓ بن ولید کے خط کے جواب میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ مکتوب بھیجا:۔

"محمدؐ النبی رسول اللہ کی جانب سے خالد بن ولید کے نام۔

سلام علیک۔

میں تمہارے سامنے اس اللہ کی حمد و ثنا بیان کرتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ تمہارے قاصد کے ذریعے تمہارا خط ملا جس میں بنی الحارث بن کعب کے بغیر جنگ و جدل کے اسلام لانے کی خبر دی گئی ہے اور یہ کہ ان لوگوں نے اسلام کی دعوت کو قبول کیا، اللہ کی وحدانیت کی شہادت دی اور محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی عبدیت اور رسالت کی گواہی دی اور یہ کہ اللہ نے ان کو ہدایت دی ہے۔ تم ان کو بشارت دو اور ڈراؤ۔ اب تم خود بھی لوٹ آؤ

اور اپنے ساتھ ان کا ایک وفد بھی لیتے آؤ۔ والسلام علیک ورحمۃ اللہ وبرکاتہ"
(البدایہ والنہایہ لابن کثیرؒ)

حضورؐ کا مکتوب گرامی موصول ہونے پر حضرت خالدؓ بن ولید نے بنو حارث بن کعب کا ایک وفد تشکیل دیا اور اس کو ساتھ لے کر مدینہ منورہ حاضر ہو گئے۔

بنو حارث بن کعب کے وفد میں قیس بن الحصین، شداد بن عبداللہ القنانی، یزید بن عبد المدان، عبداللہ بن قراد الزیادی، یزید بن المحجل، عمرو بن عبداللہ الضبابی اور کچھ دوسرے معززین قبیلہ شامل تھے۔ جب یہ لوگ بارگاہ رسالت میں پیش ہوئے تو حضورؐ نے انہیں دیکھ کر فرمایا:

"یہ کس قوم کے لوگ ہیں جو ہند کے رہنے والے معلوم ہوتے ہیں"

پھر حضورؐ نے ان سے پوچھا:

"زمانۂ جاہلیت میں جو تم سے لڑا وہ ہمیشہ مغلوب رہا اس کا کیا سبب ہے؟"

انہوں نے عرض کیا: "یا رسول اللہؐ اس کے تین سبب تھے:

(۱) ہم اپنی طرف سے کسی پر ظلم یا زیادتی نہیں کرتے تھے۔
(۲) ہم خود کسی پر چڑھ کر نہیں جاتے تھے اور نہ لڑائی میں پہل کرتے تھے۔
(۳) جب ہم پر کوئی لڑائی ٹھونس دیتا ——— تو میدان جنگ میں سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن جاتے تھے اور کبھی منتشر نہ ہوتے تھے"

حضورؐ نے فرمایا:

"تم سچ کہتے ہو جو فوج یا جماعت ان اصولوں کے مطابق لڑے گی وہ ہمیشہ غالب رہے گی۔"

کچھ عرصہ مدینہ منورہ میں قیام کرنے کے بعد جب یہ لوگ رخصت ہونے لگے تو حضورؐ نے حضرت قیسؓ بن الحصین کو ان کا سربراہ مقرر فرمایا اور عام اراکین وفد کو دس دس اوقیہ اور قیسؓ بن الحصین کو ساڑھے بارہ اوقیہ

چاندی مرحمت فرمائی۔ اس موقع پر آپ نے ضرورت محسوس فرمائی کہ اپنے کسی لائق اور صاحبِ علم جاں نثار کو ان لوگوں کے ساتھ بطور محصل عامل اور معلم بھیجا جائے۔ اس مقصد کے لیے رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہِ انتخاب جن صاحب پر پڑی وہ ایک سترہ برس کے سبزہ آغاز جوانِ رعنا تھے۔ اتنی کم عمر میں ایک اہم منصب کے لیے ان کا انتخاب ان کی غیر معمولی قابلیت اور تفقہ فی الدین کی دلیل تھا۔ یہ صاحبِ علم و بصیرت نوجوان حضرت عمروؓ بن حزم انصاری تھے۔

(۲)

سیدنا حضرت عمروؓ بن حزم انصاری آسمانِ ہدایت کے نہایت درخشندہ ستارے ہیں۔ ان کی کنیت ابو الضحاک تھی اور وہ قبیلہ خزرج کے نہایت معزز خاندان نجار سے تھے۔ نسب نامہ یہ ہے:

عمروؓ بن حزم بن زید بن لوذان بن عمرو بن عبد مناف بن غنم بن مالک بن نجار۔

حضرت عمروؓ بن حزم ہجرتِ نبویؐ کے وقت کم سن تھے اس لیے اربابِ سیر نے ان کے قبولِ اسلام کے زمانہ کی تصریح نہیں کی لیکن قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بچپن ہی میں شرفِ اسلام سے بہرہ ور ہو چکے تھے کیونکہ ان کے گھر میں اسلام ہجرتِ نبوی سے پہلے ہی داخل ہو چکا تھا۔ ان کے بڑے (علاتی) بھائی حضرت عمارہؓ بن حزم لیلۃ العقبہ میں حاضر تھے اور ہجرتِ نبوی سے کچھ عرصہ پہلے اسلام کی نعمت اور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کا شرف حاصل کر کے مدینہ واپس آئے تھے[1] حضرت عمروؓ نے اسی

---

[1] سیدنا حضرت عمارہؓ بن حزم کا شمار انصار کے سابقین اولین میں ہوتا ہے وہ

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

زمانے میں اسلام قبول کیا ہوگا۔

سرورِ عالم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم بالعموم پندرہ برس سے کم عمر کے لڑکوں کو لڑائی میں شریک ہونے کی اجازت نہیں دیا کرتے تھے۔ چونکہ غزوۂ بدر (۲ھ ہجری) اور غزوۂ اُحد (۳ھ ہجری) کے وقت حضرت عمرو بن حزم کی عمر پندرہ برس سے کم تھی اس لیے وہ ان لڑائیوں میں شریک نہ ہو سکے۔ البتہ غزوۂ خندق کے وقت وہ پندرہ برس کی عمر کو پہنچ گئے تھے چنانچہ اس غزوے میں بڑے جوش اور جذبہ کے ساتھ شریک ہوئے اور اس غزوے کے بعد بھی عہدِ رسالت میں جو غزوات پیش آئے ان میں سرورِ عالم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی ہمرکابی کا شرف حاصل کیا۔

حضرت عمرو بن حزم فطری طور پر نہایت صالح اور ذہین فطین تھے انہوں نے بڑے ذوق و شوق سے قرآن اور احکامِ دین کی تعلیم حاصل کی اور ہادیٔ اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی شفقت اور توجہ کی بدولت چند سال کے اندر اندر معدنِ فضل و کمال بن گئے۔ سرورِ عالم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم بھی ان کی غیر معمولی

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

بیعتِ عقبہ کبیرہ (۱۳ سنہ نبوت) کے شرکا میں سے ہیں۔ بدر، اُحد، احزاب اور عہدِ رسالت کے دوسرے تمام غزوات میں سرورِ عالم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی ہمرکابی کا شرف حاصل کیا اور ہر معرکے میں سرفروشی کا حق ادا کیا۔ فتح مکہ کے موقع پر حضور نے بنو مالک بن نجار کا عَلَم انہیں مرحمت فرمایا تھا۔ خلیفۃ الرسول حضرت ابوبکر صدیق رض نے اپنے عہدِ خلافت میں حضرت خالد رض بن ولید کو مسیلمہ کذاب کی سرکوبی پر مامور فرمایا تو عمارہ رض بھی ان کے لشکر میں شامل ہوگئے اور جنگِ یمامہ میں نہایت بہادری سے لڑتے ہوئے شہادت پائی۔ ان سے چند حدیثیں بھی مروی ہیں۔ شہادت کے وقت ایک صاحبزادے مالک اپنی یادگار چھوڑے لیکن وہ لاولد فوت ہوئے اس لیے حضرت عمارہ رض کی نسل نہیں چلی۔

صلاحیتوں کے قدر دان تھے۔ یہی سبب تھا کہ آپ نے انہیں سترہ سال کی عمر ہی میں بنو حارث بن کعب کا عامل اور مُعلّم مقرر فرمایا۔

حافظ ابن عبدالبرؒ نے "الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب" میں حضرت عمروؓ بن حزم کے ترجمہ میں لکھا ہے:

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو اہلِ نجران پر عامل بنایا تھا اور اہلِ نجران سے مراد بنو حارث بن کعب ہیں۔ اس وقت ان کی عمر سترہ برس کی تھی، تاکہ یہ ان میں دین کی سمجھ پیدا کریں قرآن کی تعلیم دیں اور اُن سے صدقات وصول کریں۔ یہ سنہ ۱۰ھ کا واقعہ ہے۔"[1]

حضرت عمروؓ بن حزم کو چلتے وقت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک تحریری فرمان عطا فرمایا جس میں اسلام کے فرائض حدود اور شریعت کے احکام درج تھے۔ حافظ ابنِ کثیرؒ نے "البدایہ والنہایہ" میں اس فرمان کا تذکرہ اس طرح کیا ہے:

---

[1] مولانا سعید انصاری مرحوم نے "سیر انصار" حصہ دوم میں اس روایت پر تنقید کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:-

"اس وقت ان (حضرت عمروؓ بن حزم) کا سن عام روایت کے لحاظ سے ۱۷ سال کا تھا لیکن ہمارے نزدیک یہ صحیح نہیں کیونکہ غزوہ خندق سنہ ۵ ہجری میں ہوا اور اس وقت وہ پانزدہ سالہ تھے اس بنا پر سنہ ۱۰ ہجری میں ان کا سن کسی حال میں بیس سال سے کم نہیں ہو سکتا۔"

اگر بنو حارث بن کعب کا عامل مقرر ہوتے وقت حضرت عمروؓ بن حزم کی عمر بیس برس کی بھی ہو تو اس سے چنداں فرق نہیں پڑتا۔ بیس سال کچھ زیادہ عمر نہیں ہے۔ اس عمر میں بھی ایک نامور قبیلے کا عامل اور مُعلّم مقرر ہونا ان کی غیر معمولی قابلیت پر دلالت کرتا ہے۔

"پھر وہ (یعنی وفدِ بنی حارث بن کعب) شوّال یا اوائل ذی القعدہ میں اپنے قبیلے میں واپس چلا گیا۔ پھر آپؐ نے عمروؓ بن حزم کو ان کے وفد کا والی بنا کر بھیجا تاکہ وہ ان کو فقاہتِ دین، سُنّت اور اسلام کی بنیادی تعلیمات سے آگاہ کریں اور ان سے زکوٰۃ و صدقات وصول کریں۔ اس سلسلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو تحریر عطا کی جس میں ان سے عہد لیا اور خصوصی احکام دیئے۔" (البدایہ والنہایہ ج ۵ ص ۹۸)

علامہ ابن سعدؒ کاتب الواقدی نے اس فرمان کا ذکر اس طرح کیا ہے:

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (حضرت) عمروؓ بن حزم کو یمن بھیجتے وقت ایک عہد نامہ تحریر کروایا تھا جس میں اسلام کے فرائض، شریعت اور حدود کی تعلیم دی گئی تھی۔ ——— اس کے کاتب اُبیؓ (بن کعب انصاری) تھے۔"

(طبقات ابن سعد ج ۱ ق ۲ ص ۲۱)

اس فرمان کو جسے کتاب یا عہد نامہ بھی کہا جاتا ہے، تاریخ اسلام میں بڑی اہمیت حاصل ہے۔ مولانا محمد عبدالشہید نعمانی صاحب نے اپنی گرانقدر کتاب "فرامینِ نبوی" میں اس فرمان کے بارے میں لکھا ہے کہ:

"یہ عہد نامہ متعدد وجوہ کی بنا پر انتہائی اہمیت کا حامل ہے اس میں ایک طرف جہاں اسلام کے بنیادی ارکان کے بارے میں تفصیلات موجود ہیں وہاں نظمِ مملکت کے سلسلہ میں بھی یہ ایک سنگِ میل کی حیثیت رکھتا ہے اس لیے کہ اس میں نہ صرف ایک حکمران کے ضروری اوصاف کی نشان دہی ہے بلکہ اس کے فرائض کی تفصیل بھی موجود ہے۔ اس عہد نامہ سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ بعض مواقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مختلف مناصب اور ذمہ داریاں

سونپتے ہوئے عہد بھی لیا کرتے تھے۔"

اس فرمان یا عہد نامہ کا متن مع ترجمہ یہ ہے:

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ	بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
ھذا بیان من اللہ ورسولہ یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ عھد من عند النبی (صلی اللہ علیہ وسلم) لعمرو بن حزم الانصاری حین بعثہ الی الیمن۔	یہ فرمان اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے ہے، اے ایمان والو! اپنے عہدوں کو پورا کرو۔ یہ وہ عہد نامہ ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے عمرو بن حزم انصاری کو یمن روانہ کرتے وقت تحریر کیا گیا۔
(۱) امرہ بتقوی اللہ فی امرہ، کلہ فَاِنَّ اللّٰہَ مَعَ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِیْنَ ھُمْ مُّحْسِنُوْنَ	آپ نے ان کو حکم دیا کہ ہر معاملہ میں اللہ کے احکام کا لحاظ رکھو کیونکہ اللہ ان لوگوں کے ساتھ ہے جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں اور نیک راہ پر چلتے ہیں۔
(۲) وامرہ ان یاخذ الحق کما امرہ اللہ۔	آپ نے ان کو حکم دیا کہ اللہ کے حکم کے مطابق جو حق بنتا ہے وہ وصول کرو۔
(۳) وان یبشر الناس بالخیر ویامرھم بہ	لوگوں کو امورِ خیر پر بشارت دو اور ان پر عمل کرنے کی تلقین کرو۔
(۴) ویعلم الناس القرآن ویفقھھم فیہ	اور قرآن کی تعلیم دو اور اس کی سمجھ ان میں پیدا کرو
(۵) وینھی الناس ان لا یمس احد القرآن الا وھو طاھر	لوگوں کو منع کرو کہ کوئی شخص بغیر طہارت (وضو) قرآن مجید کو نہ چھوئے۔
(۶) ویخبر الناس بالذی لھم والذی علیھم	لوگوں کو ان کے حقوق و فرائض بتاؤ
(۷) ویلین للناس فی الحق۔	حق وصول کرنے میں نرمی کا معاملہ اور برتاؤ کرو

(۸) ویشتد علیھم فی الظلم وان اللہ کرہ الظلم ونھی عنہ فقال اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ۔

ظلم کے معاملہ میں سختی سے دار وگیر کرو کیونکہ اللہ کو ظلم ناپسند ہے اور اس لیے اس نے منع فرمایا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے خبردار اللہ کی ظالموں پر لعنت ہے۔

(۹) ویبشر الناس بالجنة وبعملھا

لوگوں کو جنت اور اس کے اعمال پر بشارت دو

(۱۰) وینذر الناس بالنار وبعملھا۔

اور دوزخ اور اس کے اعمال سے ڈراؤ

(۱۱) ویستالف الناس حتی یفقھوا فی الدین

لوگوں سے الفت اور محبت کا برتاؤ کرو کہ ان میں دین کی سمجھ پیدا ہو جائے۔

(۱۲) ویعلم الناس معالم الحج وسننہ وفرائضہ وما امر اللہ بہ والحج الاکبر والحج الاصغر وھو العمرة

لوگوں کو حج کے بنیادی مسائل، اس کے سنن و فرائض اور اوامر حج اکبر حج اصغر یعنی عمرہ کے تفصیلی احکام بتاؤ۔

(۱۳) وینھی الناس ان یصلی احد فی ثوب واحد صغیر الا ان یکون ثوبا واحدا یثنی طرفیہ علی عاتقیہ

لوگوں کو منع کرو کہ کوئی شخص بھی صرف ایک چھوٹے سے کپڑے میں نماز نہ پڑھے الا یہ کہ وہ ایک کپڑا اتنا بڑا ہو کہ اس کے دونوں کنارے کندھوں کو ڈھانپ لیں

(۱۴) وینھی ان یحتبی احد فی ثوب واحد یفضی بفرجہ الی السماء

لوگوں کو اس سے منع کرو کہ وہ ایک کپڑے میں اس طرح اکڑوں بیٹھیں کہ ان کی شرمگاہ اوپر سے نظر آنے لگے۔

(۱۵) ولا یعقص احد شعر راسہ اذا اعفاہ فی قفاہ

کوئی شخص اپنے سر کے بالوں کا جوڑا بنا کر اسے گدی پر نہ لٹکائے۔

(۱۶) وینھی اذا کان بین الناس صلح عن الدعاء الی القبائل والعشائر

جب لوگوں کے درمیان صلح ہونے لگے تو کوئی شخص بھی اپنے قبیلہ اور خاندان کی جے نہ لگائے

(۱۷) ویکن دعاؤھم الی اللّٰہ وحدہٗ لاشریک لہ

بلکہ سب کی پکار صرف اللہ وحدہ لاشریک ہی کے لیے ہو۔

(۱۸) فمن لم یدع الی اللّٰہ ودعا الی العشائر والقبائل فلیعطفوا بالسیف حتی یکون دعاؤھم الی اللّٰہ وحدہ لا شریک لہ

جو اللہ کی طرف دعوت کو چھوڑ کر قبائل اور خاندان کی طرف بلائے اس کا علاج تلوار سے کیا جائے یہاں تک کہ اس کی پکار اللہ وحدہٗ لاشریک کے لیے ہو جائے۔

(۱۹) ویأمر الناس باسباغ الوضوء وجوھھم وایدیھما الی المرافق وارجلھم الی الکعبین

(۲۰) ویمسحوا برؤسھم کما امر اللّٰہ

(۲۱) وامرہ بالصلوٰۃ لوقتھا و اتمام الرکوع والخشوع

لوگوں کو حکم دیا جائے کہ وضو اچھی طرح کریں اور اپنے پورے چہرے پر پانی بہائیں اور ہاتھوں کو کہنیوں تک اور پیروں کو ٹخنوں تک دھوئیں اور اللہ کے حکم کے مطابق اپنے سر کا مسح کریں اور ان کو حکم دیا کہ نماز وقت پر ادا کرو رکوع پوری طرح کرو اور نماز میں خشوع کا خیال رکھو۔

(۲۲) ویغلس بالصبح

(۲۳) ویھجر بالھاجرۃ حتی تمیل الشمس

صبح کی نماز اندھیرے منہ پڑھو اور ظہر کی نماز آفتاب ڈھلنے سے پہلے جلدی ادا کرلو۔

(۲۴) وصلوٰۃ العصر والشمس فی الارض مدبرۃ

اور عصر کی نماز ایسے وقت میں پڑھی جائے کہ دھوپ ڈھل جائے۔

(۲۵) والمغرب حین یقبل اللیل ولا یؤخر حتی تبدو النجوم فی السماء

اور رات کی آمد کے ساتھ ہی مغرب ادا کرلی جائے۔ اور اسے ستاروں کے آسمان میں نمایاں ہونے تک مؤخر نہ کیا جائے۔

(۲۶) والعشاء اول اللیل

عشاء رات کے اوّل وقت میں پڑھی جائے۔

(۲۷) وامرہ بالسعی الی الجمعۃ اذا نودی لھا۔

اور حکم دیا جوں ہی جمعہ کی اذان ہو فوراً جمعہ کے لیے نکل پڑنا چاہیے۔

(۲۸) والغسل عند الرواح

نمازِ جمعہ کے لیے روانہ ہونے سے پہلے غسل کیا جائے۔

(۲۹) وامره ان یأخذ من المغانم خمس الله

اور حکم دیا کہ مالِ غنیمت میں اللہ کے لیے پانچواں حصہ لیا جائے۔

(۳۰) وما کتب علی المومنین فی الصدقة من العقار عشر ما سقی البئر وما سقت السماء

جو زمین پانی کے کنارے ہو یا بارانی ہو اس کی پیداوار میں دسواں حصہ بطور زکوٰۃ فرض ہے۔

(۳۱) وعلی ما سقی الغرب نصف العشر

جو زمین ڈول سے سیراب کی جائے اس پر نصف عشر ہے۔

(۳۲) وفی کل عشر من الابل شاتان وفی کل عشرین من الابل اربع اشیاه

مویشیوں میں ہر دس اونٹوں پر دو بکریاں ہیں اور ہر بیس اونٹوں پر چار بکریاں ہیں۔

(۳۳) وفی کل اربعین من البقر بقرة وفی کل ثلاثین من البقر تبیع جذع او جذعة

ہر چالیس گایوں پر ایک گائے اور ہر تیس گایوں پر ایک سالہ بچہ — نر یا مادہ۔

(۳۴) وفی کل اربعین من الغنم سائمة وحدها شاة

ہر چالیس بکریوں پر جو جنگل میں چرنے والی ہوں ایک بکری ہے۔

(۳۵) فانها فریضة الله التی افترض علی المومنین فی الصدقة فمن زاد خیرا فهو خیر له

یہ صدقات کے ذیل میں اللہ کا مقرر کردہ ہے جو اس نے مومنین پر فرض کیا ہے جو مزید خیرات کرے تو اس کے لیے اور بھی اچھا ہے۔

(۳۶) وانه من اسلم من یهودی او نصرانی اسلاما خالصا من نفسه ودان دین الاسلام فانه من المومنین له مثل

یہود اور نصاریٰ میں سے جو خلوصِ دل سے ایمان لے آئے اور اسلام کو بطور دین قبول کرے، اس کا شمار مومنین میں ہوگا اور اس کے حقوق و فرائض وہی ہوں

مالهم وعليه ما عليهم — گے جو دیگر مسلمانوں کے ہیں۔

(۳۷) ومن كان على نصرانية او يهودية فانه لا يفتن عليها۔ — جو یہودیت اور نصرانیت پر قائم رہنا چاہے اسے اس کے مذہب کے سلسلہ میں کسی امتحان میں نہ ڈالا جائے۔

(۳۸) وعلى كل حالم ذكرا و انثى حرا او عبد دينار واف او عرضه ثيابا۔ — ان میں سے ہر عاقل بالغ مرد، عورت، آزاد اور غلام پر ایک پورا دینار یا اس کی قیمت کا کپڑا ہے۔

(۳۹) فمن ادى ذلك فان له ذمة الله وذمة رسوله — جو یہ رقم ادا کر دے وہ اللہ اور اس کے رسول کے ذمہ (امان) میں ہے۔

(۴۰) ومن منع ذلك فانه عدو لله ولرسوله وللمؤمنين جميعا۔ — اور جو یہ رقم ادا کرنے سے انکار کرے اس کا شمار اللہ اور اس کے رسول اور مومنین کے دشمنوں میں سے ہے۔

(۴)

حضرت عمروؓ بن حزم نجران (یمن) جاتے وقت اپنی اہلیہ عمرہ بنت عبداللہ بن حارث غسانی کو بھی اپنے ساتھ لے گئے، وہاں اسی سال ان کے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام انہوں نے محمدؐ اور کنیت ابوسلیمان رکھی۔ علامہ ابن سعدؒ کا بیان ہے کہ حضرت عمروؓ بن حزم نے سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں ایک خط بھیجا جس میں بچے کی ولادت اور اس کے نام اور کنیت کی اطلاع دی۔ حضورؐ نے اس کے جواب میں تحریر فرمایا کہ نومولود کا نام محمدؐ مناسب ہے البتہ کنیت ابوسلیمان کے بجائے ابوعبدالملک رکھ دو۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ [۱]

---

[۱] ڈاکٹر محمد حمیداللہ صاحب نے اپنی تالیف "مجموعۃ الوثائق السیاسیہ" میں (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

حضرت عمروؓ بن حزم نجران میں کب تک بنو حارث بن کعب کے عامل رہے اہلِ سیر نے اس کی تصریح نہیں کی البتہ ابو حنیفہ دینوری کی کتاب "الاخبار الطوال" سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے عہدِ خلافت میں فتنۂ ردّہ کے استیصال کے بعد ایران سے معرکہ آرائیوں کا آغاز ہوا تو حضرت عمروؓ بن حزم، حضرت خالدؓ بن ولید کے لشکر میں شامل ہو کر عراقِ عرب گئے اور ایرانیوں کے خلاف کئی معرکوں میں دادِ شجاعت دی۔ جب حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حضرت خالدؓ بن ولید کو محاذِ شام پر حضرت ابوعبیدہؓ بن الجراح کے پاس پہنچنے کا حکم دیا تو وہ حضرت عمروؓ بن حزم کو حضرت مثنیٰؓ بن حارثہ شیبانی کے پاس عراقِ عرب میں چھوڑ گئے۔ انہوں نے حضرت مثنیٰؓ کے ساتھ مل کر ایرانیوں کے ٹھکانوں پر چھاپے مارنے کا سلسلہ جاری رکھا۔ قیاس یہ ہے کہ وہ حضرت عمر فاروقؓ کے عہدِ خلافت میں بھی جہادِ ایران میں شریک رہے۔ اس کے بعد مدینہ واپس آگئے اور تادمِ آخر وہیں مقیم رہے۔

دورِ فتن میں وہ اپنا دامن ہمیشہ خانہ جنگی سے بچاتے رہے تاہم جنگ صفین میں جب حضرت عمارؓ بن یاسرؓ شہید ہوئے تو انہوں نے حضرت امیر معاویہؓ اور حضرت عمروؓ بن العاص کو وہ حدیث یاد دلائی جس میں فرمایا گیا ہے کہ عمارؓ کو ایک باغی گروہ قتل کرے گا۔ (سیر انصار حصہ دوم) لیکن بیشتر اربابِ سیر کا بیان ہے کہ یہ حدیث حضرت عبداللہؓ بن عمروؓ بن العاص نے ان دونوں بزرگوں

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ)

وثیقہ نمبر ۱۰۶ الف، ب کے ذیل میں لکھا ہے کہ حضرت عمروؓ بن حزم کے ہاں لڑکے کی ولادت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت سے دو سال پہلے ہوئی تھی لیکن تمام اربابِ سیر اور مؤرخین اس بات پر متفق ہیں کہ حضورؐ نے حضرت عمروؓ بن حزم کو ۱۰ سنہ ہجری میں نجران بھیجا تھا اور وہیں ان کے صاحبزادے کی ولادت ہوئی۔

کو یاد دلائی تھی۔

بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی شہادت کے بعد وہ وقتاً فوقتاً امیر معاویہؓ کے پاس آتے جاتے رہتے تھے۔ ایک دفعہ ان کے پاس گئے تو دوران گفتگو میں فرمایا:

"میں نے رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیہِ وَسَلَّم سے سنا ہے کہ قیامت کے دن بادشاہ سے رعیت کے بارے میں حساب لیا جائے گا۔"

مولانا سعید انصاری مرحوم نے "سیر انصار" میں لکھا ہے کہ جس زمانے میں امیر معاویہؓ نے یزید کی خلافت کے لیے عامۃ المسلمین سے بیعت لی تو حضرت عمروؓ بن حزم نے امیر معاویہؓ سے نہایت سخت گفتگو کی ـــــ لیکن یہ روایت مشتبہ ہے کیونکہ جس زمانے میں بیعت یزید کا معاملہ پیش آیا ـــــ اکثر سیرت نگاروں کے بیان کے مطابق حضرت عمروؓ بن حزم وفات پا چکے تھے۔

حضرت عمروؓ بن حزم کے سال وفات کے بارے میں سخت اختلاف ہے۔ بعض نے ۵۱ھ بعض نے ۵۳ھ اور بعض نے ۵۴ھ لکھا ہے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ انہوں نے ۲۴ھ سے پہلے حضرت عمر فاروقؓ کے عہد خلافت میں وفات پائی۔ صحیح یہی ہے کہ انہوں نے ۵۰ھ اور ۵۵ھ کے درمیان (بعہد خلافت امیر معاویہؓ) کسی وقت وفات پائی۔[1]

---

[1] ابو حنیفہ دینوری نے "الاخبار الطوال" میں لکھا ہے کہ ۶۳ ہجری میں واقعۂ حرہ کے وقت حضرت عمروؓ بن حزم مدینہ کے قاضی تھے۔ وہ شامی لشکر کے خلاف لڑ کر شہید ہوئے لیکن یہ روایت غلط ہے۔ واقعۂ حرہ میں شہید ہونے والے حضرت عمروؓ بن حزم نہیں بلکہ ان کے بیٹے محمدؒ بن عمرو بن حزم تھے۔ اس موقع پر خزرج کا علم انہی کے ہاتھ میں تھا ـــــ حضرت عمروؓ بن حزم اس وقت وفات پا چکے تھے۔

حضرت عمروؓ بن حزم کی دو بیویاں تھیں ایک کا نام عمرہ بنت عبداللہ بن حارث تھا۔ عبداللہ بن حارث کا تعلق بنو غسان سے تھا اور وہ بنو ساعدہ کے حلیف تھے۔

دوسری اہلیہ کا نام سودہ بنت حارثہ تھا۔

اولاد میں صرف ابو عبدالملک محمدؒ مشہور ہیں جو واقعہ حرہ میں شہید ہوئے۔ محمدؒ کے فرزند قاضی ابوبکرؒ کا شمار اپنے دور کے "وحید العصر" علماء میں ہوتا ہے۔

حضرت عمروؓ بن حزم سے مروی چند احادیث بھی کتب حدیث میں ملتی ہیں ان کے رواۃ حدیث میں ان کی اہلیہ، فرزند محمدؒ، پوتے ابوبکرؒ، زیاد بن نعیم حضرمی اور نضر بن عبداللہ سلمی شامل ہیں۔

قبروں کے احترام سے متعلق یہ مشہور حدیث حضرت عمروؓ بن حزم ہی سے مروی ہے:

"رسول اللہ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے مجھے دیکھا کہ میں ایک قبر سے تکیہ لگائے بیٹھا ہوں تو آپؐ نے فرمایا، اس قبر والے کو تکلیف نہ دو۔"
(مسند احمد بن حنبلؒ)

حضرت سہلؓ بن عدی انصاری

①

سیدنا حضرت سہلؓ بن عدی انصاری کا شمار اُن مردانِ جری میں ہوتا ہے جن کی عسکری صلاحیتوں کا اعتراف امیر المؤمنین حضرت عمرؓ فاروق جیسے عظیم مردم شناس کو بھی تھا اسی لیے انہوں نے حضرت سہلؓ کو بعض اہم مہوں پر مامور فرمایا اور ان سب کو انہوں نے نہایت حسن و خوبی سے سر کیا۔

حضرت سہلؓ بن عدی کا تعلق انصار کے قبیلہ خزرج سے تھا۔ سلسلۂ نسب یہ ہے:

سہلؓ بن عدی بن مالک بن حرام بن خدیج بن معاویہ بن عوف بن خزرج۔

بہت سے سیرت نگاروں اور مؤرخوں نے ان کا نام سہیلؓ بن عدی لکھا ہے لیکن صحیح نام سہل بن عدی ہے [1]

---

[1] ابو عمرو خلیفہ ابن خیاط نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ حضرت سہلؓ بن عدی کا تعلق اوس کے خاندان "بنو عبدالاشہل" سے تھا۔ لیکن جمہور ارباب سیر ابن اثیرؒ ابن حجر عسقلانیؒ، ابن جریر طبریؒ وغیرہ نے ان کو خزرجی بتایا ہے۔

خلیفہ ابن خیاط نے یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت سہلؓ بن عدی صدیق اکبرؓ کے عہدِ خلافت میں یمامہ کی جنگ میں شہید ہوئے لیکن یہ ان کا وہم ہے کیونکہ دوسرے تمام سیرت نگاروں اور مؤرخوں نے عہدِ فاروقی میں ان کے کارناموں کا ذکر کیا ہے۔

علامہ ابن اثیرؒ کا بیان ہے کہ حضرت سہلؓ بن عدی اصحاب بدر میں سے ہیں لیکن دوسرے ارباب سیر نے اصحاب بدر کی جو فہرست دی ہے اس میں حضرت سہلؓ بن عدی کا نام نظر نہیں آتا۔ البتہ اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ وہ اپنے تین بھائیوں حضرت حارثؓ بن عدی، حضرت ثابتؓ بن عدی اور حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عدی کے ساتھ غزوۂ اُحد میں شریک تھے۔ قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ دوسرے غزواتِ نبویؐ میں بھی شریک ہوئے اور عہدِ صدیقیؓ میں فتنۂ ردّہ کے استیصال میں بھی حصہ لیا۔

حضرت عمرؓ فاروقؓ کے عہدِ خلافت میں حضرت سہلؓ بن عدی نے جہادِ ایران میں بھرپور حصہ لیا اور کئی معرکوں میں فوج کے ایک افسر کی حیثیت سے دادِ شجاعت دی۔ حضرت عمرؓ فاروقؓ نے بعض معرکوں کی قیادت کے لیے بطورِ خاص حضرت سہلؓ بن عدی کا نام تجویز کیا۔

(۲)

۱۷ھ ہجری میں حضرت عمرؓ فاروقؓ نے ایران پر عام لشکر کشی کا ارادہ کیا۔ اس مقصد کے لیے انہوں نے بصرہ اور کوفہ کی فوجوں کو تیار کرکے ان پر سات امراء مقرر کیے اور ان کو فارس کے جنوب مشرق میں واقع سات اہم علاقوں پر حملہ کے لیے مامور فرمایا لیکن قحط عام الرمادہ اور بعض دوسرے اسباب کی بناء پر ان مہموں کی روانگی ملتوی کر دی گئی۔ اس عام لشکر کشی کی نوبت ۲۱ھ اور ۲۲ھ میں آئی۔ امیر المومنینؓ نے سات مقامات پر لشکر کشی کے لیے سات امیر اور سات جھنڈے یوں متعین کیے۔

۱۔ حضرت احنفؓ بن قیس ——— خراسان

۲۔ حضرت عثمانؓ بن ابو العاص ثقفی ——— اصطخر

۳۔ حضرت مجاشعؓ بن مسعود ——— اردشیر خرہ اور سابور

۴۔ حضرت ساریہؓ بن زنیم کنانی ——— فساد در الجبرد
۵۔ حضرت عاصمؓ بن عمرو ——— سجستان
۶۔ حضرت حکمؓ بن عمرو غفاری ——— مکران
۷۔ حضرت سہلؓ بن عدی ——— کرمان

ایک روایت میں ہے کہ یہ ساتوں جیوش بصرہ میں تیار ہوئے اور ان کا امیرالامراء حضرت سہلؓ بن عدی کو بنایا گیا۔ ان میں سے بیشتر جیوش کی مدد کے لیے کوفہ سے مختلف امیروں کی سرکردگی میں فوجیں روانہ کی گئیں۔ ان کی تفصیل اس طرح ہے:

حضرت احنفؓ بن قیس کی مدد کے لیے علقمہ بن نضر، ربعیؓ بن عامر، عبداللہ بن ابی عقیلؓ اور ابن اُمِ غزالؓ کو۔

حضرت عاصمؓ بن عمرو کی مدد کے لیے عبداللہ بن عمیر اشجعیؓ کو،

حضرت حکمؓ بن عمرو غفاری کی مدد کے لیے شہابؓ بن مخارق مازنی کو اور حضرت سہلؓ بن عدی کی مدد کے لیے حضرت عبداللہ بن عبداللہ بن عتبانؓ کو روانہ کیا گیا[1]

۲۳ھ ہجری میں حضرت سہلؓ بن عدی بصرہ سے کرمان کی جانب روانہ ہوئے[2] حضرت عبداللہ بن عبداللہ بن عتبانؓ بھی اپنی فوج لے کر ان کی مدد کو

---

[1] ابن جریر طبری کا بیان ہے کہ اس زمانے میں حضرت عبداللہ بن عبداللہ بن عتبانؓ تسخیر اصفہان کی مہم سے فارغ ہوئے تھے انہوں نے حضرت عمرؓ فاروق کو اصفہان اور جیّ کی تسخیر کی اطلاع بھیجی تو انہوں نے حضرت عبداللہؓ کو ایک خط لکھا جس میں انہیں یہ حکم دیا کہ "تم کرمان کا رخ کرو اور سہلؓ بن عدی سے جا ملو جنہیں اہلِ کرمان سے لڑنے بھیجا گیا ہے۔" (تاریخ طبری جلد ۴ صفحہ ۲۴۸)

[2] کرمان کا قدیم نام کرمانیہ تھا۔ اس کے شمال میں خراسان، جنوب میں بحرِ عمان، مغرب میں فارس شمال مغرب میں اصفہان اور مشرق میں بلوچستان (بشمول مکران) ہے۔

آ گئے۔ حضرت سہلؓ نے نسیر بن ثور عجلیؒ کو اپنے لشکر کے ہراول (مقدمۃ الجیش) کا افسر مقرر کیا۔ اہلِ کرمان نے بھی مقابلے کے لیے زبردست تیاری کی اور بلوچستان (سارادان اور جھالاوان کے پہاڑی علاقوں کے باشندوں) کو بھی اپنی مدد کے لیے بلا لیا۔ میدانِ کارزار گرم ہوا تو حضرت سہلؓ نے اہل کرمان کو شکست فاش دی۔ ان کا سردار نسیر بن ثور عجلیؒ کے ہاتھ سے مارا گیا۔ اس کے بعد مجاہدین نے کرمان کے سب سے بڑے تجارتی مرکز جیرفت پر دو طرف سے پیشقدمی کی حضرت سہلؓ بن عدی دیہی علاقے کے راستے سے اور حضرت عبداللہ بن عتبان ریگستان کی طرف سے حملہ آور ہوئے۔ اہل جیرفت نے کسی خاص مزاحمت کے بغیر ہتھیار ڈال دیئے۔ اس کے بعد حضرت سہلؓ نے کرمان کے سب سے بڑے شہر سیر جان کو مسخر کیا۔ اس مہم میں مسلمانوں کو جو مالِ غنیمت ہاتھ آیا اس میں ایک کثیر تعداد بکریوں اور اونٹوں کی تھی۔ یہ اونٹ بختی کہلاتے تھے۔ مالِ غنیمت کی تقسیم کے وقت بختی اونٹوں کی قیمت مقرر کرنے میں دقت پیش آئی کیونکہ یہ اونٹ قدوقامت اور ڈیل ڈول میں عربی اونٹوں سے بڑے تھے۔ حضرت سہلؓ نے اس بارے میں خط لکھ کر امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ سے رہنمائی چاہی۔ انھوں نے جواب میں لکھا کہ عربی اونٹ کی قیمت اس کے گوشت کا اندازہ کر کے لگائی جاتی ہے۔ بختی اونٹ میں بھی یہی بات ہے پھر بھی تم لوگوں کے نزدیک بختی اونٹ میں زیادتی ہے تو اسے مان لو، زیادتی بھی اس کی قدر و قیمت میں شامل ہے۔ [1]

کرمان کی مکمل تسخیر کے بعد حضرت سہلؓ بن عدی قفص (بلوچستان) کے ان لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے جنہوں نے اہل کرمان کی مدد کی تھی۔ حضرت سہلؓ نے انہیں بھی مطیع بنا کر چھوڑا۔ اس طرح پورے کرمان

---

[1] تاریخ الکامل لابنِ اثیر ج ۳ ص ۱۷

اور اس سے متصل بلوچستان کے پہاڑی علاقے پر مسلمانوں کا استیلا ہو گیا۔ [۱]

(۳)

کرمان اور بلوچستان کی تسخیر کے بعد حضرت عمرؓ فاروق کے حکم کے مطابق حضرت سہلؓ بن عدی اپنی فوج لے کر حضرت حکمؓ بن عمرو غفاریؓ کی مدد کے لیے مکران پہنچے۔ وہاں کے راجہ راسل نے مسلمانوں کا پُرزور مقابلہ کیا لیکن شکست کھائی اور مکران پر بھی مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔

بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ مکران کی طرف پیشقدمی کرتے وقت مسلمانوں کو دریائے سندھ عبور کرنا پڑا۔ انھوں نے اسے کامیابی سے عبور کر لیا تو حضرت سہلؓ بن عدی نے یہ شعر کہا:

و مهرانُ لنا فيما اردنا
مطيع غير مسترخي العنان

یعنی دریائے سندھ ہمارے مقصد کی کامیابی کے لیے ہمارا اطاعت گزار اور فرمانبردار ہے۔ [۲]

حضرت سہلؓ کرمان اور بلوچستان کے فاتح اور امیر تو تھے ہی، مکران کی فتح کے بعد حضرت عمرؓ فاروق نے حضرت حکمؓ بن عمرو غفاریؓ کے ساتھ ان کو وہاں

---

[۱] بعض روایتوں میں ہے کہ حضرت سہلؓ نے بلوچستان کے علاقے کو مکران کی تسخیر کے بعد اسی سال فتح کیا۔ بہرصورت کرمان، مکران اور بلوچستان (سارادان اور جھالاوان) سب ایک ہی سال ۲۳ھ کے اندر مفتوح ہوئے۔
(خلافت راشدہ اور ہندوستان ——— از قاضی اطہر مبارکپوری)

[۲] اس شعر سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت سہلؓ بن عدی شعر و شاعری میں بھی درک رکھتے تھے۔

کے معاملات کا بھی ذمہ دار بنایا۔

حضرت حکمؓ بن عمرو غفاری نے حضرت صحارؓ بن عباس عبدی کو فتح مکران کی بشارت اور مالِ غنیمت دے کر دربارِ خلافت میں روانہ کیا۔ حضرت عمر فاروقؓ نے ان سے مکران کرمان اور ان سے ملحقہ علاقوں کے حالات پوچھے تو انہوں نے وہاں کی بہت بھیانک تصویر کھینچی اور کہا کہ وہاں کا پانی خراب، کھجور گھٹیا درجے کی اور باشندے چور ہیں اگر وہاں فوج زیادہ ہو تو بھوکی رہے اور کم ہو تو تباہ ہو جائے۔ اس پر حضرت عمر فاروقؓ نے حضرت حکمؓ بن عمرو اور حضرت سہلؓ بن عدی کو حکم بھیجا کہ جس علاقے پر قابض ہو چکے ہو اس سے آگے ہرگز نہ بڑھنا۔

حضرت سہلؓ بن عدی نے کب اور کہاں وفات پائی؟ کتبِ سیر اس کے بارے میں خاموش ہیں۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت انس اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔ "ساری مخلوق اللہ تعالیٰ کی عیال (گویا اس کا کنبہ ہے) اس لیے اللہ کو اپنی مخلوق میں زیادہ پیارا وہ آدمی ہے جو اللہ تعالیٰ کی عیال (یعنی اس کی مخلوق) کے ساتھ احسان اور اچھا سلوک کرے۔"

(شعب الایمان للبیہقیؒ)

حضرت عبداللہؓ بن عبداللہ بن عتبان انصاری

①

حضرت عبداللہؓ بن عبداللہ بن عتبان کا شمار اُن اصحابِ رسولؐ میں ہوتا ہے جن کی قابلیت اور شجاعت کا اپنے وقت کے سب سے بڑے عبقری امیرالمؤمنین حضرت عمرِ فاروقؓ کو بھی اعتراف تھا۔ حضرت سعدؓ بن ابی وقاص فاتحِ عراق عرب ایک مرتبہ اپنی امارت کوفہ کے زمانے میں امیرالمؤمنین حضرت عمرِ فاروقؓ کے طلب کرنے پر مدینہ گئے تو اپنا جانشین حضرت عبداللہؓ بن عبداللہ بن عتبان کو بنایا۔ امیرالمؤمنین سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے پوچھا کہ کوفہ میں اپنی جگہ کس کو چھوڑا؟ انہوں نے کہا:

"عبداللہ بن عبداللہ بن عتبان کو"

یہ سن کر امیرالمؤمنین مطمئن ہو گئے اور فرمایا، "تم نے صحیح آدمی کو اپنا جانشین بنایا۔"

حضرت عبداللہؓ بن عبداللہ انصار کی شاخ بنی حبلی کے حلیف تھے اور سارے قبیلے میں نہایت عزت و احترام کی نظر سے دیکھے جاتے تھے۔ اہلِ سیر نے یہ تصریح نہیں کی کہ انہیں قبولِ اسلام کا شرف کب حاصل ہوا البتہ علامہ ابنِ اثیرؒ نے لکھا ہے کہ ان کو شرفِ صحابیت حاصل تھا اور انہوں نے رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سے احادیث روایت کی ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ وہ بڑے بہادر اور صاحبِ رعب آدمی تھے اور انتظامی امور میں بھی بڑی سوجھ بوجھ رکھتے تھے۔ ان کی قابلیت اور صلاحیت کو دیکھ کر ایک مرتبہ حضرت عمرِ فاروقؓ نے حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کو لکھا کہ تم عبداللہؓ بن عبداللہ بن عتبان

کو نصیبین کا عامل بناؤ۔ ؎

حضرت سعدؓ نے یقیناً امیر المؤمنین کے حکم کی تعمیل کی ہو گی لیکن عبداللہؓ نصیبین میں زیادہ عرصہ نہیں رہے اور جلد ہی وہاں سے کوفہ آ گئے۔

(۲)

سنہ ۲۰ھ میں حضرت عمرِ فاروقؓ نے حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کو کوفہ سے واپس بلا لیا اور ان کی جگہ حضرت عبداللہؓ بن عبداللہ بن عتبان کو کوفہ کا گورنر بنایا۔ اس زمانے میں ایرانی نہاوند میں جمع ہو کر مسلمانوں کے خلاف زور شور سے لڑائی کی تیاری کر رہے تھے۔ حضرت عمرِ فاروقؓ نے ان کے مقابلے کے لیے حضرت نعمانؓ بن مقرن کو سپہ سالار مقرر کیا اور انہیں لکھا کہ اہواز سے چل کر ماہ (ایک ایرانی شہر) میں پڑاؤ ڈالو وہیں کوفہ کی فوج بھی ان کے لشکر میں شامل ہو جائے گی۔ دوسری طرف انہوں نے حضرت عبداللہؓ بن عبداللہ بن عتبان کو یہ فرمان بھیجا:

؎ طبریؒ نے امیر المؤمنین حضرت عمرِ فاروقؓ کے خط کا مضمون اس طرح نقل کیا ہے:

"سہیل (سہل) بن عدی کی سرکردگی میں ایک فوج جزیرہ کے شہر رقہ بھیجو۔ جزیرہ کے لوگوں نے ہی بزنطیوں کو حمص پر حملہ کے لیے ابھارا ہے اور ان سے پہلے قرقیسیا کے باشندے یہی حرکت کر چکے ہیں۔ دوسری فوج عبداللہ بن عتبان کی سالاری میں نصیبین پر چڑھائی کے لیے روانہ کرو۔ جب یہ دونوں سالار رقہ اور نصیبین سے فارغ ہو جائیں تو حران اور رہا کا رخ کریں۔ ایک تیسری فوج ولید بن عقبہ کی کمان میں جزیرہ کے عرب قبائل ربیعہ اور تنوخ کی جانب روانہ کرو اور عیاض بن غنم کو بھی جزیرہ کے محاذ پر بھیجو اگر جنگ ہو تو دوسرے سارے سالارانِ فوج عیاض کے ماتحت ہوں گے۔"

(تاریخ طبری ۴/۱۹۵)

اس خط میں نصیبین کی مہم پر حضرت عبداللہ بن عتبان کو بھیجنے کا حکم دیا گیا ہے۔ یہ کتابت کی غلطی معلوم ہوتی ہے۔ فی الحقیقت یہ عبداللہ بن عبداللہ بن عتبان تھے۔

"کوفہ سے آتنی آتنی فوج نعمان بن مقرن کے پاس بھیجو، میں نے انہیں لکھا ہے کہ اہواز سے ماہ کی طرف پیشقدمی کریں۔ کوفہ کی فوج کو چاہیے کہ ماہ میں نعمان سے جا ملے اور اسے ساتھ لے کر نعمان نہاوند کی طرف بڑھیں۔ نعمان کے پاس پہنچنے تک کوفہ کی فوج کے سپہ سالار حذیفہؓ بن یمان رہیں گے۔ میں نے انہیں یہ بھی لکھا ہے کہ اگر تمہارے ساتھ کوئی حادثہ پیش آئے تو سالارِ اعلیٰ حذیفہ ہوں گے اور اگر حذیفہ مارے جائیں تو نعیم بن مقرن ان کی جگہ قیادت سنبھالیں گے۔"

(طبری ۴/۲۲۹)

حضرت عبداللہؓ نے امیرالمؤمنینؓ کے حکم کے مطابق ایک مضبوط فوج حضرت نعمان بن مقرن کے پاس بھیج دی۔ وہ نہاوند پہنچ کر ایرانیوں سے نبرد آزما ہوئے نہایت خونریز جنگ ہوئی جس میں حضرت نعمانؓ شہید ہو گئے لیکن ایرانیوں کو شکستِ فاش ہوئی۔ مسلمانوں نے اپنی عظیم الشان فتح کو "فتح الفتوح" کا نام دیا۔ اسی اثناء میں حضرت عمر فاروقؓ نے حضرت عبداللہؓ بن عبداللہ کو اصفہان کی تسخیر پر مامور کیا اور ان کی جگہ حضرت عمار بن یاسرؓ کو کوفہ کا گورنر مقرر کیا[1] حضرت عبداللہؓ کو اصفہان بھیجتے وقت امیرالمؤمنین نے انہیں یہ خط لکھا:

"کوفہ سے مدائن کا رُخ کرو اور وہاں پہنچ کر مسلمانوں کو جنگ پر جانے کی دعوت دو۔ جو لوگ برضاء و رغبت تمہارے ساتھ جانے کو تیار ہوں انہیں ساتھ لے لو اور مجھے تمام حالات سے آگاہ کرو۔ (طبری ۴/۲۴۶)

---

[1] بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ حضرت عبداللہؓ کی جگہ حضرت زیادؓ بن حنظلہ کو کوفہ کا گورنر بنایا گیا لیکن انہوں نے جلد ہی استعفا دے دیا اور امیرالمؤمنین نے ان کی جگہ حضرت عمارؓ بن یاسرؓ کو کوفہ کا گورنر مقرر کیا۔ حضرت عمارؓ کمک لے کر کوفہ سے نہاوند پہنچے تو لڑائی ختم ہو چکی تھی اور مسلمان فتح یاب ہو چکے تھے۔

دوسری طرف امیر المؤمنینؓ نے بصرہ کے گورنر حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کو لکھا کہ ایک لشکر لے کر اہواز کی طرف سے اصفہان کی طرف بڑھیں اور عبداللہؓ بن عبداللہ کے لشکر کے ساتھ مل جائیں۔

اصفہان فارس کے وسط میں نہایت اہم تجارتی مرکز تھا اور وہاں سے بہت سی سڑکیں ملک کے مختلف صوبوں کو جاتی تھیں۔

حضرت عبداللہؓ امیر المؤمنینؓ کی ہدایت کے مطابق لشکر لے کر پہلے مدائن پہنچے پھر وہاں سے نہاوند گئے اور جو لوگ ان کے ساتھ جانے کو تیار ہوئے انہیں لے کر اصفہان کا رُخ کیا۔ اصفہان کے نواحی شہروں اور دیہات نے معمولی مقابلہ کے بعد ہتھیار پھینک دیئے اور جزیہ دینا قبول کر لیا۔ اس کے بعد وہ اصفہان پر حملہ آور ہوئے۔ وہاں کا ایرانی حاکم لڑائی میں مارا گیا اور اہلِ شہر نے ہتھیار ڈال دیئے۔ پھر انہوں نے شہر "جیّ" کا محاصرہ کر لیا لیکن اہلِ شہر نے جلد ہی اِن شرائط پر مسلمانوں سے صلح کر لی۔

(۱) وہ اسلامی حکومت کو خراج اور جزیہ دیں گے۔
(۲) اپنا تمام جنگی اسلحہ مسلمانوں کے حوالے کر دیں گے۔
(۳) مسلمان ان کی جان و مال کی حفاظت کے پوری طرح ذمہ دار ہوں گے۔

حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ جب اپنا لشکر لے کر حضرت عبداللہؓ بن عبداللہ سے ملے تو اس وقت اصفہان اور اس کا مضافاتی علاقہ فتح ہو چکا تھا۔ حضرت عبداللہؓ نے دربارِ خلافت میں فتح کی خوشخبری بھیجی تو وہاں سے حکم موصول ہوا:

"تم کرمان کا رخ کرو اور سہیل بن عدی سے جا ملو جنہیں کرمان کی تسخیر پر مامور کیا گیا ہے۔ جیّ میں اپنا حفاظتی فوج چھوڑ دو اور اصفہان پر سائب بن اقرع کو محصلِ خراج مقرر کرو۔" [1]

---

[1] تاریخ طبری جلد ۴ ص ۲۴۸۔ حافظ ذہبی کا بیان ہے کہ حضرت عبداللہ بن عبداللہ بن عتبان
(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

(۳)

حضرت سہیل بن عدی جن کو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اہل کرمان سے لڑنے کا حکم دیا تھا، اپنے لشکر کے ساتھ بصرہ سے کرمان کی جانب روانہ ہوئے۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن عبداللہ بھی اپنی فوج لے کرمان کی مدد کو پہنچ گئے۔ دونوں نے ایک خونریز جنگ کے بعد اہل کرمان کو شکست دی۔ اس کے بعد وہ کرمان کے سب سے بڑے تجارتی مرکز "جیرفت" کی طرف بڑھے حضرت سہل بن عدی رضی اللہ عنہ نے دیہاتی علاقے کی طرف سے اور حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن عبداللہ نے ریگستان کی طرف سے جیرفت پر حملہ کیا۔ اہل جیرفت نے کوئی خاص مزاحمت نہ کی اور اطاعت قبول کر لی۔ اب کرمان کے سب سے بڑے شہر سیرجان کی باری تھی دونوں نے اسے بھی مسخر کر لیا اور کثیر مال غنیمت حاصل کیا۔ اس کے بعد وہ یلغار کرتے ہوئے قفص (بلوچستان) تک جا پہنچے اور وہاں کے باشندوں کو بھی خلافت اسلامیہ کے حلقۂ اطاعت میں لے آئے۔

ادھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت حکم رضی اللہ عنہ بن عمرو تغلبی (غفاری) کو مکران کی تسخیر پر مامور کیا۔ وہ مکران پہنچے تو وہاں کے حکمران رتبیل نے سندھ کے راجہ کو بھی اپنی مدد کے لیے بلا بھیجا۔ وہ ایک زبردست فوج لے کر مکران پہنچا ادھر حضرت سہل رضی اللہ عنہ بن عدی اور حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن عبداللہ بن عتبان بھی حضرت حکم رضی اللہ عنہ بن عمرو کی مدد کے لیے مکران پہنچ گئے۔ فریقین میں گھمسان کا رن پڑا۔ راجہ رتبیل لڑتا

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

نے اصفہان میں قیام کیا اور وہیں سکونت اختیار کر لی۔ لیکن طبری کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اصفہان کی مہم سے فارغ ہو کر کرمان اور مکران کی مہموں میں شریک ہوئے ہو سکتا ہے کہ ان مہموں سے فارغ ہو کر انہوں نے اصفہان میں مستقل سکونت اختیار کی ہو۔

ہوا مارا گیا اور مسلمانوں کو عظیم الشان فتح حاصل ہوئی۔ یہ سب واقعات ۲۲ ہجری کے ہیں۔ حضرت حکم بن عمرو مکران سے آگے بڑھ کر سندھ پر بھی حملہ کرنا چاہتے تھے لیکن دربار خلافت سے حکم پہنچا کہ تم اور سہیل بن عدی دونوں اپنی اپنی جگہ پر رہو اور آگے نہ بڑھو [1]۔ چنانچہ عساکرِ اسلامی نے کرمان اور مکران سے مزید پیش قدمی نہ کی۔

ان مہموں سے فارغ ہونے کے بعد حضرت عبداللہؓ بن عبداللہ بن عتبان کہاں رہے اور انہوں نے کب وفات پائی، کتبِ سیر اس کے بارے خاموش ہیں البتہ امام ذہبیؒ کی ایک تحریر سے اشارہ ملتا ہے کہ انہوں نے اصفہان میں مستقل سکونت اختیار کر لی تھی اغلباً ۲۳ ھ کے بعد کسی وقت سفرِ آخرت اختیار کیا۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

---

[1] علامہ شبلی نعمانیؒ نے "الفاروق" میں لکھا ہے کہ طبریؒ کے بیان کے مطابق فتوحاتِ فاروقی کی اخیر حد یہی مکران ہے لیکن مؤرخ بلاذری کی روایت ہے کہ دیبل کے نشیبی حصے اور تھانہ (احاطۂ بمبئی) تک فوجیں آ گئیں۔ اگر صحیح ہو تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں اسلام کا قدم سندھ میں بھی آ چکا تھا۔

حضرت مسلمہؓ بن مُخلَّد انصاری

(۱)

حضرت مجاہد بن جُبیرؒ کا شمار پہلی صدی ہجری کے نہایت عظیم المرتبت تابعین میں ہوتا ہے۔ امام نوویؒ لکھتے ہیں کہ ـــــــ "ان کی جلالت اور امامت پر سب کا اتفاق ہے۔"

حضرت مجاہدؒ حبرالامۃ ترجمان القرآن حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے شاگرد تھے اور اپنے زمانے میں قرأت، تفسیر حدیث اور فقہ میں امام وقت تسلیم کیے جاتے تھے۔ خود حضرت مجاہدؒ کا بیان ہے کہ میں دنیا میں اپنے آپ کو قرآن کریم کا سب سے بڑا حافظ سمجھتا تھا لیکن ایک مرتبہ میں نے ایک (ایسے) صاحبؓ رسول ؐ کے پیچھے فجر کی نماز پڑھی (جنھوں نے عہدِ رسالت کی صرف دس بہاریں دیکھی تھیں) تو میرا خیال غلط ثابت ہوا۔ ان صاحبؓ نے سورۂ بقرہ پڑھی تھی اور اتنی طویل سورۃ میں کہیں واؤ اور الف کی بھی غلطی نہیں کی تھی۔

یہ صاحبؓ رسولؐ جن کے بے مثل حفظِ قرآن کا حضرت مجاہد بن جُبیرؒ جیسے یگانۂ روزگار حافظِ قرآن نے برملا اعتراف کیا، حضرت مَسلمہؓ بن مُخلَّد انصاریؓ تھے۔

(۲)

سیّدنا حضرت مَسلمہؓ بن مُخلَّد کا تعلق خزرج کے خاندان بنو ساعدہ سے تھا۔ نسب نامہ یہ ہے:

مَسلمہؓ بن مُخلَّد بن صامت بن نیار بن لوذان بن عبد ود

بن زید بن ثعلبہ بن الخزرج بن ساعدہ بن کعب بن خزرج الاکبر۔
حضرت مسلمہؓ کی کنیت ابوسعید بھی تھی اور ابومعن بھی۔

ان کا شمار صغار (کم سن) صحابہ میں ہوتا ہے۔ سنہ ۱ ہجری میں مدینہ میں پیدا ہوئے۔ اہل سیر نے ان کے والد مُخلَّد بن صامت کے بارے میں کچھ نہیں لکھا کہ وہ زندہ تھے یا حضرت مسلمہؓ کی پیدائش سے پہلے فوت ہو چکے تھے۔ انصار کی فہرست میں بھی ان کا نام نہیں ملتا۔ حضرت مسلمہؓ نے شعور کی آنکھیں کھولیں تو اپنے سارے قبیلے کو مسلمان پایا۔ قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی والدہ بھی شرف اسلام سے بہرہ ور ہو چکی تھیں اس لیے وہ پیدائشی مسلمان تھے۔ ان سے مروی احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو بچپن میں اکثر بارگاہِ رسالت میں حاضری اور حضورؐ سے تعلیم پانے کی سعادت حاصل ہوتی تھی۔

چونکہ کم سن تھے اس لیے عہد رسالت کے کسی غزوہ میں شریک نہ ہو سکے۔ سنہ ۱۱ ہجری میں آفتاب رسالت اللہ تعالیٰ کی شفق رحمت میں غروب ہوا تو اس وقت حضرت مسلمہؓ صرف دس برس کے تھے۔ حضرت عمرؓ فاروقؓ کے عہد خلافت میں جوان ہوئے تو فنون حرب وضرب میں ایسی مہارت حاصل کی کہ چوٹی کے بہادروں میں شمار ہونے لگے۔ وہ بہترین شہسوار، بہترین قدر انداز، بہترین شمشیر زن اور بہترین نیزہ باز تھے۔ اُن کی شہزوری اور عسکری فنون میں مہارت کا حضرت عمرؓ فاروقؓ کو بھی اعتراف تھا اور وہ انہیں ایک ہزار جوانوں کے برابر تسلیم کرتے تھے۔

(۳)

حضرت عمرؓ فاروقؓ کے عہد خلافت میں حضرت عمروؓ بن العاص نے سنہ ۱۸ھ کے آخر میں) مصر پر لشکر کشی کی تو مصریوں نے قدم قدم پر مزاحمت

کی لیکن حضرت عمرو بن العاص نے ہر جگہ ان کو شکست دی اور بابلیون، فرما، بلبیس اور ام دنین وغیرہ کو فتح کرتے ہوئے "عین شمس" پہنچ گئے[1] یہ قدیم زمانے میں ایک بڑا شہر تھا لیکن اس وقت تباہ ہو چکا تھا البتہ وہاں مصری حکومت نے ایک بڑا مضبوط قلعہ بنا رکھا تھا جس کا نام "قصر شمع" تھا۔ اس میں سرکاری فوج اور مصری حکومت کے بڑے بڑے افسر رہتے تھے۔ چونکہ دریائے نیل اس کی فصیل کے ساتھ بہتا تھا، جہاز اور کشتیاں قلعہ کے دروازے پر آ کر لگتی تھیں۔ اس لحاظ سے یہ ایک نہایت اہم مقام تھا اور اس کو فتح کیے بغیر مصر میں آگے بڑھنا سخت خطرناک تھا چنانچہ حضرت عمرو بن العاص نے اس قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔ مصری فوج نے بڑی ثابت قدمی سے مقابلہ کیا۔ ایک روایت کے مطابق خود مقوقس (والیٔ مصر) نے قلعہ میں پہنچ کر اس کے دفاع میں حصہ لیا۔ جب محاصرہ بہت طول کھینچ گیا تو حضرت عمرو بن العاص نے حضرت عمر فاروق کو خط لکھ کر کمک بھیجنے کی درخواست کی[2]

امیر المومنین نے حضرت عمرو کا خط ملتے ہی چار ہزار مجاہدین پر مشتمل ایک لشکر ان کی مدد کے لیے روانہ کر دیا۔ اس لشکر پر چار افسر تھے جن میں سے ہر ایک ہزار بہادروں کے برابر مانا جاتا تھا۔ یہ افسر تھے حضرت زبیر بن العوام،

---

[1] مؤرخ مقریزی کا بیان ہے کہ بعد میں یہی مقام دوبارہ آباد ہو کر فسطاط کے نام سے مشہور ہوا۔

[2] بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ حضرت عمرو بن العاص نے دربارِ خلافت سے اس وقت مدد مانگی جب انہوں نے بابلیون کا محاصرہ کر رکھا تھا اور یہ اخیر سنہ ۱۹ھ کا واقعہ ہے کمک پہنچنے کے بعد محرم سنہ ۲۰ھ میں بابلیون کا قلعہ فتح ہو گیا۔ (ابن اسحاق۔ واقدی وغیرہ) اصل میں مصر کی تاریخ فتح اور اس پر فوج کشی کے بارے میں مؤرخین میں سخت اختلاف ہے۔ ہم نے مقریزی، طبری اور بلاذری کے بیانات کو ترجیح دی ہے۔

حضرت مقدادؓ بن عمرو الاسود، حضرت عبادہؓ بن صامت انصاری اور حضرت مسلمہؓ بن مخلد انصاری۔ یہ کمک بھیجتے وقت حضرت عمرؓ نے حضرت عمروؓ بن العاص کو جو خط لکھا اس کے الفاظ یہ تھے :

" چار ہزار کی کمک بھیج رہا ہوں۔ ہر ہزار پر میں نے ایسے مرد جری کو سالار مقرر کیا ہے جو خود ہزار مردوں کے مساوی ہے۔ زبیرؓ بن عوام، مقدادؓ بن الاسود، عبادہؓ بن صامت اور مسلمہؓ بن مخلد۔ اب تمہارے پاس بارہ ہزار کے برابر فوجی قوت ہے اور بارہ ہزار کے ہارنے کی وجہ قلت تعداد نہیں ہو سکتی۔" [1]

اس کمک کے پہنچنے کے بعد جلد ہی "قصر شمع" فتح ہو گیا اور حضرت عمروؓ بن العاص نے اسکندریہ کی طرف پیش قدمی شروع کر دی۔ راستے میں اشمون، عالیا، کوم، مافوف، کریون وغیرہ متعدد مقامات پر مصری فوج اسلامی لشکر کی مزاحم ہوئی لیکن ہر جگہ ہزیمت اٹھا کر پیچھے ہٹ گئی اور مسلمان یلغار کرتے ہوئے اسکندریہ کے قریب پہنچ گئے۔ اسکندریہ میں پچاس ہزار رومی فوج متعین تھی اور ایک مضبوط بحری بیڑا بھی اس کی حفاظت کے لیے موجود تھا۔ شہر میں ہتھیاروں اور خوراک کے بڑے بڑے ذخیرے بھی موجود تھے اس لیے رومیوں نے قلعہ بند ہو کر آخری دم تک مسلمانوں کا مقابلہ کرنے کا تہیہ کر لیا۔ حضرت عمروؓ بن العاص

---

[1] حسن المحاضرہ (جلال الدین سیوطیؒ) ۱/۶۴ کنز العمال۔ ۲/۱۵۱

امام لیثؒ بن سعد مصری نے بارہ ہزار فوج کی تفصیل اس طرح بیان کی ہے۔

چار ہزار حضرت عمروؓ بن العاص کے ساتھی۔

چار ہزار کمکی فوج کی تعداد

چار ہزار ـــــ کے برابر چار دل افسر (حضرت زبیرؓ، حضرت مقدادؓ، حضرت عبادہؓ اور حضرت مسلمہؓ۔ (حضرت عمر فاروقؓ کے سرکاری خطوط۔ خورشید احمد فارق)

نے شہر کا محاصرہ کرلیا۔ یہ محاصرہ روز بروز طول پکڑتا گیا اور شہر فتح ہونے میں نہ آیا۔ دورانِ محاصرہ میں مسلمانوں اور رومیوں میں کبھی کبھی جھڑپیں ہو جاتی تھیں لیکن صورتِ حال میں کوئی تبدیلی نہ ہوتی تھی۔

ایک دن رومیوں کا ایک دستہ شہر سے نکلا تو اس میں سے ایک رومی جنگجو نے آگے بڑھ کر مسلمانوں کو مقابلے کے لیے للکارا۔ حضرت مسلمہؓ بن مخلد لپک کر اس کے مقابل ہوئے لیکن بدقسمتی سے گھوڑے پر سنبھل نہ سکے اور رومی شہسوار نے ان کو زمین پر پٹخ دیا پھر اس نے ان کو قتل کرنے کے لیے تلوار اٹھائی ہی تھی کہ ایک مسلمان شہسوار نے برق رفتاری سے آگے بڑھ کر ان کو بچالیا۔

یہ واقعہ دیکھ کر حضرت عمروؓ بن العاص کو سخت غصہ آیا اور بے اختیار اُن کے منہ سے نکل گیا:

"ایسے نامردوں کو میدان رزم میں آنے کی کیا ضرورت ہے۔"

حضرت مسلمہؓ کو ان کی بات سن کر بہت دُکھ ہوا لیکن انہوں نے ضبط سے کام لیا۔ جب رومی دستے سے عام لڑائی شروع ہوئی تو مسلمانوں نے چند لمحوں کے اندر اندر اس کا منہ پھیر دیا اور وہ پیچھے ہٹتا ہٹتا قلعے کے اندر گھس گیا۔ چند منچلے مسلمان رومیوں کا تعاقب کرتے کرتے قلعے کے اندر چلے گئے۔ ان میں حضرت عمروؓ بن العاص اور حضرت مسلمہؓ بن مخلد بھی تھے۔ قلعہ کے اندر دیر تک معرکہ آرائی ہوتی رہی۔ آخر رومیوں نے اتنا دباؤ ڈالا کہ مسلمانوں کو قلعہ سے باہر نکلنا پڑا لیکن حضرت عمروؓ، حضرت مسلمہؓ اور دو دوسرے مسلمان قلعہ کے اندر رہ گئے اور رومیوں نے دروازہ بند کرلیا۔ پھر انہوں نے ان چاروں کو زندہ گرفتار کرنا چاہا مگر جب دیکھا کہ چاروں مرنے مارنے پر تیار ہیں اور کسی صورت میں زندہ ہمارے ہاتھ نہیں آئیں گے تو انہوں نے ان سے کہا کہ تم میں سے ایک آدمی ہمارے ایک آدمی کا مقابلہ کرے اگر تمہارا آدمی ہمارے آدمی پر غالب آگیا تو ہم تمہیں چھوڑ دیں گے۔

حضرت عمروؓ بن العاص نے یہ شرط منظور کر لی اور خود رومی جنگجو کے مقابلہ پر نکلنا چاہا لیکن حضرت مسلمہؓ نے ان کے کان میں کہا، آپ فوج کے سردار ہیں اگر خدا نخواستہ آپ کو کوئی ضرر پہنچ گیا تو رومیوں کے حوصلے بڑھ جائیں گے۔ آپ پیچھے رہیں میں رومی کے مقابلہ پر جاتا ہوں۔ یہ کہہ کر گھوڑا آگے بڑھایا اور رومی جنگجو کے سامنے پہنچ گئے۔ دونوں دیر تک ایک دوسرے پر وار کرتے رہے آخر حضرت مسلمہؓ نے ایک ایسا ہاتھ مارا کہ رومی شہسوار ڈھیر ہو گیا۔ رومیوں نے اقرار کے مطابق قلعہ کا دروازہ کھول دیا اور چاروں بہادر باہر آگئے۔ حضرت عمروؓ بن العاص حضرت مسلمہؓ کی بہادری سے اتنے متاثر ہوئے کہ اپنے پہلے الفاظ پر ندامت کا اظہار کیا اور ان سے معافی مانگی انہوں نے صاف دل سے معاف کر دیا۔

(۴)

تقریباً دو سال گزر گئے اور اسکندریہ فتح ہونے میں نہ آیا تو حضرت عمرؓ فاروق نے حضرت عمروؓ بن العاص کو لکھا کہ:

"میں حیران ہوں کہ تم اب تک مصر فتح نہیں کر سکے حالانکہ دو سال سے لڑ رہے ہو۔ اس کی وجہ اس کے سوا کیا ہو سکتی ہے کہ تمہارے دل میں پہلی سی لگن اور ولولہ نہیں رہا اور تم رومیوں کی طرح آرام پسند ہو گئے ہو۔ اللہ تعالیٰ کسی قوم کی صرف اسی وقت مدد کرتا ہے جب ان کے دلوں میں سچی لگن ہو۔ میں نے چار بہادر تمہاری مدد کو بھیجے تھے اور تمہیں بتایا تھا کہ ان میں سے ہر ایک ہزار مردوں کے برابر ہے۔ میں تو ان کے بارے میں یہ سمجھتا تھا، یہ بات اور ہے کہ وہ بھی اسی مایا موہ میں پھنس گئے ہوں جس میں دوسرے مبتلا ہیں۔ میرا خط پا کر تقریر کرو اور لوگوں کو ترغیب دو کہ سچی لگن اور

پامردی سے لڑیں ---- ان چار بہادروں کو فوج کے آگے
رکھو اور جمعہ کے دن زوالِ آفتاب کے بعد فیصلہ کن حملہ کر دو۔
اس وقت خدا کی رحمت نازل ہوتی ہے اور دعائیں قبول ہوتی ہیں:

حضرت عمروؓ بن العاص کو یہ خط ملا تو انہوں نے اسی کے مطابق عمل کیا اور جمعہ کے دن زوالِ آفتاب کے بعد دشمن پر زبردست حملہ کیا۔ اس وقت حضرت زبیرؓ بن العوام، حضرت مقدادؓ بن عمرو الاسود اور حضرت مسلمہؓ بن مخلد فوج کے ہراول کی قیادت کر رہے تھے اور حضرت عبادہؓ بن صامت سپہ سالار کے فرائض انجام دے رہے تھے۔ یہ حملہ اتنا تند و تیز تھا کہ بہت جلد رومیوں کے قدم اکھڑ گئے اور اسکندریہ پر مسلمانوں نے پرچم اسلام بلند کر دیا۔ اس کے بعد حضرت عمروؓ بن العاص نے اردگرد کے تمام شہر بھی فتح کر لیے اور مصر پر مسلمانوں کا مکمل استیلا ہو گیا۔

مصر کی تسخیر کے بعد حضرت مسلمہؓ بن مخلد نے وہیں اقامت اختیار کر لی لیکن چند سال کے بعد وہاں سے مدینہ منورہ آ گئے۔ حضرت عثمان ذوالنورینؓ کی شہادت کے بعد حضرت علی المرتضیٰؓ سریر آرائے خلافت ہوئے اور ان کے اور امیر معاویہؓ کے درمیان اختلاف نے شدت اختیار کر لی تو حضرت مسلمہؓ نے امیر معاویہؓ کا ساتھ دیا، اور جنگ صفین میں انہی کی طرف سے لڑے۔ حضرت علیؓ نے محمدؓ بن ابی بکرؓ کو مصر کا والی بنایا تھا۔ ۳۸ھ میں امیر معاویہؓ نے مصر پر لشکر کشی کی تو محمد بن ابی بکرؓ مقابلہ کرتے ہوئے مارے گئے اور مصر پر امیر معاویہؓ کا قبضہ ہو گیا۔ بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ امیر معاویہؓ کو مصر پر حملہ کرنے کی ترغیب دینے والوں میں حضرت مسلمہؓ بن مخلد بھی شامل تھے۔

امیر معاویہؓ نے محمد بن ابی بکرؓ کے قتل کے بعد حضرت عمروؓ بن العاص کو مصر کا گورنر بنایا۔ ان کی وفات کے بعد کچھ اور اصحاب یکے بعد دیگرے امارتِ مصر

پر فائز ہوئے۔ ۴۷ھ ہجری میں حضرت مسلمہؓ کا اس منصب پر تقرر ہوا اور وہ امیر معاویہؓ کی وفات تک مصر کے والی رہے۔ ان سے پہلے حضرت عقبہؓ بن عامر جہنیؓ مصر کے حاکم تھے۔ حضرت امیر معاویہؓ نے حضرت مسلمہؓ کو ولایت مصر کا پروانہ دے کر شام سے روانہ کیا تو انہیں تاکید کی کہ اس کو اس وقت تک عقبہؓ سے مخفی رکھیں جب تک امارت کی ذمہ داریاں نہ سنبھال لیں۔ دوسری طرف انہوں نے حضرت عقبہؓ کو حکم بھیجا کہ اپنی قیادت میں جہازوں کا ایک بڑا بیڑا لے کر جزیرہ روڈس پر حملہ کیجیے چنانچہ حضرت مسلمہؓ مصر پہنچے اور حضرت عقبہؓ کے ساتھ اسکندریہ پہنچے۔ حضرت عقبہؓ جونہی اپنا بیڑا لے کر روڈس کی طرف روانہ ہوئے۔ حضرت مسلمہؓ نے اپنی امارت کا اعلان کر دیا۔ حضرت عقبہؓ کو امارت مصر سے اپنی معزولی کا علم ہوا تو انہیں بہت رنج ہوا اور وہ یہ کہہ کر روڈس کی مہم سے دست کش ہو گئے کہ میں معزولی کی حالت میں لڑائی میں شریک نہیں ہو سکتا۔

(روڈس کو ۵۳ھ میں جنادہؓ بن ابی امیہ نے فتح کیا)

۵

حضرت مسلمہؓ بن مخلد ۴۷ھ سے ۶۲ھ تک پورے پندرہ برس مصر کے گورنر رہے[1] ان سے پہلے مصر اور افریقیہ دو الگ صوبے تھے اور ہر ایک پر الگ گورنر مقرر تھا، لیکن حضرت مسلمہؓ کو امیر معاویہؓ نے دونوں صوبوں کا گورنر بنا دیا اور اس کے ساتھ تحصیل خراج اور امور مذہبی کی نگرانی و اہتمام کے فرائض بھی انہی کے سپرد کیے گئے۔ حضرت مسلمہؓ نے اپنے فرائض

---

[1] بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ حضرت مسلمہؓ ۵۵ھ میں مصر و افریقیہ کے گورنر مقرر ہوئے اس حساب سے ان کی مدت امارت صرف سات برس بنتی ہے۔

نہایت حسن وخوبی کے ساتھ انجام دیئے۔ ملک کے اندر بھی مکمل امن وامان قائم رکھا اور بیرونی دشمنوں سے نپٹنے کے لیے بری اور بحری مہموں کا اہتمام بھی کیا۔

حافظ ابن عبدالبرؒ نے "الاستیعاب" میں لکھا ہے کہ حضرت مسلمہؓ نے معاویہ بن خدیج کو مغرب (افریقہ) کی سرحد پر غزوہ کے لیے مامور کیا لیکن دوسرے مؤرخین کا بیان ہے کہ امیر معاویہؓ نے معاویہ بن خدیج کو ۴۵ھ میں افریقہ کی تسخیر کے لیے روانہ کیا تھا اور کچھ عرصہ کے بعد ان کی جگہ عقبہ بن نافع الفہریؒ کو افریقہ کے معاملات کا ذمہ دار بنایا تھا۔ حضرت مسلمہؓ مصر اور افریقہ کے والی مقرر ہوئے تو انہوں نے اپنی طرف سے عقبہؒ کی جگہ ابوالمہاجر کو افریقہ کا حاکم مقرر کیا۔ انہوں نے افریقہ کے کئی سرکش سرداروں کو مطیع کیا۔

حضرت مسلمہؓ نے ایک دفعہ بحری لڑائی کے لیے کثیر آدمی فوج میں بھرتی کیے (غالباً اس میں انہوں نے سختی سے کام لیا) اس سے فوج میں ناراضی پھیل گئی۔ حضرت مسلمہؓ کو معلوم ہوا تو انہوں نے فوج کے سامنے ایک خطبہ دیا جس میں کہا:

"اے اہل مصر! تم لوگوں کو مجھ سے ناراض نہیں ہونا چاہیے۔ میں نے تمہاری تعداد اور مدد میں اضافہ کر کے دشمنوں کے مقابلے میں تم کو طاقتور بنایا ہے۔ خدا کی قسم (میری ذات کو غنیمت سمجھو) آئندہ زمانے میں نہایت جابر حاکم آئیں گے اس وقت کے لیے البتہ تم کو زمین میں کوئی پناہ گاہ تلاش کر لینی چاہیے۔"

(الاصابہ لابن حجرؒ)

حضرت مسلمہؓ کا خطبہ سن کر فوج کی بے چینی دور ہو گئی۔

ایک مرتبہ رومیوں نے برلس پر دھاوا بول دیا۔ حضرت مسلمہؓ نے ان

کے مقابلے کے لیے فوراً ایک لشکر روانہ کیا۔ رومیوں کی تعداد مسلمانوں سے کہیں زیادہ تھی لیکن مسلمانوں نے بڑی بے جگری سے ان کا مقابلہ کیا اور فتح پائی البتہ بہت سے مسلمانوں نے لڑائی میں شہادت پائی۔

حضرت مسلمہؓ کے عہد امارت میں جہاز سازی کا ایک بہت بڑا کارخانہ مصر میں قائم ہوا۔ اس میں جو جہاز تیار ہوئے وہ رومی بیڑے کا مقابلہ کرنے کے لیے بہت کارآمد ثابت ہوئے۔

حضرت مسلمہؓ نہایت زیرک اور مردم شناس آدمی تھے انہوں نے مختلف عہدوں پر جن لوگوں کو مقرر کیا وہ ان کے پوری طرح اہل تھے۔ اس طرح ان کے عہد امارت میں مصر کا نظم ونسق بہترین خطوط پر چلتا رہا۔ ۵۳ھ میں انہوں نے حضرت عمروؓ بن العاص کی بنوائی ہوئی جامع مسجد میں توسیع کی اور اس کو از سر نو تعمیر کرایا۔ اس کے علاوہ انہوں نے جامع مسجد اور بعض دوسری مسجدوں میں روشنی کے منارے بنوائے۔ اس کے ساتھ ہی انہوں نے مسجدوں میں حکم بھیجا کہ عشاء کی اذان سب جگہ ایک مقررہ وقت پر دی جائے اور فجر کی اذان اس طرح دی جائے کہ پہلے جامع مسجد میں کئی مؤذن اذان دیں۔ جب وہ اذان دے چکیں تو فسطاط کی ہر مسجد میں اذان دی جائے۔ اس طریقے پر بہت عرصے تک عمل ہوتا رہا لیکن پھر یہ طریقہ موقوف ہوگیا۔

علامہ سیوطیؒ کا بیان ہے کہ ایک دفعہ فسطاط میں عیسائیوں نے حضرت مسلمہؓ کی اجازت سے ایک نیا گرجا بنایا۔ فوج نے اس سلسلہ میں حضرت مسلمہؓ کی مخالفت کی تو حضرت مسلمہؓ نے یہ استدلال کیا کہ یہ گرجا مسلمانوں کی آبادی سے باہر اور عیسائیوں کی آبادی کے اندر ہے۔ اس پر فوج خاموش ہوگئی۔

سنہ ۶۰ ہجری میں امیر معاویہؓ کی وفات کے بعد یزید تخت حکومت پر بیٹھا تو اس نے بھی حضرت مسلمہؓ کو اپنے عہدے پر برقرار رکھا۔ انہوں نے اسی کے عہد حکومت میں ۲۵ رجب سنہ ۶۲ ہجری کو وفات پائی۔ (وفات

سے پہلے امارت کی ذمہ داری عابس بن سعید کے سپرد کر دی تھی) انہوں نے اپنے پیچھے کوئی صلبی اولاد نہ چھوڑی۔

علم و فضل کے اعتبار سے بہت بلند مقام رکھتے تھے۔ قرآن کریم کے حافظ تھے اور اس کو نہایت صحت کے ساتھ پڑھتے تھے۔ حدیثیں بہت کم روایت کرتے تھے اس لیے ان سے مروی صرف گنتی کی چند احادیث کتب حدیث میں ملتی ہیں۔ ان کے راویانِ حدیث میں ابو عمرانؒ، علی بن رباحؒ، مجاہد بن جبیرؒ، شیبان بن امیہؒ، عبدالرحمٰن بن شماسہؒ اور مجمع بن کعبؒ کے نام قابلِ ذکر ہیں۔

حافظ ابن حجرؒ نے "الاصابہ" میں لکھا ہے کہ ایک دفعہ حضرت عقبہؓ بن عامر جُہنیؓ ان کی ملاقات کے لیے گئے اور دوران ملاقات میں ان سے کہا، آپ کو وہ دن یاد ہے جس دن رسول اللہ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے ارشاد فرمایا تھا:

مَنْ عَلِمَ مِنْ اَخِيْهِ سَيِّئَةً فَسَتَرَهٗ سَتَرَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنِ النَّارِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔

(جس نے اپنے کسی مسلمان بھائی میں کوئی عیب دیکھا اور پھر اس کے عیب پر پردہ ڈالا تو اللہ تعالیٰ اسے قیامت کے دن جہنم کی آگ سے محفوظ رکھے گا۔) ——— (نیز یہ)

مَنْ سَتَرَ عَلٰى مُؤْمِنٍ فَكَاَنَّمَا اَحْيٰى مَيِّتًا۔

(جس نے کسی مسلمان بھائی عیب کو چھپایا اس نے گویا مردہ زندہ کیا)

حضرت مسلمہؓ نے اس کی تصدیق کی تو حضرت عقبہؓ بن عامر نے فرمایا، میں اسی مقصد کے لیے یہاں آیا تھا (یعنی اس حدیث کی تصدیق کرانے کے لیے)۔

مسندِ احمد میں یہ واقعہ اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ حضرت ابو ایوب انصاریؓ "ستر المسلم" کی حدیث کے لیے مصر گئے۔ پہلے حضرت مسلمہؓ سے ملے اور پھر حضرت عقبہؓ بن عامر کے پاس جا کر اس حدیث کی تصدیق کرائی۔

امام سیوطیؒ کا بیان ہے کہ "ستر المسلم" کی حدیث کی تصدیق کے لیے حضرت سائبؓ بن خلاد مصر گئے تھے۔ پہلے حضرت مسلمہؓ سے ملے۔ انہوں نے مہمان بنانا چاہا لیکن سائبؓ نے کہا کہ پہلے عقبہؓ بن عامر سے میری ملاقات کروا دیجئے۔ وہ ایک گاؤں میں مقیم تھے۔ سائبؓ (حضرت مسلمہؓ کے ساتھ) وہاں گئے اور اس حدیث کی تصدیق کرا کے واپس آئے۔ (حسن المحاضرہ جلد ۱ صفحہ ۱۸۶)

اس حدیث کی تصدیق کے سلسلے میں طبرانیؒ نے ایک واقعہ خود حضرت مسلمہؓ بن مخلد کی زبانی اس طرح نقل کیا ہے:

"(مسلمہؓ بن مخلد کہتے ہیں کہ) میں مصر میں حاکم تھا۔ ایک دن دربان نے آکر کہا کہ ایک اعرابی اونٹ پر سوار ہے اور دروازہ پر کھڑا ہے وہ اجازت طلب کر رہا ہے۔ میں نے بلند آواز سے پوچھا تم کون ہو؟ اس سوار نے کہا میں جابر بن عبداللہ انصاری ہوں۔ میں نے انہیں جھانک کر دیکھا اور کہا کہ میں اتر کر آپ کے پاس آؤں یا آپ اوپر چڑھیں گے؟ انہوں نے کہا، نہ تم نیچے اترو اور نہ میں اوپر چڑھوں، ایک حدیث ہے۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم اسے رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے روایت کرتے ہو۔ یہ حدیث مومن کی پردہ پوشی کے بارے میں ہے۔ میں اس لیے یہاں آیا ہوں کہ یہ حدیث تمہاری زبان سے سنوں۔ میں نے کہا، ہاں میں نے رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے سنا ہے کہ جس نے کسی مومن کے کسی عیب کی پردہ پوشی کی تو اس نے زندہ درگور کی ہوئی لڑکی کو زندہ کیا ——— یہ حدیث سننے کے بعد حضرت جابرؓ نے اپنے وطن کو مراجعت کی۔" (حیات الصحابہ بحوالہ طبرانی فی الاوسط)

ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ بڑے بڑے جلیل القدر صحابہ کو دوسروں سے حدیث پوچھنے میں کوئی عار نہیں تھی اور وہ اس سلسلے میں طویل سفر کی صعوبتیں بھی برداشت کر لیتے تھے چنانچہ صرف ایک حدیث کی تصدیق کے لیے کئی اکابر صحابہ نے طویل سفر کے بعد حضرت مسلمہؓ بن مخلد کی طرف رجوع کیا حالانکہ ان کا شمار اصاغر صحابہ میں تھا۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

کتابیات

اس کتاب کی تالیف میں جن کتابوں سے براہِ راست یا بالواسطہ استفادہ کیا گیا ہے ان کے نام یہ ہیں:

۱۔ صحیح بخاری
۲۔ صحیح مسلم
۳۔ سُنن ابی داؤد
۴۔ مُسندِ احمد بن حنبل
۵۔ جامع ترمذی
۶۔ مشکوٰۃ المصابیح ——— شیخ ولی الدین محمد بن عبداللہ خطیب عمری
۷۔ الاصابہ فی تمیز الصحابہ ——— حافظ ابنِ حجر عسقلانی
۸۔ الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب ——— حافظ ابن عبدالبر اندلسی
۹۔ فتوح البلدان ——— ابوالحسن احمد بن یحییٰ بلاذری
۱۰۔ الطبقات الکبیر ——— ابنِ سعد
۱۱۔ اُسدُ الغابہ فی معرفۃِ الصحابہ ——— ابنِ اثیر جزری
۱۲۔ الاخبار الطوال ——— ابو حنیفہ احمد بن داؤد دینوری
۱۳۔ تاریخ طبری ——— امام محمد بن جریر طبری
۱۴۔ المستدرک ——— امام ابو عبداللہ حاکم نیشاپوری
۱۵۔ تاریخ الکامل ——— ابن اثیر
۱۶۔ البدایہ والنہایہ ——— حافظ ابن کثیر

۱۷۔ معارف الحدیث (۷ حصے) ـــــ مولانا محمد منظور نعمانی
۱۸۔ حیاۃ الصحابہؓ ـــــ مولانا محمد یوسف کاندھلویؒ
۱۹۔ سیرتِ کبریٰ (دو جلد) ـــــ مولانا ابوالقاسم رفیق دلاوریؒ
۲۰۔ المشاہد ـــــ حکیم رحمان علی مرحوم
۲۱۔ محدثین عظام اور ان کے علمی کارنامے ـــــ مولانا تقی الدین ندوی مظاہری
۲۲۔ الفاروق ـــــ شبلی نعمانیؒ
۲۳۔ حضرت عمر فاروقؓ کے سرکاری خطوط ـــــ خورشید احمد فارق
۲۴۔ دائرہ معارفِ اسلامیہ اردو (مختلف جلدیں) پنجاب یونیورسٹی لاہور
۲۵۔ سیر انصار (جلد اوّل) ـــــ مولانا سعید انصاری مرحوم
۲۶۔ سیر انصار (جلد دوم) ـــــ مولانا سعید انصاری مرحوم
۲۷۔ مہاجرین (جلد دوم) ـــــ شاہ معین الدین احمد ندوی مرحوم
۲۸۔ سیر الصحابہؓ (جلد ہفتم) ـــــ شاہ معین الدین احمد ندوی مرحوم
۲۹۔ فرامینِ نبوی (ترجمہ و شرح مکاتیب النبیؐ تالیف امام ابوجعفر دیبلی)
ـــــ مولانا محمد عبدالشہید نعمانی
۳۰۔ خلافتِ راشدہ اور ہندوستان ـــــ قاضی اطہر مبارکپوری
۳۱۔ خلافتِ امویہ اور ہندوستان ـــــ قاضی اطہر مبارکپوری
۳۲۔ تاریخ اسلام (جلد دوم) ـــــ شاہ معین الدین احمد ندویؒ
۳۳۔ رحمۃ للعالمینؐ (جلد دوم) ـــــ قاضی محمد سلیمان سلمان منصورپوریؒ
۳۴۔ تاریخ سندھ ـــــ مولانا سید ابوظفر ندوی مرحوم
۳۵۔ سیر الصحابہ (جلد ششم) ـــــ شاہ معین الدین احمد ندویؒ

٥١٦

سیر الصحابہؓ کے موضوع

پر

طالب الہاشمی کی دوسری تالیفات

تیس پروانے شمع رسالتؐ کے

اس کتاب میں مندرجہ ذیل تیس جلیل القدر صحابہؓ کے حالات شامل ہیں:

۱۔ حضرت زیدؓ بن حارثہ۔ محبوب رسول (صلی اللہ علیہ وسلم)
۲۔ حضرت زبیرؓ بن العوام۔ حواری رسول (صلی اللہ علیہ وسلم)
۳۔ حضرت مقدادؓ بن عمرو (الاسود)
۴۔ حضرت مصعبؓ بن عمیر
۵۔ حضرت ابوذر غفاریؓ خلیل رسول (صلی اللہ علیہ وسلم)
۶۔ حضرت سلمان الخیر فارسیؓ
۷۔ حضرت ابن ام عبدؓ ——— فقیہ الامت
۸۔ حضرت حذیفہؓ بن الیمان ——— صاحب السر
۹۔ حضرت خبابؓ بن الارت ——— سادس الاسلام
۱۰۔ حضرت عتبہؓ بن غزوان
۱۱۔ حضرت عثمانؓ بن مظعون
۱۲۔ حضرت صہیب رومیؓ ——— نعم العبد
۱۳۔ حضرت ابو عبداللہ سالمؓ
۱۴۔ حضرت طفیل ذوالنورؓ
۱۵۔ حضرت سعدؓ بن معاذ ——— صدیق انصار
۱۶۔ حضرت ابو ایوب انصاریؓ ——— میزبان رسول (صلی اللہ علیہ وسلم)
۱۷۔ حضرت خبیبؓ انصاری ——— بلیع الارض
۱۸۔ حضرت اسیدؓ بن حضیر اشہلی ——— نعم الرجل
۱۹۔ حضرت ضرارؓ بن ازور اسدی ——— ضیغم اسلام
۲۰۔ حضرت مثنیٰؓ بن حارثہ
۲۱۔ حضرت عدیؓ بن حاتم طائی
۲۲۔ حضرت جریرؓ بن عبداللہ البجلی
۲۳۔ حضرت صخرؓ بن حرب ——— سپہ سالار قریش
۲۴۔ حضرت ثابت بن قیس انصاری ——— خطیب رسول (صلی اللہ علیہ وسلم)
۲۵۔ حضرت عمیرؓ بن سعد ——— یکتائے زمانہ
۲۶۔ حضرت عمروؓ بن امیہ ضمری
۲۷۔ حضرت سہیلؓ بن عمرو ——— خطیب قریش
۲۸۔ حضرت سعیدؓ بن عامر
۲۹۔ حضرت ابوطلحہ زیدؓ بن سہل انصاری
۳۰۔ حضرت ابوقتادہ حارثؓ بن ربعی ——— فارس رسول (صلی اللہ علیہ وسلم)

ضخامت ۵۱۲ صفحات ——— مجلد سنہری ڈائی دار۔ کاغذ کتابت طباعت عمدہ

خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم کے

چالیس جاں نثار

اس کتاب میں مندرجہ ذیل چالیس صحابہ کرام رض کے حالات شامل ہیں :

۱- سید الشہداء حضرت حمزہؓ بن عبد المطلب ـــ اسد اللہ و اسد رسولہ
۲- حضرت بلالؓ بن رباح
۳- حضرت سعیدؓ بن زید
۴- حضرت شرحبیلؓ بن حسنہؓ
۵- حضرت عبد اللہؓ بن جحش ـــ المجدع فی اللہ
۶- حضرت ابو سلمہؓ بن عبد الاسد
۷- حضرت ابن ام مکتومؓ
۸- حضرت ارقمؓ بن ابی ارقم
۹- حضرت عبیدہؓ بن حارث ـــ شیخ المہاجرین
۱۰- حضرت حاطبؓ بن ابی بلتعہ
۱۱- حضرت عکاشہؓ بن محصن
۱۲- حضرت عبد اللہؓ بن مخرمہ
۱۳- حضرت ثمامہؓ بن اثال
۱۴- حضرت سلمہؓ بن اکوع ـــ صاحب غابہ
۱۵- حضرت عمروؓ بن عبسہ
۱۶- حضرت عبد اللہؓ بن ابی بکرؓ
۱۷- حضرت ابو رہمؓ غفاری
۱۸- حضرت ضمامؓ بن ثعلبہ
۱۹- حضرت کعبؓ بن مالک انصاری
۲۰- حضرت ابیؓ بن کعب انصاری ـــ سید المسلمین
۲۱- حضرت زیدؓ بن ارقم
۲۲- حضرت براءؓ بن مالک
۲۳- حضرت عبد اللہؓ بن عمرو بن حرام
۲۴- حضرت سماکؓ بن خرشہ (ابو دجانہ)
۲۵- حضرت عبد اللہؓ بن رواحہ
۲۶- حضرت عمروؓ بن جموح ـــ سید الانصار
۲۷- حضرت معاذؓ بن جبل
۲۸- حضرت قتادہؓ بن نعمان
۲۹- حضرت ابو لبابہ رفاعہؓ بن عبد المنذر
۳۰- حضرت عبد اللہؓ بن سلام
۳۱- حضرت سعدؓ بن ربیع
۳۲- حضرت حبیبؓ بن زید
۳۳- حضرت بشیرؓ بن سعد انصاری
۳۴- حضرت خزیمہؓ بن ثابت خطمی ـــ ذو الشہادتین
۳۵- حضرت عبد الرحمنؓ بن ابو بکر صدیقؓ
۳۶- حضرت ضحاکؓ بن سفیان ـــ سیاف رسول
۳۷- حضرت عتابؓ بن اسید
۳۸- حضرت عبد الرحمنؓ بن سمرہ
۳۹- حضرت قیسؓ بن عاصم منقری
۴۰- حضرت تمیمؓ بن اوس داری ـــ خیر اہل المدینہ

ضخامت ۸۰۰ صفحات مجلد سنہری ڈائی دانکا غذ کتابت طباعت عمدہ۔

مؤلفہ طالب ہاشمی

رحمتِ دارین کے سو شیدائی رضی اللہ عنہم

اس کتاب میں مندرجہ ذیل ایک سو ایک صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے حالات شامل ہیں:

۱۔ حضرت ابو عبیدہؓ بن الجراح — امین الامت
۲۔ حضرت سعدؓ بن ابی وقاص — شہسوارِ اسلام
۳۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف الزہری
۴۔ حضرت طلحہ الخیرؓ — صاحبِ اُحد
۵۔ حضرت جعفر طیارؓ — ذوالجناحین
۶۔ حضرت عمیرؓ بن ابی وقاص
۷۔ حضرت عامرؓ بن فہیرہ
۸۔ حضرت اُسامہؓ بن زیدؓ — محبوبِ رسولؐ
۹۔ حضرت ثمامہؓ بن عثمان — رُخِ تاباں
۱۰۔ حضرت ہشیمؓ بن عتبہ۔ ابو حذیفہؓ
۱۱۔ حضرت عامرؓ بن ربیعۃ العنزی
۱۲۔ حضرت سہیلؓ بن بیضاء
۱۳۔ حضرت زیدؓ بن خطاب (برادرِ فاروقِ اعظمؓ)
۱۴۔ حضرت ابو فکیہہ یسار ازدیؓ
۱۵۔ حضرت ابو قیسؓ بن حارث سہمی
۱۶۔ حضرت عبداللہؓ بن حذافہ سہمی
۱۷۔ حضرت خالدؓ بن سعید اُموی
۱۸۔ حضرت اخرمؓ اسدی
۱۹۔ حضرت معمرؓ بن عبداللہ
۲۰۔ حضرت عیاشؓ بن ابی ربیعہ — راہِ حق کے تین مسافر
۲۱۔ حضرت سلمہؓ بن ہشام — راہِ حق کے تین مسافر
۲۲۔ حضرت ولیدؓ بن ولید — راہِ حق کے تین مسافر
۲۳۔ حضرت وہبؓ بن قابوس مزنی
۲۴۔ حضرت ذوالبجادینؓ
۲۵۔ حضرت بریدہؓ بن الحصیب
۲۶۔ حضرت نعیمؓ بن مسعود اشجعی
۲۷۔ حضرت عروہؓ بن مسعود ثقفی — ہم شبیہ مسیحؑ
۲۸۔ حضرت عامرؓ بن اکوع
۲۹۔ حضرت اسلم حبشیؓ
۳۰۔ حضرت ابو محذورہ جمحیؓ
۳۱۔ حضرت حارثؓ بن ہشام
۳۲۔ حضرت نوفلؓ بن حارث
۳۳۔ حضرت عبداللہؓ بن ارقم زہری
۳۴۔ حضرت ابو محجن ثقفیؓ
۳۵۔ حضرت عبداللہؓ بن مُغفل مزنی
۳۶۔ حضرت حنظلہؓ بن ربیع — کاتبِ رسول اللہ
۳۷۔ حضرت عمروؓ بن مرّۃ جہنی
۳۸۔ حضرت سعد الاسود سہمیؓ
۳۹۔ حضرت سُراقہ بن جعشم مدلجی
۴۰۔ حضرت عکرمہؓ بن عمرو مخزومی
۴۱۔ حضرت عثمانؓ بن ابی العاص ثقفی
۴۲۔ حضرت فراس الاقرع تمیمیؓ
۴۳۔ حضرت کعبؓ بن زہیر مزنی
۴۴۔ حضرت لبیدؓ بن ربیعہ عامری
۴۵۔ حضرت مہجعؓ بن صالح
۴۶۔ حضرت خنیسؓ بن حذافہ
۴۷۔ حضرت سعدؓ بن خولی
۴۸۔ حضرت ضماد الازدیؓ
۴۹۔ حضرت مسلمؓ بن حارث تمیمی
۵۰۔ حضرت زاہرؓ بن حرام اشجعی

۵۱- حضرت عمرؓ بن سراقہ عدوی
۵۲- حضرت اسعدؓ بن زرارہ انصاری
۵۳- حضرت ذکوانؓ بن عبدقیس الزرقی انصاری
۵۴- حضرت عبادہؓ بن صامت انصاری
۵۵- حضرت جابرؓ بن عبداللہؓ انصاری
۵۶- حضرت نعمان الاعرج انصاریؓ
۵۷- حضرت براءؓ بن معرور انصاری
۵۸- حضرت بشرؓ بن براءؓ انصاری
۵۹- حضرت اوسؓ بن ثابت انصاری
۶۰- حضرت انسؓ بن مالک انصاری خادم رسول اللہ
۶۱- حضرت مبشرؓ بن عبدالمنذر انصاری
۶۲- حضرت نعمانؓ بن مالک انصاری
۶۳- حضرت سعد بن عبادہ ساعدی انصاری
۶۴- حضرت حارثؓ بن صمہ انصاری
۶۵- حضرت براءؓ بن عازبؓ انصاری
۶۶- حضرت انسؓ بن نضر انصاری
۶۷- حضرت عبادؓ بن بشر انصاری
۶۸- حضرت جبارؓ بن صخر انصاری
۶۹- حضرت حارثہؓ بن سراقہ انصاری
۷۰- حضرت ابوالیسر کعبؓ بن عمرو انصاری
۷۱- حضرت محمدؓ بن مسلمہ انصاری
۷۲- حضرت عاصمؓ بن ثابت انصاری
۷۳- حضرت عبداللہؓ بن جبیر انصاری
۷۴- حضرت خواتؓ بن جبیر انصاری
۷۵- حضرت قطبہؓ بن عامر انصاری
۷۶- حضرت خلادؓ بن سوید انصاری
۷۷- حضرت خارجہؓ بن زید انصاری
۷۸- حضرت عتبانؓ بن مالک انصاری
۷۹- حضرت حبابؓ بن منذر انصاری
۸۰- حضرت جلیبیب انصاریؓ
۸۱- حضرت سلمہؓ بن سلامہ انصاری
۸۲- حضرت حنظلہؓ بن ابی عامر انصاری۔ غسیل الملائکہ
۸۳- حضرت منذرؓ بن عمرو انصاری
۸۴- حضرت عمرو الاصیرمؓ انصاری
۸۵- حضرت معنؓ بن عدی بلوی
۸۶- حضرت طلحہؓ بن البراء انصاری
۸۷- حضرت قیسؓ بن سعد ساعدی
۸۸- حضرت سعدؓ بن خیثمہؓ انصاری
۸۹- حضرت کعبؓ بن عجرہ بلوی
۹۰- حضرت سعدؓ بن حبتہ بلوی
۹۱- حضرت عویمؓ بن ساعدہ انصاری
۹۲- حضرت عبادؓ بن قیس انصاری
۹۳- حضرت زیدؓ بن دثنہ انصاری
۹۴- حضرت عمروؓ بن اخطب انصاری
۹۵- حضرت ثابتؓ بن وداح بلوی
۹۶- حضرت عمیرؓ بن حمام انصاری
۹۷- حضرت زیادؓ بن سکن اشہلی انصاری
۹۸- حضرت عمارہؓ بن زیاد اشہلی انصاری
۹۹- حضرت ثعلبہؓ بن عنمہ انصاری
۱۰۰- حضرت عبداللہؓ بن زیدؓ انصاری۔ صاحب الاذان
۱۰۱- حضرت ابواسید انصاریؓ

ضخامت ۴۰۴ صفحات مجلد سنہری ڈائی دار، کاغذ کتابت طباعت عمدہ۔